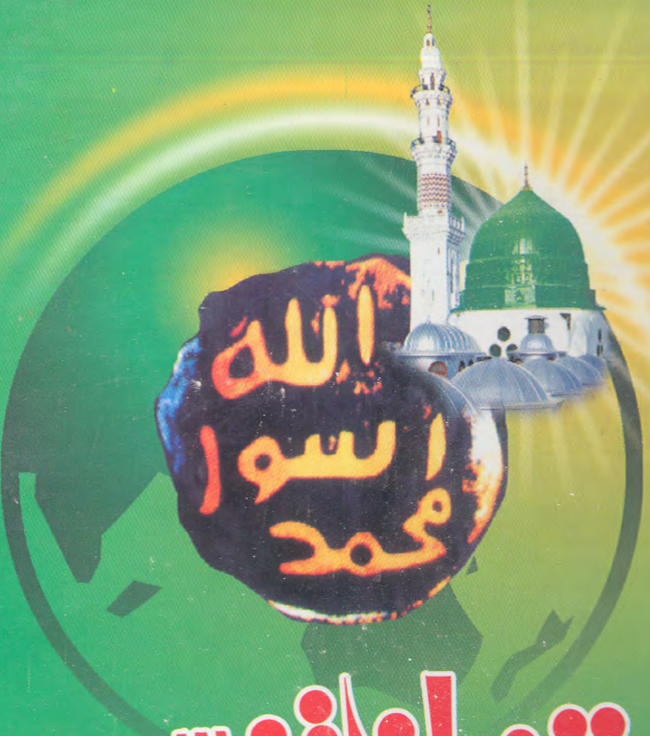

تحفظِ ختمِ نبوّت
اہمیّت اور فضیلت

دینی غیرت و حمیّت پر مبنی ایک فِکر انگیز دستاویز

محمد متین خالد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحفظِ ختمِ نبوّت

اہمیت اور فضیلت

ہر مسلمان، بروزِ محشر حضور خاتم النبیین ﷺ کی شفاعت کا طلبگار ہے۔ لیکن سوچنا چاہیے کہ شفاعتِ رسول ﷺ بھی اپنا حق مانگتی ہے یعنی ہر دل سے موسم گل کی زرخیزی کا سامان طلب کرتی ہے...... یہ کتاب اسی دردِ دل اور سوزِ جگر کے ساتھ لکھی گئی ہے...... پس اس متاعِ درد و سوزِ آرزومندی کو آگے سے آگے تقسیم کیجئے کہ پست اذانیں رعدِ بلالیؓ بن جائیں...... یہ کتاب آپ کے لیے بھی ہے...... آپ کے احباب کے لیے بھی...... آپ کے پڑوسیوں اور اقرباء کے لیے بھی...... بلکہ ہر مسلمان کے لیے یہ ایک گرانقدر تحفہ ہے...... اسے پڑھیے...... سمجھیے...... اور اس کی روشنی کو پھیلایئے...... شفاعتِ محمدی ﷺ آپ کی منتظر ہے!

تحفظِ ختمِ نبوّت
اہمیّت اور فضیلت

دینی غیرت وحمیت پر مبنی ایک فکر انگیز دستاویز

محمد متین خالد

إِدَارَہ تَالِیْفَاتِ خَتْمِ نُبُوَّة

38- غزنی سٹریٹ اُردو بازار، لاہور۔ فون: 0300-4162266

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب	تحفظِ ختمِ نبوت میں صحافت
مصنف	محمد متین خالد
ناشر	اِدارہ تالیفاتِ ختمِ نبوّة 38-غزنی سٹریٹ اُردو بازار، لاہور
قانونی مشیر	محمد نوید شاہین ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
مطبع	جوہر رحمانیہ پرنٹرز، لاہور
سرورق	رفاقت علی
کمپوزنگ	تاج کمپوزنگ سنٹر، لاہور
سن اشاعت اوّل **2007**ء	سن اشاعت دوئم (ترمیم واضافہ کے ساتھ صحیح شدہ ایڈیشن) **2008**ء
سن اشاعت سوئم (ترمیم واضافہ کے ساتھ صحیح شدہ ایڈیشن) **2009**ء	
قیمت	**-/250** روپے

ملنے کا پتہ

اِدارہ تالیفاتِ ختمِ نبوّة

38-غزنی سٹریٹ اُردو بازار، لاہور۔ فون: 0300-4162268

علم وعرفان پبلشرز

34۔ اردو بازار، لاہور، فون: 7352332-7232336-8405100

فہرست

- انتساب 17
- کارکنانِ تحفظِ ختم نبوت کے لیے ایک گرانقدر تحفہ حضرت خواجہ خان محمد مدظلہ 19
- تحفظِ ختم نبوت...... جنت کا راستہ محمد متین خالد 21
- بے شمار دعائیں اور نیک تمنائیں 23

- مقامِ مصطفیٰ ﷺ 25
- عقیدۂ ختم نبوت، قرآن وحدیث کی روشنی میں 42
- کلمہ شہادت کی طرح عقیدۂ ختم نبوت بھی ایمان کا جزو ہے 46
- کلمہ طیبہ: دونوں جزوں میں پوشیدہ حکمتیں اور عجائب 47
- توحید ورسالت ﷺ اور عقیدہ ختم نبوت 48
- جھوٹے مدعیانِ نبوت اور ان کے پیروکاروں
کے خلاف صحابہ کرامؓ کا جہاد 50

اسود عنسی	52
طلیحہ اسدی	59
سجاح بنتِ حارث	66
مسیلمہ کذاب	69
جنگِ یمامہ، تحفظ ختم نبوت کی پہلی جنگ	76
مرزا قادیانی کا دعویٰ نبوت اور ہرزہ سرائیاں	88
اللہ تعالیٰ کی توہین	91
حضور نبی کریم ﷺ کی توہین	91
حضرت امام حسینؓ کی توہین	98
حضرت علیؓ کی توہین	100
حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی توہین	101
سیّد کون؟	101
قرآن مجید کی توہین	102
مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کی توہین	103
قادیانی، مسلمانوں کو کیا سمجھتے ہیں؟	103
حضور نبی کریم ﷺ سے محبت وعقیدت، ایمان کی بنیاد	106
صحابہ کرامؓ کا عشق رسول ﷺ	114
کنیز عورت کا قبولِ اسلام اور درسِ استقامت	114
حضرت عاصمؓ	115
حضرت زیدؓ	116
حضرت خبیبؓ بن عدی	117

- ❑ حضرت اُمِ عمارہؓ 119
- ❑ حضرت اُمِ سلیمؓ 120
- ❑ حضرت اصیرم عمروؓ بن ثابت انصاری 121
- ❑ حضرت طلحہؓ 123
- ❑ حضرت زیادؓ بن سکن 125
- ❑ حضرت زبیر بن عوامؓ 125
- ❑ حضرت سعدؓ بن ربیع 127
- ❑ حضرت قتادہ بن نعمانؓ 127
- ❑ حضرت ابودجانہؓ 128
- ❑ حضرت رافعؓ اور حضرت سمرہؓ بن جندبؓ 128
- ❑ حضرت معاذؓ اور حضرت معوذؓ 129
- ❑ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص 129
- ❑ حضرت زبیرؓ 133
- ❑ تحفظِ ختم نبوت کے ایمان افروز اور تاریخی حقائق و واقعات 134
- ❑ حضرت عمر فاروق ؓ کی خواہش 134
- ❑ پہلے شہید ختم نبوت، حضرت حبیبؓ بن زیدؓ 135
- ❑ سب سے پہلے اسیر ختم نبوت 135
- ❑ حضرت ابومسلم خولانیؒ 135
- ❑ حضرت مولانا عمادالدین غوریؒ 137
- ❑ سلطان عبدالمجید خانؒ 137
- ❑ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ 138

معتصم	139
عمرو بن اللیثؒ	139
حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ	140
حضرت پیر سیّد جماعت علی شاہؒ	142
حضرت اعلیٰ مولانا ابوالسعد احمد خانؒ	145
حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ	145
حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ	146
امیر حبیب اللہ خاں والیٔ افغانستان	147
حضرت علامہ سیّد محمد انور شاہ کشمیریؒ	148
علامہ محمد اقبالؒ	156
قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ	159
مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ	161
مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ	163
مولانا سیّد محمد علی مونگیریؒ	163
حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ	165
حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ	166
امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ	168
مولانا ظفر علی خانؒ	180
حضرت مولانا لال حسین اخترؒ	182
شیخ الاسلام حضرت خواجہ قمر الدین سیالویؒ	185
قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ	185

مولانا محمد علی جالندھریؒ	187
مولانا حافظ نواب الدین شکوہیؒ	191
مولانا عبدالستار خاں نیازیؒ	192
صاحبزادہ سیّد فیض الحسن شاہؒ	194
حضرت مولانا سیّد ابوالحسنات شاہ قادریؒ	194
حضرت مولانا سیّد خلیل احمد قادریؒ	195
حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ	202
آغا شورش کاشمیریؒ	202
مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ	203
مولانا گلزار احمد مظاہریؒ	204
حضرت مولانا تاج محمودؒ	206
حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ	208
مولانا مفتی محمودؒ	209
مولانا شاہ احمد نورانیؒ	209
وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو	213
صدر جنرل محمد ضیاء الحق	223
علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ	227
حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ	227
سیّد نور الحسن شاہؒ	229
مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ اور صوفی برکت علیؒ سالار والے	230
حضرت میاں عبدالہادیؒ	231

- حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہٗ 231
- مولانا سیّد شمس الدین شہیدؒ 234
- مولانا غلام غوث ہزارویؒ 235
- مولانا ظفر احمد عثمانیؒ 236
- حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ 237
- حضرت پیر فیض الحسن تنویرؒ 238
- حضرت مولانا محمد یوسف المعروف حضرت جیؒ 239
- حضرت مولانا محمد زکریا سہارنپوریؒ 240
- حضرت مولانا محمد عمر پالن پوریؒ 240
- حضرت مولانا نذر الرحمٰن مدظلہٗ 240
- حضرت سیّد انور حسین نفیس الحسینی مدظلہٗ 241
- سر عمر حیات ٹوانہ 242
- نواب محمد صادق والیٔ ریاست بہاولپور 242
- حضرت مولانا مفتی محمد حسن مدظلہٗ 243
- مستری برکت علی مغلؒ 245
- حضرت علامہ علاؤ الدین صدیقیؒ 246
- سیّد ذاکر حسین شاہ 248
- حضرت مولانا محمد عارفؒ 249
- جناب طارق محمود 249
- جناب ایچ ساجد اعوان 250
- مولانا قاضی مظہر حسینؒ 250

- محمد سرور مجاہد 252
- پروفیسر چودھری فضل احمد 253
- اختر شیرانی 254
- صبا حسین چودھری 256
- تحریک ختم نبوت 1953ء کے ایمان افروز واقعات 257
- غدارانِ ختم نبوت کا انجام 264
- غازی علم الدین شہیدؒ 270
- غازی علم الدین شہیدؒ اور قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ 273
- غازی محمد صدیق شہیدؒ 275
- غازی عبدالرشید شہیدؒ 277
- غازی عبدالقیوم شہیدؒ 278
- غازی مرید حسین شہیدؒ 280
- غازی میاں محمد شہیدؒ 281
- غازی محمد عبداللہ شہیدؒ 282
- غازی منظور حسین شہیدؒ 284
- غازی حاجی محمد مانکؒ 284
- غازی عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہیدؒ 287
- سر محمد شفیع 290
- فتنوں سے لڑنے والوں کا مقام 290
- عقیدۂ ختم نبوت کے لیے کام کرنے والوں کے لیے خصوصی انعام 296
- تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ 297

- ❑ کافروں کی ذلت و رسوائی پر خوش ہونا سنت نبوی ﷺ ہے 299
- ❑ صحابۂ کرامؓ اور اکابرین امت کی غیرت رسول ﷺ 299
- ❑ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عروہ بن مسعود ثقفی 299
- ❑ سیدنا حضرت عمر فاروقؓ اور ایک منافق امام مسجد 300
- ❑ سلطان نورالدین زنگیؒ 301
- ❑ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ اور پرنس ریجی نالڈ 304
- ❑ قرآن مجید اور ولید بن مغیرہ 305
- ❑ گستاخانِ رسولؐ سے نفرت 306
- ❑ حضرت حسانؓ بن ثابت کی گستاخانِ رسول کے خلاف شاعری 309
- ❑ کافروں سے دوستی یا دشمنی؟؟؟ 314
- ❑ حضرت عبداللہؓ اور ان کا والد عبداللہ بن ابی منافق 324
- ❑ حضرت عمر فاروقؓ اور ایک منافق 326
- ❑ حضرت عبداللہ ابن اُمِ مکتومؓ اور ان کی لونڈی 326
- ❑ حضرت عمیر بن عدیؓ اور عصماء بنت مروان 327
- ❑ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ اور ان کا مشرک باپ 328
- ❑ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کا فرزند 328
- ❑ حضرت زینبؓ اور ہبار بن اسود 329
- ❑ فتح مکہ کے روز جن اشخاص کو مباح الدم (واجب القتل) قرار دیا گیا 329
- ❑ گستاخانِ رسولؐ کی سرکوبی 331
- ❑ سیّدنا عبداللہ بن عتیکؓ اور گستاخ رسول ابورافع یہودی 331
- ❑ سیّدنا محمدؓ بن مسلمہ انصاری اور گستاخ رسول کعب بن اشرف یہودی 333

- پہلے مجاہد ختم نبوت حضرت فیروز دیلمیؓ اور مدعی نبوت اسود عنسی 336
- حضرت ابوبکر صدیقؓ اور مدعی نبوت طلیحہ اسدی 338
- دُنیا اور موت کی حقیقت 339
- قبر اور دوزخ کا حال 350
- جنت کا حال 358
- حضور نبی کریم ﷺ کی اپنی امت سے بے پناہ محبت اور شفقت 364
- شفاعت رسول کریم ﷺ 373
- رحمت عالم ﷺ اور ہم 381
- تحفظِ ختم نبوت کا کام...... امر بالمعروف و نہی عن المنکر 382
- پہرہ دینے کی فضیلت اور تحفظِ ختم نبوت 395
- قادیانیوں کی کم از کم سزا...... مکمل سماجی و معاشی بائیکاٹ 398
- صحابہ کرامؓ کی لغزش پر ان کا بائیکاٹ 399
- اُم المومنین حضرت اُم حبیبہؓ اور ان کے والد حضرت ابوسفیانؓ 403
- حضرت ربیعؓ بنت معوذؓ کی غیرت دینی 404
- مسجد ضرار 405
- سوشل بائیکاٹ کی شرعی حیثیت 406
- قادیانیوں سے بائیکاٹ کا انعام 417
- تحفظِ ختم نبوت کا کام کرنے کی اہمیت اور فضیلت 420
- خلیفہ ہارون الرشید اور حضرت بہلولؒ 422
- تحفظِ ختم نبوت کا کام کرنے والے کارکنان کی حوصلہ شکنی کرنے والوں کی سزا 424

❑ سلطان محمودؒ غزنوی اور سومنات کا بُت	447
❑ حضرت سفینہؓ اور شیر	448
❑ حضرت عقبہ بن نافعؓ اور جنگل کے جانور	448
❑ حضرت جنید بغدادیؒ اور آلِ رسول ﷺ کا احترام	449
❑ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بلبل	451
❑ حضرت یوسف علیہ السلام اور غریب بڑھیا	452
❑ اللہ تعالیٰ کا عذاب کیوں نہیں آتا؟	453
❑ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا فرمان	455
❑ بادشاہ اور بہروپیا	457
❑ حمیّت نام ہے جس کا......	460
❑ خوش نصیب جھنڈا	461
❑ تحفظ ختم نبوت.......... جنت کا راستہ	463
❑ ایک ناقابل یقین یادگار واقعہ	465
❑ حضرت ابنِ انیسؓ اور گستاخ رسول خالد الھذلی	466
❑ حدیث الغار	468
❑ غیرت مند کتا اور عیسائی پادری	471
❑ چور کی ثابت قدمی اور امام احمد بن حنبلؒ	473
❑ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ کا فتویٰ	475
❑ حضرت علیؓ کا فہم وفراست سے بھرپور سبق آموز اہم فیصلہ	477
❑ ایک فکر انگیز تاریخی واقعہ......	478
❑ بدعتی کی عزت......؟	488

حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کا مکالمہ	489
علامہ اقبالؒ، نامۂ اعمال اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ	490
حضرت امام حنبلؒ کی ستر پوشی	491
اونٹوں کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے والہانہ محبت وعقیدت	492
بیل کی دُم اچھی یا......؟	492
سلطان محمود غزنوی اور غلام ایاز	493
کی محمد ﷺ سے وفا......	493
فتنۂ قادیانیت...... مارِ آستیں	497
اگر آپ......	499
تمھیں محمد ﷺ کا عشق اب بھی پکارتا ہے!	505
مآخذ	508

پھول بغیر کانٹے کے نہیں ہوتا۔ آپ کتنا ہی نیک کام کیوں نہ کریں،
نکتہ چیں اپنی نیش زنی سے باز نہیں آتے۔

حاسد حسد کی آگ میں ہر دم جلا کرے
وہ شمع کیا، جسے روشن خدا کرے

انتساب!

وہ دونوں بزرگ دیکھنے میں بڑے بھولے بھالے اور سیدھے سادے،
بالکل کسی خانقاہ کے پختہ مزاج صوفی کی طرح......لیکن......

- تحفظ ناموسِ رسالت ﷺ کے معاملہ میں شمشیرِ بے نیام
- تحفظِ ختم نبوت کے محاذ پر صف اوّل کے مجاہد
- فتنۂ قادیانیت کی سرکوبی کے لیے ہمہ وقت مستعد

میں اس کتاب کا انتساب بصد احترام

حضرت مولانا مفتی احمد علی مدظلہٗ

اور

حضرت مولانا مفتی محمد حسن مدظلہٗ

کے نام کرتے ہوئے روحانی و قلبی خوشی محسوس کر رہا ہوں۔

؎ نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

کارکنانِ تحفظ ختم نبوت کے لیے ایک گرانقدر تحفہ

اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کی فطرت میں نجانے کیا عجیب و غریب خاصیت ودیعت فرمائی ہے کہ وہ اپنے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ختم نبوت کے تحفظ کے لیے جان کی بازی لگا دینے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ محبت رسول ﷺ میں غرقاب، وہ منکرین ختم نبوت کی سرکوبی کے لیے ہر دم بے تاب و بے قرار رہتا ہے۔ دراصل تحفظ ختم نبوت کا کام دنیا و آخرت کی رفعتیں، عزتیں، کامیابیاں اور کامرانیاں سمیٹنے کا واحد راستہ ہے۔ اس لیے اسے اہم ترین عبادت کا درجہ حاصل ہے۔ شیطانی وسوسوں کا ایک انداز یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ کم درجے کی عبادات کو اہم تر بنا کر پیش کرتا ہے کہ مسلمان اس میں مشغول ہو کر بڑے اجر و ثواب سے محروم ہو جائیں۔ اس طرح وہ ایک اہم فرض کی ادائیگی کے موقع پر مسلمانوں کا پیسہ، وقت اور صلاحیتیں، نفل اور مستحب درجے کی نیکیوں میں لگوا دیتا ہے کیونکہ وہ نہیں چاہتا کہ یہ وسائل اعلیٰ وارفع مقاصد کے حصول میں کھپ جائیں اور دین اسلام کو سربلندی حاصل ہو۔ موجودہ حالات میں امت مسلمہ منکرین ختم نبوت قادیانیوں کی براہ راست یلغار کا شکار ہے۔ مسلمانوں کو ہمہ تن متوجہ ہونا چاہیے کہ ان کی توانائیاں فتنہ قادیانیت کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے کس حد تک کام آ رہی ہیں، یوں بھی ملک و ملت کے خلاف ان کی سازشوں کا مقابلہ ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔

ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی ایسی کتاب تیار ہو جس میں قرآن و سنت کی روشنی میں تحفظ ختم نبوت کے کام کی اہمیت اور فضیلت بیان ہوتا کہ کارکنان ختم نبوت ایک نئے ولولے اور تازہ جذبے کے ساتھ اس محاذ پر کام کریں۔ نوجوانوں کے لیے باعث افتخار، عزیزی محمد متین خالد قابلِ صد ستائش و تحسین ہیں کہ انھوں نے اس موضوع پر نہایت ایمان پرور اور محققانہ انداز میں کتاب تیار کر کے کارکنانِ تحفظ ختم نبوت پر احسان فرمایا۔

ناسازی طبع کے باوجود میں نے اس کتاب کو بڑی توجہ سے پڑھا۔ مجھے ایسے معلوم ہوا جیسے یہ کتاب انھوں نے قلم کی سیاہی سے نہیں، خونِ جگر سے لکھی ہے۔ دراصل درد کے دریا میں ڈوب کر ہی یہ گوہر نکالے جاتے ہیں۔ دینی غیرت وحمیت اور ایمانی جرأت و بسالت سے لبریز ولولہ انگیز حقائق و واقعات سے مزین یہ تخلیقِ متین پڑھنے سے ہر مسلمان کے روح و قلب میں محبت رسول ﷺ کے خوابیدہ جذبات واحساسات اجاگر ہو جاتے ہیں۔ اس کا ہر لفظ پاکیزہ، ایمان افروز، پرسوز اور باطل شکن ہے جو ہر کہ و مہ کو موہ لیتا ہے جبکہ یہ کتاب منکرین ختم نبوت کی آنکھوں کا آشوب اور ان کے حلق میں چبھتا کانٹا ہے۔

میں عزیزی محمد متین خالد کو اس کتاب کی اشاعت پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں اور بارگاہِ الٰہی میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انھیں اس دینی کاوش کا صلہ دارین میں عطا فرمائے اور اس سے تمام مسلمانوں کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

تحفظِ ختم نبوت...... جنت کا راستہ

تحفظِ ختم نبوت کا کام انتہائی خوش بختی اور سعادت مندی کی علامت ہے۔ ہرکس و ناکس کو یہ ذمہ داری تفویض نہیں ہوتی بلکہ اس اہم فریضہ کی ادائیگی کے لیے قدرتِ حق صرف اُن خوش نصیبوں کا انتخاب کرتی ہے جن پر وہ اپنی رحمتوں اور برکتوں کے دروازے وا کرتی ہے۔ بلاشبہ عقیدۂ ختم نبوت ہر مسلمان کا سرمایۂ افتخار جبکہ اس سے ذرا سی بے اعتنائی بھی ایمان ضائع کرنے کا موجب ہے۔

زیرِ نظر کتاب تحفظ ختم نبوت کا کام کرنے کی اہمیت اور فضیلت کو اجاگر کرتی ہوئی بتاتی ہے کہ اگر حضور نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت کا تحفظ دین و ایمان کی بنیاد ہے تو منکرینِ ختم نبوت کی سرکوبی فرضِ عین ہے، ان کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات ختم کرنا شرعی اور دینی تقاضا ہے۔ تمام موضوعات دلائل و براہین کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ ان حقائق سے نظریں چرانے کی یقیناً کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا، وہ ان دلائل کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے گا۔ یہی تقاضائے ایمان ہے۔

ہر مسلمان بروز محشر حضور خاتم النبیین ﷺ کی شفاعت کا امیدوار ہے۔ لیکن سوچنا چاہیے کہ شفاعت رسول ﷺ بھی اپنا حق مانگتی ہے یعنی ہر دل سے موسم گل کی زرخیزی کا سامان طلب کرتی ہے...... یہ کتاب اسی درد دل اور سوز جگر کے ساتھ لکھی گئی ہے...... پس اس متاعِ درد و سوزِ آرزومندی کو آگے سے آگے تقسیم کیجئے کہ پست اذانیں رعد بلالی بن جائیں...... یہ کتاب آپ کے لیے بھی ہے...... آپ کے احباب کے لیے بھی...... آپ کے پڑوسیوں اور اقرباء کے لیے بھی...... بلکہ ہر مسلمان کے لیے یہ ایک گرانقدر تحفہ ہے...... اسے پڑھئے...... سمجھئے...... اور اس کی روشنی کو پھیلائیے...... شفاعتِ محمدی ﷺ آپ کی منتظر ہے!

محمد متین خالد

بے شمار دعائیں اور نیک تمنائیں......

- برادر گرامی جناب وقار احمد، جناب عامر خورشید کے لیے، جنھوں نے اس کتاب کو تیار کرنے کی بھرپور تحریک دلائی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ان دونوں حضرات کا ہمہ وقت تعاون مجھے حاصل نہ ہوتا تو یہ کتاب شاید کبھی تیار نہ ہو سکتی تھی۔
- نابغہ عصر جناب طالب الہاشمی، صاحب علم و دانش جناب پروفیسر محمد اقبال جاوید اور درویش صفت عبقری جناب یونس الحسنی کے لیے، جنھوں نے مسودہ کی نوک پلک سنوار کر اسے خوبصورت ادبی بانکپن دیا۔
- مجاہدین ختم نبوت جناب صاحبزادہ رشید احمد صاحب، جناب حافظ عبدالرحمٰن مدظلہ، جناب علی اصغر عباس، جناب ایچ ساجد اعوان، مولانا عزیز الرحمٰن رحمانی، مولانا غلام حسین کلیالوی، جناب مفتی لیاقت علی، جناب قاری عبدالقیوم ظہیر، برادر عزیز جناب محمد ذیشان اقبال، جناب محمد ہاشم جاوید، جناب اسامہ گیلانی، جناب عمر شاہ اور جناب محمد صدیق نقشبندی (شیخوپورہ) کے لیے جنھوں نے کتاب کو خوب سے خوب تر بنانے کے لیے بہترین مشوروں سے نوازا۔

اللہ تعالیٰ ان سب احباب کو دنیا و آخرت میں مظفر و منصور کرے۔

محمد متین خالد

تحفظِ ختمِ نبوت

اہمیت اور فضیلت

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ

مقام مصطفیٰ ﷺ

اللہ تعالیٰ نے امر کُن سے تمام جہاں تخلیق کیا۔ اس ذات بابرکات کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں انسان پیدا فرمایا۔ پھر مزید کرم فرمایا کہ لقد کرمنا بنی آدم کا تاج پہنایا۔ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہم صحت مند اور توانا ہیں، مزید یہ کہ خوش حال اور دولتمند ہیں۔ یہ بھی خوش نصیبی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں رہنے کے لیے بہترین مکان دے رکھا ہے، سعادت منداولاد عطا فرمائی، عزت اور شہرت سے نوازا، گاڑی وغیرہ بھی دے رکھی ہے، نہایت سکون کے ساتھ زندگی بسر ہو رہی ہے۔ پھر سب سے بڑھ کر اس رحیم و کریم نے ہم پر اپنی نعمتوں کے دریا بہاتے ہوئے یہ احسان فرمایا کہ ہمیں صاحب لولاک حضور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت میں سے پیدا کیا۔ ہم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت عظمیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیں تو کبھی ادا نہیں کر سکتے۔

ناز کر اپنی قسمت پہ اے نوع بشر
مصطفیٰ ﷺ مل گئے اور کیا چاہیے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام بہت اعلیٰ اور ارفع ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام سے لغزش کا صدور ہوا، جس کی وجہ سے جنت سے دنیا میں بھیج دیے گئے اور وہ ہر وقت روتے تھے اور دعا و استغفار کرتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ آسمان کی طرف چہرہ کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا "یارب اسالک بحق محمد لما غفرت لی" اے پروردگار! میں آپ سے بواسطہ محمد ﷺ کے درخواست کرتا ہوں کہ میری مغفرت کر دیجیے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم! تم نے محمد ﷺ کو کس طرح پہچانا؟ حالانکہ ہنوز میں

نے ان کو پیدا بھی نہیں کیا۔ عرض کیا کہ اے رب! میں نے اس طرح سے پہچانا کہ جب آپ نے مجھ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، اور اپنی روح میرے اندر پھونکی تو میں نے سر جو اٹھایا تو عرش کے پایوں پر یہ لکھا ہوا دیکھا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ. سو میں نے معلوم کر لیا کہ آپ نے اپنے نامِ پاک کے ساتھ ایسے ہی شخص کے نام کو ملایا ہوگا جو آپ کے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ پیارا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم! تم سچے ہو، وہ خاتم النبیین ہیں، تمہاری اولاد میں سے ہیں، فی الواقع وہ میرے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ پیارے ہیں اور جب تم نے ان کے واسطہ سے مجھ سے درخواست کی ہے، تو میں نے تمہاری مغفرت کی اور اگر محمد ﷺ نہ ہوتے، تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔ (بیہقی، طبرانی)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام اس قدر روئے تھے کہ تمام دنیا کے آدمیوں کا رونا اگر جمع کیا جائے تو ان کے برابر نہیں ہو سکتا۔ چالیس برس تک سر اوپر نہیں اٹھایا۔ حضرت بریدہؓ حضور اقدس ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ اگر حضرت آدم علیہ السلام کے رونے کا تمام دنیا کے رونے سے مقابلہ کیا جائے تو ان کا رونا بڑھ جائے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ اگر ان کے آنسوؤں کو ان کی تمام اولاد کے آنسوؤں سے وزن کیا جائے تو ان کے آنسو بڑھ جائیں گے، ایسی حالت میں حضرت آدم علیہ السلام نے کس کس طرح زاری فرمائی ہوگی۔

اگر نام محمد ﷺ را نیاوردے شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا

(جامیؒ)

حضرت سلمان فارسیؓ سے مروی ہے کہ "ایک روز جبرائیل امین بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کی بیشک آپ کا رب فرماتا ہے کہ اگرچہ میں نے ابراہیم کو خلیل بنایا ہے لیکن آپ کو میں نے اپنا حبیب بنایا ہے۔ میں نے آج تک کوئی ایسی چیز پیدا نہیں کی جو آپ سے زیادہ میرے نزدیک مکرم ہو۔ میں نے دنیا اور اس کے رہنے والوں کو اس لیے پیدا کیا ہے تاکہ میں آپ کی عظمت اور آپ کے درجۂ رفیعہ سے ان کو آگاہ کروں۔ اگر آپ کی ذات نہ ہوتی تو میں دنیا کو بھی پیدا نہ کرتا۔"

انجیلِ برناباس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضور نبی کریم ﷺ کے بارے میں

پیش گوئیاں ایک بار نہیں بلکہ بار بار دی تھیں۔ انجیل برناباس کا باب 17 کا ایک حوالہ ملاحظہ فرمائیں:

''میرے بعد وہ ہستی تشریف لائے گی جو تمام نبیوں اور نفوس قدسیہ کے لیے آب و تاب ہے اور پہلے انبیاء نے جو باتیں کی ہیں، ان پر روشنی ڈالے گی کیونکہ وہ اللہ کا رسول ہے...... میں تو اس لائق بھی نہیں کہ اللہ کے اس رسول ﷺ کی جوتیوں کے تسمے جھک کر کھولوں۔ (سبحان اللہ) اس کی تخلیق مجھ سے پہلے ہوئی اور تشریف میرے بعد لے آئے گا۔ وہ سچائی کے الفاظ لائے گا اور اس کے دین کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔''

آپ ﷺ کی شانِ جامعیت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس تمام انبیائے کرام علیہم السلام اور تمام رسولانِ عظام کے اوصاف و محاسن، فضائل و شمائل اور کمالات و معجزات کا بھرپور مجموعہ اور حسین مرقع ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی شخصیت میں آدم علیہ السلام کا خلق، شیث علیہ السلام کی معرفت، نوح علیہ السلام کا جوشِ تبلیغ، لوط علیہ السلام کی حکمت، صالح علیہ السلام کی فصاحت، ابراہیم علیہ السلام کا ولولۂ توحید، اسماعیل علیہ السلام کی جاں نثاری، اسحاق علیہ السلام کی رضا، یعقوب علیہ السلام کا گریہ و بکا، ایوب علیہ السلام کا صبر، لقمان علیہ السلام کا شکر، یونس علیہ السلام کی انابت، دانیال علیہ السلام کی محبت، یوسف علیہ السلام کا حسن، موسیٰ علیہ السلام کی کلیمی، یوشع علیہ السلام کی سالاری، داؤد علیہ السلام کا ترنم، سلیمان علیہ السلام کا اقتدار، الیاس علیہ السلام کا وقار، زکریا علیہ السلام کی مناجات، یحییٰ علیہ السلام کی پاکدامنی اور عیسیٰ علیہ السلام کا زہد و اعجازِ مسیحائی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے بلکہ یوں کہیے کہ پوری کائنات کی ہمہ گیر سچائی اور ہر ہر خوبی آپ ﷺ کی ذاتِ والا صفات میں سمائی ہوئی ہے۔

کسی اہل دل شاعر نے کیا خوبصورت نقشہ کھینچا ہے:

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضور ﷺ سے والہانہ عقیدت و محبت ہر مسلمان کا بنیادی عقیدہ ہے اور وہ اسے اپنے لیے باعث فخر اور باعث نجات سمجھتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے کہا تھا۔

بہ مصطفیٰ ﷺ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

سیّد سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

''ایک ایسی شخصی زندگی جو طائفۂ انسانی اور ہر حالت انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو، صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہے۔ اگر دولت مند ہو تو مکے کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو۔ اگر غریب ہو تو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سنو، اگر بادشاہ ہو تو سلطان عرب کا حال پڑھو، اگر رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو، اگر فاتح ہو تو بدر و حنین کے سپہ سالار پر نگاہ دوڑاؤ، اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکۂ احد سے عبرت حاصل کرو، اگر تم استاد اور معلم ہو تو صفہ کی درسگاہ کے معلم قدس کو دیکھو، اگر شاگرد ہو تو روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جماؤ۔ اگر واعظ اور ناصح ہو تو مسجدِ مدینہ کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سنو، اگر تنہائی وبیکسی کے عالم میں حق کی منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہو تو مکہ کے بے یار و مددگار نبی کا اسوہ حسنہ تمہارے سامنے ہے، اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہو تو فاتح مکہ کا نظارہ کرو، اگر اپنے کاروبار اور دنیاوی جدوجہد کا نظم ونسق درست کرنا چاہتے ہو تو بنی نضیر، خیبر اور فدک کی زمینوں کے مالک کے کاروبار اور نظم ونسق کو دیکھو، اگر یتیم ہو تو عبداللہ و آمنہ کے جگر گوشہ کو نہ بھولو، اگر بچہ ہو تو حلیمہ سعدیہ کے لاڈلے بچے کو دیکھو، اگر تم جوان ہو تو مکہ کے ایک چرواہے کی سیرت پڑھو، اگر سفری کاروبار میں ہو تو بصریٰ کے کاروان سالار کی مثالیں ڈھونڈو، اگر عدالت کے قاضی اور پنچایتوں کے ثالث ہو تو کعبہ میں نور آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو جو حجر اسود کو کعبہ کے ایک گوشہ میں کھڑا کر رہا ہے، مدینہ کی کچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو جس کی نظر انصاف میں شاہ وگدا اور امیر وغریب برابر تھے۔ اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو خدیجہؓ اور عائشہؓ کے مقدس شوہر کی حیات پاک کا مطالعہ کرو۔ اگر اولاد والے ہو تو فاطمہؓ کے باپ اور حسنؓ حسینؓ کے نانا کا حال پوچھو۔ غرض تم جو کوئی بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو، تمہاری زندگی کے لیے نمونہ اور تمہاری سیرت کی درستی و اصلاح کے لیے سامان، تمہارے ظلمت خانہ کے لیے ہدایت کا چراغ اور راہنمائی کا نور، محمد رسول اللہ ﷺ کی جامعیت کبریٰ کے خزانہ میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے۔ اس لیے طبقۂ انسانی کے ہر طالب اور نور ایمانی کے ہر متلاشی کے لیے صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت، ہدایت کا نمونہ اور نجات کا ذریعہ ہے۔

ایسی کامل و جامع ہستی جو اپنی زندگی میں ہر نوع اور ہر قسم، ہر گروہ اور ہر صنف انسانی کے لیے ہدایت کی مثالیں اور نظیریں رکھتی ہو، وہی اس لائق ہے جو اس اصناف و انواع سے بھری ہوئی دنیا کی عالم گیر اور دائمی رہنمائی کا کام سرانجام دے، جو غیظ و غضب اور رحم و کرم، جود و سخا اور فقر و فاقہ، شجاعت و بہادری اور رحم دلی، رقیق القلبی، دنیا اور دین دونوں کے لیے ہمیں اپنی زندگی کے نمونوں سے بہرہ مند کر دے، جو دنیا کی بادشاہی کے ساتھ آسمان کی بادشاہی اور اس آسمان کی بادشاہی کے ساتھ دنیا کی بادشاہی کی بھی بشارت دے اور دونوں بادشاہیوں کے قواعد و قوانین اور دستورالعمل کو اپنی زندگی میں برت کر دکھا دے۔" (خطباتِ مدراس از علامہ سید سلیمان ندویؒ)

مسلمان تو حضور ﷺ کی امت ہونے کے ناتے آپ ﷺ کی ثنا اور بزرگی چودہ سو سال سے کر رہے ہیں اور یہ ان کے عقیدہ اور ایمان کا لازمی جزو بھی ہے لیکن آپ ﷺ کی تعلیمات عالیہ، اخلاق و مروت اور حسن کردار سے متاثر ہو کر کثیر غیر مسلم بھی حضور ﷺ کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہیں اور انھوں نے آپ ﷺ کی تعریف و توصیف اور اخلاقِ حسنہ پر اتنا کچھ لکھا ہے کہ اس کا احاطہ مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

کردار کی جو بلندی حضور رسالت مآب ﷺ نے تمام عمر پیش کی، اس پر اپنے تو کیا، اغیار بھی انگلی نہیں اٹھا سکے۔ نہ صرف انجیل مقدس اور ہندوؤں کے ویدوں میں، بلکہ برطانیہ کے میوزیم میں، "دنیا کے سو بڑے لوگ" کی فہرست میں یا مغربی مستشرقین کی کتب میں حضرت محمد ﷺ کا نام اپنے کردار اور نوعِ انسانی کو عطا کردہ انقلاب آفریں نظریے کے حوالے سے سرِفہرست آتا ہے۔ تھامس کارلائل (Thomas Carlyle) کی کتاب **"On Heroes, Hero-Worship and The Heroic in History"** میں یہ الفاظ کہ "محمد عربی (ﷺ) یقیناً انسانیت کے اعلیٰ ترین مقام بلند پر فائز ہیں" اس پر حرفِ آخر ہیں۔

میں یہاں پر مغرب کے سب سے بڑے مفکر، فلسفی اور دانشور برنارڈ شا کا یہ قول درج کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ کہتا ہے:

"میں نے ہمیشہ اسلام کو اپنی حیرت خیز توانائی کی بدولت وقیع ترین گردانا ہے۔ مجھے صرف یہی ایسا مذہب لگتا ہے جس میں زندگی کی بدلتی ہوئی صورتیں قبول کرنے کی

صلاحیت ہے اور اس کا ہر وصف ہر زمانے کے لیے اپنے اندر کشش رکھتا ہے۔ میں نے اس محیر العقول انسان (حضرت محمد ﷺ) کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے، میرے خیال میں وہ (ﷺ) ذرا بھی خلافِ مسیح نہیں، اسے (ﷺ) بالضرور نسل انسانی کا نجات دہندہ کہنا چاہیے۔ میرا عقیدہ ہے کہ اگر ایسا آدمی (ﷺ) آج کی دنیا کا اقتدار سنبھال لے تو وہ اس کے مسائل حل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اسے اپنا بہ شدت مطلوبہ امن اور مسرت مل جائے۔ میں نے دین محمد (ﷺ) کی نسبت پیشگوئی کی ہے کہ جس طرح آج کے یورپ میں اس کی مقبولیت شروع ہے، اسی طرح کل کے یورپ کے لیے یہ قابلِ قبول ہوگا۔"

(نقوش رسول ﷺ نمبر ج 6 ص 550)

اس حقیقت کو کون جھٹلا سکتا ہے کہ ایک ایسا انسان ہی صاحب قرآن ہونے کے شرف کا مستحق و متحمل ہو سکتا تھا جس کے کردار کی بلندی اور دل کی پختگی کی کرۂ ارض پر اور کوئی مثال نہ ملتی ہو۔ اور ظاہر ہے کہ صاحب قرآن ﷺ کی حیثیت نافذِ قرآن کی بھی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے اسوۂ حسنہ سے قرآن کی روح کو من و عن منطبق و نافذ کر کے اپنے آپ کو بہترین اور کامل رہبر کے طور پر بھی ثابت کیا۔ اور یہی وہ دراصل مشکل ترین مرحلہ تھا جس سے آپ ﷺ بہ تمام و کمال سرخرو ہوئے اور جہاں خداوند ذوالجلال نے آپ ﷺ کو یہ سرٹیفکیٹ دیا کہ "اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔" (التغابن: 12، ...:33، النور:54، المائدہ:92، النساء:59) بلکہ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (النساء:80) یعنی رسولِ رحمت ﷺ کی اطاعت ہی کو اللہ کی اطاعت قرار دیا، کیونکہ وما ینطق عن الھویٰo ان ھو الا وحی یوحیٰ وہ خود سے کچھ نہیں کہتے بلکہ جو ان کو وحی کیا گیا ہے، اسی کی تبلیغ کرتے ہیں۔ (النجم:3،4)

مندرجہ بالا دو تصریحات سے یہ بات علی وجہ البصیرت واضح ہو جاتی ہے کہ رسولِ پاک ﷺ نہ صرف ذاتی کردار کے حوالے سے اپنی معراج پر فائز ہیں بلکہ اپنی سیاسی حیثیت میں بھی افضل ترین ہیں۔ ان ہر دو حیثیتوں میں ان کا احترام کس قدر لازم ہے، خود قرآن حکیم نے اس کے پیرائے مقرر کر دیے ہیں۔ سورہ الحجرات کی اولین آیات ہی میں حکم ہوتا ہے۔ "یاایھا الذین امنوا لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ" اے ایمان والو، اللہ اور اس کے رسول کے آگے پہل نہ کرو (الحجرات:1) اس سے اگلی دو آیات اس باب میں حرفِ آخر ہیں

جس میں بہت بڑی وارننگ بھی دے دی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ "یاایھا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوتِ النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون." اے ایمان والو، اپنی آوازوں کو نبی ﷺ کی آواز سے اونچا نہ ہونے دو، اور نہ ان سے اونچی آواز میں بات کرو جیسا کہ تم آپس میں بات کرتے وقت کرتے ہو، ایسا نہ ہو کہ تمھارے اب تک کے اعمال اس طرح ضائع ہو جائیں کہ تمھیں احساس تک نہ ہو۔ (الحجرات:2) اسی سورہ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ زندگی کے باقی معاملات میں کس طرح رہنا ہے اور حتیٰ کہ جب کوئی ان کے دروازے پر آئے تو کون سے آداب ملحوظ خاطر رکھے۔ کیونکہ یہ وہ بارگاہ سیادت پناہ ہے جہاں دوسری تمام سیادتوں کے پر جل جاتے ہیں، جہاں قوموں کے سردار اور ملکوں کے سلاطین، سلطانی و سرداری کی قبائیں بہت دور تک چھوڑ کر سر کے بل آتے ہیں، جہاں کج کلاہیاں ایک ایک نگاہ پر نثار ہوتی ہیں، جہاں خسروی اپنا انداز خرام بھول جاتی ہے۔ مذکورہ ارشادات میں حکمت تو یہ ہے کہ نبی ﷺ کی حیثیت ان کی طبعی زندگی تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ تا ابد قائم ہے اور یہی احترام ہمیشہ ملحوظ رکھا جائے گا۔ بخاری شریف کی بیان کردہ حدیثِ قدسی میں روح الامین حضرت جبرئیل علیہ السلام کے انسانی شکل میں دربار نبوت میں حاضر ہونے کا ذکر ہے۔ جبرئیل علیہ السلام خاموشی سے آتے ہیں اور آپ ﷺ کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ حاضرین کو ان کے اس طرح باادب طریقے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آنے والا کوئی معمولی اور اَن پڑھ نہیں جو پوچھے گئے سوالوں کے جوابات کی تصدیق بھی کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اس واقعہ سے یہ سبق دینا بھی مقصود تھا کہ دربار نبوت میں بیٹھنے اور بات کرنے کا کیا طریقہ ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کی اس قدر تعظیم و تکریم کرتا ہے کہ اس نے ایک دفعہ بھی حضور نبی اکرم ﷺ کا نام لے کر آپ ﷺ کو نہیں پکارا، بلکہ جہاں کہیں پکارا ہے تو تکریم ہی سے آواز دی ہے کہ یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک..... یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین...... یا پھر محبت سے "یا ایھا المزمل" اور "یاایھا المدثر" کہہ کر پکارا ہے۔ جبکہ قرآن مجید میں اولوالعزم انبیاء کو جگہ جگہ ان کا اصل نام اور اسم سے پکارا گیا ہے۔ جیسے "یاآدم اسکن انت و زوجک الجنة" "تلک بیمینک یا موسیٰ" "یا

یا داؤد انا جعلنک خلیفة" "یا زکریا انا نبشرک بغلام ن اسمه یحیی" "یا یحییٰ خذ الکتاب بقوة" "یانوح اهبط بسلام" "یا عیسی انی متوفیک و رافعک الیّ."

اس طریق تخاطب کے مطابق چاہیے تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو بھی "یا محمدؐ، یا احمد" کہہ کر پکارتا، مگر اللہ تعالیٰ کو اس درجہ آپ ﷺ کا احترام سکھانا مقصود تھا کہ تمام قرآنِ مجید میں ایک جگہ بھی آپ ﷺ کو نام لے کر مخاطب نہیں کیا۔ بلکہ تعظیم وتکریم پر مبنی خوبصورت اور بہترین القابات پر مشتمل ناموں ہی سے آپ ﷺ کو پکارا ہے۔

بعض رسائل میں عبیداللہ بن عمر قواریریؒ سے نقل کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"ایک کاتب میرا ہمسایہ تھا، وہ فوت ہوگیا۔ میں نے اس کو خواب میں دیکھا اور پوچھا، اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ کہا، مجھے بخش دیا گیا ہے۔ میں نے سبب پوچھا۔ کہا، میری عادت تھی، جب رسول کریم ﷺ کا اسم مبارک "محمدؐ" کتاب میں لکھتا تو ﷺ بھی بڑھاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلہ میں مجھے ایسا کچھ دیا کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا، اور نہ کسی دل پر گزرا۔" (فضائلِ درود شریف ص 97)

حسن و جمال میں آپ کا یہ حال تھا کہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کسی کو حسین اور خوبصورت نہیں دیکھا۔ گویا کہ آفتاب، آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک میں گھومتا ہے اور جب آپ ﷺ تبسم فرماتے تو دندان مبارک کی چمک دیواروں پر پڑتی تھی۔

شاعر رسالت مآب ﷺ، صحابیِ رسول حضرت حسانؓ بن ثابت نے آپ ﷺ کی مدح ان الفاظ میں کی۔

و احسن منک لم ترقط عینی
و اجمل منک لم تلد النساء
خلقت مبرأ من کل عیب
کانک قد خلقت کما تشاء

ترجمہ: "آپ ﷺ سے بڑھ کر حسین آدمی آج تک میری آنکھ نے نہیں دیکھا، اور عورتوں نے آپ ﷺ سے بڑھ کر کسی خوبصورت بچے کو جنم ہی نہیں دیا، آپ ﷺ تمام

عیبوں اور برائیوں سے اس طرح پاک صاف پیدا کیے گئے ہیں، کہ ایسا لگتا ہے کہ آپ ﷺ اس طرح پیدا ہوئے، جس طرح آپ ﷺ خود چاہتے تھے۔''

یہ ہے حضور نبی کریم ﷺ کی شانِ ارفع کی ہلکی سی جھلک اور وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ کی تفسیر، غالب جیسے نابغہ کو بھی یہ کہنا پڑا ہے:

غالب ثنائے خواجہ ﷺ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد ﷺ است

جب اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ: ''میں اور میرے فرشتے آپ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اور اے ایمان والو! تم بھی درود وسلام بھیجو۔'' تو یہ خود بخود ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' ہو جاتا ہے۔

ایک حقیقت شناس شاعر نے کہا تھا:

باخدا دیوانہ باش، با محمد ہوشیار

ایک غلام نے تو یہ کہہ کر عقیدت و محبت کا حق ادا کر دیا:

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبیست

حضرت جامیؒ فرماتے ہیں:

نسبت خود بسگت کر دم و بس منفعلم
ز انکہ نسبت بسگ کوئے تو شد بے ادبی

یارسول اللہ ﷺ! بہت شرمندہ ہوں کہ اپنے آپ کو آپ کے کتے سے نسبت دے دی۔ آپ کی گلی کے کسی کتے سے بھی اپنے آپ کو نسبت دینا اور اس کے برابر اپنے آپ کو ٹھہرانا بے ادبی ہے۔

حضرت علامہ اقبالؒ کا کہنا ہے:

محمد عربی ﷺ کآبروئے ہر دو سر است
کسے کہ خاک درش نیست خاک برسر او

محمد عربی ﷺ کی ذاتِ گرامی آبروئے ہر دو عالم ہے جسے آپ کے در کی خاک بننے میں فخر نہیں، اس شخص کے سر پر خاک۔

مزید فرمایا:

مغزِ قرآں روحِ ایماں جانِ دیں
ہست حُبّ رحمۃ للعالمیں

(قرآن، ایمان اور دین کا نچوڑ حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کی محبت ہے)

ایک اور مقام پر علامہ نے حضور ﷺ کی ذات ستودہ صفات سے محبت ہی کو حاصل ایمان قرار دیا ہے:

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ

مولانا ظفر علی خانؒ حرمت و ناموسِ رسالت ﷺ کو اپنے ایمان کی اساس قرار دیتے ہیں اور اس پر اپنی جان کی بازی لگا دینے کو سعادت سمجھتے ہیں:

نماز اچھی، حج اچھا، روزہ اچھا، زکوٰۃ اچھی
مگر میں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ بطحا کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

عزت بخاریؒ نے کہا تھا:

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

اور شیخ سعدیؒ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں اس طرح نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں:

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِهٖ
کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِهٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِهٖ
صَلُّوْا عَلَیْهِ وَآلِهٖ

مزید فرماتے ہیں:

یاصاحِبَ الجَمال یَا سیدالبشر
من وَجْھِکَ الْمُنِیر لَقَدْ نُوِّرَ الْقَمَر

لَا يُمْكِنُ الثَّناء كَمَا كَانَ حَقُّهٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

حضور رحمت عالم ﷺ کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی امت پر نماز کے دوران آخری تشہد میں آپ ﷺ پر درود وسلام بھیجنا واجب ہے بلکہ ہر ذکر کے وقت فرض ہے۔ یہ بھی آپ ﷺ ہی کا امتیاز ہے کہ آپ ﷺ کے لیے شق القمر ہوا یعنی چاند کے دو ٹکڑے کیے گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک عظیم معجزہ ردِ شمس کا ہے۔ وادی صہبا میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نمازِ عصر سرکار بطحا علیہ التحیۃ والثناء کے آرام کرنے کی وجہ سے فوت ہوگئی۔ آفتاب غروب ہوگیا، حضور پُرنور سیّد عالم ﷺ بیدار ہوئے اور حضرت علیؓ کی پریشانی کو محسوس فرماتے ہوئے دریافت فرمایا کہ اے علیؓ کیا بات ہے؟ عرض کی یارسول اللہ ﷺ! عصر کی نماز فوت ہوگئی۔ آپ ﷺ نے سورج کو اشارہ فرمایا۔ ڈوبا ہوا سورج باہر آگیا، دھوپ نکل آئی، حضرت علیؓ نے نمازِ عصر ادا کی، پھر سورج غروب ہوا۔

حضور اقدس ﷺ کی بے پناہ خوبیوں میں سے ہے کہ آپ ﷺ دھوپ یا چاندنی میں چلتے تو آپ کا سایہ نہیں پڑتا تھا۔ آپ ﷺ کا کوئی بال اگر آگ میں گر جاتا تو وہ جلتا نہیں تھا نہ آگ اس کو جلا سکتی تھی۔ مکھی آپ ﷺ کے کپڑوں پر بھی نہیں بیٹھتی تھی جبکہ جسم مبارک پر بیٹھنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ کے جسم مبارک کے پسینے میں مشک سے زیادہ خوشبو آتی تھی۔ آپ ﷺ جب کسی جانور پر سوار ہوتے تو جب تک آپ ﷺ سوار رہتے، وہ جانور نہ پیشاب کرتا تھا اور نہ گوبر یا لید وغیرہ۔

آپ ﷺ کو جمائی نہیں آتی تھی۔ نیز احتلام بھی نہیں ہوتا تھا۔ آپ کی قضائے حاجت کا اثر زمین پر باقی نہیں رہتا تھا بلکہ زمین اس کو نگل لیتی تھی اور اس جگہ سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔ آپ ﷺ کا ایک وصف یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ رات کے تاریک اندھیرے میں بھی اس طرح دیکھ سکتے تھے جس طرح دن کی روشنی میں دیکھتے تھے۔ آپ ﷺ اپنی پشت کی طرف بھی اس طرح دیکھ سکتے تھے جس طرح آپ ﷺ سامنے کی طرف اور دائیں بائیں دیکھتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "میں اپنی پیٹھ کے پیچھے بھی اس طرح دیکھتا ہوں جس طرح اپنے سامنے دیکھتا ہوں۔"

شجر و حجر یعنی درختوں اور پہاڑوں نے آپ ﷺ کو سلام کیا۔ درخت نے

آپ ﷺ کی نبوت کی گواہی دی اور آپ ﷺ کے بلانے پر آپ ﷺ کے پاس آ گیا۔
دودھ پیتے بچوں نے آپ ﷺ سے کلام کیا اور آپ ﷺ کی نبوت کی شہادت وگواہی دی۔
یہ آپ ﷺ ہی کی خصوصیت ہے کہ ایک سوکھی لکڑی آپ ﷺ کے فراق میں روئی اور اس نے نوحہ کیا۔

آنحضرت ﷺ کا یہ بھی وصف خصوصی ہے کہ آپ ﷺ قیامت تک تمام مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں جن میں انسان اور جنات دونوں شامل ہیں (بلکہ آپ ﷺ حیوانات اور جمادات کی طرف بھی رسول بنا کر ظاہر کیے گئے ہیں۔) آپ ﷺ کا ایک عالی مقام یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی حیات پاک کی قسم کھائی ہے۔ (سورۃ الحجر: 72) اور آپ کی رسالت کی بھی قسم کھائی ہے۔ (یٰسین: 1، 2)

آپ ﷺ کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کو روزِ محشر جنت کے حُلّوں میں سے اعلیٰ ترین حُلّہ پہنایا جائے گا۔ اس روز آپ ﷺ عرش کے دائیں جانب مقامِ محمود میں کھڑے ہوں گے۔ مزید آپ ﷺ اپنی امت کے مقدمات کے فیصلوں میں اذنِ الٰہی سے شفاعت فرمائیں گے۔

آپ ﷺ کی امت کو ''خیرالامم'' یعنی تمام امتوں میں سے بہترین امت کا خطاب ملا ہے، نیز یہ امت تمام مخلوقات میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز ہے۔ (آل عمران: 110) اس امت کے لوگ جو دعا مانگتے ہیں، وہ قبول ہوتی ہے۔

بزرگ فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی امت کو چار اعزاز ایسے دیئے ہیں جو مجھے بھی نہیں ملے:

1- میری توبہ مکہ مکرمہ میں قبول ہوئی جبکہ یہ امت جہاں بھی توبہ کرے، قبول ہوتی ہے۔
2- میں لباس پہنے ہوئے تھا، خطا کی تو برہنہ ہوگیا اور یہ امت ننگے ہوکر بھی گناہ کرے تو اللہ تعالیٰ انہیں پردہ دیتے ہیں۔
3- میری خطا پر ہم میاں بیوی میں جدائی کر دی گئی، اس امت میں گناہ کے باوجود میاں بیوی کو جدا نہیں کیا جاتا۔
4- میں جنت میں تھا، خطا کی تو نکلنا پڑا، یہ لوگ جنت سے باہر ہوتے ہوئے گناہ کرتے ہیں اور توبہ کر کے جنت میں چلے جاتے ہیں۔

بعض حضرات کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو پانچ اعزاز بخشے ہیں:

1- انھیں ضعیف پیدا فرمایا تاکہ تکبر نہ کریں۔

2- انھیں جسامت میں چھوٹا بنایا کہ کھانے پینے اور لباس کا زیادہ بوجھ نہ ہو۔

3- ان کی عمریں چھوٹی بنائیں کہ گناہ کم کریں۔

4- انھیں فقراء بنایا کہ آخرت کا حساب ہلکا رہے۔

5- سب سے آخری امت بنایا کہ قبر میں رہنے کی مدت کم ہو۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والثناء نے فرمایا کہ مجھے میرے رب نے یہ بشارت عطا فرمائی کہ سب سے پہلے جنت میں میری امت کے ستر ہزار آدمی بغیر حساب وکتاب کے داخل ہوں گے، ان میں سے ہر ایک کے ساتھ 70,70 ہزار افراد ہوں گے۔ مزید یہ عطا فرمایا کہ میری امت پر قحط نہیں ہوگا اور نہ وہ مغلوب ہوگی۔ مجھے نصرت وعزت عطا کی گئی، مہینہ کی مسافت تک مجھے رعب ودبدبہ دیا گیا۔ میرے لیے اور میری امت کے لیے غنائم کو حلال فرما دیا۔" بے شمار ایسی اشیاء ہمارے لیے حلال کر دیں جو سابقہ امتوں پر حلال نہ تھیں اور دین میں ہمارے لیے کوئی تنگی نہ رکھی۔

اسی طرح اس دن آنحضرت ﷺ کو شفاعتوں کا حق حاصل ہوگا اور وہ گیارہ قسم کی شفاعتیں ہوں گی جن کا حق آپ ﷺ کو حاصل ہوگا۔ اسی طرح اس دن رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس ہی ہوگی جن کے ہاتھ میں لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) ہوگا اور آدم علیہ السلام سے لے کر بعد تک کے تمام انبیاء آپ ﷺ کے اس پرچم کے نیچے ہوں گے۔ نیز اس دن آنحضرت ﷺ تمام انبیاء کے خطیب، امام اور سردار ہوں گے۔

اسی طرح روز محشر آپ ﷺ ہی پہلے شخص ہوں گے جنھیں سجدہ کی اجازت دی جائے گی۔ آپ ﷺ ہی پہلے شخص ہوں گے جو پروردگار عالم کا دیدار کریں گے۔ نیز یہ کہ آپ ﷺ پہلے سجدہ کریں گے تو پروردگار جل جلالہٗ فرمائے گا۔ "اے محمد! (ﷺ) اپنا سر اٹھاؤ، کہو تمہاری بات سنی جائے گی، مانگو، تمھیں عطا کیا جائے گا۔ تم شفاعت کرو، تمہاری شفاعت وسفارش قبول کی جائے گی۔"

اسی طرح آنحضرت ﷺ کا یہ بھی امتیاز ہوگا کہ پل صراط پر سے گزرنے والے سب سے پہلے شخص آپ ﷺ ہوں گے۔ نیز سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والے

بھی آپ ﷺ ہی ہوں گے۔ اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ مسلمانوں میں سے فقراء اور مساکین ہوں گے۔ پھر یہ کہ آپ ﷺ ہی کو وسیلہ اور تقرب کا مقام حاصل ہوگا جو جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جنت میں کسی کو کوئی چیز آنحضرت ﷺ کے وسیلہ کے بغیر نہیں ملے گی۔ نیز یہ کہ جنت میں سوائے آنحضرت ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب یعنی قرآن کے کوئی دوسری کتاب نہیں پڑھی جائے گی اور یہ کہ جنت میں سوائے آپ ﷺ کی زبان کے کسی دوسری زبان میں بات چیت نہیں ہوگی۔

حضور نبی کریم ﷺ انسانِ کامل اور اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر ہیں جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام لے کر آئے اور بنی نوع انسان کی راہنمائی آپ ﷺ کا منصب ٹھہرا۔ نہ صرف یہ بلکہ آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلاَّ رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ. اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی شان میں مزید فرمایا وَرَفَعْنَالَکَ ذِکْرَکَ یعنی ہم نے آپ ﷺ کا ذکر بلند کر دیا، ارفع کر دیا، اونچا کر دیا۔ کرۂ ارض پر ایک سیکنڈ بھی ایسا نہیں گزرتا جب ہزاروں لاکھوں موذن اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت کا اعلان نہ کر رہے ہوں اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

حضور اقدس ﷺ کے ہزارہا معجزات ہیں۔ ہر معجزہ اپنی جگہ اعلیٰ اور اہم ہے لیکن واقعہ معراج بلاشبہ فخر موجودات ﷺ، رحمۃ للعالمین ﷺ کے خصائصِ کبریٰ میں سے ہے کہ آپ ﷺ کے علاوہ تمام انبیاء کرام میں سے کسی کو یہ عظیم شرف و امتیاز نصیب نہیں ہوا۔ بلکہ اگر تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے سب فضائل یکجا جمع کیے جائیں تو ان کا مکمل مجموعہ ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اس ایک فضیلت یعنی معراج شریف کے برابر نہ ہوگا۔

اس عجیب و غریب سفر کا آغاز انوکھے انداز سے ہوا۔ شبِ معراج، حضور اکرم ﷺ کا سینہ مبارک چاک کر دیا گیا۔ مسلم شریف کی روایت کے مطابق فرشتوں نے قلب اطہر کو باہر نکالا اور اس میں سے خون کا لوتھڑا باہر نکال کر الگ کر دیا۔ یہ تیسرا اور آخری شق صدر تھا جو اس لیے ہوا کہ آپ ﷺ کا وجودِ اقدس ذات باری تعالیٰ کا مظہر اتم بن سکے۔ حضور اکرم ﷺ کو کائنات ارضی میں لباسِ بشری میں مبعوث کیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی حکمت یہی تھی کہ بشریت اور خلقتِ انسانی کی تکمیل کے لیے اس خون کے لوتھڑے کو پیدا کیا جائے جو وساوس کا مرکز ہے پھر مناسب وقت پر بتقاضائے مشیت اسے نکال کر الگ کر دیا جائے تاکہ حضور اکرم ﷺ

کے وجودِ مسعود میں کسی ایسی چیز کا شائبہ تک باقی نہ رہے جس کا تعلق شیطانی وساوس اور انسانی عیوب سے ہوسکتا ہے۔ حدیث شریف میں روایت کیا گیا ہے کہ شقِ صدر کے بعد ایمان و حکمت سے لبریز ایک نورانی طشت لایا گیا جس سے حضور انور ﷺ کے قلب اطہر کو بھر دیا گیا۔

روایت میں آتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ حطیم کعبہ میں استراحت فرما رہے تھے کہ جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ ﷺ کو ایک سواری پر بٹھایا۔ اس سواری کا نام براق تھا اور اس کی سرعت رفتار کا یہ عالم تھا کہ اس کا قدم منتہائے نظر پر پڑتا تھا۔ حضور انور ﷺ اس پر سوار ہو کر بیت المقدس تشریف لے گئے جہاں تمام انبیائے کرام علیہم السلام آپ کے منتظر تھے۔ نماز کا وقت ہوا تو جبرئیل علیہ السلام نے امامت کے لیے آپ کو مصلے پر کھڑا کر دیا۔ از اول تا آخر تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے آپ کی اقتداء میں نماز ادا کی اور اس طرح عملی طور پر آپ امام الانبیاءؑ کے منصب عظیم پر فائز ہوئے۔ یہاں سے براق پر سوار ہو کر آپ ﷺ آسمان دنیا پر تشریف لے گئے۔ جبرئیل علیہ السلام نے دستک دی تو دربان نے پوچھا کہ ہمراہ کون ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کا نامِ نامی محمد ﷺ لیا تو دروازہ کھول دیا گیا۔ ملائکہ نے جو آپ ﷺ کے استقبال کے لیے حاضر تھے، آپ ﷺ کو خوش آمدید کہا۔ پہلے آسمان پر بابائے نسلِ انسانیت حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ آپ ﷺ نے سلام کیا تو انھوں نے سلام کرنے پر صالح بیٹے اور صالح نبی کہہ کر استقبال کیا۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے ساتوں آسمانوں کے دروازے کھولے گئے۔ فرشتے جوق در جوق استقبال کے لیے حاضر ہوتے رہے۔ اور ان کے جلو میں آپ ﷺ کا عالم بالا کی طرف عروج جاری رہا۔ دوسرے، تیسرے، چوتھے، پانچویں، چھٹے اور ساتویں آسمان پر آپ ﷺ کی ملاقات بالترتیب حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔ سلام اور خیر مقدمی کلمات کا تبادلہ ہوتا رہا اور پھر وہ مرحلہ آن پہنچا کہ حضور ﷺ عالم نورانیت کے بلند ترین مقام سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گئے جس کے آگے کوئی مقرب فرشتہ، نبی اور مرسل دم نہیں مار سکتا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام جو سفر معراج کے تمام مرحلوں میں آپ ﷺ کے ہمرکاب تھے، انھوں نے یہ کہہ کر آپ کی معیت میں آگے بڑھنے سے معذوری ظاہر کی کہ "اگر ایک بال برابر بھی آگے بڑھوں تو جل جاؤں گا۔"

سدرۃ المنتہیٰ سے وراء الوراء لامکاں میں پستی اور بلندی کا کوئی تصور حیطۂ ادراک سے باہر ہے۔ حضور اکرم ﷺ تن تنہا آگے بڑھتے ہوئے آخر اس مقامِ خاص تک پہنچ گئے جس کو "قاب قوسین او ادنیٰ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہاں سب حجابات اٹھ گئے۔ اللہ جل شانہٗ کے نوے ہزار پردہ ہائے صفات سے گزر کر حضور ﷺ قرب و وصال کے مقام پر جلوہ افروز ہوئے۔

معراج شریف، حضور اکرم ﷺ کے من جملہ ہزاروں معجزات میں سے ایک عظیم معجزہ ہے۔ بلاشبہ جس قدر بلند و بالا اور ممتاز و منفرد آپ ﷺ کی شان ہے، اسی قدر ممتاز و منفرد مقام آپ ﷺ کے معجزات کا ہے۔ سفرِ معراج جو سات طبقات، آسمانوں اور ان سے وراء الوراء، سدرۃ المنتہیٰ اور دنیائے ارض کی طرف مراجعت پر مشتمل تھا، ان کی توجیہ و توضیح عقلِ انسانی سے نہیں ہوسکتی۔ معراج میں حضور نبی کریم ﷺ کو قیامت تک ہونے والے تمام واقعات کا علم عطا کر دیا گیا۔ جنت و دوزخ اور عالم اخروی کے حقائق کا مشاہدہ کروایا گیا۔

حضور نبی کریم ﷺ فضائل و کمالات میں دیگر تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے ممتاز ہیں۔ انبیائے سابقین علیہم السلام میں سے ہر ایک حسن اخلاق کی ایک نوع سے مختص تھے مگر رسالت مآب ﷺ کی ذات اقدس حسن اخلاق کے تمام انواع کی جامع تھی۔ آپ ﷺ کے فضائل و کمالات کا احاطہ طاقت بشری سے خارج ہے۔ آپ ﷺ کی سب سے بڑی عظمت اور فضیلت آپ کا سیّد المرسلین اور خاتم النبیین ﷺ ہونا ہے۔

سیّد مناظر احسن گیلانی ''زندہ نبیؐ'' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

''یوں آنے کو تو سب ہی آئے۔ سب میں آئے۔ سب جگہ آئے (سلام ہو ان پر) بڑی کٹھن گھڑیوں میں آئے۔ لیکن کیا کیجئے کہ ان میں جو بھی آیا، جانے ہی کے لیے آیا۔ پر ایک اور صرف ایک جو آیا اور آنے ہی کے لیے آیا، وہی جو اُگنے کے بعد پھر کبھی نہیں ڈوبا، چمکا اور پھر چمکتا ہی چلا جا رہا ہے، بڑھا اور بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے، چڑھا اور چڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ سب جانتے ہیں اور سبھوں کو جاننا ہی چاہیے کہ جنھیں کتاب دی گئی اور جو نبوت کے ساتھ کھڑے کیے گئے، برگزیدوں کے اس پاک گروہ میں اس کا استحقاق صرف اسی کو ہے اور اس کے سوا کس کو ہوسکتا ہے جو پچھلوں میں بھی اس طرح ہے جس طرح پہلوں میں تھا، دُور والے بھی اس کو ٹھیک اسی طرح پا رہے ہیں اور ہمیشہ پاتے رہیں گے جس طرح نزدیک

والوں نے پایا تھا، جو آج بھی اسی طرح پہچانا جاتا ہے اور ہمیشہ پہچانا جائے گا۔ جس طرح کل پہچانا گیا تھا کہ اسی کے اور صرف اسی کے دن کے لیے رات نہیں، ایک اسی کا چراغ ہے جس کی روشنی بے داغ ہے۔" (النبی الخاتم از سید مناظر احسن گیلانیؒ)

حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ لکھتے ہیں!

"ختم نبوت کے معنی قطعِ نبوت کے نہیں ہیں کہ نبوت منقطع ہوگئی، ختم نبوت کے حقیقی معنی تکمیلِ نبوت کے ہیں کہ نبوت اپنی انتہا کو پہنچ کر حدِ کمال کو پہنچ گئی ہے، اب کوئی درجہ، نبوت کا ایسا باقی نہیں رہا کہ بعد میں کوئی نبی لایا جائے اور اس درجہ کو پورا کرایا جائے۔ ایک ہی ذاتِ اقدس نے ساری نبوت کو حدِ کمال پر پہنچا دیا کہ نبوت کامل ہوگئی تو ختم نبوت کے معنی تکمیل نبوت کے ہیں، قطع نبوت کے نہیں ہیں۔ گویا کہ ایک ہی نبوت قیامت تک کام دے گی، کسی اور نبی کے آنے کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ نبوت کے جتنے کمالات تھے، وہ سب ایک ہی ذات بابرکات میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ جیسے آسمان پر رات کے وقت ستارے چمکتے ہیں، ایک نکلا، دوسرا، تیسرا اور پھر لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں ستارے جگمگاتے ہیں، آسمان ستاروں سے بھرا ہوا ہوتا ہے اور روشنی بھی پوری ہوتی ہے لیکن رات، رات ہی رہتی ہے، دن نہیں ہوتا، کروڑوں ستارے جمع ہیں مگر رات ہی ہے۔ روشنی کتنی بھی ہو جائے لیکن جونہی آفتاب کے نکلنے کا وقت آتا ہے تو ایک ایک ستارہ غائب ہونا شروع ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ جب آفتاب نکل آتا ہے تو اب کوئی بھی ستارہ نظر نہیں پڑتا، چاند بھی نظر نہیں پڑتا تو یہ مطلب نہیں کہ ستارے غائب ہو گئے دنیا سے، بلکہ اس کا نور مدغم ہو گیا آفتاب کے نور میں، کہ اب اس نور کے بعد سب کے نور دھیمے پڑ گئے، وہ سب جذب ہو گئے آفتاب کے نور میں، اب آفتاب ہی کا نور کافی ہے، کسی اور ستارے کی ضرورت نہیں اور نکلے گا تو اس کا چمکنا ہی نظر نہیں آئے گا، آفتاب کے نور میں مغلوب ہو جائے گا تو یوں نہیں کہیں گے کہ آفتاب نے نکلنے کے بعد دنیا میں ظلمت پیدا کر دی، نور کو ختم کر دیا بلکہ یوں کہا جائے گا کہ نور کو اتنا مکمل کر دیا کہ اب چھوٹے موٹے ستاروں کی ضرورت باقی نہیں رہی، آفتاب کافی ہے، غروب تک پورا دن اسی کی روشنی میں چلے گا تو اور انبیاء بمنزلہ ستاروں کے ہیں اور نبی اکرم ﷺ بمنزلہ آفتاب کے ہیں، جب آفتاب طلوع ہو گیا اور ستارے غائب ہو گئے تو یہ مطلب نہیں ہے کہ نبوت ختم ہو گئی بلکہ اتنی مکمل ہو گئی کہ اب قیامت تک کسی نبوت کی ضرورت نہیں گویا نبوت کی فہرست تھی جس پر

مہر لگ گئی۔ حضور اکرم ﷺ نے آ کر لگا دی، اب کوئی نبی زائد ہوگا نہ کم ہوگا۔ یہ ممکن ہے کہ بیچ میں سے کسی نبی کو بعد میں لے آیا جائے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد میں نازل ہوں گے مگر وہ اسی فہرست میں داخل ہوں گے اور ان کی تبع کی حیثیت ہوگی۔ یہ نہیں ہے کہ کوئی جدید نبی داخل ہو، پچھلے نبی کو اگر اللہ تعالیٰ لانا چاہیں تو لائیں گے، حضور اکرم ﷺ نے فہرست مکمل کر دی کہ اب نہ کوئی نبی زائد ہوسکتا ہے نہ کم ہوسکتا ہے۔" (آفتاب نبوت از مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ)

بقول سید عطاء الرحمٰن "حضرت رسالت مآب ﷺ کی تشریف آوری سے خدا کی نعمتیں کمال کو پہنچ گئیں۔ دین مکمل ہوگیا، شریعت پر تکمیل کی مہر لگ گئی۔ نبوت کے خزانوں کے دروازے پوری طرح کھول کر اور اس کی تمام دولتیں نچھاور کر کے اس کے دروازے بند کر دیے گئے اور اب قیامت تک کوئی شخص یہ ادعا لے کر نہیں آئے گا کہ میں خدا کی طرف سے فرستادہ ہوں، آؤ اور مجھ پر ایمان لاؤ۔ اب رشد و ہدایت کا ایک ہی دروازہ ہے، اب رضائے الٰہی کے حصول کی ایک ہی راہ ہے اور اب نجات و فلاح کا ایک ہی راستہ ہے۔ اس لیے ہدایت پانا آسان ہوگیا ہے اور نجات پانا سہل بنا دیا گیا ہے۔ مینائے نبوت کے منہ پر مُہر لگا دی گئی ہے۔ اگر حضور ﷺ کے بعد جدید انبیاء کا سلسلہ قائم رہتا تو دین ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ امت محمدیہ کا شیرازہ بالکل بکھر جاتا۔ ملت اسلامیہ مختلف انبیاء کے پیروؤں میں تقسیم ہو کر رسول اکرم ﷺ سے دور جا پڑتی۔ اس لیے کہ انبیاء کی آمد ایک بڑا امتحان ہے اور قومیں ہمیشہ مومنین اور کافرین میں تقسیم ہو جایا کرتی ہیں لیکن اللہ کو منظور یہ تھا کہ اب محمد ﷺ ہی کا تخت اجلال دنیا پر بچھایا جائے۔ ہدایت کی بھیک اسی کے در سے مانگی جائے۔ بہشت کے دروازوں کی کنجی اسی سے طلب کی جائے۔ رضائے خداوندی اسی کے ذریعہ تلاش کی جائے۔ اس لیے حضور ﷺ پر نبوت کاملہ کا نزول فرما کر انبیاء کا مزید سلسلہ بند کر دیا۔"

عقیدۂ ختم نبوت، قرآن و حدیث کی روشنی میں

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کسی قسم کا کوئی تشریعی، غیر تشریعی، ظلی، بروزی یا نیا نبی نہیں آئے گا۔ آپ ﷺ کے بعد جو شخص بھی نبوت کا دعویٰ کرے، وہ کافر، مرتد، زندیق اور واجب القتل ہے۔ قرآن مجید کی ایک سو سے زائد آیات مبارکہ اور حضور نبی کریم ﷺ کی تقریباً دو سو دس احادیث مبارکہ اس

بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضور رحمتِ عالم ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ اس بات پر پختہ ایمان ''عقیدۂ ختمِ نبوت'' کہلاتا ہے۔

ختمِ نبوت اسلام کا اساسی اور اہم ترین بنیادی عقیدہ ہے۔ دین اسلام کی پوری عمارت اس عقیدہ پر کھڑی ہے۔ یہ ایک ایسا حساس عقیدہ ہے کہ اگر اس میں شکوک وشبہات کا ذرا سا بھی رخنہ پیدا ہو جائے تو ایک مسلمان نہ صرف اپنی متاعِ ایمان کھو بیٹھتا ہے بلکہ وہ حضرت محمد ﷺ کی امت سے بھی خارج ہو جاتا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن وسنت کی موجودگی میں کسی نبی کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟ یہ رشد وہدایت کے دو سرچشمے ہیں جو قیامت تک عالم اسلام کو سیراب کرنے کے لیے کافی ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے کسی مدعی نبوت کا آنا گمراہی ہے۔ عقیدۂ ختمِ نبوت ضروریاتِ دین میں داخل ہے۔ اس کا انکار یقیناً کفر وارتداد ہے جس سے کوئی تاویل نہیں بچا سکتی۔

قرآن مجید، ایک سراپا اعجاز کتاب ہے۔ اس کا ایک ایک لفظ علم وحکمت کا خزینہ ہے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ ہر دَور اور ہر خطہ کے ہر ایک انسان کی مکمل راہنمائی کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ دشمنانِ اسلام کی طرف سے اسلام کی بیخ وبُن کو ہلا دینے والے خطرناک طوفانوں میں بھی اس کی عظمت و وقار میں رتی بھر فرق نہ آیا، اور نہ قیامت تک آئے گا۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ بھی اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہوا ہے۔ جس طرح قرآن مجید ہر مسئلہ میں انسانوں کی راہنمائی کرتا ہے، اسی طرح وہ عقیدۂ ختم نبوت کو بھی بڑے واضح اور غیر مبہم الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ قرآن مجید کی ایک سو سے زائد آیاتِ مبارکہ ختم نبوت کے ہر پہلو کو کھول کھول کر بیان کرتی اور واشگاف الفاظ میں اعلان کر رہی ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ قیامت تک اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کسی قسم کا کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ صفحات کی قلت کی وجہ سے صرف دو اہم آیات مبارکہ اور ان کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔ اس کی تشریح کے لیے قارئینِ کرام تفاسیر سے استفادہ کریں۔

(1) مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا. (احزاب: 40)

ترجمہ: نہیں ہیں محمد ﷺ تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ لیکن

آپ ﷺ اللہ کے رسول اور تمام انبیاء کے ختم کرنے والے ہیں۔اور
اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

عرب کی ایک قدیم رسم یہ بھی تھی کہ وہ اپنے متبنّیٰ یا منہ بولے بیٹے کو حقیقی اور نسبی بیٹا سمجھتے۔ یہ لے پالک بیٹا وراثت میں بھی برابر کا شریک ہوتا۔ مزید برآں جس طرح ایک حقیقی بیٹا مر جاتا اور اس کی بیوی باپ کے لیے حرام ہوتی، اسی طرح لے پالک بیٹا جب مر جاتا یا وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا تو وہ عورت لے پالک بیٹے کے باپ کے لیے حرام ہوتی۔ حضرت زیدؓ بن حارثہ، نبی کریم ﷺ کے منہ بولے بیٹے تھے۔ تمام لوگ انھیں ''زید بن محمد'' کہہ کر پکارتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اس رسم کو ختم کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت محمد ﷺ تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ آپ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ یعنی دنیا میں انبیاء کے آنے کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہے اور حضور نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔

(2) اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ:3)

ترجمہ۔ آج میں نے مکمل کر دیا ہے تمھارے لیے تمہارا دین اور پوری کر دی ہے تم پر اپنی نعمت، اور میں نے پسند کر لیا ہے تمھارے لیے اسلام کو بطور دین۔

یہ آیت حضور نبیِ رحمت ﷺ کے آخری حج میں عرفہ کے دن جمعہ کے روز نازل ہوئی۔ بعض حضرات کے نزدیک یہ آخری آیت تھی جو آپ ﷺ پر نازل ہوئی۔ اس آیت کریمہ کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک یہودی نے حضرت عمر فاروق ؓ سے کہا تھا کہ اگر یہ آیت ہم پر اترتی تو ہم اس دن عید مناتے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بیان فرمایا کہ دین اسلام مکمل ہو چکا ہے۔ اب قیامت تک اس میں ترمیم و اضافہ کی نہ گنجائش ہے نہ ضرورت۔ اب یہ امت قیامت تک نہ کسی اور دین کی محتاج ہے، نہ کسی اور نبی کی، اور نہ کسی کتاب کی۔

اس آیت سے یہ بھی واضح ہوا کہ دین اسلام قیامت تک رہنے والا ہے۔ یہ کبھی ختم نہ ہوگا (ان شاء اللہ)۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت، آیاتِ احکام میں سے آخری

آیت ہے اور آئندہ کے لیے وحی و نبوت کے بند ہونے کی خبر دے رہی ہے۔

قرآن مجید کی طرح احادیث مبارکہ میں بھی عقیدۂ ختم نبوت نہایت وضاحت اور صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔ تقریباً دو سو دس احادیث مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ اب قیامت تک کسی بھی مسئلہ میں جس شخص نے بھی ہدایت و راہنمائی حاصل کرنا ہے، اسے نبیٔ کریم علیہ التحیہ والثناء کی غلامی اختیار کرنا ہوگی۔ ذیل میں عقیدۂ ختم نبوت کے موضوع پر چند اہم احادیث مبارکہ کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

(1) ''حضرت ابوہریرہؓ آنحضرت ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری مثال مجھ سے پہلے انبیاء کے ساتھ ایسی ہے جیسے کسی شخص نے گھر بنایا اور اس کو بہت عمدہ اور آراستہ و پیراستہ بنایا، مگر اس کے ایک گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ تعمیر سے چھوڑ دی۔ پس لوگ اس کے دیکھنے کو جوق در جوق آتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں کہ یہ ایک اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی گئی (تا کہ مکان کی تعمیر مکمل ہو جاتی) چنانچہ میں نے اس جگہ کو پُر کیا اور مجھ ہی سے قصرِ نبوت مکمل ہوا، اور میں ہی خاتم النبیین ہوں، (یا) مجھ پر تمام رسل ختم کر دیے گئے۔''

(بخاری و مسلم شریف)

(2) ''حضرت جبیر بن مطعمؓ روایت فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور ماحی ہوں یعنی میرے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹائے گا، اور میں حاشر ہوں، یعنی میرے بعد ہی قیامت آ جائے گی اور حشر برپا ہوگا (اور کوئی نبی میرے اور قیامت کے درمیان نہ آئے گا) اور میں عاقب ہوں اور عاقب اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے بعد اور کوئی نبی نہ ہو۔''

(بخاری و مسلم شریف)

(3) ''حضرت ثوبانؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ قریب ہے کہ میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے جن میں سے ہر ایک یہی کہے گا کہ میں نبی ہوں، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔''

(مسلم شریف)

(4) ''حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تمام انبیاء پر

چھ باتوں میں فضیلت دی گئی ہے۔ اوّل یہ کہ مجھے جوامع الکلم دیے گئے اور دوسرے یہ کہ رُعب سے میری مدد کی گئی (یعنی مخالفین پر میرا رُعب پڑ کر ان کو مغلوب کر دیتا ہے) تیسرے میرے لیے غنیمت کا مال حلال کر دیا گیا (بخلاف انبیاء سابقین کے کہ مالِ غنیمت ان کے لیے حلال نہ تھا، بلکہ آسمان سے ایک آگ نازل ہوتی تھی جو تمام مالِ غنیمت کو جلا کر خاک سیاہ کر دیتی تھی، اور یہی جہاد کی مقبولیت کی علامت سمجھی جاتی تھی) اور چوتھے میرے لیے تمام زمین نماز پڑھنے کی جگہ بنا دی گئی (بخلاف اممِ سابقہ کے کہ ان کی نماز صرف مسجدوں ہی میں ہوسکتی تھی) اور زمین کی مٹی میرے لیے پاک کرنے والی بنا دی گئی (یعنی بوقت ضرورت تیمم جائز کیا گیا جو کہ پہلی امتوں کے لیے جائز نہ تھا) پانچویں، میں تمام مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں (بخلاف انبیاء سابقین کے کہ وہ خاص خاص قوموں کی طرف کسی خاص اقلیم میں ایک محدود زمانہ تک کے لیے مبعوث ہوتے تھے) چھٹے یہ کہ مجھ پر انبیاء ختم کر دیے گئے۔" (مسلم شریف)

(5) اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ صدیقہ فرماتی ہیں کہ حضور نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:
"میں خاتم الانبیاء ہوں اور میری مسجد مساجدِ انبیاء کی خاتم اور آخر ہے۔"
(کنزالعمال)

(6) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی، پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ نبی۔"
(ترمذی شریف)

(7) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا ہے:
"اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر بن خطابؓ ہوتے۔" (ترمذی شریف)

کلمۂ شہادت کی طرح عقیدۂ ختم نبوت بھی ایمان کا جزو ہے

حضرت زید بن حارثؓ اپنے ایمان لانے کا ایک طویل اور دلچسپ واقعہ بیان کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں کہ جب میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر مسلمان ہو گیا تو میرا قبیلہ مجھے تلاش کرتا ہوا آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور مجھے

آپ ﷺ کے پاس دیکھ کر کہا کہ اے زید! اٹھو اور ہمارے ساتھ چلو۔ میں نے جواب دیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے بدلے میں ساری دنیا کو کچھ نہیں سمجھتا اور نہ آپ ﷺ کے سوا کسی اور کا ارادہ رکھتا ہوں۔ پھر انھوں نے آنحضرت ﷺ سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے محمد ﷺ! ہم آپ ﷺ کو اس لڑکے کے بدلے میں بہت سے اموال دینے کے لیے تیار ہیں، جو آپ ﷺ چاہیں طلب فرمائیں، ہم ادا کر دیں گے۔ مگر اس لڑکے کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "**اسئلکم ان تشهدوا ان لا اله الا الله وانی خاتم الانبیاء ورسله وارسله معکم**" ترجمہ "میں تم سے صرف ایک چیز مانگتا ہوں۔ وہ یہ کہ شہادت دو اس کی کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں انبیاء و رسل کا ختم کرنے والا ہوں (اس اقرار و ایمان کے بدلہ میں) زید کو تمھارے ساتھ کر دوں گا۔" (مستدرک حاکم ص 214 ج 3)

اس حدیث شریف میں آپ ﷺ نے عقیدۂ ختم نبوت کو کلمہ شہادت کی طرح ایمان کا جزو قرار دیا ہے۔ اس لیے الاشباہ و النظائر ص 396 میں ہے:

"**اذا لم یعرف الرجل ان محمداً ﷺ آخر الانبیاء فلیس بمسلم لانه من الضروریات**" (ترجمہ) "جس شخص کو یہ معلوم نہیں کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں تو وہ مسلمان نہیں۔" غرضیکہ ایمان کے لیے کلمہ کی طرح ختم نبوت کا اقرار بھی ضروری ہے۔

کلمہ طیبہ: دونوں جزوں میں پوشیدہ حکمتیں اور عجائب

☆ کلمہ طیبہ کا پہلا جز لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اور دوسرا جز مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے۔

☆ کلمہ طیبہ میں پہلا جز دعویٰ ہے، دوسرا جز دلیل ہے۔

☆ پہلے جز میں اقرار ربوبیت ہے، دوسرے میں اظہار نبوت ہے۔

☆ پہلے جز میں اعلان الوہیت ہے، دوسرے میں بیانِ رسالت ہے۔

☆ پہلے جز میں مقصد زندگی ہے، دوسرے میں طرزِ زندگی ہے۔

☆ پہلے جز میں مقامِ بندگی ہے، دوسرے میں نظامِ زندگی ہے۔

☆ پہلے جز میں بارہ حروف ہیں، دوسرے میں بھی بارہ حروف ہیں۔

☆ پہلا جز لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بے نقطہ ہے، دوسرا جز مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ بھی بے نقطہ ہے۔

☆ پہلے جز میں اللہ ذاتی نام ہے، دوسرے میں محمد ذاتی نام ہے۔

- ☆ پہلے جز میں صفت الوہیت کا ذکر ہے، دوسرے میں صفت رسالت ﷺ کا ذکر ہے۔
- ☆ پہلے جز میں لفظ اللہ مشدد ہے، دوسرے جز میں لفظ محمد مشدد ہے۔
- ☆ پہلے جز میں لفظ اللہ کے چار حروف، دوسرے جز میں لفظ محمد کے چار حروف ہیں۔

کلمہ طیبہ کا دوسرا جز مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ بغیر نقطہ کے ہے جبکہ تمام انبیاء ورسل کے کلموں کے دوسرے جز میں نقطے ہیں مثلاً:

- ☆ پہلا جز لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ بے نقطہ ہے، آدم صَفِی اللّٰہ جز ثانی میں نقطہ ہے۔
- ☆ پہلا جز لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ بے نقطہ ہے، نُوح نَجِی اللّٰہ جز ثانی میں نقطے ہیں۔
- ☆ پہلا جز لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ بے نقطہ ہے، اِبْرَاھِیْم خَلِیْلُ اللّٰہ جز ثانی میں نقطے ہیں۔
- ☆ پہلا جز لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ بے نقطہ ہے، مُوْسٰی کَلِیْمُ اللّٰہ جز ثانی میں نقطے ہیں۔
- ☆ پہلا جز لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ بے نقطہ ہے، اِسْمٰعِیْل ذَبِیْحُ اللّٰہ جز ثانی میں نقطے ہیں۔
- ☆ پہلا جز لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ بے نقطہ ہے، دَاوٗدَ خَلِیْفَۃُ اللّٰہ جز ثانی میں نقطے ہیں۔
- ☆ پہلا جز لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ بے نقطہ ہے، یُوْسُفَ صَدِّیْقُ اللّٰہ جز ثانی میں نقطے ہیں۔
- ☆ پہلا جز لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ بے نقطہ ہے، عِیْسٰی رُوْحُ اللّٰہ جز ثانی میں نقطے ہیں۔

اشارہ اس طرف ہے کہ پہلا جز بے نقطہ ہے، اس کا معنی یہ ہے اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں، دوسرا جز بے نقطہ اس لیے ہے کہ آقائے مصطفیٰ ﷺ کے بعد اور کوئی محبوب نہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ پر ربوبیت ختم، مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ پر نبوت ختم۔

اللہ تعالیٰ پر الوہیت ختم، مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ پر رسالت ختم۔

اللہ رب العالمین ہے، محمد مصطفیٰ ﷺ رحمت للعالمین ہیں۔

اللہ رب العلی ہے، محمد ﷺ محبوب مصطفیٰ ہے۔

کروڑوں قیامتیں تو برپا ہو سکتی ہیں مگر اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں، حضرت محمد ﷺ سے بہتر کوئی رسول نہیں۔ اب اللہ بن کر عرش پر جا کوئی نہیں سکتا، نیا نبی بن کر فرش پر آ کوئی نہیں سکتا۔

توحید و رسالت ﷺ اور عقیدہ ختم نبوت

خدائے ذوالجلال والاکرام کی توحید کے بعد سرور عالم سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی

رسالت اور ختم نبوت سب سے اہم ہے۔ جس طرح بغیر توحید کے اقرار کے کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا، اسی طرح بغیر ختم نبوت کے اعتراف کے کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا۔ بلکہ توحید کا اقرار شرعاً صرف اُسی کا معتبر ہے جو خاتم الانبیاء ﷺ کے کہنے سے اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک مانے۔ ورنہ جو شخص یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک سمجھتا ہوں اور محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا آخری نبی مانتا ہوں مگر حضور پرنور ﷺ کے کہنے سے میں اللہ کو ایک نہیں سمجھتا، بلکہ یہ میری ذاتی تحقیق ہے کہ اللہ ایک ہے تو یہ شخص شرعاً مسلمان نہیں۔ مسلمان وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کے کہنے سے اللہ کو ایک مانے۔

قرآن مجید و احادیث مبارکہ کی روشنی میں امت کا اجماعی و اتفاقی مسئلہ ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا تو الگ رہا، حضور ﷺ کے بعد نبوت کی تمنا یا خواہش کرنا بھی کفر ہے۔ بزرگانِ دین کے صریح ارشادات اس بارے میں موجود ہیں۔ چنانچہ اعلام بقواطع الاسلام میں ہے۔

امام حلیمی نے فرمایا:

قال الحليمي مالوتمنى في زمن نبينا أو بعده ان لو كان نبيا فيكفر في جميع ذلك والظاهر أنه لافرق بين تمنى ذلك باللسان او القلب.

ترجمہ: ہمارے نبی ﷺ کے زمانے میں یا حضور ﷺ کے بعد کسی شخص کا تمنا کرنا کہ کسی طرح سے نبی ہو جاتا، ان صورتوں میں کافر ہو جائے گا اور ظاہر یہ ہے کہ اس میں کچھ فرق نہیں کہ وہ تمنا زبان سے ہو یا صرف دل میں۔"

جب ایک شخص نبی ہونے کی تمنا کرنے پر کافر ہو جاتا ہے تو اندازہ لگائیں کہ نبوت کا دعویٰ کرنا کس درجہ کا کفر خبیث ہوگا۔ اور پھر مدعی نبوت پر ایمان لانا تو علیحدہ رہا، حضور نبی کریم ﷺ کے بعد مدعی نبوت سے معجزہ طلب کرنا بھی کفر ہے۔ اسی اعلام بقواطع الاسلام میں ہے۔

واضح تكفير مدعي نبوت ويظهر كفر من طلب منه معجزة لأنه يطلبه لها منه مجوز لصدقه مع استحالته المعلومة من الدين بالضرورة.

مدعی نبوت کی تکفیر تو خود ہی واضح ہے اور جو اس سے معجزہ طلب کرے، اس کا کفر اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس مدعی کا صدق متحمل مان رہا ہے حالانکہ قرآن وسنت سے واضح ہے کہ نبی ﷺ کے بعد دوسرا کوئی نیا نبی ممکن نہیں۔

اب خود ہی خیال فرمایئے کہ مسئلہ ختم نبوت کس قدر اہم اور نازک ہے اور مرزا قادیانی کے متعلق یاد رکھیے کہ وہ صرف ختم نبوت کے انکار کی وجہ سے مرتد نہیں بلکہ اس کے اور بھی بیسیوں کفریات ہیں، لہٰذا مرزا قادیانی یا کسی دوسرے مدعی نبوت کو نبی ماننا، مجدد ماننا، امام و پیشوا جاننا تو درکنار انھیں مسلمان سمجھنا، ان کے کفر میں شک کرنا بھی ایک مسلمان کو اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ علمائے عرب وعجم کا ایسے کذاب وگستاخ لوگوں کے لیے صاف ارشاد ہے:

من شک فی عذابه و کفره فقد کفر.

خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے
خصوصاً آج کل کے انبیاء سے

جھوٹے مدعیانِ نبوت اوران کے پیروکاروں کے خلاف صحابۂ کرامؓ کا جہاد

حضور خاتم النبیین ﷺ کے دور مبارک میں اسود عنسی نامی ایک بدبخت نے دعویٰ نبوت کیا تو اس کے قتل کے لیے حضرت فیروز دیلمیؓ کو خود حضور نبی کریم ﷺ نے اس خصوصی مہم پر روانہ فرمایا۔ جنھوں نے بڑی جدوجہد کے بعد اسود عنسی کو جہنم واصل کیا۔ حضور ﷺ کو وحی کے ذریعے اسود عنسی کے قتل کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے فیروز دیلمیؓ کی تعریف فرمائی۔ اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے آخری دنوں میں مسیلمہ کذاب نامی ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ بہت سارے لوگ اس کے پیروکار بن گئے۔ آقائے نامدار ﷺ کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جھوٹے مدعیانِ نبوت کے خلاف جہاد کے لیے جید صحابۂ کرامؓ پر مشتمل ایک لشکر بھیجا۔ یہ تحفظِ ختم نبوت اور اس کے منکرین کے مرتد اور واجب القتل ہونے پر صحابہ کرامؓ وتابعین کا پہلا اجماع تھا۔ مسیلمہ کذاب اور اس کی جماعت کے خلاف وہی معاملہ کیا گیا جو کفار کے ساتھ کیا جاتا ہے حالانکہ مسیلمہ کذاب (قادیانیوں کی طرح) نماز، روزہ پر ایمان رکھتا تھا۔ وہ آپ ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ اپنی نبوت کا بھی مدعی تھا۔ یہاں تک کہ اس کی اذان میں برابر "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلَ اللّٰہ" پکارا جاتا تھا اور وہ خود بھی اس کی تصدیق کرتا تھا۔ اس کے باوجود صحابہ کرامؓ نے بغیر

مطالبہ معجزات، متفقہ طور پر مسیلمہ کذاب کے خلاف جہاد کا اعلان کیا کیونکہ اس نے حضور خاتم النبیین ﷺ کے بعد نبوت کا اعلان کیا تھا جو صحابہؓ کرامؓ کے لیے قطعی طور پر ناقابل برداشت تھا۔ صحابہؓ کرامؓ میں سے کسی ایک نے بھی مسیلمہ کذاب کے خلاف جہاد سے انکار نہ کیا اور نہ کسی نے یہ کہا کہ یہ لوگ اہل قبلہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، قرآن پڑھتے ہیں، حج اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، ان کو کیسے کافر سمجھ لیا جائے (جیسا کہ آج کل ہمارے ہاں قادیانیوں کے بارے میں بہت سے خود ساختہ روشن خیال اور ترقی پسند سوچتے ہیں) بلکہ صحابہؓ کرامؓ نے بہ اجماع مسیلمہ کذاب اور اس کے پیروکاروں کو دعویٰ نبوت کی وجہ سے کافر، مرتد اور واجب القتل سمجھا۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے دس ہزار صحابہؓ کرامؓ پر مشتمل ایک عظیم الشان لشکر حضرت خالدؓ بن ولید کی قیادت میں مسیلمہ کذاب اور اس کے پیروکاروں کے خلاف جہاد کے لیے یمامہ روانہ فرمایا۔ اس لشکر میں بعض بدری صحابہؓ کرامؓ بھی شریک ہوئے حالانکہ وہ بہت ضعیف ہو چکے تھے مگر تحفظِ ختم نبوت کی خاطر وہ اس عظیم جہاد میں شریک ہوئے۔ مسیلمہ کذاب کے خلاف اس جہاد میں تقریباً بارہ سو صحابہؓ کرام شہید ہوئے جن میں تقریباً 7 سو کے قریب حفاظ قرآن تھے۔ مسیلمہ کذاب کے لشکر کی تعداد چالیس ہزار مسلح جنگجوؤں پر مشتمل تھی۔ ان میں سے 28 ہزار کے قریب ہلاک ہوئے۔ مسیلمہ کذاب کو حضرت وحشیؓ نے اپنے نیزے سے واصلِ جہنم کیا۔ مسیلمہ کی فوج کے باقی لوگوں نے ہتھیار ڈال دیے۔

اس سلسلہ میں حضرت مولانا فضل محمد صاحب تفصیل سے لکھتے ہیں:

''فتنہ ارتداد اور اس کی سرکوبی کی پیشین گوئی قرآن کریم نے پہلے ہی کر دی تھی اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی فضیلت اور عظیم جہاد کا پہلے سے اعلان سورۂ مائدہ میں اس طرح ہو چکا تھا۔

یاایھا الذین امنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکفرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم ط ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء ط واللہ واسع علیمo

(المائدہ: 54)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! جو پھر گیا تم میں سے اپنے دین سے (تو اس کی بدنصیبی) سو عنقریب لے آئے گا اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم کہ محبت کرتا ہے اللہ ان سے اور وہ محبت

کرتے ہیں اس سے، جو نرم ہوں گے ایمانداروں کے لیے، بہت سخت ہوں گے کافروں پر، جہاد کریں گے اللہ کی راہ میں، اور نہ ڈریں گے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے، یہ (محض) اللہ کا فضل و کرم ہے۔ نوازتا ہے اسے جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی کشادہ رحمت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

اس آیت کی تفسیر میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ فرماتے ہیں:

''یہ پیشین گوئی ہر قرن میں پوری ہوتی رہی۔ ارتداد کا سب سے بڑا فتنہ نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد صدیق اکبرؓ کے عہد میں پھیلا۔ کئی طرح کے مرتدین، اسلام کے مقابلہ میں کھڑے ہو گئے مگر حضرت صدیق اکبرؓ کی جرأتِ ایمانی، اعلیٰ تدبر اور مخلص مسلمانوں کی سرفروشانہ اور عاشقانہ خدماتِ اسلام نے اس آگ کو بجھا دیا اور سارے عرب کو متحد کر کے ازسرِ نو اخلاص و ایمان کے راستے پر گامزن کر دیا۔'' (تفسیر عثمانی ص 155)

مرتدین کے خلاف سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے جہاد کا اعلان کیا۔ مرتدین کی کئی قسمیں تھیں۔

پہلی قسم: وہ لوگ جو حضور اکرم ﷺ کے وصال مبارک کے بعد اسلام کو چھوڑ کر کفر میں داخل ہو گئے تھے۔

دوسری قسم: وہ لوگ جنھوں نے جھوٹے نبیوں کی پیروی کی۔ ان کے جھوٹے نبیوں نے ان کو جو کچھ کہا، یہ لوگ اسی کی پیروی کرنے لگے۔ جھوٹے نبی (1) مسیلمہ کذاب (2) طلیحہ اسدی (3) اسود عنسی (4) سجاح بنت حارث وغیرہ تھے۔

تیسری قسم: وہ لوگ جنھوں نے توقف کیا کہ آئندہ جو کچھ ہوگا، اس کا انتظار کرو۔

چوتھی قسم: وہ لوگ جنھوں نے زکوٰۃ کا انکار اس تاویل کے ساتھ کیا کہ زکوٰۃ حضور اکرم ﷺ کا حق تھا کیونکہ آپ ﷺ کی دعا ہمارے لیے باعث تسکین تھی۔ آپ کے بعد کسی کی دعا اس درجے کی نہیں ہے۔ لہٰذا ہم اب زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے۔

اسود عنسی

10ھ کا زمانہ تھا، عہد رسالت ﷺ کے آخری ایام تھے۔ حضور اکرم ﷺ کے عامل یمن کے مختلف علاقوں پر مقرر تھے۔ باذان فارسی کے قبولِ اسلام کے بعد وہ یمن کے

گورنر بنائے گئے تھے۔ جب ان کا انتقال ہوا تو ان کا بیٹا شہر بن باذان فارسی اپنے باپ کی جگہ گورنر بنا۔ اس کے ساتھ یمن کے مختلف علاقوں پر مختلف عامل اپنے اپنے کام اور ذمہ داریوں میں مصروف تھے کہ اچانک اسود عنسی ملعون نے یمن میں نبوت کا دعویٰ کیا، یہ کاہن اور شعبدہ باز تھا۔ اس کے ساتھ دو شیطان رہتے تھے۔ ایک کا نام سحیق تھا اور دوسرے کا شقیق تھا۔ اسود عنسی کا نام عبہلہ بن کعب بن غوث تھا، اور یہ کہف حنان علاقہ کا رہنے والا تھا۔ ابتداء میں ان کے ساتھ سات سو جنگجو آدمی شامل ہو گئے تو اس خبیث نے حضور اکرم ﷺ کے مقرر کردہ عاملین کو اس طرح خط لکھا:

ایھا المتمردون علینا. امسکوا علینا ما اخذتم من ارضنا فنحن اولی به.

اے ہم پر سرکشی کرنے والو! تم نے جو ہماری زمینیں لے لی ہیں، وہ ہمیں واپس دے دو، کیونکہ ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں۔

اس کے بعد یہ شخص نجران کی طرف متوجہ ہوا تو دس دن میں اس پر قبضہ کر لیا، پھر صنعاء کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں اس کے مقابلے پر شہر بن باذان آیا۔ دونوں کی لڑائی ہوئی۔ اسود غالب آیا اور شہر بن باذان کو شہید کر دیا اور اس کے لشکر کو توڑ کر رکھ دیا۔ صرف 25 دن میں اس نے صنعاء پر قبضہ کر لیا۔ وہاں سے حضرت معاذ بن جبلؓ پیچھے ہٹ گئے، اور راستے میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لے کر دونوں حضر موت کی طرف چلے گئے۔ حضور اکرم ﷺ کے دوسرے عامل، طاہر بن ابی ہالہ کے ہاں جمع ہو گئے، اور خالد بن سعید اور عمرو بن حزم واپس مدینہ چلے گئے۔

اب پورا یمن اسود عنسی کے قبضے میں آ گیا اور آگ کے شعلے کی طرح اس کی قوت بھڑک اٹھی۔ یمن کے اکثر لوگ اس کی وجہ سے مرتد ہو گئے۔ عمرو بن معدیکرب بھی اس فتنے کا شکار ہوئے، تو اسود نے ان کو اپنا نائب مقرر کیا۔ عمرو بن معدیکرب بعد میں مسلمان ہو گئے۔

اسود عنسی نے فیروز دیلمی کو ابناء پر امیر مقرر کیا اور داذویہ کو اس کا معاون مقرر کیا۔ شہر بن باذان کی بیوی کو زبردستی اپنے نکاح میں لے لیا۔ یاد رہے کہ فیروز دیلمی، داذویہ اور شہر بن باذان کی بیوی ازاذ تینوں اسلام پر قائم تھے لیکن اس شیطان نے ان کو اپنے کام میں زبردستی لگا رکھا تھا۔ اس طرح اس کا فتنہ انتہائی مضبوط ہوا۔ اسود کے دعویٰ سے اس کے قتل تک کل چار ماہ کا عرصہ تھا، جو اس فتنے کی کل عمر تھی۔

حضور اکرم ﷺ نے یمن کے اطراف میں جو علاقے مسلمانوں کے تھے اور ان کے عامل اسلام پر قائم تھے، سب کو خط لکھا جس کا مضمون تھا کہ سب مسلمان اپنے دین پر قائم رہیں اور سب مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اسود عنسی کے قتل کے لیے کھڑے ہو جائیں۔ چاہے میدانِ مقابلہ میں اس کو قتل کریں چاہے خفیہ طور پر۔ اس خط کو مدینہ منورہ سے ایک صحابی وبر بن یحنسؓ نے لے کر مختلف علاقوں کے عمال تک الگ الگ طریقوں سے پہنچایا۔ حضرموت میں حضرت معاذؓ بن جبل نے سب لوگوں کو اسلام پر جمع کر دیا تھا۔ نجران والوں نے بھی یہ خط پڑھا۔ حضرت فیروز دیلمیؓ اور ان کے احباب تک بھی یہ خط پہنچا۔ اس خط اور حضرت فیروزؓ وغیرہ کی محنتوں سے ایک فوری فائدہ تو یہ ہوا کہ اسود عنسی کی فوج کا جرنیل قیس بن عبد یغوث خفیہ طور پر مسلمان ہو کر حضرت فیروز دیلمیؓ کا ہمراز بن گیا اور اسود کے قتل کی منصوبہ سازی کرنے لگا۔ یہ خط جشیش ابن دیلمی تک بھی پہنچا۔ اس نے اسود عنسی کے قتل میں بنیادی کردار ادا کیا۔ بہرحال حضرت فیروز دیلمیؓ، داذویہ، ازاذ، قیس بن یغوث اور جشیش بن دیلمی کی صورت میں یہ ایسا گروہ تیار ہو گیا جو اسود عنسی کے گھر کے لوگ تھے۔ لیکن اس خبیث کے پاس شعبدہ بازی کا ایسا فن تھا کہ جس کے سامنے سب حیلے بے کار تھے۔ پھر عمومی قوت وہ شیطان حاصل کر چکا تھا لیکن اللہ نے مدد کی اور مسئلہ ختم ہو گیا۔

حضرت فیروز دیلمیؓ نہایت نیک بخت اور خوش نصیب انسان ہیں جنھیں خود پیارے آقا کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے جھوٹے مدعی نبوت اسود عنسی کو قتل کرنے کے لیے یمن بھیجا اور انھیں جنت الفردوس کی بشارت دی۔ 10 ربیع الاوّل 11ھ کو نبی کریم ﷺ حالت علالت میں ام المومنین حضرت عائشہؓ کے مکان پر تشریف لائے اور یک شنبہ کے دن مرض نے شدت اختیار کر لی۔ آپ ﷺ نے انھی ایام علالت میں فرمایا: ''میں نے خواب میں اپنے ہاتھوں میں سونے کے کنگن دیکھے۔ مجھے ان سے نفرت ہوئی تو ان پر پھونک دیا۔ معاً دونوں کنگن معدوم ہو گئے۔ ان دو کنگنوں کی تعبیر یہی دو دجال ہیں کہ میں جن کے درمیان میں ہوں۔ ایک مسیلمہ یمامہ والا اور دوسرا اسود عنسی۔ آپ ﷺ نے انھی ایام علالت میں وحی الٰہی سے اطلاع پا کر یہ بھی فرمایا کہ ''اسود عنسی فلاں روز اور فلاں مقام پر قتل کیا جائے گا۔'' چنانچہ ویسا ہی ہوا۔''

اسود عنسی کے خلاف فارسیوں کا جو گروپ تیار ہو گیا تھا، انھوں نے آپس میں مل

بیٹھ کر مشورہ کیا۔ ابھی مشورہ ہوا تھا کہ اسود کے شیطان نے جا کر اسود کو پورے منصوبے سے آگاہ کر دیا۔ اسود عنسی نے اپنے جرنیل قیس کو بلایا اور کہا اے قیس، یہ کیا کہتا ہے۔ قیس نے کہا کہ کیا کہتا ہے؟ اسود نے کہا یہ کہتا ہے: ''تم نے قیس کی طرف توجہ کی، اس کا اکرام کیا۔ جب وہ مکمل طور پر تجھ پر حاوی ہوا اور عزت میں تیرے جیسا بن بیٹھا تو اس نے دشمن کی چال چلی اور دل میں چھپا کر تیری حکومت کا ارادہ کر لیا۔ یہ کہنے والا کہتا ہے اے اسود، اے اسود! اے تیرا ناس ہو۔ اے تیرا ناس ہو۔ جاؤ اور قیس کی گردن اڑاؤ، ورنہ وہ تجھے پہلے قتل کر دے گا۔''

قیس: تیری عزت و عظمت کی قسم! بخدا! میرے دل و دماغ میں تو آپ اس سے کہیں بڑھ کر ہیں کہ میں آپ کے بارے میں ایسا خیال بھی کروں۔

اسود: میرا آپ کے متعلق یہ گمان نہیں کہ آپ بادشاہ کے سامنے جھوٹ بولتے ہوں۔

قیس باہر جا کر اپنے ساتھی فیروز اور داذویہ سے مشورہ کرنے لگا۔ اور اندر کی گفتگو کا تذکرہ کیا۔ انھوں نے کہا کہ ہم سب کو خطرہ لاحق ہے۔ اب کیا کرنا چاہیے؟ وہ لوگ مشورہ کر ہی رہے تھے کہ اسود کا قاصد آیا اور سب کو اسود کے ہاں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ وہ اسود کے پاس گئے تو اسود اور ان کے درمیان یہ گفتگو ہوئی:

اسود: کیا میں نے تم سب کو دوسروں سے کہیں زیادہ عز و شرف سے نہیں نوازا؟

فارسی گروپ: جی ہاں مقام دیا ہے۔

اسود: پھر تمھارے خفیہ مشوروں کی اطلاعات کیوں آ رہی ہیں؟

گروپ: اس دفعہ ہمیں معاف فرمائیں۔

اسود: تم آئندہ ایسی باتیں مت کرو تو میں معاف کر دیتا ہوں۔

قیس کہتے ہیں کہ پھر ہم وہاں سے باہر آ گئے لیکن اسود کو ہمارے بارے میں سخت شبہ لاحق تھا۔ ہم اسی حالت میں تھے کہ اچانک ہمارے پاس عامر بن شہر، امیر ہمدان، ذی ظلم اور ذوالکلاع وغیرہ یمن کے امیروں کے خطوط آئے، جس میں سب نے یہ کہا تھا کہ ہم تمہاری مدد کے لیے تیار ہیں۔ تم اسود عنسی کا کام تمام کر دو۔ ہم نے جواب دیا کہ ابھی ہم منصوبہ بنا رہے ہیں۔ تم ذرا رک جاؤ۔

ازاذ، کردار کے اعتبار سے نیک اور غیور خاتون تھی، جو شہر بن باذان شہید کی بیوہ تھی۔ اس کے شوہر کو اسود نے قتل کیا اور اس سے زبردستی نکاح کر لیا تھا۔ یہ فیروز دیلمیؓ کی چچا زاد

بہن تھی۔ یہ غیور خاتون، اسود کے گھر میں دین اسلام پر قائم تھی اور اسود کی جانی دشمن تھی۔
حضرت قیسؓ فرماتے ہیں کہ ہم سخت پریشان تھے،تو میں اس خاتون سے اسود کے گھر جا کر ملا۔

قیس: اے میرے چچا کی بیٹی! آپ کو معلوم ہے کہ اس شخص کا فتنہ پھیل گیا ہے۔ اس نے تیرے شوہر کو قتل کیا اور تیری قوم کے مردوں کو قتل کیا اور عورتوں کی بےحرمتی کی۔ اب بتاؤ، آپ کے ہاں اس شخص کا علاج کیسا ہوگا؟

ازاذ: کیا آپ لوگ اس شخص کو قتل کرنا چاہتے ہیں؟

قیس نے کہا۔ ہاں وہ ملک بدر ہو جائے یا قتل ہو جائے۔ ہم ہر بات کے لیے تیار ہیں۔

ازاذ: ہاں۔اس کا قتل کرنا ہی بہتر ہے۔ خدا کی قسم! یہ انتہائی مبغوض شخص ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی پروا کرتا ہے اور نہ کسی انسان کی۔ جب تم قتل کا ارادہ کرلو، تو پہلے مجھے بتاؤ۔ قیس کہتا ہے کہ جب میں باہر نکل آیا تو فیروز اور داذویہ میرا انتظار کر رہے تھے۔ ہم آپس میں ابھی اکٹھا نہیں ہوئے تھے کہ اسود نے ہم سب کو بلایا۔ ہم اس کے پاس گئے اور یہ گفتگو ہوئی۔

اسود: میں تمھیں سچ بتاتا ہوں اور تم لوگ میرے ساتھ جھوٹ کا معاملہ کرتے ہو۔ یہ کہنے والا مجھے کہتا ہے۔ اے تیرا ناس ہو۔ اے تیرا بُرا ہو۔ اگر تو نے قیس کے ہاتھ نہ کاٹے تو یہ تیری گردن کاٹ ڈالے گا۔

قیس: یہ کہنے والا صحیح نہیں کہتا ہے۔اگر آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو آپ کے سامنے میرا مرنا زیادہ بہتر ہے۔ ہر روز کٹ کٹ کر مرنے سے ایک ہی دن مر جاؤں گا۔ چلو مجھے قتل ہی کر دو۔

اسود ترس کھا کر کہنے لگا۔ یہاں سے نکل جاؤ۔

قیس وہاں سے باہر آ گیا اور اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے لگا اور کہا کہ بس اب کارروائی کرو۔ یہ لوگ ان باتوں میں تھے کہ اسود عنسی باہر آ گیا۔

اسود: اے فیروز! تجھ سے جو باتیں مجھ تک پہنچی ہیں، کیا وہ حقیقت نہیں؟ میں نے تو ارادہ کرلیا ہے کہ تجھے بھی ذبح کر کے ان جانوروں کے ساتھ ملا دوں۔ یہ کہہ کر اسود نے تلوار کھینچ لی۔

فیروز: آپ نے ہمیں اپنا سسرال بنایا۔ پھر فارسیوں میں ایک مقام دیا۔ اگر آپ

نبی نہ ہوتے تو ہم اپنی ہمدردیاں آپ سے وابستہ نہ کرتے۔ حالانکہ اب تو ہم دنیا و آخرت دونوں کے لحاظ سے ایک دوسرے کے ساتھ جڑ گئے ہیں تو آپ کو اس قسم کی جو باتیں پہنچتی ہیں، آپ ان پر اعتبار نہ کریں۔

اسود: اچھا، اب میں آپ سے راضی ہو گیا ہوں۔ اب آپ اس گوشت کو اہل صنعاء پر تقسیم کر دیں۔ چنانچہ فیروز وہ گوشت تقسیم کر کے پھر جلدی سے اسود کے پاس گیا، دیکھا کہ وہاں ایک شخص اسود کو ابھار رہا ہے کہ فیروز کو ضرور قتل کیا جائے۔ اسود نے کہا۔ ہاں! کل ہی میں اس کو قتل کروں گا بلکہ ان کے ساتھیوں کو بھی قتل کروں گا۔ آپ ان لوگوں کو کل میرے پاس لے آئیں۔

فیروز نے جا کر اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ یہ سب کچھ طے ہو گیا ہے۔ کل آنے سے پہلے پہلے کچھ کرو۔ سب نے طے کر لیا کہ اسود کی بیوی ازاذ کے ذریعہ سے کوئی منصوبہ بنایا جائے تو فیروز دیلمی ان کے پاس گئے۔ ازاذ نے کہا کہ اسود پر سخت پہرہ رہتا ہے۔ کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں پہرے دار نہ ہو۔ البتہ ایک کمرہ گھر کا ایسا ہے کہ اس کے باہر کی جانب سے کوئی پہرے دار نہیں ہے۔ آپ لوگ باہر سے اس کمرہ کی دیوار میں نقب لگا کر اندر آ جائیں۔ میں کمرہ میں چراغ اور اسلحہ رکھ دوں گی۔ اس طرح دوسرے کمرے میں اسود کذاب تک آپ لوگ پہنچ سکیں گے۔ چنانچہ اس مشورہ کے بعد جب فیروز باہر آئے تو اسود نے ان کو دیکھ لیا اور پھر چیخ کر کہا کہ تجھے میرے گھر اور میری بیوی کے پاس آنے کی کس نے اجازت دی ہے؟ یہ کہہ کر اس نے فیروز کی گردن مروڑنے کی کوشش کی۔ قریب تھا کہ یہ دیوہیکل فیروز کو قتل کر دیتا لیکن اندر سے ازاذ آئی اور کہا کہ یہ میرا چچا زاد بھائی ہے، ملنے کے لیے آیا تھا۔ اسود نے کہا: چپ ہو جاؤ۔ چلو میں نے تیری وجہ سے اس کو معاف کر دیا۔ فیروز اپنے ساتھیوں کے پاس چلا گیا اور کہا جان بچاؤ جان بچاؤ۔ اب سب حیران ہو گئے کہ کیا کرنا چاہیے۔ ازاذ نے پھر ان کو پیغام بھیجا کہ پریشان مت ہو اور جو منصوبہ بنایا ہے اس کو عملی جامہ پہناؤ۔ اب فیروز دوبارہ اپنی بہن کے پاس گیا اور منصوبہ مضبوط کیا۔ دیوار کا کچھ حصہ اندر سے اکھیڑ دیا تاکہ باہر سے نقب زنی میں آسانی ہو، واپسی پر پھر اسود نے ان سب ساتھیوں کو دیکھ لیا اور سب کو ڈانٹ کر ہٹا دیا۔

اب رات کا سناٹا چھا گیا۔ اسود کذاب نے خوب شراب پی اور مست ہو کر سو گیا۔

فیروز دیلمی اپنے ساتھیوں کے ساتھ نقب لگانے میں کامیاب ہو گئے، اندر آ کر اسلحہ اٹھایا، چراغ جلایا اور اسود کذاب کے کمرے میں داخل ہو گئے۔ اسود ریشمی بستر پر اس حالت میں سو رہا تھا کہ اس کی بیوی پاس بیٹھی تھی۔ جوں ہی فیروز قریب آئے تو اسود آہٹ سے اٹھ بیٹھا اور کہا: مالی و مالک یافیروز؟ اے فیروز میرا اور تیرا کیا معاملہ ہے؟

اب فیروز گھبرا گئے کہ اگر واپس آ جاؤں گا تو مجھے قتل کر دیں گے اور اس عورت کو بھی مار دیں گے۔ یہ سوچ کر فیروز دیلمی نے اس پر حملہ کر دیا۔ وہ اونٹ کی طرح قوی ہیکل تھا لیکن فیروز نے اس کی گردن توڑ دی اور اس کی کمر میں گھٹنے دبا کر اس کو قتل کر دیا اور پھر باہر نکلنے لگے تاکہ باقی ساتھیوں کو اطلاع کر دیں۔ ازاذ نے کہا کہ کہاں جا رہے ہو مجھے چھوڑ کر؟ آپ نے فرمایا، ساتھیوں کو اطلاع دینے جا رہا ہوں۔ چنانچہ وہ سب لوگ آ کر اسود کا سر کاٹنے لگے۔ لیکن اس کے شیطان نے اس کو پھر حرکت دے دی۔ اب تو اسود اُچھل رہا تھا اور کسی کے قابو میں نہیں آ رہا تھا حتیٰ کہ دو ساتھی اس کی پیٹھ پر بیٹھ گئے۔ اس کے منہ میں چادر ٹھونس دی اور عورت نے اس کو سر کے بالوں سے پکڑ لیا اور تیسرے ساتھی نے اس کو ذبح کر کے سر تن سے جدا کر لیا۔ اسود اتنا شدید بڑبڑا رہا تھا، جیسا کہ ایک طاقت ور بیل پوری طاقت سے آواز دے رہا ہو۔ باہر چوکیداروں اور پہرے داروں میں ہلچل مچ گئی اور انھوں نے کہا کہ ماھذا ماھذا کیا ہو رہا ہے؟ اسود کی بیوی نے کہا۔ نبی یوحی الیہ یعنی نبی کو وحی آ رہی ہے۔ وہ لوگ واپس ہو گئے اور اسود کذاب ٹھنڈا ہو گیا۔ اس طرح ایک خبیث ملعون کا خاتمہ ہو گیا اور مخلوق خدا اس کے فساد سے بچ گئی۔

اب قیس، فیروز اور داذویہ مشورہ کے لیے بیٹھ گئے کہ اس قتل کا عام اعلان کیسے کیا جائے۔ چنانچہ سب نے اتفاق کر لیا کہ صبح کے وقت اپنے خاص اسلامی شعار کا اعلان مسلمانوں کے سامنے کر دیں گے اور اسود کے قتل کا اعلان ہو جائے گا۔ چنانچہ صبح کے وقت قیس نے قلعہ کی دیوار پر کھڑے ہو کر خاص اسلامی شعار سے مسلمانوں کو اکٹھا کیا اور پھر صبح ہی کے وقت حضرت وبر بن یحنّس نے اذان دے دی اور فرمایا اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰه وَاِنَّ عبهلة كذّاب یعنی حضور اکرم ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں اور اسود عنسی عبہلہ جھوٹا ہے۔ یہ کہہ کر آپؓ نے اسود کا سر لوگوں کے سامنے میدان میں پھینک دیا۔ اب تو اسود کے ساتھی جان بچانے کی غرض سے دُم دبا کر بھاگنے لگے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے کسی

کو قید کیا اور کسی کو قتل کر دیا۔ اس طرح اسلام کا بول بالا ہو گیا۔ کلمۂ اسلام غالب آیا اور کلمہ کفر مٹ گیا۔ یمن پر حضور اکرم ﷺ کے جتنے عامل تھے، وہ سب واپس اپنے اپنے مقامات پر آ گئے اور چار ماہ کی اسودی نبوت اور فراڈ بھرا فتنہ فرو ہو گیا۔

ادھر آسمان سے بذریعہ وحی حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اسی رات اطلاع دے دی، جس رات اسود قتل ہو گیا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرات صحابۂ کرامؓ کو اس طرح خوش خبری سنائی:

''آج رات اسود عنسی کو ایک مبارک خاندان کے ایک مبارک شخص نے قتل کر دیا۔ لوگوں نے پوچھا۔ وہ کون شخص ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: فیروز فاز فیروز وہ کامیاب شخص فیروز ہے فیروز۔'' (البدایہ والنہایہ ج 6 ص 312)

اس اطلاع کے ایک دن بعد آپ ﷺ کا وصال ہو گیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ دوسرے جھوٹوں اور ان کے فتنوں کا بھی یہی حشر ہو گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اس پوری کارروائی سے امت محمدیہ کو جو سبق ملا، وہ محتاج بیان نہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے اس کذاب کے قتل کا خود حکم صادر فرمایا۔ حضرات صحابۂ کرامؓ نے اس کے قتل میں کٹھن تکلیفیں اٹھائیں تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان محنتوں کے ثمر میں ان کے لیے آسانیاں پیدا کر کے اس مردود کے اپنے گھر میں ہی اس کے قتل کا سامان کر دیا اور یوں فتنۂ ارتداد کا ایک بہت بڑا دروازہ بند ہو گیا۔ اگر مسلمان جھوٹے مدعی نبوت آنجہانی مرزا قادیانی کو گربہ کشتن روز اوّل کے مصداق ابتداء میں ہی قتل کر دیتے تو یہ فتنہ اپنی موت آپ ہی مر چکا ہوتا۔ یوں پھر نہ تقریروں کی ضرورت تھی نہ تصانیف اور نہ وعظ و بیان اور احتجاج کی ضرورت تھی اور نہ آج تک یہ فتنہ اس طرح زندہ رہتا۔ یہ ایک لمحہ فکریہ ہے!

طلیحہ اسدی

طلیحہ اسدی، حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں مرتد ہو گیا تھا۔ یہ شخص انتہائی بہادر تھا، اور ایک ہزار آدمیوں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ 9 ہجری کو قبیلہ اسد کے وفد میں طلیحہ نے آ کر اسلام قبول کر لیا اور جب واپس گیا تو مرتد ہو گیا اور نبوت کا دعویٰ کیا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس کے قتل کے لیے حضرت ضرارؓ بن ازور کو بھیجا تھا۔ لیکن حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد

اس شخص کا معاملہ انتہائی سنگین ہو گیا۔ عیینہ بن حصن فزاری اپنی قوم کے ساتھ مرتد ہو کر طلیحہ کے ساتھ مل گیا، اور اس کا دستِ راست بن گیا۔

طلیحہ اسدی، مرزا قادیانی کی طرح حدیثوں کی تاویلات کر کے امتی نبی ہونے کا مدعی تھا اور کہتا تھا کہ ''لا نبی بعدی'' کے یہ معنی ہیں کہ میرے بعد نبی ''لا'' ہوگا۔ یعنی ایسا شخص نبی ہوگا۔ جس کا نام ''لا'' ہوگا۔ اور میرا ایک نام ''لا'' بھی ہے۔ پس میں نبی ہوں۔ طلیحہ کہا کرتا تھا کہ میرے پاس فرشتہ آتا ہے۔ طلیحہ نے نماز سے سجدہ کو ختم کرنے کا اعلان کیا۔ ان مرتدین کو جب پتا چلا کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی فوج آ رہی ہے تو انھوں نے بزاخہ میں تمام قبائل اسد و غطفان و فزارہ و عبس اور ذبیان کے درمیان ایک فوجی معاہدہ کیا اور سب نے مل کر ایک متحدہ فوج تشکیل دی تا کہ خالدؓ بن ولید کا مقابلہ کر سکیں۔ عیینہ بن حصن فزاری نے اس تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا اور پھر کہا۔ قسم بخدا! معاہدین میں سے ایک نبی کو ماننا مجھے قریش کے نبی سے زیادہ محبوب ہے۔ محمد ﷺ کا انتقال ہو چکا ہے۔ اب صرف طلیحہ ہی نبی ہے۔

اس مضبوط قوت کے جمع ہونے کے بعد وہاں سے حضور اکرمؐ کے مقرر کردہ لوگ مدینہ منورہ واپس آئے اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو تمام احوال سے آگاہ کیا۔ حضرت خالدؓ نے الحرب خدعۃ کے اصول کے تحت عوام الناس کو بتایا کہ وہ خیبر کی طرف جا رہے ہیں اور آپ نے بزاخہ کی طرف اپنے پُر وقار لشکر کو روانہ کر دیا۔ قبیلہ اسد اور غطفان کے درمیان ایک تیسرا قبیلہ طے بھی رہتا تھا۔ ان لوگوں کے ارتداد کی خبریں بھی حضرت صدیق اکبرؓ کو پہنچ رہی تھیں۔ حضرت خالدؓ نے چاہا کہ پہلے کارروائی قبیلہ طے کے خلاف کی جانی چاہیے۔ لیکن خوش قسمت عدی بن حاتم ؓ نے آ کر حضرت خالدؓ سے درخواست کی، اور اسی طرح صدیق اکبرؓ سے اجازت طلب کی کہ مجھے اپنی قوم کے سمجھانے کے لیے کچھ مہلت دی جائے۔ چنانچہ صدیق اکبرؓ نے ان کو حضرت خالدؓ کے لشکر سے پہلے روانہ کر دیا اور حاتم طائی کا یہ سردار بیٹا اپنی قوم بنی طے میں دو بڑے قبیلوں جدیلہ اور غوث کے پاس پہنچ گیا۔ معلوم ہوا کہ طلیحہ نے ان لوگوں کو اپنے ساتھ ملایا ہوا ہے اور قریباً ڈیڑھ ہزار آدمی بزاخہ میں جمع ہیں۔ حضرت عدی بن حاتم نے لوگوں کو سمجھایا، وہ کہنے لگے کہ ہم ابوالفصیل کی اطاعت نہیں کریں گے۔ یعنی حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو ابوالفصیل کہا۔ مطلب یہ ہے کہ اونٹوں کے چھوٹے بچوں کا مالک۔ حضرت عدیؓ نے فرمایا۔ بدبختو: صدیقؓ نے خالد کو ایسے لشکر کے ساتھ روانہ کیا ہے، وہ تم پر چڑھ آئے

تو پھر ابوبکرؓ ابوالفحل الاکبر بن جائے گا، یعنی بڑے اونٹوں کا مالک۔ بہرحال ان لوگوں نے کہا کہ ہمارے لوگ طلیحہ کے پاس ہیں۔ اگر ہم اسلام کی طرف واپس آنے کا اعلان کرتے ہیں تو طلیحہ سب کو قتل کر دے گا۔ آپ صبر کریں کہ وہ لوگ کسی طریقہ سے واپس آ جائیں۔ چنانچہ بعد میں وہ لوگ وہاں سے واپس آ گئے تو جدیلہ اور غوث اور طے کے باقی خاندانوں نے اسلام قبول کر لیا اور اس طرح حضرت خالدؓ ایک بڑی مہم سے فارغ ہو گئے بلکہ طے کے ایک ہزار بہادر نوجوان بھی طلیحہ کے خلاف لشکر اسلام میں شامل ہو گئے۔ اب صرف بزاخہ میں اسد و غطفان و فزارہ وغیرہ کے خلاف کارروائی رہ گئی۔

قبیلہ جدیلہ اور غوث کے ڈیڑھ ہزار انسان طلیحہ سے کٹ گئے اور مسلمانوں کے ساتھ آ کر مل گئے۔ اس سے طلیحہ کا بڑا نقصان ہوا تھا۔ مناسب تو یہ تھا کہ وہ پیچھے ہٹ کر سرکشی چھوڑ دیتا لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ وہ مزید سرکشی پر اتر آیا۔ ادھر اس کے دست راست عیینہ بن حصن نے لشکروں کو منظم کیا اور مقابلہ و مقاتلہ کے لیے تیار ہو گیا۔ اس شخص کا لقب احمق مطاع تھا، یعنی بے وقوف سردار۔ یہ کہتا تھا کہ محمد ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اب طلیحہ نبی ہے۔ اب یہاں مسئلہ صرف زکوٰۃ دینے کا نہیں رہا تھا، بلکہ ایک نیا دین کھڑا ہو گیا تھا اور ایک نئی بغاوت قائم ہو گئی تھی اور دین اسلام کے مٹانے کی فکر ہو رہی تھی۔ اب جنگی لحاظ سے ضرورت اس امر کی تھی کہ بزاخہ میں احمق مطاع کی اس عظیم الشان طاقت سے پہلے نمٹا جائے۔ اسی وجہ سے حضرت خالدؓ کو ان پر چڑھائی کے لیے بھیجا گیا تھا اور حضرت صدیق اکبرؓ نے انھیں حکم دیا تھا کہ ان لوگوں کو قتل کے ہر طریقے کے ساتھ قتل کر کے نشانِ عبرت بنا دو۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس جو قوت تھی، وہ منتشر تھی کیونکہ جزیرۂ عرب میں تقریباً ہر جگہ فوج مصروف تھی۔ یہ پوری قوت ستر ہزار تک مشکل سے پہنچتی تھی اور بزاخہ پر کارروائی کے لیے حضرت خالدؓ کے پاس زیادہ سے زیادہ دس ہزار کی فوج تھی، جبکہ دشمن کی چالیس ہزار فوج صرف بزاخہ میں تیار بیٹھی تھی۔ بنو اسد کو میسر ہر قسم کی آرام و سہولت، حفاظت اور مثالی شجاعت کے پیش نظر حضرت خالدؓ نے انتہائی احتیاط سے قدم اٹھایا۔ دس ہزار مسافروں اور دُور دراز سے آئے ہوئے تھکے ماندے مجاہدین کا مقابلہ چالیس ہزار جنگجوؤں اور تجربہ کاروں سے تھا۔ اس لحاظ سے حضرت خالدؓ نے دو پہاڑوں اور مضبوط و محفوظ مقامات آجاء اور سلمیٰ پر اپنی فوج اتار دی اور پوزیشن سنبھال لی۔

حضرت خالدؓ نے حالات کی نزاکت کا اندازہ لگا لیا تھا۔ اس لیے آپ نے حالات معلوم کرنے کے لیے اپنا ایک جاسوسی دستہ بزاخہ کی طرف روانہ کر دیا۔ یہ دو مشہور صحابی تھے۔ ایک کا نام عکاشہ بن محصنؓ تھا، جن کو حضور اکرم ﷺ نے بلا حساب و کتاب جنت کی خوش خبری سنائی تھی۔ اور دوسرے کا نام ثابتؓ بن اقرم انصاری تھا، یہ دونوں بہادر اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر حالات کا کھوج لگانے کے لیے آگے بڑھے۔ بزاخہ میں دشمن غافل نہیں تھا۔ ان کا سردار ایک عیار، مکار، ہوشیار اور بہادر شخص تھا۔ یعنی خود طلیحہ جو ایک ہزار کا اکیلے مقابلہ کرتا تھا، اس نے بھی خالدؓ کی طرح اپنا ایک جاسوسی دستہ لشکر اسلام کے احوال معلوم کرنے کے لیے بھیج دیا تھا۔ دونوں جاسوسی دستے اچانک ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہو گئے۔ اب لڑائی کے سوا کوئی دوسری صورت نہ تھی، لہٰذا حضرت عکاشہؓ نے طلیحہ کے بھائی اور ان کے ماتحت جاسوسی دستے پر حملہ کر دیا۔ دستے کا کمانڈر طلیحہ کا بھائی مارا گیا اور باقی لوگ واپس بزاخہ بھاگ نکلے۔

جب طلیحہ کو اپنے بھائی کے قتل ہونے کا پتا چلا تو غصہ سے بھر گیا اور آگ بگولا ہو کر اپنے مشہور گھوڑے پر سوار ہو کر اسلامی دستے کا تعاقب شروع کیا اور پھر حضرت عکاشہؓ اور ثابتؓ بن اقرم پر قابو پا کر شدید لڑائی کے بعد دونوں کو شہید کر دیا۔ مسلمانوں کو اس پر بڑا رنج ہوا۔ کیونکہ یہ دونوں اعلیٰ درجے کے بہادر کمانڈر تھے۔ میدان بدر میں جب حضرت عکاشہؓ کی تلوار ٹوٹ گئی تھی تو حضور اکرم ﷺ نے ان کو کھجور کی ایک شاخ عطا فرمائی جو فوراً تلوار بن گئی۔ طلیحہ ان دونوں کے قتل پر فخر کرتا تھا۔

حضرت خالدؓ، لشکر اسلام کو تیار کر رہے تھے، چونکہ تھکے ماندے تھے، کچھ آرام بھی مطلوب تھا۔ ادھر سے حضرت عدیؓ بن حاتم نے پیغام بھیجا کہ کچھ صبر کریں۔ میں قبائل طے کا ایک بھرپور لشکر تیار کر رہا ہوں۔ چنانچہ وہ عظیم لشکر بھی شاہینوں کی طرح حضرت خالدؓ کے ہاں پہنچ گیا۔ ادھر طلیحہ کا زبردست لشکر مکمل تیار ہو گیا۔ ایک جنگی دستے کی قیادت خود طلیحہ کر رہا تھا۔ دوسرے کی قیادت اس کا بھائی سلمہ کر رہا تھا۔ تیسرے کی قیادت عیینہ بن حصن کر رہا تھا۔ چوتھے کی قیادت قرہ نامی جرنیل کر رہا تھا۔

حضرت خالدؓ نے اسلامی لشکر کے جانبازوں کو بزاخہ کی طرف بڑھنے کا اشارہ دیا تو اسلام کے یہ شاہین ایک دم بزاخہ سے ایک میل کے فاصلے تک قریب پہنچ گئے اور وہاں پڑاؤ ڈالا۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے حکم کے مطابق حضرت خالدؓ، طلیحہ کو دعوت اسلام دینے کے

لیے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ اس کے قریب گئے اور فرمایا کہ طلیحہ کو بات کرنے کے لیے بلاؤ۔ طلیحہ کے پیروکاروں نے کہا کہ ہمارے نبی کے نام میں تصغیر کیوں استعمال کرتے ہو وہ تو طلحہ ہے۔ اتنے میں طلیحہ آ گیا۔ حضرت خالدؓ نے اس سے کہا کہ تم نے اسلام چھوڑا ہے، اب دوبارہ اسلام میں داخل ہو جاؤ، ہم تم کو چھوڑ دیں گے۔ طلیحہ نے نہایت متکبرانہ انداز سے کہا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور یہ گواہی بھی دیتا ہوں کہ میں نبی اور رسول ہوں۔ میرے پاس فرشتہ آتا ہے جس کا نام ذوالنون ہے۔ جس طرح محمد ﷺ کے پاس جبرئیل آیا کرتا تھا۔

ایک دفعہ طلیحہ سے کسی نے پوچھا تھا کہ اپنی وحی تو سناؤ تو وہ کہنے لگا۔

والحمام والیمام والصرد والصوام قد صمن قبلکم باعوام لیبلغن ملکنا العراق والشام یعنی کبوتر اور قمری اور لال بیگ وغیرہ کی قسم! جنھوں نے تم سے کئی سال پہلے روزے رکھے۔ یقیناً ہماری حکومت عراق اور شام تک پھیلے گی۔

طلیحہ نے جب حضرت خالدؓ کی دعوت ٹھکرا دی تو خالدؓ واپس معسکر تشریف لائے اور رات بھر لشکر کو تیار کیا اور سحری کے وقت بڑا جنگی جھنڈا زیدؓ بن الخطاب کے ہاتھ میں دیا۔ انصار کا جھنڈا قیس بن شماس کے حوالے کیا۔ بنی طے کا جھنڈا حضرت عدیؓ کو دیا اور خود پیدل ہو کر لشکر کو درست کرنے لگے۔

ادھر طلیحہ نے عمومی قیادت عیینہ بن حصن کے ہاتھ میں دے دی اور خود چالیس بہادر نوجوانوں کے پہرے میں جا کر خیمے میں بیٹھ گیا اور کہا کہ میں ذُوالنون کی وحی کا انتظار کر رہا ہوں۔

حضرت خالدؓ نے اپنی فوجوں کو عمومی حملہ کا حکم دے دیا۔ لشکر اسلام کے سپاہیوں نے چالیس ہزار کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ لیکن طلیحہ کے لوگ اس طرح ڈٹ گئے اور عیینہ بن حصن نے اس طرح بہادری دکھائی کہ لشکر اسلام کے جوان سست پڑ گئے اور پھر عارضی شکست سے دوچار ہوئے۔ حضرت خالدؓ کو یہ صورتِ حال نہایت ناگوار معلوم ہوئی اور آپ شدید غم کی حالت میں اس طرح مسلمانوں کو بلا رہے تھے۔ اللہ اللہ یا معشر الانصار اے جماعت انصار و مہاجرین خدارا واپس آ جاؤ۔ یہ کہہ کر حضرت خالدؓ نے دو تلواریں اٹھا لیں اور اپنے گھوڑے کو کفار کے بالکل بیچ میں ڈال دیا اور ان کی جماعت میں گھستے چلے گئے۔

مسلمان، حضرت خالدؓ کو اس طرح آواز دے کر بلا رہے تھے۔

الله الله فانت امیر القوم ولا ینبغی لک ان تقدم.
آپ تو لشکرِ اسلام کے امیر ہیں۔ آپ کو اس طرح گھس کر آگے نہیں بڑھنا چاہیے۔
خالد: بخدا مجھے خوب معلوم ہے جو آپ کہتے ہو۔ لیکن میں مسلمانوں کی شکست پر صبر نہیں کر سکتا۔

مسلمان: یا خالد علیک سلمیٰ و آجاء. اے خالدؓ آجا و سلمیٰ میں پناہ لے لو۔
خالدؓ: ہل الی اللہ الملجاء: آجا و سلمیٰ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی پناہ درکار ہے۔

حضرت خالدؓ موت کی پروا کیے بغیر برابر صفوفِ کفار میں آگے بڑھتے رہے اور شدید جنگ لڑتے رہے۔ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ خالدؓ واپس نہیں آ رہے ہیں تو سب نے مل کر کفار پر شدید حملہ کر دیا اور گھمسان کی جنگ کے بعد طلیحہ کے لشکر کو شکست فاش دے دی۔ حضرت خالدؓ نے طلیحہ کے خاص پہریدار چالیس نوعمر جوانوں کو قتل کر دیا اور لشکر کفار کے پرچم بردار کو ہلاک کر دیا۔ اس طرح کفار کے کئی لوگ مارے گئے اور کئی قید ہو گئے اور اس مرحلہ میں مسلمانوں نے ایک حد تک جنگ جیت لی۔

طلیحہ کے خاص پہرے دار مارے گئے تھے۔ اب اسلامی لشکر نے ازسرِ نو صف بندی کر کے دوبارہ شدید حملہ کیا۔ گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ طلیحہ اپنے خیمے میں اس غرض سے گیا کہ ابھی اسے آسمان سے وحی آئے گی۔ وہ وہاں وحی کے انتظار میں بیٹھ گیا اور اس کا نائب احمق مطاع جس کو حضورِ اکرم ﷺ نے دیکھ کر احمق مطاع کا نام دیا تھا، میدان میں لشکرِ کفار کی کمانڈ کر رہا تھا۔ دس ہزار اسلحہ بردار سپاہی ہر وقت اس بے وقوف کے پیچھے پھرتے رہتے تھے۔ اس وقت سات سو جنگجو انسانوں نے اس کو اپنی حفاظت میں لے رکھا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر لشکرِ اسلام کے شاہین کفار پر ایسے ٹوٹ پڑے کہ ایک دم جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے، انسانوں کے سر فضا میں اُڑ اُڑ کر گر رہے تھے۔ دونوں طرف سے تلواریں ٹکرا ٹکرا کر انسانی خون پی رہی تھیں۔ نیزے سانپوں کی طرح پیچ و تاب کھا کر انسانی جسموں کو چھید رہے تھے۔ طلیحہ کا جھنڈا اس دن سرخ تھا اور ایک انتہائی چست آدمی نے اس کو اٹھا رکھا تھا۔ حضرت خالدؓ نے شیر کی طرح جھپٹ کر اسے قتل کر دیا تو جھنڈا گھوڑوں کے قدموں کے نیچے روندا گیا۔
حضرت خالدؓ نے اس دن ایسی جنگ لڑی کہ اس سے پہلے کبھی زندگی بھر اس طرح جنگ نہیں لڑی تھی۔ مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا۔ طلیحہ اپنے کمبل میں لپٹ گیا کہ شاید کوئی شیطانی وحی آ

جائے۔عیینہ بن حصن نے جا کر طلیحہ سے کہا کہ کوئی وحی آئی ہے؟ تو طلیحہ نے نفی میں جواب دیا۔

مسلمانوں کا دباؤ مرتدین پر بڑھتا ہی رہا۔ یہاں تک کہ احمق مطاع پھر طلیحہ کے پاس گیا اور کہا کہ حالات خراب ہو رہے ہیں۔ بتاؤ کوئی وحی آئی ہے یا نہیں۔ہم تو پس گئے۔ طلیحہ نے کہا کہ مجھے جبرئیل نے یہ کہا۔ان لک رحاکرحاه وحدیثا لا تنساه.یعنی تجھ پر ان کی چکی کی طرح چکی چلے گی اور ایسا واقعہ پیش آئے گا کہ تُو یاد رکھے گا۔

اب احمق مطاع نے یقین کرلیا کہ یہ شخص جھوٹا دجال ہے تو استہزاءً اس نے طلیحہ سے کہا کہ میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جان لیا ہے کہ ایسا واقعہ ہوگا کہ تُو یاد رکھے گا۔ پھر احمق مطاع نے اپنے گھوڑے کو ایڑ دی، اور شدید جنگ میں جا کر اپنی قوم سے کہا کہ طلیحہ جھوٹا دجال ہے۔اب جو شخص جان بچا سکتا ہے، وہ جان بچا لے۔ چنانچہ فزارہ کے سارے لوگ بھاگنے لگے۔اس کے بعد قبیلہ غطفان کے لوگ بھاگ اٹھے اور مسلمانوں نے ان کا پیچھا کر کے بہتوں کو قتل اور بہت سوں کو گرفتار کرلیا۔احمق مطاع بھاگ رہا تھا کہ بنی طے کے ایک شیر عروہ بن اوس نے اس کو گرفتار کرلیا۔حضرت خالدؓ نے اس کے قتل کا حکم دے دیا۔لیکن ایک مخزونی شخص نے اس کی سفارش کر دی۔ چنانچہ وہ قید کی حالت میں زنجیروں میں جکڑا مدینہ منورہ پہنچا دیا گیا۔

بزاخہ میں مرتدین طلیحہ کے پاس جمع ہو گئے کہ اب آپ کا کیا حکم ہے؟ اس نے سواری تیار کر کے بیوی بچوں کو اس پر بٹھایا اور بھاگنے لگا اور قوم کو یہ پیغام دیا کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں، ہر شخص ایسا ہی کرے۔یعنی بھاگنے کی کوشش کرے۔طلیحہ بھاگتے بھاگتے شام پہنچ گیا۔عرصہ تک وہاں رہا اور پھر تائب ہو کر دوبارہ مسلمان ہوا۔خلاصہ یہ کہ طلیحہ شام کی طرف بھاگ گیا۔اس کا بھائی سلمہ بن خویلد بھی مسلمانوں کی قید میں آ گیا۔اس نے درخواست کی کہ مجھے قید کی جگہ قتل کر دو۔ چنانچہ اس کو قتل کر دیا گیا اور احمق مطاع قید ہوا۔ چنانچہ میدان بزاخہ صاف ہوا۔کفر کے سرغنے بھاگ چکے تھے، مرے پڑے تھے یا زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔

احمق مطاع وہی عیینہ بن حصن فزاری مرتدین کا جرنیل اور طلیحہ کا نائب تھا۔اس سے قبل جب حضور اکرم ﷺ نے اسے دیکھا تھا کہ لوگ اسلحہ اٹھائے اٹھائے اس کے پیچھے پھر رہے ہیں اور پہرہ دے رہے ہیں تو حضور اکرم ﷺ نے اس کو احمق مطاع کا لقب دیا تھا

یعنی بے وقوف سردار۔ جب یہ بزاخہ میں قید ہوا تو اس کو گرفتار کر کے مدینہ منورہ کی طرف روانہ کر دیا گیا، کچھ اور قیدی بھی ساتھ تھے، تاکہ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ، ان کے بارے میں اپنی صوابدید پر فیصلہ صادر فرمائیں۔ جب مدینہ منورہ میں احمق مطاع کو پہنچایا گیا تو مدینہ طیبہ کے بچے ان کی طرف دوڑ پڑے اور کھجور کی ٹہنیوں سے اس کو کچوکے مارتے تھے اور کہتے تھے اے اللہ کے دشمن، تم اسلام قبول کرنے کے بعد کفر کی طرف چلے گئے۔ شرم کرو، ڈوب مرو۔

ادھر حضرت خالدؓ کے ہاتھ میں بزاخہ میں جتنے قیدی آئے تھے، سب کو اکٹھا کیا اور خندقیں کھود کر آگ جلائی اور پھر ان لوگوں کو اس جلتی آگ میں ڈال کر جلا دیا گیا۔ بعض مسلمانوں نے حضرت خالدؓ کو اس کے سوا کسی اور سزا کا مشورہ دیا۔ لیکن حضرت خالدؓ نے فرمایا کہ مجھے حضرت صدیق اکبرؓ کی یہ وصیت ہے کہ اگر تم ان لوگوں پر کامیاب ہو گئے تو ان کو آگ میں جلا دو۔ اس طرح ان قیدیوں کا خاتمہ ہو گیا۔ ان مرتدین نے اس سے پہلے مسلمانوں کو بھی اس طرح جلایا تھا۔ بعض کو پہاڑیوں سے گرایا تھا۔ بعض کو پتھروں کے درمیان کچلا تھا تو آج جو کچھ ان کے ساتھ حضرت خالدؓ نے کیا، یہ ان لوگوں کے کیے کا بدلہ تھا اور بطور قصاص ایسا کیا گیا۔

سیف اللہ خالدؓ نے کامل ایک ماہ تک بزاخہ میں اپنے لشکر کے ساتھ قیام کیا تاکہ مرتدین کی ہر طرف سے بیخ کنی کی جائے۔ مرتدین نے اپنی عورتوں اور بچوں کو عام طور پر اس علاقے سے ہٹا دیا تھا۔ اس لیے وہ قید میں نہیں آئے اور وہاں پر حالات درست ہونے کے بعد وہ لوگ دوبارہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اسی سلسلہ میں عمرو بن معدیکرب زبیدی بھی دوبارہ مشرف بہ اسلام ہوئے اور اس طرح اس علاقے میں اسلام کا کلمہ اس عظیم جہاد کے بعد بلند ہوا۔

سجاح بنتِ حارث

سجاح بنتِ حارث نامی عورت بنوتمیم کے قبیلہ یربوع سے تعلق رکھتی تھی لیکن یہ خود عراق میں رہتی تھی۔ یہ مالک بن نویرہ کے خاندان کی نہایت معزز خاتون سمجھی جاتی تھی اور ایک قسم کی سرداری اس کے ہاتھ میں تھی۔ یہ عورت مسلمان نہیں ہوئی تھی، بلکہ بنوتغلب کے

عیسائیوں سے اس کا مذہبی رشتہ تھا۔ جب حضور اکرم ﷺ کا وصال مبارک ہوا اور جزیرۂ عرب میں ارتداد کے فتنے اٹھے اور جھوٹے نبیوں نے سر اٹھایا تو اس عورت نے بھی موقع کو غنیمت سمجھا اور نبوت کا دعویٰ کر کے بنو تمیم کے پاس آ گئی۔ اس کے آنے سے بنو تمیم کے لوگ بھڑک اٹھے اور کھل کر بغاوت شروع کر دی۔ اس عورت کا اصل ہدف تو حضرت صدیق اکبرؓ کو خلافت سے ہٹانا اور مدینہ پر قبضہ کرنا تھا۔ عراق سے ایک بڑا لشکر بھی اس مقصد کے لیے ساتھ لے کر آئی تھی لیکن اس نے یہ خیال کیا کہ بنو تمیم میں بھی اضطراب ہے، تو پہلے وہاں جا کر قوت کو مجتمع کیا جائے، پھر کارروائی کامیاب رہے گی۔ چنانچہ یہ اپنے لشکروں کے ساتھ بطاح پہنچ گئی۔ اب اس عورت نے حضرت خالدؓ کے آنے سے پہلے پہلے علاقہ بطاح اور بنو تمیم میں جو مسلمان تھے، ان پر حملہ بول دیا اور وہاں مسلمانوں کو شہید کر ڈالا۔ مالک بن نویرہ، وکیع اور سجاح نے آپس میں مکمل فوجی معاہدہ کیا اور پھر بنو رباب پر حملہ کر دیا۔ وہاں کے مسلمانوں نے، جو زیادہ تر بنو رباب کے تھے، خوب مقابلہ کیا اور برابر کی جنگ لڑی اور طرفین سے بڑی مخلوق ماری گئی۔ صورت حال خانہ جنگی کی سی تھی۔ مسلمان اگرچہ تھوڑے تھے لیکن انھوں نے خوب مقابلہ کیا۔ جب فریقین بہت زیادہ خون خرابے کے بعد تھک گئے تو صلح کی بات شروع ہو گئی۔ سجاح نے صلح میں پہل کی اور صلح کے بعد قیدیوں کا تبادلہ ہوا۔ ان نتائج کو دیکھ کر بنو تمیم کا سردار مالک بن نویرہ پشیمان ہوا، لیکن اب وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔

سجاح نے فارغ ہو کر اِدھر اُدھر دوسرے علاقوں میں بھی کارروائیاں کیں جو غیر مسلموں کے ساتھ صرف قیادت و سیادت کی غرض سے تھیں۔ اب یہ عورت مالک بن نویرہ اور اس کی قوم کو چھوڑ کر اپنی فوجوں کے ساتھ علاقہ نباج تک پہنچ گئی۔ اس کے جانے کے بعد وکیع اپنی قوم کے ساتھ پھر اسلام میں داخل ہو گیا اور اس نے سجاح اور مالک بن نویرہ دونوں کو چھوڑ دیا۔ اب مالک بن نویرہ حیران و پریشان رہ گیا کہ وہ اکیلا کیا کرے۔ ایک ساتھی کٹ کر مسلمان ہو گیا۔ دوسرا دھوکا دے کر ادھر چلا گیا۔ شیطان انسان کو گمراہ کر کے ایسا ہی چھوڑتا ہے۔ سجاح نے نباج میں جا کر ایک سخت جنگ کی۔ دونوں طرف سے جانی نقصانات ہوئے لیکن سجاح کو وہاں بھی غلبہ حاصل نہ ہو سکا اور بنو تمیم نے اس کا مقابلہ کیا تو یہ پیٹھ دکھا کر بھاگ نکلی اور سیدھا یمامہ کا رخ کیا تاکہ وہاں مسیلمہ کذاب سے اس کی زمین چھین لے اور اپنا اقتدار وہاں قائم کر لے۔ سجاح کے کمانڈروں نے اس سے کہا کہ بنو تمیم میں ہمیں ناکامی

ہوئی۔ نباج میں بھی کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی، اب یمامہ میں مسیلمہ کذاب بنوحنیفہ کے جنگ آزمودہ لوگوں کی کمانڈ کر رہا ہے۔ وہاں آپ کو بالکل جانے کی ضرورت نہیں ہے ورنہ سخت ہزیمت اٹھانی پڑے گی۔

جھوٹی سجاح نے ایک مسجع کلام پڑھ کر سنایا اور کہا کہ یہ وحی آئی ہے، اس لیے مجھے وہاں ضرور جانا ہے۔ جھوٹی عورت کی جھوٹی وحی یہ تھی۔ **علیکم بالیمامة ودفو دفیف الحمامة فانها غزوة صرامة لا یلحقکم بعدها ملامة.** یعنی تم یمامہ پر چڑھائی کرلو اور کبوتر کی طرح تیز تیز چلو، کیونکہ یہ ایک فیصلہ کن جنگ ہے۔ لوگ یہ سن کر متاثر ہوئے اور سب نے مسیلمہ کذاب پر چڑھائی کا ارادہ کرلیا اور سجاح کی فوجیں حرکت میں آ گئیں۔ ادھر مسیلمہ کذاب کو پتہ چلا کہ سجاح کی فوجیں اس کی طرف بڑھ رہی ہیں، تو وہ سخت گھبرا گیا کیونکہ وہ پہلے سے حضرت شرحبیل بن حسنہؓ، ثمامہ بن اثالؓ اور حضرت عکرمہؓ کی مزاحمت میں مشغول تھا۔ اس نے سوچا کہ اگر سجاح نے حملہ کر دیا تو چاروں طرف سے میں جنگ میں گھر جاؤں گا۔ وہ ایک مکار شخص تھا، اس لیے اس نے فوراً سجاح کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ بڑے تحفے تحائف بھیجے اور یہ پیغام بھیجا کہ مجھے امن دو، میں امن بھری ملاقات چاہتا ہوں۔ سجاح نے کہا کہ میں نے امن دے دیا۔ اب مسیلمہ کذاب اپنے چالیس بااثر اشخاص کے ساتھ وفد کی شکل میں سجاح سے ملاقات کے لیے چلا گیا۔ جب دونوں کی ملاقات ہوگئی تو ہر ایک نے اپنا اپنا مسجع کلام پیش کیا، جس کی وجہ سے وہ لوگوں کو اُلّو بناتے تھے۔

تین دن تک سجاح اور مسیلمہ اکٹھے تنہائی میں رہے اور رنگ رلیاں مناتے رہے۔ جب سجاح واپس اپنی مجلس مشاورت میں آئی تو ان کے ساتھیوں نے کہا کہ کیا ہوا؟ سجاح نے کہا کہ میں نے اس کو حق پر پایا تو اس کے اتباع کا فیصلہ کرلیا اور اس کے ساتھ نکاح کر لیا۔ سجاح کے ساتھیوں نے کہا کہ مہر کیا مقرر کیا ہے؟ سجاح نے کہا، مہر تو نہیں رکھا۔ ساتھیوں نے کہا کہ یہ تو بڑی بدنامی کی بات ہے کہ بغیر مہر کے نکاح ہو جائے۔ جاؤ اور مہر مقرر کرو۔ چنانچہ سجاح پھر آئی تو مسیلمہ نے قلعہ کا دروازہ بند کر کے اس سے پوچھا کہ دوبارہ کیوں آئی ہو؟ اس نے کہا کہ میرا حق مہر مقرر کر دو۔ مسیلمہ نے کہا کہ لوگوں میں اعلان کر دو کہ محمد ﷺ کی مقرر کردہ پانچ نمازوں میں سے عشاء اور فجر کی دو نمازیں مسیلمہ رسول اللہ نے موقوف کر دی ہیں، اب صرف تین نمازیں ہیں۔ چنانچہ بنی تمیم یہ دو نمازیں نہیں پڑھتے تھے۔

کچھ عرصہ بعد سجاح کو پتہ چلا کہ سیف اللہ حضرت خالدؓ بن ولید یمامہ کی طرف رخ کرنے والے ہیں، تو یہ مکار عورت گھبرا کے یمامہ سے پھر واپس عراق کی طرف چلی گئی۔ لیکن مسیلمہ کذاب پر یہ ٹیکس لگا دیا کہ یمامہ کا نصف غلہ مجھے عراق بھیج دیا کرے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا لیکن لشکر اسلام نے کچھ عرصہ بعد اس گٹھ جوڑ کو توڑ دیا۔

حضرت خالدؓ تقریباً ایک ماہ تک اپنے لشکر کے ساتھ بزاخہ میں قیام پذیر رہے تاکہ نظام درست کریں۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ نے بطاح میں بنوتمیم اور خاص کر مالک بن نویرہ اور اس کی فوجوں کی طرف پیش قدمی شروع کی۔ اہل شوریٰ اور اکثر انصار نے مشورہ دیا کہ خلیفۂ اوّل کی طرف سے مزید احکامات کا انتظار کیجیے، بغیر نئے حکم کے بطاح کی طرف نہیں جانا چاہیے۔ حضرت خالدؓ نے فرمایا کہ مجھے ذاتی طور پر حضرت صدیق اکبرؓ نے بنوتمیم کی طرف جانے کا حکم دیا ہے، اس لیے بغیر کسی توقف کے بنی تمیم کے علاقوں پر فوج کشی ضروری ہے، خصوصاً جبکہ سجاح کے ساتھ ان لوگوں نے ہمدردیاں وابستہ کیں۔ یہ میری ذمہ داری ہے۔ چنانچہ جو میرے ساتھ جانا چاہتا ہے، وہ بسم اللہ کرے اور جو رہنا چاہتا ہے، وہ یہاں پر رہے۔ کچھ انصار رہ گئے۔ بعد میں انصار نے ایک دوسرے کو ملامت کی کہ ہم نے اچھا نہیں کیا۔ چنانچہ یہ لوگ بھی بعد میں بطاح میں حضرت خالدؓ کے لشکر میں جا کر شامل ہو گئے۔ بنوتمیم کے عام لوگ سجاح کے فتنہ سے تائب ہو گئے تھے اور اب اسلام پر قائم تھے۔ البتہ مالک بن نویرہ نے اپنے متعلقین اور قبیلے سے کہا تھا کہ شہری علاقوں سے نکل کر دیہات اور صحراؤں میں پناہ لو۔ چنانچہ وہ لوگ مختلف مقامات پر جا چھپے تھے۔ حضرت خالدؓ نے بطاح پہنچ کر مالک بن نویرہ کے مقابلہ پر ایک دستہ روانہ کیا، جس کی کمانڈ حضرت ضرارؓ بن ازور کر رہے تھے۔ حضرت ضرارؓ نے جا کر پانی کے گھاٹوں پر ان لوگوں سے زبردست جنگ لڑی اور پھر مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھ ایک اچھی خاصی جماعت کو گرفتار کر کے حضرت خالدؓ کے پاس پہنچا دیا۔

مسیلمہ کذاب

حضرت خالد بن ولیدؓ جب مدینہ منورہ سے واپس بطاح پہنچے تو آپ نے اسلامی لشکر کو مسیلمہ کذاب کی طرف متوجہ کیا۔ مسیلمہ کذاب کی ماتحتی میں بنوحنیفہ کے چالیس ہزار جنگ آزمودہ لوگ، حضرت خالدؓ سے ٹکر لینے کے لیے انتظار میں بیٹھے تھے۔ مؤرخین نے لکھا

ہے کہ یہ شدید ترین معرکہ تھا کیونکہ بنو حنیفہ عدد اور جرأت دونوں اعتبار سے مشہور تھے۔ جنگی نقشہ بھی 80 فیصد ان کے حق میں تھا اور وحدت و اتحاد کے لحاظ سے وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کے مانند تھے۔ حضرت خالدؓ کو ان تمام چیزوں کا علم تھا کیونکہ وہ قبل از اسلام اور بعد از اسلام، عرب کے تمام قبائل اور ان کی جنگی صلاحیتوں سے خوب واقف تھے۔ حضرت خالدؓ سے پہلے حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت عکرمہؓ کو جنگی جھنڈا اور لشکر دے کر یمامہ کی طرف روانہ کر دیا تھا اور شرحبیل بن حسنہؓ کو بھی اسی طرف روانہ کیا تھا تا کہ اس جھوٹے کذاب کا یمامہ میں خاتمہ کیا جائے۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت عکرمہؓ کو یمامہ کی طرف روانہ کرتے ہوئے حکم دیا تھا کہ جب شرحبیل بن حسنہؓ کی فوج آ جائے تو پھر مل کر یمامہ پر حملہ کر دو، لیکن حضرت عکرمہؓ نے وہاں پہنچتے ہی بغیر انتظار کیے حملہ کر دیا۔ چالیس ہزار کے جنگجو لشکر نے حضرت عکرمہؓ کے خلاف جوابی کارروائی کی اور لشکر اسلام کو شکست سے دوچار کر دیا۔ حضرت عکرمہؓ اپنے لشکر کے ساتھ واپس آ گئے۔ حضرت شرحبیل بن حسنہؓ کی فوج ابھی یمامہ کے آدھے راستے تک پہنچی تھی کہ سامنے سے لشکر اسلام واپس آتا ہوا نظر آیا۔ معلوم ہوا کہ حضرت عکرمہؓ کے لشکر کو مکمل طور پر شکست ہو گئی ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کو اس کا پتا چلا تو آپؓ بہت غمگین ہوئے اور حضرت عکرمہؓ پر سخت ناراض بھی ہوئے کہ انھوں نے حملہ کرنے میں جلد بازی سے کام کیوں لیا اور خلیفہ کے حکم کے مطابق شرحبیلؓ کے لشکر کا انتظار کیوں نہ کیا۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ نے حکم جاری کیا کہ حضرت عکرمہؓ کو میں نے قیادت و امارت کے عہدے سے معزول کر دیا ہے، اب حضرت عکرمہؓ صرف ایک عام سپاہی کی حیثیت سے جنگ لڑیں اور یمامہ سے ہٹ کر عمان میں دو جرنیل حضرت عرفجہؓ اور حضرت حذیفہ بن محصنؓ کی مدد کے لیے جائیں اور ان کی کمان میں عمان کے مرتدین کے ساتھ جنگ لڑیں اور جب تک کوئی قابل ذکر کارنامہ انجام نہ دیں، اس وقت تک میرے سامنے نہ آئیں۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کا جملہ یہ ہے۔ **یا عکرمۃ لا اربنک ولا اسمع بک الا بعد بلاء۔** یعنی میں آپ کو اس وقت تک نہ دیکھوں اور نہ آپ کا نام سنوں جب تک آپ کوئی اہم کارروائی نہ کریں۔ چنانچہ حضرت عکرمہؓ بحیثیت ایک عام سپاہی اپنے لشکر کے ساتھ وہاں سے عمان چلے گئے اور حضرت صدیق اکبرؓ نے شرحبیل بن حسنہؓ کو حکم دے دیا کہ آپ یمامہ کے قریب ٹھہریں اور حملہ نہ کریں حتیٰ کہ میرا دوسرا حکم آپ

تک پہنچ جائے۔

اُدھر یمامہ میں حضرت ثمامہ بن اثالؓ بھی مسیلمہ کذاب کے مقابلے میں میدان میں تھے، لیکن یہ فتنہ اتنا بڑھ چکا تھا کہ اس کا خاطر خواہ اثر ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔ حضرت عکرمہؓ کی شکست کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت خالدؓ کو مزید فوجی کمک بھیج دی تا کہ وہ بہتر طور پر قبیلہ بنوحنیفہ سے نبٹ سکیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ چونکہ مسلمانوں کے خلیفہ تھے اور مسلمانوں کے خلیفہ میں جتنی جنگی مہارت اور عسکری تدابیر ہونی چاہئیں، وہ آپ میں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے تسریح کی تھی کہ مرتدین کے تمام علاقوں میں سب سے زیادہ خطرناک یمامہ کے لوگ ہیں اور اسی وجہ سے آپ نے حضرت عکرمہؓ کو اس علاقے پر متعین فرما دیا تھا جو جنگی جرأت و شجاعت اور دیگر صلاحیتوں میں حضرت خالدؓ کے ہم پلہ تھے۔ تاہم حضرت خالدؓ میں حکمت عملی کا عنصر، صبر وتحمل اور حالات کی تفہیم، حضرت عکرمہؓ کی نسبت زیادہ تھی اور حضرت عکرمہؓ میں جلد بازی کا عنصر کچھ غالب تھا، جس کی وجہ سے بعض اوقات حالات دگرگوں ہو جاتے تھے۔ بہرحال حضرت صدیقؓ نے ان حالات کے پیش نظر حضرت شرحبیل بن حسنہؓ کو بھی یمامہ کی طرف حضرت عکرمہؓ کے پیچھے روانہ کیا تھا اور ایک ساتھ حملہ کرنے کا حکم دیا تھا اور حضرت خالدؓ سے بھی فرمایا تھا کہ بزاخہ و بطاح سے فارغ ہوکر یمامہ کی طرف پیش قدمی کریں۔ جب یہ نئے حالات سامنے آئے تو صدیق اکبرؓ نے ایک اور لشکر تیار کر کے حضرت خالدؓ کی مدد کے لیے روانہ کیا اور پھر ملعون مسیلمہ کذاب پر چڑھائی کا حکم دیا۔ یہ نئی فوجی کمک جنگجو قبائل عرب اور انصار و مہاجرین پر مشتمل ایک بڑی فوج تھی۔ انصار کے مجاہدین پر حضرت صدیق اکبرؓ نے ثابت بن قیسؓ کو امیر لشکر مقرر فرمایا اور پھر سب کو حضرت خالدؓ کی مدد کے لیے بطاح کی طرف روانہ کیا۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے بطاح میں ان نئے مجاہدین کا انتظار کیا۔ مہاجرین پر حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت ابو حذیفہؓ کو امیر بنایا۔ چنانچہ اسلام کے یہ شاہین بطاح میں جمع ہوئے اور اب صرف سیف اللہ کے اشارۂ ابرو کے منتظر تھے تا کہ اس جھوٹے نبی اور اس کی قوم پر حملہ آور ہو جائیں۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس کا نام مسیلمہ بن ثمامہ بن کبیر بن حبیب تھا۔ یہ بنوحنیفہ قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا اور یمامہ میں پیدا ہوا تھا۔ یہ طویل العمر شخص تھا۔ جاہلیت میں رحمان الیمامہ کے لقب سے مشہور تھا، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شخص ابتداء ہی سے ریاست و

حکومت کا شوقین تھا۔ یہ انتہائی بدشکل اور بدصورت تھا، بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ انتہائی بدکردار اور بدسیرت بھی تھا۔

جب مکہ مکرمہ فتح ہو کر سارا عرب اسلام کے زیرنگین آ گیا تو 9 یا 10 ہجری میں یمامہ کے وفد میں مسیلمہ کذاب بھی مدینہ منورہ آیا اور اسلام قبول کر لیا۔ تاہم یہ شخص وفد کے سامان کے ساتھ پیچھے رہ گیا اور حضور اکرم ﷺ کے سامنے نہیں آیا۔ اس کا تذکرہ حضور اکرم ﷺ کے سامنے ہوا۔ حضور اکرم ﷺ نے وفد کا جو اکرام کیا، اس میں مسیلمہ کا حصہ بھی رکھا۔ جب یہ وفد واپس یمامہ پہنچا تو مسیلمہ کذاب اپنے قبیلے (بنوحنیفہ) میں پہنچتے ہی مرتد ہو گیا اور نبوت کا دعویٰ کر دیا اور پھر بے حیا بن کر حضور اکرم ﷺ کو اس طرح خط لکھا۔

من مسیلمة رسول اللّٰہ الی محمد رسول اللّٰہ سلام علیک. امابعد. فانی قد اشرکت فی الامر معک وان لنا نصف الارض و لقریش نصف الارض ولکن قریشاً قوم یعتدون. (ترجمہ) ''مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کے نام یہ خط ہے۔ سلام ہو۔ امابعد: (آپ جان لیں کہ) مجھے نبوت میں آپ کے ساتھ شریک کر دیا گیا ہے۔ اب آدھی زمین ہماری ہوگی اور آدھی قریش کی ہوگی۔ لیکن قریش ظالم قوم ہے۔''

حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے خط میں لکھا:

من محمد رسول اللّٰہ الی مسیلمة الکذاب السلام علی من اتبع الھدی: امابعد: فان الارض للّٰہ یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبة للمتقین٥ (ترجمہ) ''محمد رسول اللہ کی طرف سے جھوٹے مسیلمہ کے نام یہ خط ہے، ہدایت قبول کرنے والے پر سلام ہو۔ امابعد: زمین اللہ تعالیٰ کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے گا، زمین کا وارث بنائے گا، اور نیک انجام نیکوکاروں کا ہے۔''

حضور اکرم ﷺ چونکہ سراپا شفقت و رحمت تھے، آپ ﷺ نے مسیلمہ کو عذابِ آخرت سے ڈرایا اور دعوتِ حق دی مگر اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ درحقیقت جس بات نے مسیلمہ کی طاقت میں اضافہ کیا، وہ نہارالرجال (مسیلمہ پنجاب مرزا قادیانی کے دست راست حکیم نورالدین جیسے شیطان) کا اس سے مل جانا تھا۔ یہ شخص اسی علاقے کا رہنے والا تھا اور ہجرت کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ گیا تھا۔ اس نے قرآن مجید پڑھا اور دین کی تعلیم حاصل کی، چونکہ بڑا ذہین تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اسے اہل یمامہ کو دین اسلام کی تعلیمات

سے آگاہ کرنے اور لوگوں کو مسیلمہ کی متابعت سے روکنے کے لیے بطور معلم خود روانہ کیا تھا، لیکن وہ مسیلمہ سے بھی زیادہ فتنہ پرور نکلا۔ جب اس نے دیکھا کہ لوگ مسیلمہ کی اطاعت قبول کرتے جارہے ہیں تو وہ لوگوں کی نظروں میں اپنے آپ کو سرخرو کرنے کے لیے ان سے مل گیا اور مسیلمہ کی چرب زبانی اور لالچ دلانے پر مرتد ہوگیا اور رسول اللہ ﷺ کی جانب سے یہ جھوٹا قول بھی منسوب کر دیا کہ مسیلمہ کو ان کے ساتھ نبوت میں شریک کیا گیا ہے۔ اہل یمامہ کو اس سے زیادہ اور کیا چاہیے تھا کہ نہار الرجال مسیلمہ کی نبوت کی گواہی دے رہا ہے، چنانچہ لوگ جوق در جوق مسیلمہ کے پاس آنے لگے اور بنی حنیفہ کے رسول کی حیثیت سے اس کی بیعت کرنے لگے۔ مسیلمہ نے یمامہ میں حرم بھی متعین کر لیا اور چند دنوں میں اس کی قوت میں زبردست اضافہ ہوگیا۔ مسیلمہ نے نہار الرجال کو اپنا خاص معتمد بنا لیا اور اس کے مشورے سے نبوت کے کام انجام دینے لگا اور اس کے عوض نہار الرجال کو دنیا بھر کی نعمتیں میسر آ گئیں۔

علامہ بلاذریؒ لکھتے ہیں کہ مسیلمہ کا قد ٹھگنا، چہرہ نہایت زرد اور ناک چپٹی تھی اور ابوثمامہ اس کی کنیت تھی۔ بعض ابوشالہ کہتے ہیں کہ ایک شخص جس کا نام حجیر تھا، اس کے لیے اذان دیتا تو کہتا تھا: "اشهد ان مسيلمه يزعم انه رسول الله" (میں گواہی دیتا ہوں کہ مسیلمہ رسول اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے) البتہ تاریخ طبری (جلد 3 صفحہ 244) میں مذکور ہے کہ مسیلمہ کے ہاں نبی اکرم ﷺ کے لیے اذان کہی جاتی تھی اور اذان میں برابر اشهد ان محمد رسول الله کی گواہی دی جاتی تھی۔ مسیلمہ کا مؤذن عبداللہ بن نواحہ تھا اور اقامت حجیر بن عمیر کہتا تھا۔ مگر جب مسیلمہ کے ایلچی جن میں یہ عبداللہ بن نواحہ بھی موجود تھا، آنحضرت ﷺ کے حضور حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا:

ماتقولان انتما: تمہارا مسیلمہ کے دعویٰ نبوت کے متعلق کیا عقیدہ ہے؟

ایلچی: نقول کما قال: جو حضرت مسیلمہ کہتے ہیں، ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

حضور ﷺ: اگر ایلچیوں کا قتل کرنا خلاف اصول نہ ہوتا تو میں تمہاری گردن اڑا دیتا۔

بعدازاں بہت عرصہ بعد حارثہ بن مضرب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آئے اور انھیں بتایا کہ میں بنی حنیفہ کی ایک مسجد سے گزرا تو کیا دیکھا کہ وہاں مسیلمہ کذاب کے چند ساتھی موجود ہیں جو اسے اب بھی نبی مانتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ سن کر ان لوگوں کو بلا بھیجا اور ان سے توبہ کرنے کو کہا: اچانک آپ نے دیکھا کہ ان لوگوں میں عبداللہ

بن نواحہ بھی موجود ہے۔ آپ نے اس سے کہا کہ میں نے حضور نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا تھا: ''اگر تو ایلچی نہ ہوتا تو میں تجھے قتل کر دیتا۔'' لہٰذا آج تُو ایلچی نہیں ہے۔ تُو مسیلمہ کا پیروکار ہے۔ تیری کوئی توبہ قبول نہیں۔ لہٰذا آپ نے قرظہ بن کعب کو حکم دیا کہ وہ عبداللہ بن نواحہ کی گردن اُڑا دے تاکہ روح محمدی ﷺ کو تسکین پہنچے۔ چنانچہ قرظہ بن کعب نے عبداللہ بن نواحہ کو قتل کر دیا۔ (سنن ابی داؤد شریف)

مسیلمہ کی ترقی کا راز دراصل قومی عصبیت اور قبائلی خود مختاری کا جذبہ تھا، وگرنہ جہاں تک اس کے معجزات دکھانے کا تعلق ہے، نہ لوگوں نے اس کا کوئی معجزہ دیکھ کر اسے قبول کیا اور نہ اس کی خود ساختہ وحی سے متاثر ہو کر اس پر ایمان لائے۔ مندرجہ ذیل واقعہ اس قومی عصبیت کی نشاندہی کے لیے کافی ہے۔

ایک رئیس طلحہ نمری یمامہ آیا تو اس نے لوگوں سے پوچھا: ''مسیلمہ کہاں ہے؟''

لوگوں نے کہا ''تم اس کا نام اس قدر بے ادبی سے لیتے ہو، حالانکہ وہ اللہ کا رسول ہے۔'' اس نے کہا کہ میں تو اس کو اس وقت تک رسول ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں جب تک اس سے مل نہ لوں۔ تم مجھ کو اس کے پاس لے چلو۔

مسیلمہ کے پاس پہنچ کر طلحہ نے پوچھا: ''تمھارے پاس کون آتا ہے؟''

''رحمان۔'' مسیلمہ نے جواب دیا۔

''روشنی میں یا اندھیرے میں؟''

''اندھیرے میں۔''

اس پر طلحہ بولا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ تو کذاب ہے اور محمد ﷺ سچے ہیں، لیکن اپنا کذاب ہمیں دوسروں کے سچے سے زیادہ محبوب ہے۔'' چنانچہ اس نے مسیلمہ کی اطاعت قبول کر لی اور اسی کے ہمراہ جنگ یمامہ میں لڑتا ہوا مارا گیا۔

یمامہ سے ایک وفد حضرت صدیق ؓ کے پاس آیا تھا۔ صدیق اکبرؓ نے ان سے کہا کہ مسیلمہ کی کوئی وحی تو سنا دو۔ ان لوگوں نے کہا کہ آپ ہمیں اس سے معاف رکھیں۔ حضرت صدیق ؓ نے فرمایا کہ نہیں ضرور بالضرور کچھ سناؤ، انھوں نے یہ وحی سنائی۔ (ترجمہ) ''اے دو مینڈکوں کی بچی مینڈک! جس طرح تُو پہلے ٹرٹر کرتی تھی، اب بھی ٹرٹر کر۔ تیرا اوپر والا حصہ تو پانی میں ہے اور نچلا حصہ مٹی میں ہے۔ نہ تو پانی پینے والے کو روکتی ہے اور نہ پانی کو گدلا بناتی

ہے۔'' ایک اور جھوٹی وحی میں مسیلمہ نے کہا: ''قسم ہے بکری اور اس کے رنگوں کی، اس میں سب سے اچھی بکری کالی ہوتی ہے اور اس کا دودھ بھی بہت اچھا ہوتا ہے۔ سیاہ بکری اور سفید دودھ محض ایک عجوبہ ہے۔'' ایک اور جھوٹی وحی میں کذاب نے کہا: ''کھیتی باڑی کرنے والوں کی قسم! پھر فصل کاٹنے والیوں کی قسم! اور گندم کو صاف کرنے والیوں کی قسم! پھر اسے پیسنے والیوں کی قسم! پھر روٹی پکانے والیوں کی قسم! پھر ثرید بنانے والیوں کی قسم! پھر گھی میں بھگو کر لقمے بنانے والیوں کی قسم! کہ تم اونٹوں والوں پر فضیلت لے گئے ہو۔ اپنی سرسبز اور شاداب چراگاہوں کی حفاظت کرو۔ مصیبت زدہ کو پناہ دو اور سرکش کو عبرتناک سزا دو۔'' ایک اور جھوٹی وحی میں مسیلمہ نے اس طرح کہا: ''اے جنگلی چوہے! اے جنگلی چوہے! تو تو صرف سر اور سینہ ہو۔ اور اس کے علاوہ خالی خولی کچھ نہیں۔''

لوگوں نے مسیلمہ سے کہا کہ محمد ﷺ نے اپنے منہ کا پانی خشک کنوئیں میں پھینکا تھا تو وہ پانی سے بھر گیا تھا۔ مسیلمہ نے پانی منگا کر ایسا ہی کیا تو جو کچھ پانی کنوئیں میں تھا، وہ بھی خشک ہوگیا۔ اور ایک کنوئیں میں یہ عمل کیا تو اس کا پانی کھارا ہوگیا۔ ایک دفعہ اپنے وضو کا بچا ہوا پانی کھجور کے تنے میں پھینک دیا تو کھجور کا تنا خشک ہوگیا۔ ایک دفعہ چند بچوں کو برکت کے لیے ان کے سر پر ہاتھ پھیرنے کے لیے لایا گیا۔ مسیلمہ نے ان کے سروں پر ہاتھ پھیرا تو بعض بچے تو سر کے بالوں سے محروم ہو گئے اور بعض بچوں کی قوتِ گویائی سلب ہوگئی۔ ایک دفعہ کذاب نے ایک شخص کو بلایا، جس کی آنکھوں میں تکلیف تھی۔ کذاب نے اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ شخص اندھا ہوگیا۔

محترم قارئین! یہ مشتے نمونہ از خروارے، میں نے آپ کے سامنے پیش کیے۔ اس شخص کے باقی خرافات نقل کرنے سے میں قاصر ہوں۔ اس سے پہلے سجاح کے ساتھ اس کی رنگ رلیاں اور جھوٹی وحیاں آپ ایک بار پھر پڑھیں اور اندازہ لگائیں کہ کیا یہ شخص ایک سنجیدہ انسان بھی تھا؟ چہ جائیکہ وہ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے۔ اسی وجہ سے حضرت صدیق اکبرؓ نے جب مسیلمہ کے یہ قبائح اور افسانے سنے تو فرمایا کہ خدا کی قسم! یہ کلام تو رب کا نہیں، بلکہ ایک عقلمند انسان کا بھی نہیں۔ اسی لیے تو حضرت صدیق اکبرؓ نے ان خناسوں کے دماغ سے شیطان کو باہر نکالا اور مسلح جہاد کر کے سب کو ٹھکانے لگا دیا۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا صدیق اکبرؓ نے جلسے منعقد کیے یا جلوس نکالے یا وفد کے وفد بھیج کر منتیں

کیں یا بحث مباحثے کیے؟ نہیں بھائی! بس ایک نسخہ جہاد ان جیسے دجالوں کا علاج تھا، اس کو استعمال کیا تو زمین ان کی گندگی سے پاک ہوگئی۔ کیا آج کل اس سے بڑھ کر ارتداد اور جھوٹی نبوتوں کی قباحتیں موجود نہیں؟ کیا کھلم کھلا اسلام کے خلاف بغاوتیں نہیں؟ اگر ہیں تو اس کا علاج بھی وہی ہے جو حضرت صدیق اکبرؓ نے تجویز کیا تھا، اور جو شریعت مقدسہ نے ان کے لیے وضع کیا تھا۔

جنگِ یمامہ، تحفظ ختم نبوت کی پہلی جنگ

حضرت خالدؓ بن ولید قریباً آٹھ ہزار جاں نثاروں کو لے کر بطاح سے یمامہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مقابلے میں چالیس ہزار جنگ آزمودہ لشکر موجود تھا۔ چونکہ پورا علاقہ بنو حنیفہ کے مرتدین سے بھرا ہوا تھا، اس لیے حضرت خالدؓ انتہائی احتیاط اور تیاری کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ آپ اپنے جاسوسی دستوں کو متحرک کر کے حالات کا ہمہ وقتی اندازہ لگاتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ مسیلمہ کذاب بھی تمام حالات سے واقف تھا۔ اس کو حضرت خالدؓ کی تدبیر و جرأت کا بھی علم تھا، اُسے صحابہ کرامؓ کی جاں نثاری کا بھی اندازہ تھا نیز اپنی حماقتوں اور سرکشی سے بھی خوب واقف تھا۔ اس لیے اس نے اپنے لشکروں کو جنگی اہمیت کے مقامات پر متعین کر کے خوب قومی تعصب اور غیرت دلا دلا کر قوم کی رگوں میں آگ بھر دی۔

ان تقریروں کا خاطر خواہ اثر بھی ہوا اور بنو حنیفہ ایک ساتھ ہو کر لشکر اسلام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک موقع پر عمومی جنگ سے پہلے بنو حنیفہ نے حملہ کر دیا اور اتنے آگے بڑھ گئے کہ حضرت خالدؓ کے خیمے تک پہنچ گئے۔ حضرت خالدؓ تمام امور سے باخبر تھے۔ اس لیے آپ نے حضرت صدیق اکبرؓ سے مزید مدد کی درخواست کی۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے بلا توقف مزید دستے حضرت عبداللہؓ کی قیادت میں روانہ کیے لیکن حضرت خالدؓ نے اپنی جنگی حکمت عملی کے تحت ان دستوں کا انتظار نہیں کیا بلکہ عمومی حملے کے لیے سرزمین یمامہ میں چالیس ہزار کے مقابلے میں آٹھ ہزار شاہینوں کی صف بندی کر کے تیار رہنے کا حکم دے دیا۔

اس اثنا میں خلیفہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالدؓ کی کمک کے لیے ایک دستہ فوج روانہ فرما دیا جس کے سر عسکر سلیط تھے۔ امیر المومنین نے سلیط کو حکم دیا تھا کہ وہ خالد کی امداد کے لیے ان کے عقب میں رہیں تاکہ غنیم خالد کو عقب سے ضرب نہ لگا سکے۔ اس موقع پر

حضرات شیخینؓ یعنی امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما میں اس بارہ میں اختلاف رائے تھا کہ غازیانِ بدر کو بھی لڑائی میں بھیجنا چاہیے یا نہیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ فرماتے تھے کہ ان سے لڑائی میں مدد لینے کی اتنی ضرورت نہیں ہے جس قدر کہ ان کی دعا اور برکت کی حاجت ہے کیونکہ ان پاک بازوں کی برکت سے رب العزت اکثر آفات و بلیات رفع فرما دیتا ہے۔ مگر حضرت عمرؓ کی یہ رائے تھی کہ زیادہ نہیں تو ان حضرات کو کم از کم فوجوں کی امارت پر ضرور مقرر کیا جائے۔ آخر امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کر لیا اور اصحاب بدر رضی اللہ عنہم بھی ان معرکوں میں شریک ہوئے۔

مسیلمہ کذاب نے اپنا مرکزی لشکر مقام عقرباء میں ٹھہرا لیا تھا اور جنگی اعتبار سے چاروں طرف اپنے نوجوانوں کو پھیلا دیا تھا تاکہ ہر اس حادثہ سے آسانی سے نمٹا جا سکے جو ناخوشگوار حالت میں پیش آ جائے۔ مسیلمہ کذاب کی فوجوں کی ترتیب اس طرح تھی۔

1- خود مسیلمہ کذاب، قلب لشکر میں اپنے خاص کمانڈروں کے ساتھ تھا۔

2- محکم بن طفیل ایک مجنبہ پر تھا۔

3- رجال بن عنفوۃ دوسرے مجنبہ یعنی میمنہ یا میسرہ پر تھا۔

ادھر لشکر اسلام سیف اللہ کی قیادت میں مقام عقرباء کی طرف بڑھنے لگا۔ حضرت خالدؓ نے جاسوسی دستہ آگے بھیجا۔ ادھر سے مسیلمہ کا جاسوسی دستہ آ گیا جو مجاعۃ بن مرارہ کی قیادت میں تھا۔ کچھ مقابلہ ہوا لیکن مسلمانوں نے ان ساٹھ آدمیوں کو ان کے کمانڈر مجاعۃ سمیت گرفتار کر لیا اور حضرت خالدؓ کے سامنے پیش کر دیا۔ حضرت خالدؓ نے ان سے پوچھا کہ مسیلمہ کیسا آدمی ہے؟ انھوں نے کہا کہ نبی ہے۔ حضرت خالدؓ نے بڑی نرمی کی۔ لیکن ان لوگوں نے کہا منا نبی و منکم نبی ایک ہمارا نبی اور ایک تمہارا نبی۔ حضرت خالدؓ نے سب کے قتل کا حکم صادر فرمایا۔ جب کمانڈر مجاعہ کی باری آئی تو ایک قیدی نے کہا کہ اے خالدؓ! اگر کل کا کوئی فائدہ سوچتے ہو تو اس شخص کو مت قتل کرو، یہ قوم کا سردار ہے، یہ تمھارے کام آ سکتا ہے۔ خالدؓ نے مجاعۃ اور سفارشی قیدی دونوں کو قید میں رکھا اور قتل نہیں کیا اور مجاعہ کو اپنے خیمے میں باندھ لیا اور ام تمیم سے کہا کہ اس کا خیال رکھیو۔ مقام عقرباء میں پہنچ کر حضرت خالدؓ نے اپنی فوج کی ترتیب اس طرح بنائی۔

1- خالدؓ اپنے کمانڈروں کے ساتھ قلب لشکر میں تھے۔

2- شرحبیل بن حسنہ ہراول دستہ پر مقرر تھے۔

3- ابوحذیفہؓ ایک مجنبہ پر تھے۔

4- زیدؓ بن الخطاب دوسرے مجنبہ پر مقرر تھے۔

لشکر اسلام مقام کے اعتبار سے بھی اچھی جگہ پر نہیں تھا۔ پھر سفر کر کے انتہائی تھکے ہوئے بھی تھے۔ مسیلمہ کا لشکر تمام راحتوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ جنگی لحاظ سے جگہ بھی موزوں تھی۔ حضرت خالدؓ تو چاہتے تھے کہ مسلمان آرام کریں۔ لیکن مسیلمہ کے لوگوں نے بغیر مہلت دیے حملہ کر دیا۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ لڑائی شروع ہونے سے پہلے مسیلمہ نے اپنے لشکر کے سامنے ایک پُرجوش تقریر کی جس میں کہا:

''اے بنوحنیفہ، آج یہ غیرت کا دن ہے۔ اگر آج تم نے شکست کھائی تو حالت قید میں بغیر مہر کے تمہاری عورتوں سے نکاح کیا جائے گا۔ پس اپنی عزت اور حسب و نسب کی حفاظت میں لڑو اور اپنی عورتوں کو دشمن کے ہاتھ میں جانے سے بچاؤ۔''

یہی تقریر سن کر مسیلمہ کا لشکر مسلمانوں پر حملہ آور ہوا۔ حملہ اتنا شدید تھا کہ بنوحنیفہ، لشکر اسلام کی صفوں کو توڑ کر آگے بڑھتے بڑھتے حضرت خالدؓ کے خیمے تک پہنچ گئے اور خیمہ کو تلواروں سے کاٹنا شروع کر دیا اور ام تمیم کو قتل کرنا چاہا تو مجاعہ نے ان کو روکا اور کہا کہ مردوں سے لڑو، یہ عورت ذات ہے۔ ادھر سے ہٹ جاؤ۔ اگر اللہ کی مدد اور پھر انصار و مہاجرین کی ثابت قدمی نہ ہوتی تو اس حملہ سے ایک مسلمان کا بچنا بھی مشکل تھا۔ ایک جنگی جھنڈا زیدؓ بن الخطاب کے ہاتھ میں تھا اور دوسرا ثابت بن قیسؓ کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت عمارؓ چیخ رہے تھے کہ اے مسلمانو! کیا تم جنت سے بھاگتے ہو۔ ادھر آؤ لڑو، میں عمار بن یاسر ہوں۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نے دیکھا تو عمارؓ ایک پتھر پر کھڑے تھے اور ان کا ایک کان کٹ چکا تھا جس سے فوارہ کی طرح خون بہہ رہا تھا۔ حضرت خالدؓ نے بھاگنے والوں کو پھر جمع کیا اور خود ایسی تنظیم قائم کی جس کی جنگی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔ انھوں نے خوب دفاع کیا، یہاں تک کہ وہ لوگ حضرت خالدؓ کی بے مثال شجاعت کی وجہ سے پیچھے ہٹ گئے۔

صحابۂ کرامؓ منظم ہو کر پھر بنوحنیفہ پر حملہ آور ہوئے اور پوری وادی ایک مقتل میں بدل گئی۔ اس نوع کا منظر چشم فلک نے کبھی پہلے دیکھا نہ بعد میں۔ بنوحنیفہ کے لوگ بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ انصار و مہاجرین نے شجاعت کے جوہر دکھائے۔ حضرت ثابت بن قیسؓ جو

فصحاء اور خطباء صحابہ میں سے تھے، انصار کا جھنڈا لیے ہوئے میدان کارزار میں کھڑے تھے اور افراتفری پر اس طرح ساتھیوں کو ملامت کر رہے تھے کہ اے مسلمانو! تم نے بہت بری عادت اپنا لی۔ اے اللہ! میرا بھاگنے والوں سے کوئی تعلق نہیں، اور مرتدین سے مکمل طور پر بیزار ہوں۔ ایک مسیلمی نے حضرت ثابت بن قیسؓ کی ٹانگ کاٹ ڈالی تھی۔ لیکن ان کی شجاعت دیکھیے کہ انھوں نے اُس کو وہی ٹانگ اِس زور سے ماری کہ وہ جہنم واصل ہو گیا۔ پھر آپ نے ایک گڑھا کھودا اور اس میں اتر کر جھنڈے کو مضبوطی سے تھامے رکھا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ حضرت زیدؓ بن الخطاب بھی جنگی جھنڈا لیے زور زور سے فرما رہے تھے، ہائے افسوس! مرد جو تھے وہ تو چلے گئے۔ اے اللہ! میں بھاگنے والوں کے لیے تجھ سے معافی چاہتا ہوں اور مرتدین سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ نے جھنڈے کو حرکت دے دی اور کفار پر حملہ کر دیا۔ کفار کو مارتے مارتے آپ آگے نکل گئے، یہاں تک کہ آپ شہید ہو گئے۔ یہ حضرت عمر فاروقؓ کے بھائی اور اوّلین اسلام لانے والوں میں سے تھے۔ آپ کی شہادت کے بعد جھنڈا حضرت سالمؓ نے ہاتھ میں لے لیا۔ حضرت سالمؓ آدھی پنڈلی تک زمین کھود کر کھڑے ہو گئے تا کہ جھنڈا گرنے نہ پائے اب مجاہدین نے مرتدین کو پیچھے دھکیلنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ اس کوشش میں متعدد مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا۔ ان میں حضرت ثابتؓ، حضرت سالمؓ، یزید بن قیس اور حکم بن سعید رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔

رافعؓ بن خدیج فرماتے ہیں کہ یمامہ کی لڑائی میں تلواریں ٹکرائیں۔ لوگ زخمی ہوئے، کشتوں کے پشتے لگ گئے، بازو کٹ رہے تھے اور سر اُڑ رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ عبادؓ بن بشر کی تلوار درانتی کی طرح ٹیڑھی ہو گئی تھی اور وہ گھٹنے پر رکھ کر اسے سیدھا کر رہے تھے کہ اچانک بنو حنیفہ کا ایک آدمی حملہ آور ہوا اور شمشیر زنی شروع ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ وہی تلوار، عبادؓ نے اس شخص کے سینے پر اس زور سے ماری کہ میں نے اس کے پھیپھڑے دیکھ لیے اور وہ آدمی مر گیا۔ لیکن دوسروں نے عباد پر چاروں طرف سے حملہ کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ بنو حنیفہ کے لوگ اس کے پہلو اور پیٹ میں تلواریں مار رہے تھے، حتیٰ کہ وہ شہید ہو گئے۔ میں نے دیکھا کہ بیس آدمی عباد نے قتل کیے تھے اور خود بھی لاشوں میں پڑے تھے۔

حضرت ضرار بن ازورؓ نے بھی یمامہ کی لڑائی میں نمایاں کارنامے انجام دیے اور بڑی بہادری دکھائی۔ عقرباء کی اس شدید جنگ کا جو نقشہ آپ نے پیش کیا ہے، اس سے معلوم

ہوتا ہے کہ یہ دست بدست لڑائی تھی۔ جس میں تیر اور نیزہ کام نہیں دے سکتا تھا۔ صرف تلوار سے کام لیا جاتا تھا۔ حضرت ثابت بن قیسؓ شہید ہو چکے تھے۔ حضرت سالمؓ اور زید بن الخطابؓ اور دیگر چوٹی کے کمانڈر اور کئی مجاہدین جام شہادت نوش کر چکے تھے اور میدان کارزار میں پہلوان اب بھی قسمت آزمائی کر رہے تھے کہ اتنے میں میدان میں حضرت براءؓ بن مالک آئے جو حضرت انسؓ کے بھائی تھے۔ ان کی ایک عجیب عادت تھی کہ جب جنگ کا میدان گرم ہو جاتا تو یہ تھوڑی دیر بیٹھ کر کانپنے لگ جاتے تھے، پھر ان پر دو آدمی خوب زور سے بیٹھ جاتے۔ پھر یہ مٹی جھاڑ کر نیچے سے اٹھ جاتے۔ اور شیر کی طرح حملہ آور ہو جاتے۔ پھر ان کے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ جب انھوں نے یہ عمل کیا تو بآوازِ بلند کہا۔ این یا معشر المسلمین؟ اے مسلمانو! تم کہاں ہو؟ میں براءؓ بن مالک ہوں، میری طرف آؤ، میری طرف آؤ۔ چنانچہ اس آواز سے ایک جماعت لپک کر ان کے پاس اکٹھی ہوگئی اور پھر سب نے کفار پر حملہ کر دیا۔ حضرت براء بن مالکؓ ایک دم کفار کی صفوں میں گھس گئے، بہتوں کو قتل کیا اور کفار کو بھگا دیا۔

اس کے علاوہ بھی صحابۂ کرامؓ نے اس جنگ میں بڑی بہادری دکھائی اور بڑی مشقتیں اٹھائیں۔ بہت سے شہید ہو گئے اور بہت سے زخمی تھے۔ بالآخر کئی معرکوں کے بعد مسیلمہ کذاب کا لشکر، میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہوا اور جا کر اس کے قلعے میں قلعہ بند ہو گیا۔ مسیلمہ کے بڑے بڑے جرنیل مارے گئے اور بہت سے زخمی ہوئے۔ سرکش خبیث رجال بھی مرا پڑا تھا۔ اس کے علاوہ مسیلمہ کا دست راست اور بنوحنیفہ میں مسیلمہ کے بعد سب سے بڑی شخصیت سردار محکم بن طفیل بھی مارا گیا تھا جو اپنی فوجوں کو ابھار رہا تھا اور خطیب بن کر اس طرح کہہ رہا تھا:

''اے بنی حنیفہ! قسم بخدا! اب شریف زادیوں کی عزتیں پامال ہوں گی۔ ان سے زبردستی نکاح کیا جائے گا۔ تم میں کچھ بھی شرافت ہو تو اس کو ظاہر کر دو'' یہ خبیث بڑا جنگجو تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے اس کے گلے میں تیر مارا جو حالت تقریر میں ٹھیک اس کے گلے میں جا کر لگا اور یہ شیطان گر کر مر گیا۔

بہرحال اب میدان مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا اور بنوحنیفہ کے لوگ قلعہ میں مسیلمہ کذاب کے اردگرد جمع ہو گئے تھے جبکہ مجاہدین قلعہ میں محصور مرتدین پر حملہ کرنے کی تیاری کر

رہے تھے۔ مسیلمہ کذاب تو پہلے سے قلعہ بند تھا، اب دوسرے لوگ بھی قلعہ بند ہو گئے پھر جی کڑا کر کے قلعہ سے باہر آ کر مقابلہ کرنے لگے۔ اب قلعہ کی دیواروں کے باہر شدید لڑائی شروع ہو گئی اور بنوحنیفہ کے سینکڑوں لوگ کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ لیکن پھر بھی بنوحنیفہ کے لوگ مقابلہ سے پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لے رہے تھے کیونکہ ان کا سرغنہ مسیلمہ کذاب اب تک موجود تھا۔ حضرات صحابۂ کرامؓ نے بار بار حملے کیے۔ کبھی وہ لوگ پسپا ہو جاتے اور کبھی مسلمان پیچھے ہٹ جاتے۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت خالدؓ نے اپنی جنگی حکمت عملی سے کام لیا اور لڑائی کے میدان میں آ کر مسیلمہ کذاب کو یہ کہہ کر دعوتِ مبارزت دینے لگے۔ **انا ابن الولید العود العود**. میں خالد بن ولید ہوں، آؤ مسیلمہ کذاب، میرے مقابلے پر آؤ۔ حضرت خالدؓ کا خیال تھا کہ اگر مسیلمہ مارا جائے تو یہ لوگ بھاگ جائیں گے اور معرکہ مختصر ہو جائے گا ورنہ یہ لوگ آخری دم تک مسیلمہ کے لیے لڑیں گے، جس میں مسلمانوں کے لیے مشکلات تھیں لیکن مسیلمہ تو فی الواقع کذاب تھا، وہ سیف اللہ کے مقابلے پر کہاں آ سکتا تھا۔ اس نے صاف انکار کر دیا۔

تب حضرت خالدؓ نے تمام افواج اسلامیہ کو ایک ساتھ حملے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ مجاہدین نے نعرۂ تکبیر بلند کر کے چاروں طرف سے قلعہ کے اردگرد لوگوں پر حملہ کر دیا۔ تلواریں چمکنے لگیں۔ نیزوں نے سانپوں کی طرح حرکت کر کے آگ کی چنگاریاں چھوڑنا شروع کیں۔ ہر طرف سے تیر چلنے لگے۔ مسلمانوں نے مرتدین کا قافیہ تنگ کر دیا۔ بالآخر کچھ مرتدین مارے گئے اور کچھ نے بھاگ کر حدیقۃ الموت یعنی موت کے باغیچے میں پناہ لی۔ یہ قلعہ کے اندر مسیلمہ کذاب کا ایک وسیع باغ تھا۔ مسلمان باہر تھے، مسیلمہ اور اس کے ساتھی اندر تھے۔ اب یہ بنوحنیفہ کے دفاع کا آخری مورچہ رہ گیا تھا۔

مسیلمہ کذاب نے بنوحنیفہ کے لوگوں سے کہا ''اپنی عزت اور ناموس کا دفاع کرو، دین یہاں نہیں ہے۔'' اس جملہ سے اس ملعون نے اقرار کر لیا کہ یہاں نہ وحی ہے نہ تھی۔ نہ نبوت ہے نہ تھی۔ یہ تو سب دھوکا تھا۔ حقیقت صرف اتنی ہے کہ اپنی عزتوں کو بچاؤ۔ بنوحنیفہ کے لوگ سمجھ گئے کہ یہ شخص نبی نہیں بلکہ جھوٹا تھا۔ لیکن اب وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ مسلمان قلعہ کے باہر تو لڑ رہے تھے لیکن قلعہ میں داخل ہونے کا امکان بظاہر بہت کم تھا، کیونکہ اس قلعہ کی دیواریں اتنی بلند تھیں کہ آسمان سے باتیں کر رہی تھیں۔ تاہم لشکرِ اسلام نے چاروں طرف سے اس قلعہ کا مکمل محاصرہ کر لیا۔ اب اس فتنہ کو ختم کرنے کے لیے قلعہ کے دروازہ کو کھولنے

اور مسلمانوں کے اندر داخل ہونے کے سوا کوئی دوسری صورت نہیں تھی۔ بعض جانبازوں نے قلعہ کی دیواروں سے اپنے آپ کو اندر گرا دیا تا کہ دروازہ کھول کر راستہ بنائیں، لیکن خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی۔ آخرکار حضرت ابودجانہ انصاریؓ نے کہا کہ میں مشتاقِ شہادت ہوں، مجھے ڈھال میں بٹھا کر نیزوں سے باندھ کر باغ کے اندر پھینک دو، میں دروازہ کھول دوں گا یا شہید ہو جاؤں گا۔ چنانچہ مسلمانوں نے اسی طرح کیا اور حضرت ابودجانہ انصاریؓ کو ڈھال میں بٹھا کر نیزوں سے باندھ کر باغ کے اندر پھینک دیا۔ آپ نے اندر جاتے ہی تکبیر کے نعروں سے دشمنوں کے دلوں کو دہلا دیا اور شمشیر حقانی کی کاٹ کے جوہر دکھا دکھا کر کفار کو حیران کر دیا۔ حضرت ابودجانہؓ نے بہتیری کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح دروازے تک پہنچوں مگر افسوس کہ دشمنوں کی کثرت نے کوئی پیش نہ جانے دی اور بالآخر لڑتے لڑتے کفار کو فی النار والسقر کرتے کرتے دروازے کے قریب آ کر زخموں سے نڈھال ہو کر گر پڑے اور تاج شہادت پہن کر جنت الفردوس میں پہنچ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون o

حضرت خالدؓ کی حمیتِ اسلامی اس امر کو کب گوارا کر سکتی تھی کہ ابودجانہ انصاریؓ جیسا شیر دل مقدس صحابی اکیلا دشمنوں میں لڑتا بھڑتا رہے اور خالد خاموش بیٹھا رہے۔ دیوانہ وار باغ کے گرد چکر لگایا مگر جب اندر پہنچنے کے لیے کوئی راستہ نہ ملا تو بتوکل علی اللہ اپنے وفادار تازی کو چابک کا اشارہ دیا۔ اشارے کا ملنا تھا کہ راکب و مرکب دونوں باغ کے اندر ایک ہی جست میں جا پہنچے۔ افسوس کہ شیر دل ابودجانہؓ انصاری خالدؓ کے پہنچنے سے پیشتر ہی جام شہادت نوش کر چکے تھے۔ حضرت خالدؓ کو دیکھتے ہی مسیلمہ کا ایک مشہور پہلوان جھپٹا۔ مگر خالدؓ نے اپنی خداداد چستی و چالاکی سے فوراً اس کو زمین پر دے پٹکا، اور گھوڑے سے اتر کر اس کی چھاتی پر بیٹھ گئے۔ مخالف نے اپنے تیز حربے سے جو اس کے پاس تھا، خالدؓ کو سات کاری زخم لگائے۔ حضرت خالدؓ نے اس پہلوان کو واصلِ جہنم کر دیا مگر خود گھوڑے پر سوار ہونا چاہتے تھے کہ ہجوم اور شور و غل کی وجہ سے جو حضرت خالدؓ کے داخلِ باغ ہونے سے کفار میں پیدا ہو گیا تھا، گھوڑا ڈر گیا اور بدک کر بھاگ گیا۔ یوں حضرت خالدؓ پاپیادہ رہ گئے۔ دشمنوں نے ہر طرف سے غلبہ کر لیا لیکن کیا مجال کہ خوف و ہراس حضرت خالدؓ کے پاس تک پھٹکا ہو۔ وہ جرأت، ہمت اور استقلال کے ساتھ تن تنہا ہزاروں کفار کے درمیان ایک بہادر شیر کی طرح مقابلہ کرتے رہے اور ان کے ہر مجموعی حملے کو روکتے ہوئے دروازۂ باغ کی طرف پشت کر کے پچھلے

پاؤں دروازہ کی طرف آئے اور جونہی دیوار کے قریب پہنچے، اپنی خداداد ہمت سے ایک ہی چھلانگ میں باغ سے باہر ہو گئے اور مخالفین انگشت بدنداں رہ گئے۔

حضرت خالدؓ نے باہر نکلتے ہی ایک عام حملے کا حکم دے دیا اور اپنی ساری طاقت کو دروازۂ باغ پر مجتمع کر دیا اور دروازے کو توڑنا شروع کیا اور اس تائید الٰہی کے باعث جو پہاڑوں کو لمحوں میں ریزہ ریزہ کر سکتی ہے، آناً فاناً دروازے کو توڑ تاڑ کر لشکر اسلامیہ باغ میں داخل ہو گیا اور بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ مسلمانوں کے سخت محاصرے اور جانبازی کو دیکھ کر کفار گھبرا گئے اور مسیلمہ سے پوچھنے لگے کہ مسلمانوں کی ایک مٹھی بھر فوج نے جو ہمارے ہزاروں کی تعداد کے مقابلے میں بالکل بے حقیقت ہے، ہماری فوجوں کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ ہزاروں اب تک تلوار کے گھاٹ اتر چکے ہیں اور سینکڑوں اتر رہے ہیں، بیشمار پڑے زخمی کراہ رہے ہیں۔ وہ وقت قریب ہے کہ مسلمان اس باغ کو بھی بزور ہم سے چھین لیں، تمہارا وعدہ نصرتِ ملائک اب کہاں ہے؟ خدا کی مدد کب آئے گی؟ یہاں تو ہماری جان پر آ بنی ہے، کیا امداد الٰہی اس وقت آئے گی جبکہ ہماری جانیں لقمۂ اجل ہو چکی ہوں گی؟ لیکن مسیلمہ کذاب ان کے اس یاس انگیز سوال کا کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکا جس سے لوگ اور مایوس ہو گئے اور حوصلہ ہار بیٹھے۔ اب کفار نے باغ میں پناہ نہ دیکھ کر قلعے کا رخ کیا اور باغ سے نکلنے لگے۔ مسیلمہ بھی لباس تبدیل کر کے باغ سے نکلنے لگا لیکن ایک انصاری مسلمان نے دُور سے پہچان کر حضرت وحشیؓ بن حرب کو جو مشہور حربہ باز تھے اور دروازے پر کھڑے تھے، بلند آواز سے پکار کر کہا کہ یہی مسیلمہ کذاب ہے، جانے نہ پائے۔ حضرت وحشیؓ نے اس بات کے سنتے ہی فوراً ایسا تلا ہوا نیزہ مارا کہ مسیلمہ وہیں گر کر ڈھیر ہو گیا اور ایک مجاہد صحابیہ حضرت ام عمارہؓ نے فوراً مسیلمہ کا سر اپنے بیٹے عبداللہ بن زید کی مدد سے کاٹ لیا۔ مرتے وقت مسیلمہ کو حضرت وحشیؓ نے للکار کر کہا کہ زمانۂ جاہلیت میں بحالتِ کفر میں نے خیر الناس حضرت حمزہؓ عمِ رسول اللہ ﷺ کو جنگِ اُحد میں شہید کر کے داخلِ جنت کیا تھا، اور آج بحالت اسلام، شرالناس مسیلمہ کذاب کو جہنم رسید کر رہا ہوں۔ مسیلمہ کے مرتے ہی کفار نے بالکل حوصلہ چھوڑ دیا۔

مسیلمہ کے محل کے بالائی حصے سے ایک لڑکی نے چیخ و پکار کرتے ہوئے کہا۔

"وا امیر المؤمنین قتله العبد الاسود۔" ہائے افسوس! امیر المؤمنین مسیلمہ کو ایک حبشی غلام نے قتل کر دیا۔ اس آواز کا بلند ہونا تھا کہ بنو حنیفہ کے لوگ جان بچانے کی غرض

سے بھاگنے لگے۔ اب مرتدین بھاگ رہے تھے اور مسلمان ان کو قتل کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ پورا علاقہ اور قلعہ صاف ہو گیا۔ قریب تھا کہ یمامہ میں ایک آدمی بھی زندہ نہ بچتا لیکن وہاں کے سنجیدہ لوگوں نے امن کی درخواست کی اور اس طرح ایک بڑے کافر کا بڑا فتنہ جہادِ مقدس کے ذریعہ سے ختم ہوا۔ صحابۂ کرامؓ پر اللہ تعالیٰ کی کروڑ ہا رحمتیں ہوں۔

مسیلمہ کذاب واقعی کذاب ثابت ہوا۔ اب نہ اس کی نبوت تھی نہ خلافت، نہ امارت و سیادت بلکہ ذلت کے ساتھ زمین پر پڑا تھا۔ اس معرکہ یمامہ میں اس کے کل 28 ہزار آدمی مارے جا چکے تھے۔ گویا نصف سے زائد فوج ہلاک ہو گئی تھی اور وہ خود بھی واصلِ جہنم ہو گیا تھا۔

اگرچہ دشمن کا نقصان بے اندازہ ہوا لیکن افسوس کہ لشکر اسلامیہ کو بھی بہت نقصان پہنچا، اور اس سے پہلے کسی جنگ میں اس قدر نقصان نہیں پہنچا تھا۔ اس جنگ میں بارہ سو مسلمان جن میں انصار تین سو ساٹھ، مہاجرین تین سو جن میں کافی بدری صحابی بھی تھے اور عام مسلمان پانچ سو چالیس شہید ہوئے۔ ان سب میں سات سو کے قریب حافظ قرآن تھے چونکہ مجاہدین کے آگے آگے حفاظ کرام ہی قرآن پاک کی یہ آیات مبارکہ:

لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللّٰہ امواتا ط بل احیاء عند ربھم یرزقون٥ فرحین بما اتھم اللّٰہ من فضلہ و یستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم الا خوف علیھم و لاھم یحزنون٥ (آل عمران: 170,169)

پڑھ پڑھ کر مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیتے، فضیلت بیان کرتے اور شوقِ شہادت میں بیتاب کر کے خود دشمن کے مقابل سینہ سپر ہوتے تھے، اس لیے زیادہ تر حفاظ قرآن شریف ہی اس لڑائی میں کام آئے اور انہی کے حوصلے اور جرأت کے باعث یہ خوفناک فتنہ ختم ہوا۔ جس باغ میں مسیلمہ کے لوگ ہلاک ہوئے تھے چونکہ بہت زیادہ اموات ہوئیں، اس لیے وہ جگہ حدیقۃ الموت یعنی موت کا باغیچہ کے نام سے مشہور ہوئی۔

حضرت خالدؓ نے چاہا کہ وہ اس شخص کو دیکھ لیں جس نے بنوحنیفہ کو اس قدر گمراہ اور ہلاک کر کے رکھ دیا ہے۔ چنانچہ آپ نے لاشوں میں مسیلمہ کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ حضرت خالدؓ کا جنگی قیدی مجاعہ بیڑیوں میں اٹھتا گرتا آپ کے پیچھے جا رہا تھا۔ جب حضرت خالدؓ نے رجال کی لاش دیکھی تو فرمایا کہ کیا یہی مسیلمہ ہے؟ تو مجاعہ نے کہا نہیں، یہ رجال ہے۔ پھر حضرت خالدؓ کا گزر محکم بن طفیل کی لاش پر ہوا تو فرمایا کیا یہ مسیلمہ ہے؟ تو مجاعہ نے کہا۔ نہیں

بخدا، یہ اس سے اچھا تھا۔ پھر کچھ آگے گئے تو لوگوں نے اور لاشوں کو اُلٹ پلٹ کر کے نیچے سے مسیلمہ کی لاش لا کر حضرت خالدؓ کو دکھائی۔ آپ نے دیکھا کہ ایک حقیر سا آدمی ہے۔ رنگ پیلا ہے اور ناک انتہائی بدصورت ہے تو حضرت خالدؓ نے فرمایا کہ اللہ تم کو ذلیل کرے کہ ایسے حقیر اور بدصورت آدمی کے پیچھے پڑ گئے۔ مجاعہ نے کہا کہ بس ایسا ہی ہوا۔ مسیلمہ کذاب کی لاش قریباً 20 ہزار لاشوں میں پڑی تھی اور قیدیوں کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔

اس اثنا میں امیر المؤمنین ابوبکر صدیقؓ نے حضرت خالدؓ کے نام ایک فرمان بھیجا جس میں لکھا تھا کہ اگر خدائے عزیز و برتر مرتدین پر فتح یاب کرے تو بنی حنیفہ میں سے جس قدر افراد بالغ ہو چکے ہوں، وہ سب بجرم ارتداد قتل کیے جائیں اور عورتیں اور کم سن لڑکے حراست میں لے لیے جائیں۔ لیکن امیر المومنین کا فرمان پہنچنے سے پیشتر حضرت خالدؓ ایک معاہدہ کی تکمیل کر چکے تھے۔ اس بناء پر اس حکم کا نفاذ نہ ہو سکا۔ اور باوجودیکہ یہ معاہدہ دھوکے اور فریب کاری کی بنا پر لکھا گیا تھا لیکن چونکہ عہد کی پابندی مسلمان کا لازمی شعار ہے، حضرت خالدؓ نے اس معاہدہ کو علیٰ حالہا قائم رکھا۔ مجاعہ کی تحریک سے بنی حنیفہ کے سات ممتاز افراد منتخب ہوئے جنھوں نے حضرت خالدؓ سے صلح کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور مسیلمی عقائد سے توبہ کر کے ازسرِ نو حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ کئی سال پیشتر مرزائیوں نے افغانستان میں عبداللطیف مرتد کی سنگباری پر یہ کہتے ہوئے بڑا اودھم مچایا تھا کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل نہیں۔ لیکن مرزائی اگر حضرت صدیق اکبرؓ کو خلیفۂ رسول ﷺ مانتے ہیں تو انھیں چاہیے کہ آپ کے اس حکم کو دلیل راہ بنائیں۔

اس معرکہ حق و باطل میں جس طرح خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فرزندِ گرامی حضرت عبدالرحمٰنؓ شریک ہوئے، اسی طرح خلیفہ ثانی امیر المومنین عمر فاروقؓ کے صاحبزادہ جناب عبداللہ بن عمرؓ بھی شریک تھے۔ جب لشکر اسلام مظفر و منصور ہو کر مدینہ منورہ واپس آیا اور حضرت عبداللہؓ نے اپنے والد محترم سے ملاقات کی تو حضرت فاروق اعظمؓ نے ان سے فرمایا ''یہ کیا بات ہے کہ تمہارا چچا (حضرت زیدؓ بن خطاب) تو شہید ہوں اور تم زندہ رہو؟ تم زیدؓ سے پہلے کیوں نہ مارے گئے؟ کیا تمھیں شہادت کا شوق نہ تھا؟'' جناب عبداللہؓ نے عرض کیا ''اے والد محترم! چچا جان اور میں دونوں نے حق تعالیٰ سے شہادت کی درخواست کی تھی۔ ان کی دعا مستجاب ہوئی لیکن میں اس سعادت سے محروم رہا۔ حالانکہ چچا جان کی طرح،

میں نے بھی حصولِ شہادت کے لیے اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا۔

جنگ یمامہ میں حضور سرور کائنات ﷺ کے جو اصحاب رضوان اللہ علیہم شہید ہوئے، ابن اثیر نے ان میں سے مندرجہ ذیل حضرات کے اسمائے گرامی قلمبند کیے ہیں۔

1- حضرت عبادؓ بن بشر انصاری اشہلی جو غزوۂ بدر اور دوسرے غزوات میں شریک تھے۔

2- حضرت عبادہؓ بن حارث انصاری جو جنگ اُحد میں شریک تھے۔

3- حضرت عمیرؓ بن اوس شریک اُحد۔

4- حضرت عامرؓ بن ثابت بن سلمہ انصاری۔

5- حضرت عمارہؓ بن حزم انصاری جو غزوۂ بدر میں شریک تھے۔

6- حضرت علیؓ بن عبید اللہ ابن حارث۔

7- حضرت عائذؓ بن ماعص انصاری۔

8- حضرت فرودہؓ بن نعمان جو جنگِ اُحد میں شریک تھے۔

9- حضرت قیسؓ بن حارث بن عدی انصاری شریک جنگ اُحد۔

10- حضرت سعدؓ بن حماز انصاری شریک غزوہ اُحد۔

11- ابو دجانہ حضرت سماکؓ بن خرشہ ساعدی انصاری بدری۔

12- حضرت سلمہؓ بن مسعود ابن سنان انصاری۔

13- حضرت سائبؓ بن عثمان بن مظعون جو مہاجرین حبش میں داخل اور جنگ بدر میں موجود تھے۔

14- حضرت سائب بن عوام جو حضرت زبیرؓ کے حقیقی بھائی اور حضور سیّد المرسلین ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔

15- حضرت طفیلؓ بن عمرو الدوسی شریک غزوۂ خیبر۔

16- حضرت زرارہؓ بن قیس انصاری۔

17- حضرت مالکؓ بن عمرو سلمی بدری۔

18- حضرت مالکؓ بن امیہ سلمی بدری۔

19- حضرت مالکؓ بن عوس ابن عتیک انصاری جو اُحد میں شریک تھے۔

20- حضرت معنؓ بن عدی جو بیعت عقبہ اور بدر وغیرہ غزوات میں شریک تھے۔

21- حضرت مسعودؓ بن سنان اسود شریک غزوہ اُحد۔

-22 حضرت نعمانؓ بن عصر بدری۔
-23 حضرت صفوانؓ۔
-24 اور حضرت مالکؓ، عمرو السلمی کے بیٹے جو بدری تھے۔
-25 حضرت عبداللہؓ بن حارث سہمی۔
-26 حضرت عبداللہؓ بن مخرمہ بن عبدالعزی جو بدر وغیرہ غزوات میں شریک تھے۔
-27 حضرت عبداللہؓ بن عبداللہ بن ابی بن سلول (مشہور منافق کے بیٹے) جو بدری تھے۔
-28 حضرت عبداللہؓ بن عتیک انصاری بدری۔
-29 حضرت شجاعؓ بن ابی وہب اسدی بدری۔
-30 حضرت ہریمؓ بن عبداللہ مطلبی قرشی اور
-31 ان کے بھائی حضرت جنادہؓ
-32 حضرت ولیدؓ بن عبدشمس بن مغیرہ مخزومی جو خالدؓ کے عم زاد بھائی تھے۔
-33 حضرت ورقہؓ بن ایاس بن عمرو انصاری بدری۔
-34 حضرت یزیدؓ بن اوس جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے تھے۔
-35 حضرت ابوحبہؓ بن غزیہ انصاری جو اُحد میں موجود تھے۔
-36 حضرت ابوعقیلؓ بلوی بدری۔
-37 حضرت ابوقیسؓ بن حارث سہمی جو مہاجرین حبش میں داخل اور جنگ اُحد میں شریک تھے۔
-38 حضرت یزیدؓ بن ثابت جو زید بن ثابت انصاری کے بھائی تھے رضی اللہ عنہم۔"

(فتنۂ ارتداد اور جہاد فی سبیل اللہ از حضرت مولانا فضل محمد)

ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ صحابۂ کرامؓ کی کتنی بڑی جماعت جھوٹے مدعی نبوت سے مقابلہ کے لیے میدان میں آئی۔ صحابۂ کرامؓ نے نہ وقت کی نزاکت کا خیال کیا، نہ مسلمانوں کی بے سروسامانی کا، اور نہ اس جماعت کے نماز، روزہ، حج، تلاوت یا دیگر احکام اسلامی کے ادا کرنے سے دھوکا کھایا۔ انھوں نے محض اس بات پر جہاد کیا کہ حضور خاتم النبیین ﷺ کے بعد نبوت کا ہر مدعی کذاب، مرتد اور واجب القتل ہے اور اس کی سرکوبی ہر مسلمان کا اولین فریضہ ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور نبی کریم ﷺ کے بعد کسی بھی شخص کا دعویٰ نبوت

خواہ کسی بھی تاویل سے ہو،
اس کی کتنی ہی بڑی جماعت کیوں نہ ہو،
اس کے پیروکار ظاہری شکل وصورت سے کتنے ہی اسلامی کیوں نہ ہوں،
خواہ وہ زبان سے کلمہ پڑھتے ہوں،
تمام اسلامی شعائر کی پابندی کرتے ہوں،
ان سب کو کافر، مرتد اور واجب القتل قرار دیا جانا، قرآن وسنت اور اجماع صحابۂ کرامؓ کے سبب عین درست اور نہایت ضروری ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی ﷺ سے شرار بولہبی

مرزا قادیانی کا دعویٰ نبوت اور ہرزہ سرائیاں

حضور خاتم النبیین علیہ التحیہ و الثناء سے لامحدود اور غیر مشروط محبت و احترام ہر مسلمان کے ایمان کی بنیاد ہے۔ وہ جب تک نبی کریم ﷺ کو اپنے والدین، اولاد، عزیز رشتہ دار، دولت وکاروبار حتیٰ کہ خود اپنی جان سے زیادہ عزیز ترین نہ جانے، مسلمان نہیں کہلوا سکتا۔ یہ قانون، قرون اولیٰ کے صحابۂ کرامؓ سے لے کر قیامت کی ساعت اول کے آغاز تک اسلام قبول کرنے والے ہر شخص پر یکساں لاگو ہے۔ اس سے ذرہ برابر روگردانی، رتی بھر انحراف، معمولی لاپروائی اور ادنیٰ سی بے توجہی بھی ایک مسلمان کو احسن تقویم کی چوٹیوں سے اٹھا کر اسفل السافلین کی اتھاہ گہرائیوں میں گرا دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی کج فہم، کوتاہ نظر اور معکوس فکر کا حامل شخص مسلمانوں کے مرکزِ نگاہ اور محبوب ترین شخصیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان میں ادنیٰ سی بھی توہین کرتا ہے تو غیرت وحمیت سے سرشار مسلمان کا تو تذکرہ ہی کیا بلکہ ایک عام مسلمان کا بھی خون کھول اٹھتا اور اس کے رگ دپے میں لاوا سا کھولنے لگتا ہے۔ دیکھتی آنکھوں اس کا وجود غیظ وغضب کی کڑکتی بجلیوں کا روپ دھار لیتا ہے اور اُسے اس وقت تک کسی پہلو قرار نہیں آتا جب تک کہ وہ شاتم رسولؐ کے ناپاک اور غلیظ وجود سے اس دھرتی کو پاک نہیں کر لیتا۔ اس ہدف تک رسائی کے لیے وہ رات دن بے تاب رہنے لگتا ہے۔ اس جاں گسل مہم کو سر کرنے کے لیے چاہے اسے لاکھ چٹانیں اور خون کے اَن گنت سمندر ہی کیوں

نہ عبور کرنا پڑیں، اس کے بے قابو جذبوں، نا قابل تسخیر جنوں اور کہسار صفت اخلاص و وفا کے سامنے کفر کی ہر طاقت گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ راہ محبت کا یہ راہی اور لشکر عشق کا یہ سپاہی جانتا ہے کہ اس کی یہ جدوجہد ہی حاصل زندگی ہے، اسی میں اس کی بقا ہے اور یہ کہ یہی رھگزر شفاعت محمدی ﷺ کی طرف اور یہی راستہ اللہ کی خوشنودی کی طرف جاتا ہے۔

مسلمانان عالم کا حضور نبی کریم ﷺ کے آخری نبی ہونے پر اجماع اور عقیدۂ جہاد 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد اسلام دشمن طاقتوں بالخصوص انگریزوں کے لیے سوہان روح بنا ہوا تھا اور ہے۔ ان کی شدید خواہش تھی اور ہے کہ کسی طرح کوئی ایسا اہتمام ہو جائے کہ مسلمانوں کے دل سے حضور نبی کریم ﷺ کی محبت وعقیدت اور جہاد کی روح دونوں ختم ہو جائیں، اب چونکہ ایک نبی کے حکم میں ترمیم و تنسیخ دوسرے نبی کے ذریعے ہی سے ہوتی ہے۔ چنانچہ حکومت برطانیہ کی سرپرستی اور لالچ پر سیالکوٹ کی ضلع کچہری کے ایک منشی مرزا قادیانی نے اپنے نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کیا۔ یہ بدبخت گورداسپور (بھارت) کی تحصیل بٹالہ کے ایک پسماندہ گاؤں قادیان کا رہنے والا تھا۔ آنجہانی مرزا قادیانی نے پہلے خود کو عیسائیت اور ہندو مخالف مناظر کی حیثیت سے متعارف کروایا اور مسلمانوں کی جذباتی اور نفسیاتی ہمدردیاں حاصل کیں۔ پھر مجدد، محدث، امتی نبی، ظلی نبی، بروزی نبی، مثیل مسیح اور مسیح موعود کا دعویٰ کرتے ہوئے انجام کار با قاعدہ امر و نہی کے حامل ایک صاحب شریعت نبی ہونے کے ادعا تک جا پہنچا۔ یعنی با قاعدہ نبی و رسول ہونے کا دعویٰ کیا حتیٰ کہ اعلان کیا کہ وہ خود ''محمد رسول اللہ'' ہے۔ (نعوذ باللہ) پھر اس کے بیٹے مرزا بشیر احمد نے کہا کہ قادیان میں اللہ تعالیٰ نے مرزا قادیانی کی شکل میں دوبارہ ''محمد رسول اللہ ﷺ'' کو بھیجا۔ مزید کہا کہ مرزا قادیانی خود ''محمد رسول اللہ'' ہے جو اشاعت اسلام کے لیے دوبارہ دنیا میں آیا۔ اس لیے ہمیں کسی نئے کلمہ کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اب کلمہ طیبہ میں ''محمد رسول اللہ'' سے مراد مرزا قادیانی ہے۔ یہ قادیانی عقیدہ مرزا قادیانی کے ایک خاص مرید قاضی ظہور الدین اکمل نے اپنی ایک نظم میں پیش کیا۔

محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں   اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شاں میں
محمد دیکھنے ہوں جس نے اکمل   غلام احمد کو دیکھے قادیاں میں

قاضی اکمل نے مندرجہ بالا نظم لکھ کر ایک قطعہ کی صورت میں مرزا قادیانی کو پیش

کی۔ مرزا قادیانی نے اس نظم کو پڑھ کر بے حد خوشی کا اظہار کیا اور اسے اپنے ساتھ گھر لے گیا۔

قادیانی، آنجہانی مرزا قادیانی کو ''محمد رسول اللہ''، اس کی بدقماش بیوی کو ''ام المومنین''، اس کی عیاش بیٹی کو ''سیدۃ النساء''، اس کے گھٹیا خاندان کو ''اہل بیت''، اس کے گماشتوں کو ''صحابہ کرام''، اس کی نام نہاد وحی والہامات کو ''قرآن مجید''، اس کی بیہودہ گفتگو کو ''احادیث رسول''، اس کے ناپاک شہر قادیان کو ''مکہ''، ربوہ کو ''مدینہ'' اور اس کے مرگھٹ کو ''جنت البقیع'' قرار دیتے ہیں۔ بلاشبہ یہ سب باتیں ایک ادنیٰ سے ادنیٰ بلکہ فاسق و فاجر مسلمان کے لیے بھی ناقابل برداشت ہیں اور اس کرۂ ارض پر کوئی بے حمیت مسلمان ایسا نہیں جو کسی بدبخت سے ایسی گستاخانہ باتیں سننا گوارا کرے۔

نہایت قابل غور بات یہ ہے کہ 1993ء میں قادیانی جماعت نے سپریم کورٹ آف پاکستان میں اپیل دائر کی اور اس میں موقف اختیار کیا کہ انھیں خود کو مسلمان کہلوانے، اپنے مذہب کی تبلیغ وتشہیر کرنے، لٹریچر تقسیم کرنے اور سرعام جلسے وغیرہ منعقد کرنے کی اجازت دی جائے۔ دوران مقدمہ جب مسلمان وکلاء نے مرزا قادیانی، اس کے بیٹوں اور مریدوں کی کتب سے مذکورہ بالا گستاخانہ اور کفریہ عبارات پیش کیں تو فل بنچ کے جج صاحبان انھیں دیکھ کر سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ انھوں نے متفقہ طور پر اپنے فیصلے میں قادیانیوں کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں سے روکتے ہوئے لکھا کہ ہر قادیانی شعائر اسلامی کی توہین اور اپنے کفریہ عقائد کی بناء پر ''سلمان رشدی'' ہے۔ سب جانتے ہیں کہ سلمان رشدی بدنام زمانہ گستاخ رسول اور واجب القتل ہے۔ سپریم کورٹ نے اپنے فیصلہ میں مزید لکھا کہ اگر قادیانیوں نے اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے کی کوشش کی تو انتظامیہ ان کی جان اور مال کی ضمانت نہیں دے سکتی۔ کیونکہ کوئی مسلمان ایسی دل آزار تحریریں پڑھنے کے بعد اپنے غصہ پر قابو نہیں رکھ سکتا۔ اس کا مشتعل ہونا اور طیش میں آنا ایک فطری بات ہے اور یہ چیز لاء اینڈ آرڈر کا موجب بن سکتی ہے جس کے نتیجہ میں جان و مال کا نقصان ہوسکتا ہے۔ اس کے باوجود قادیانی اپنے آپ کو مسلمان کہتے، شعائر اسلامی کی توہین کرتے، اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے اور گستاخانہ لٹریچر شائع کرتے ہیں۔ ہر مسلمان کا قانونی اور مذہبی فریضہ ہے کہ وہ قادیانیوں کی ارتدادی اور شرانگیز سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھے اور اگر کوئی قادیانی ایسا کرتا نظر آئے تو معززین علاقہ کے ہمراہ متعلقہ تھانہ میں جا کر تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295/C اور 298/C کے تحت قادیانیوں کے

خلاف مقدمہ درج کروائے۔ مرزا قادیانی اور ان کے رفقاء کی کتب میں بعض ایسی روح فرسا تحریریں ہیں جو عقائد کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان تحریروں کو پڑھ کر کلیجا پھٹنے کو آتا، دل ٹکڑے ٹکڑے ہوتا، آنکھیں خون کے آنسو روتیں، سینہ چھلنی ہوتا، روح میں زہر آلود نشتر چبھتے اور دماغ مفلوج ہوتا محسوس ہوتا ہے۔ نقل کفر، کفر نہ باشد کے مصداق، آیئے! بوجھل دل کے ساتھ ان دل آزار تحریروں پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی توہین

مرزا قادیانی اللہ تعالیٰ کے متعلق لکھتا ہے:

- ''ایک بار مجھے یہ الہام ہوا تھا کہ خدا قادیان میں نازل ہوگا' اپنے وعدہ کے موافق۔''

(تذکرہ مجموعۂ الہامات از مرزا قادیانی طبع چہارم ص 358)

پھر کہا:

- ''سچا خدا وہی خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔''

(دافع البلاء از مرزا قادیانی، ص 11 مندرجہ روحانی خزائن ج 18 ص 231)

مرزا قادیانی کا ایک عقیدت مند مرید اپنی کتاب میں مرزا قادیانی کا اللہ تعالیٰ سے تعلق ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

- ''حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک موقع پر اپنی حالت یہ ظاہر فرمائی ہے کہ کشف کی حالت آپ پر اس طرح طاری ہوئی کہ گویا آپ عورت ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے رجولیت کی طاقت کا اظہار فرمایا تھا۔ سمجھنے والے کے لیے اشارہ کافی ہے۔''

(اسلامی قربانی ٹریکٹ نمبر 34 از قاضی یار محمد)

حضور نبی کریم ﷺ کی توہین

مرزا قادیانی نے اپنی کئی تحریروں میں حضور نبی کریم ﷺ کے بارے میں بھی نہایت توہین آمیز خیالات کا اظہار کیا جو ایک عام اور بے عمل مسلمان کے لیے بھی ناقابل برداشت ہے۔ مفکر پاکستان حضرت علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

''(مرزا غلام احمد قادیانی نے) بانی اسلام کی نبوت سے اعلیٰ تر نبوت کا دعویٰ کیا اور تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا۔ بعد میں (قادیانی جماعت سے میری) یہ بیزاری بغاوت کی حد

تک پہنچ گئی جب میں نے تحریک (مرزائیہ) کے ایک رکن کو اپنے کانوں سے آنحضرت ﷺ کے متعلق نازیبا کلمات کہتے سنا۔ درخت جڑ سے نہیں، پھل سے پہچانا جاتا ہے۔"

(حرف اقبال از لطیف احمد شیرانی ص 123)

مرزا قادیانی کا دعویٰ ہے کہ وہ خود "محمد رسول اللہ" ہے۔ اس سلسلہ میں اس کا اپنا بیان ہے:

□ "پھر اسی کتاب میں اسی مکالمہ کے قریب ہی یہ وحی اللہ ہے **محمد رسول الله والذین معه اشداء علی الکفار رحماء بینهم** اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی۔"

(ایک غلطی کا ازالہ از مرزا قادیانی ص 4 مندرجہ روحانی خزائن جلد 18 ص 207)

وہ مزید لکھتا ہے:

□ "میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیت **و آخرین منهم لما یلحقوا بهم** بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمدؐ اور احمدؐ رکھا ہے اور مجھے آنحضرتؐ کا ہی وجود قرار دیا ہے۔ پس اس طور سے آنحضرتؐ کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔"

(ایک غلطی کا ازالہ از مرزا قادیانی ص 10 مندرجہ روحانی خزائن جلد 18 ص 212)

ایک اور موقع پر لکھتا ہے:

□ "میں آدمؑ ہوں، میں نوحؑ ہوں، میں ابراہیمؑ ہوں، میں اسحاقؑ ہوں، میں یعقوبؑ ہوں، میں اسمٰعیلؑ ہوں، میں موسیٰؑ ہوں، میں داؤدؑ ہوں، میں عیسیٰؑ ہوں، ابن مریمؑ ہوں، میں محمدؐ ہوں۔"

(تتمہ حقیقت الوحی از مرزا قادیانی ص 521 مندرجہ روحانی خزائن جلد 22 ص 521)

مرزا قادیانی نے اپنے متعلق مزید لکھا:

□ "منم مسیح زمان و منم کلیم خدا   منم محمدؐ و احمدؐ کہ مجتبیٰ باشد"

"یعنی میں مسیح زماں ہوں، میں کلیم خدا یعنی موسیٰ ہوں، میں محمدؐ ہوں، میں احمد مجتبیٰ ہوں۔"

(تریاق القلوب از مرزا قادیانی ص 6 مندرجہ روحانی خزائن جلد 15 ص 134)

مرزا قادیانی کے بیٹے مرزا بشیر احمد ایم اے نے مرزا قادیانی کے اس دعویٰ کو کہ وہ ''محمد رسول اللہ'' ہے، بڑی وضاحت اور صراحت کے ساتھ اپنی کتاب ''کلمۃ الفصل'' میں بیان کیا ہے۔ ملعون مرزا بشیر احمد ایم اے لکھتا ہے:

□ ''اور چونکہ مشابہت تامہ کی وجہ سے مسیح موعود (یعنی مرزا قادیانی) اور نبی کریمؐ میں کوئی دوئی باقی نہیں کہ ان دونوں کے وجود بھی ایک وجود کا ہی حکم رکھتے ہیں جیسا کہ خود مسیح موعود نے فرمایا کہ **صار وجودی وجودہ** (دیکھو خطبہ الہامیہ صفحہ 171) اور حدیث میں بھی آیا ہے کہ حضرت نبی کریمؐ نے فرمایا کہ مسیح موعود (مرزا قادیانی) میری قبر میں دفن کیا جائے گا جس سے یہی مراد ہے کہ وہ میں ہی ہوں یعنی مسیح موعود (مرزا قادیانی) نبی کریم سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ وہی ہے جو بروزی رنگ میں دوبارہ دنیا میں آئے گا تاکہ اشاعت اسلام کا کام پورا کرے اور **ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ** کے فرمان کے مطابق تمام ادیان باطلہ پر اتمامِ حجت کر کے اسلام کو دنیا کے کونوں تک پہنچاوے تو اس صورت میں کیا اس بات میں کوئی شک رہ جاتا ہے کہ قادیان میں اللہ تعالیٰ نے پھر محمدؐ کو اتارا تاکہ اپنے وعدہ کو پورا کرے جو اس نے **آخرین منھم لما یلحقوا بھم** میں فرمایا تھا۔''

(کلمۃ الفصل از مرزا بشیر احمد ایم اے ص 105)

چونکہ مسلمان حضرت محمد ﷺ کے قادیان میں دوبارہ آنے کے قائل نہیں اور مرزا قادیانی کو محمد رسول اللہ تسلیم نہیں کرتے، اس لیے قادیانیوں کے نزدیک وہ نئے کلمہ کے منکر ہونے کی وجہ سے کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ مرزا بشیر احمد ایم۔ اے لکھتا ہے:

''اب معاملہ صاف ہے، اگر نبی کریم کا انکار کفر ہے تو مسیح موعود (مرزا قادیانی) کا انکار بھی کفر ہونا چاہیے، کیونکہ مسیح موعود نبی کریم سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ وہی ہے اور اگر مسیح موعود کا منکر کافر نہیں تو نعوذ باللہ نبی کریم کا منکر بھی کافر نہیں کیونکہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ پہلی بعثت میں تو آپ کا انکار کفر ہو مگر دوسری بعثت میں جس میں بقول مسیح موعود آپ کی روحانیت اقویٰ اور اکمل اور اشد ہے، آپ کا انکار کفر نہ ہو۔''

(کلمۃ الفصل از مرزا بشیر احمد ص 146-147)

پھر مزید بڑھتے ہوئے لکھتا ہے:

□ ''ہر ایک نبی کو اپنی استعداد اور کام کے مطابق کمالات عطا ہوتے ہیں، کسی کو بہت، کسی کو کم۔ مگر مسیح موعود کو تو تب نبوت ملی جب اس نے نبوت محمدیہ ﷺ کے تمام کمالات کو حاصل کر لیا اور اس قابل ہو گیا کہ ظلی نبی کہلائے، پس ظلی نبوت نے مسیح موعود کے قدم کو پیچھے نہیں ہٹایا بلکہ آگے بڑھایا اور اس قدر آگے بڑھایا کہ نبی کریمؐ کے پہلو بہ پہلو لا کھڑا کیا۔'' (کلمۃ الفصل از مرزا بشیر احمد ایم اے ص 113)

مرزا بشیر احمد ایم اے اس سلسلہ میں مزید لکھتا ہے:

□ ''ہم کو نئے کلمہ کی ضرورت پیش نہیں آتی کیونکہ مسیح موعود (مرزا قادیانی) نبی کریمؐ سے کوئی الگ چیز نہیں ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے کہ صار وجودی وجودہ نیز من فرق بینی و بین المصطفیٰ فما عرفنی و ما رئی اور یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ وہ ایک دفعہ اور خاتم النبیین کو دنیا میں مبعوث کرے گا جیسا کہ آیت آخرین منھم سے ظاہر ہے۔ ''پس مسیح موعود (مرزا قادیانی) خود محمد رسول اللہ ہے جو اشاعت اسلام کے لیے دوبارہ دنیا میں تشریف لائے۔ اس لیے ہم کو کسی نئے کلمہ کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر محمدؐ رسول اللہ کی جگہ کوئی اور آتا تو ضرورت پیش آتی۔''

(کلمۃ الفصل از مرزا بشیر احمد ایم اے ص 158)

مرزا صاحب کے ایک عقیدت مند اور نہایت کٹر قادیانی ملعون قاضی ظہور الدین اکمل نے مذکورہ بالا عقیدہ کو شاعری میں ڈھالا۔ ملاحظہ فرمائیں:

□ امام اپنا عزیزو اس زماں میں
غلام احمد ہوا دارالاماں میں
غلام احمد ہے عرش ربّ اکرم
مکاں اس کا ہے گویا لا مکاں میں
غلام احمد رسول اللہ ہے برحق
شرف پایا ہے نوع انس و جاں میں
محمد ﷺ پھر اتر آئے ہیں ہم میں
اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شاں میں

محمد ﷺ دیکھنے ہوں جس نے اکمل
غلام احمد کو دیکھے قادیاں میں

(اخبار بدر قادیان 25 اکتوبر 1906ء)

جب اس دلخراش قصیدہ پر اعتراض ہوا تو قادیانی جماعت نے جلتی پر تیل کی طرح جو جواب دیا، وہ نہایت افسوناک ہے، ملاحظہ فرمائیں:

"یہ وہ نظم ہے جو حضرت مسیح موعود کے حضور میں پڑھی گئی اور خوشخط لکھے ہوئے قطعے کی صورت میں پیش کی گئی اور حضور اسے اپنے ساتھ اندر لے گئے۔ پھر یہ نظم اخبار بدر 25 اکتوبر 1906ء میں چھپی اور شائع ہوئی۔ پس حضرت مسیح موعود کا شرف سماعت حاصل کرنے اور جزاکم اللہ تعالیٰ کا صلہ پانے اور اس قطعے کو اندر خود لے جانے کے بعد کسی کو حق ہی کیا پہنچتا ہے کہ اس پر اعتراض کر کے اپنی کمزوری ایمان وقلت عرفاں کا ثبوت دے۔"

(روزنامہ الفضل 23 اگست 1944ء ص 4)

مرزا قادیانی کا بڑا بیٹا اور قادیانی جماعت کا دوسرا خلیفہ ملعون مرزا محمود، مرزا قادیانی کا رتبہ نبی کریم ﷺ سے بھی بڑھ کر بتاتا ہے۔

□ "یہ بالکل صحیح بات ہے کہ ہر شخص ترقی کر سکتا ہے اور بڑے سے بڑا درجہ پا سکتا ہے حتیٰ کہ محمد رسول اللہ سے بھی بڑھ سکتا ہے۔"

(مرزا محمود کی ڈائری، اخبار الفضل قادیان نمبر 5 جلد 17، 10 جولائی 1922ء)

ملعون مرزا قادیانی اپنے ایک مکتوب میں حضور نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں توہین کرتے ہوئے بڑی دیدہ دلیری سے لکھتا ہے:

□ "آنحضرتؐ اور آپ کے اصحاب ...... عیسائیوں کے ہاتھ کا پنیر کھا لیتے تھے حالانکہ مشہور تھا کہ سور کی چربی اس میں پڑتی ہے۔" (لعنت اللہ علی الکاذبین۔ مؤلف)

(مرزا قادیانی کا مکتوب، اخبار الفضل قادیان 22 فروری 1924ء)

مرزا بشیر احمد ایم اے مرزا قادیانی کی مشہور سوانح حیات "سیرۃ المہدی" میں ایک اہم واقعہ لکھتا ہے:

□ "حافظ محمد ابراہیم صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ 1903ء کا واقعہ ہے کہ میں ایک دن مسجد مبارک کے پاس والے کمرہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم تشریف لائے اور اندر سے حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) بھی تشریف لے آئے اور تھوڑی

یہ میں مولوی محمد احسن صاحب امروہی بھی آ گئے، اور آتے ہی حضرت مسیح موعود سے حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ اول کے خلاف بعض باتیں بطور شکایت بیان کرنے لگے۔ اس پر مولوی عبدالکریم صاحب کو جوش آ گیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ ہر دو کی ایک دوسرے کے خلاف آوازیں بلند ہو گئیں اور آواز کمرے سے باہر جانے لگی۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا: **لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی** (یعنی اے مومنو! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز کے سامنے بلند نہ کیا کرو) اس حکم کے سنتے ہی مولوی عبدالکریم صاحب تو فوراً خاموش ہو گئے اور مولوی محمد احسن صاحب تھوڑی دیر تک آہستہ آہستہ اپنا جوش نکالتے رہے اور حضرت اقدس وہاں سے اٹھ کر ظہر کی نماز کے واسطے مسجد مبارک میں تشریف لے آئے۔"

(سیرت المہدی جلد دوئم از مرزا بشیر احمد ایم اے ص 30)

اہلِ علم جانتے ہیں کہ اس واقعہ میں مذکور آیت قرآنی حضور نبی کریمؐ پر نازل ہوئی جو ہمیں بارگاہ رسالت مآب ﷺ کے آداب سکھاتی ہے، جبکہ یہ آیت غیر ضروری انداز میں مرزا قادیانی کی شخصیت پر چسپاں کی گئی۔

مرزا قادیانی اپنے اوپر نازل ہونے والی وحی کے بارے میں لکھتا ہے:

- "مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ توریت اور انجیل اور قرآن کریم پر۔"

(اربعین نمبر 4 از مرزا قادیانی ص 19 مندرجہ روحانی خزائن جلد 17 ص 25)

مرزا قادیانی کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیات قرآنی، وحی کی صورت میں دوبارہ اس پر نازل کی ہیں۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ یہ آیات قرآنی صرف اور صرف نبی کریم ﷺ کے لیے ہی مخصوص ہیں۔ مرزا قادیانی کا اصرار ہے کہ چونکہ وہ خود "محمد رسول اللہ" ہے، اس لیے اب وہی ان آیات کا مصداق ہے۔ اس نے بعض آیات میں تحریف بھی کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

- **"انا اعطیناک الکوثر. فصل لربک و انحر. ان شانئک ھو الا بتر"**

(تذکرہ مجموعہ وحی والہامات از مرزا قادیانی ص 73 طبع چہارم)

- **"ورفعناک لک ذکرک"**

(تذکرہ مجموعہ وحی والہامات از مرزا قادیانی ص 74 طبع چہارم)

- **"ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ"**

(تذکرہ مجموعہ وحی والہامات از مرزا قادیانی ص 194 طبع چہارم)

- " اصحاب الصفه. وما ادرک ما اصحاب الصفة. تری اعینهم تفیض من الدمع یصلون علیک "

(تذکرہ مجموعہ وحی والہامات ازمرزا قادیانی ص 41 طبع چہارم)

- "انآ ارسلنا ہ شاھدا و مبشراً و نذیراً کصیب من السمآء فیہ ظلمات ورعد و برق کل شیء تحت قدمیہ "

(تذکرہ مجموعہ وحی والہامات ازمرزا قادیانی ص 119 طبع چہارم)

- " وداعیا الی اللّٰہ و سراجا منیرا "

(تذکرہ مجموعہ وحی والہامات ازمرزا قادیانی ص 541 طبع چہارم)

- " تبت یدا ابی لھب وتب "

(تذکرہ مجموعہ وحی والہامات ازمرزا قادیانی ص 198 طبع چہارم)

- " قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ "

(تذکرہ مجموعہ وحی والہامات ازمرزا قادیانی ص 37 طبع چہارم)

- " وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین "

(تذکرہ مجموعہ وحی والہامات ازمرزا قادیانی ص 64 طبع چہارم)

- " انا انزلناہ قریباً من القادیان. وبالحق انزلناہ و بالحق نزل. صدق اللّٰہ و رسولہ. وکان امر اللّٰہ مفعولا "

(تذکرہ مجموعہ وحی والہامات ازمرزا قادیانی ص 59 طبع چہارم)

ان آیات کے علاوہ مرزا قادیانی نے درج ذیل حدیث قدسی کو بھی اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے لکھا۔

- " لولاک لما خلقت الافلاک "

(ترجمہ) اے مرزا، "اگر میں تجھے پیدا نہ کرتا تو آسمانوں کو بھی پیدا نہ کرتا۔"

(تذکرہ مجموعہ وحی والہامات ازمرزا قادیانی ص 556 طبع چہارم)

مرزا قادیانی پوری زندگی جسمانی اور دماغی بیماریوں کا شکار رہا۔ اس صورت حال میں اس کا یہ دعویٰ کہ "میں محمد رسول اللّٰہ ہوں" نہایت گستاخانہ اور دل آزار ہے۔

حضرت امام حسینؓ کی توہین

اہل بیتؓ عظام کا نسب نہایت پاکیزہ و عالی ہے۔ وہ تمام لوگوں میں سے بہتر، برگزیدہ اور پاکباز ہیں۔ ان کے حق میں قرآن کریم کی کئی آیات نازل ہوئیں اور کئی احادیث ان کی شان میں وارد ہوئیں۔ وہ طیب شجر نبوی کی مقدس شاخیں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہر آلائش کو دور کر دیا ہے اور انہیں صاف ستھرا کیا ہے۔ اسلام کی سر بلندی کے لیے ان کی خدمات، اسلامی تاریخ کا روشن باب ہیں۔ وہ سب مسلمانوں کے احترام، توقیر اور ان کی محبت کے لائق اور مستحق ہیں۔ ہر مسلمان اہل بیتؓ سے محبت اپنے لیے سرمایۂ حیات سمجھتا ہے۔ لیکن مرزا قادیانی اور اس کے چیلے اہل بیت کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں؟ ملاحظہ فرمائیں:

نواسۂ رسول ﷺ، شہید کربلا حضرت امام حسینؓ کے بارے میں مرزا قادیانی کا کہنا ہے:

- ''اے عیسائی مشنریو! اب ربنا المسیح مت کہو، اور دیکھو کہ آج تم میں ایک ہے جو اس مسیح سے بڑھ کر ہے، اور اے قوم شیعہ اس پر اصرار مت کرو کہ حسینؓ تمہارا منجی ہے کیونکہ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ آج تم میں ایک ہے کہ اس حسینؓ سے بڑھ کر ہے۔''

(دافع البلاء از مرزا قادیانی ص 17 مندرجہ روحانی خزائن جلد 18 ص 233)

حضرت امام حسینؓ عالی مقام کے بارے میں بے حد غیر محتاط زبان استعمال کرتے ہوئے مزید لکھا:

- ''تم نے خدا کے جلال اور مجد کو بھلا دیا اور تمہارا ورد صرف حسین ہے کیا تو انکار کرتا ہے؟ پس یہ اسلام پر ایک مصیبت ہے۔ کستوری کی خوشبو کے پاس (ذکر حسینؓ) گوہ کا ڈھیر ہے۔''

(اعجاز احمدی از مرزا قادیانی ص 82 مندرجہ روحانی خزائن جلد 19 ص 194)

- کربلائیست سیر ہر آنم
  صد حسین است در گریبانم

(ترجمہ) ''میری سیر ہر وقت کربلا میں ہے۔ سو (100) حسینؓ ہر وقت میری جیب میں ہیں۔''

(نزول المسیح از مرزا قادیانی ص 99 مندرجہ روحانی خزائن جلد 18 ص 477)

مرزا قادیانی کا بیٹا اور قادیانی جماعت کا دوسرا خلیفہ ملعون مرزا محمود، مرزا قادیانی کے مندرجہ بالا شعر کی تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے:

□ ''شہادت کا یہی مفہوم ہے جس کو مدنظر رکھ کر حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) نے فرمایا:

کربلائیست سیر ہر آنم
صد حسین است در گریبانم

میرے گریبان میں سو حسین ہیں۔ لوگ اس کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) نے فرمایا ہے میں سو حسین کے برابر ہوں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اس سے بڑھ کر اس کا یہ مفہوم ہے کہ سو حسین کی قربانی کے برابر میری ہر گھڑی کی قربانی ہے۔ وہ شخص جو اہل دنیا کی فکروں میں گھلا جاتا ہے، جو ایسے وقت میں کھڑا ہوتا ہے، جبکہ ہر طرف تاریکی اور ظلمت پھیلی ہوئی ہے اور اسلام کا نام مٹ رہا ہے۔ وہ دن رات دنیا کا غم کھاتا ہوا اسلام کو قائم کرنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس کی قربانی سو حسین کے برابر نہ تھی۔ پس یہ تو ادنیٰ سوال ہے کہ حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) امام حسین کے برابر تھے یا ادنیٰ۔ حضرت امام حسین ولی تھے۔ مگر ان کو وہ غم اور صدمہ کس طرح پہنچ سکتا تھا، جو اسلام کو مٹتا دیکھ کر حضرت مسیح موعود کو ہوا۔ حضرت امام حسین اس وقت ہوئے جبکہ لاکھوں اولیاء موجود تھے، اسلام اپنی شان و شوکت میں تھا۔ ایسی حالت میں ان کو وہ غم کہاں ہو سکتا تھا، جو اس شخص کو ہوا، جو ایسے ہی حالات میں مبعوث ہوا جن حالات میں خود محمدؐ کی بعثت ہوئی تھی۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرت امام حسین کی شہادت رسول کریم کی شہادت سے بڑی تھی؟ نہیں۔ اس لیے کہ جو غم اور تکلیف آپ کو اسلام کے لیے اٹھانی پڑی، وہ حضرت امام حسین کو نہیں اٹھانی پڑی۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود کی شہادت بھی بہت بڑھی ہوئی تھی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب اپنے گھر پر بیٹھے رہے۔ پھر کس طرح امام حسینؓ سے بڑھ گئے۔ میں کہتا ہوں کہ کیا محمدؐ اسی طرح فوت ہوئے، جس طرح امام حسین فوت ہوئے تھے۔ نہیں۔ مگر کوئی ہے جو کہے محمدؐ کی قربانی حضرت امام حسین کی قربانی سے کم تھی۔ محمدؐ کی ایک ایک سیکنڈ کی قربانی حضرت امام حسینؓ کی ساری عمر کی قربانی سے بڑھ کر تھی۔ پس جس طرح محمدؐ کی قربانی بڑی تھی اسی طرح وہ شخص جو انہیں حالات میں کھڑا ہوگا جن میں محمدؐ کھڑے ہوئے، اس کی قربانی بھی بہت بڑھ کر ہوگی۔ اسی لیے حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) نے کہا ہے:

کربلائیست سیر ہر آنم
صد حسین است در گریبانم

''کہ مجھ پر تو ہر لحہ سوسو کربلا کی مصیبتیں گزرتی ہیں اور میں تو ہر گھڑی کربلا کی سیر کر رہا ہوں۔''

(خطبہ مرزا محمود، روزنامہ الفضل قادیان شمارہ نمبر 80 جلد نمبر 26، 13 جنوری 1926ء)

□ ''اور مجھ میں اور تمہارے حسین میں بہت فرق ہے کیونکہ مجھے تو ہر ایک وقت خدا کی تائید اور مدد مل رہی ہے۔''

(اعجاز احمدی از مرزا قادیانی ص 70 مندرجہ روحانی خزائن جلد 19 ص 181)

□ ''اور میں خدا کا کشتہ ہوں لیکن تمہارا حسین دشمنوں کا کشتہ ہے پس فرق کھلا کھلا اور ظاہر ہے۔''

(اعجاز احمدی از مرزا قادیانی ص 81 مندرجہ روحانی خزائن جلد 19 ص 193)

حضرت علیؓ کی توہین

خلیفہ راشد حضرت علیؓ کے بارے میں مرزا قادیانی لکھتا ہے:

□ ''پرانی خلافت کا جھگڑا چھوڑو۔ اب نئی خلافت لو۔ ایک زندہ علی تم میں موجود ہے۔ اس کو چھوڑتے ہو اور مردہ علیؓ کو تلاش کرتے ہو۔''

(ملفوظات احمدیہ جلد اول ص 400 از مرزا قادیانی)

جگر گوشۂ رسولؐ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے خاوند، حضرات حسنؓ و حسینؓ کے پیارے والد، دنیا میں سب سے پہلے ناموس الٰہی کے مصدق جنہوں نے اپنی زندگی حضرت رسول اکرم ﷺ کی خاطر خطرے میں ڈالتے ہوئے ہجرت کی رات کے موقعہ پر جب سرکار مدینہ ﷺ کفار مکہ میں محصور ہو چکے تھے، اکیسے کاش، اللہ اللہ جسے اسد اللہ کا خطاب رب کعبہ عنایت فرمائے اور جبرائیل سلام عرض کرے اور جو تمام غزوات میں شمع رسالت ﷺ کے شانہ بشانہ رہے اور صدہا چوٹیں رفاقت میں کھائیں اور جنہوں نے اپنا ذاتی بدلہ کبھی نہ لیا اور جن کے بارے میں رسول اکرم ﷺ "انت اخی فی الدنیا والآخرۃ (ترمذی ج 2 ص 213) اور "انت منی بمنزلہ ھارون من موسی (مسلم ج 2 ص 278) فرمائیں۔ یعنی جن کو سرکار مدینہ ﷺ دنیا و آخرت میں بھائی قرار دے کر یہ فرمائیں کہ تو مجھے ایسا ہے جیسا کہ موسیٰ کو ہارون، آہ! جسے رب قدیر زندہ کہے، اسے ملعون مرزا قادیانی مردہ قرار دے۔ کیا رعونت و تکبر نے اس مردود کو تاریخ اسلامی سے بالکل بے بہرہ بنا دیا۔ قرآن کریم کا ارشاد "ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات (البقرۃ: 154)" بھول گیا۔ آہ اس معلون کو اتنا بھی معلوم نہیں

کہ ماہ صیام میں جبکہ حضرت علیؓ مسجد میں رب کعبہ کے حضور اس کے پاک نام کی تسبیح پڑھ رہے تھے، شہادت کی نعمت کے ساتھ اپنے رب کے حضور پیش ہوئے۔

کس قدر ظلم اور کتنا اندھیر ہے، کاش مرزا قادیانی کا ناپاک قلم حضرت علیؓ کو مردہ لکھتے وقت ٹوٹ جاتا، اس کے ناپاک ہاتھ شل اور مفلوج ہو جاتے۔ بخدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ زندہ ہیں، زندہ رہیں گے اور قیامت تک اُن کے نام پر رحمتیں پہنچتی رہیں گی۔ اے اللہ، رسول اکرم ﷺ کے چوتھے وزیر حضرت علیؓ اسد اللہ الغالب پر تمام اہل اسلام کی طرف سے کروڑ کروڑ رحمتیں برسا۔ آمین!

سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی شرمناک توہین

آبروئے کائنات، خاتون جنت، جگر گوشۂ رسول، سیدہ طاہرہ، حضرت فاطمہ الزہراؓ کی عظمت و شان سے کون واقف نہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''بے شک فاطمۃ الزہرہؓ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں اور حسنؓ و حسینؓ دونوں جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔'' (ترمذی) کتب صحاح میں حضرت بتولؓ کے بے شمار فضائل و محاسن موجود ہیں۔ آپ کی جلالت شان اور مقام معصومیت کے متعلق سید الانبیاء ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے وسط عرش سے منادی، ندا کرے گا کہ اے اہل محشر! اپنے سروں کو جھکا دو اور اپنی آنکھوں کو بند کرلو کہ فاطمہؓ بنت محمد ﷺ پل صراط سے گزر جائے۔ اس وقت ستر ہزار حوریں ان کے ہمراہ بجلی کی طرح پل صراط سے گزر جائیں گی۔'' لیکن بدبخت ملعون مرزا قادیانی حضرت فاطمہؓ کے بارے میں نہایت دل آزار اور گستاخانہ بکواس کرتے ہوئے لکھتا ہے:

ہمارا قلم اسے لکھنے کا حوصلہ نہیں رکھتا۔ اگر کسی نے یہ بکواس دیکھنی ہو تو ملعون مرزا قادیانی کی کتاب کا حوالہ درج ہے۔

(ایک غلطی کا ازالہ (حاشیہ) صفحہ 11 از مرزا قادیانی)

سیّد کون؟

مرزا قادیانی کا بیٹا اور قادیانی جماعت کا خلیفہ مرزا محمود لفظ ''سید'' کی تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''اب جو سیّد کہلاتا ہے اس کی یہ سیادت باطل ہو جائے گی۔ اب وہی سید ہوگا جو

حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کی اتباع میں داخل ہوگا۔اب پرانا رشتہ کام نہیں آئے گا۔"
(''قول الحق'' از مرزا محمود، ص 32)

قرآن مجید کی توہین

مرزا قادیانی نے قرآن مجید میں لفظی تحریف کرتے ہوئے کہا:

☐ " انا انزلناہ قریباً من القادیان"

اس کی تفسیر یہ ہے کہ انا انزلناہ قریباً من دمشق بطرف شرقی عند المنارۃ البیضاء کیونکہ اس عاجز کی سکونتی جگہ قادیان کے شرقی کنارہ پر ہے۔"

(تذکرہ مجموعہ وحی والہامات از مرزا قادیانی ص 59 طبع چہارم)

مرزا قادیانی کا بیٹا مرزا بشیر احمد ایم اے قرآن مجید کے بارے میں قادیانی جماعت کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

☐ "ہم کہتے ہیں کہ قرآن کہاں موجود ہے؟ اگر قرآن موجود ہوتا تو کسی کے آنے کی کیا ضرورت تھی۔مشکل تو یہی ہے کہ قرآن دنیا سے اٹھ گیا ہے۔اسی لیے تو ضرورت پیش آئی کہ محمد رسول اللہ (مرزا قادیانی) کو بروزی طور پر دوبارہ دنیا میں مبعوث کرکے آپ پر قرآن شریف اتارا جاوے۔"

(کلمۃ الفصل از مرزا بشیر احمد ایم اے ص 173)

قرآن مجید کے بارے میں مرزا قادیانی نے کہا:

☐ "قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔"

(تذکرہ مجموعہ الہامات از مرزا قادیانی ص 77 طبع چہارم)

☐ "میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان الہامات پر اسی طرح ایمان لاتا ہوں جیسا کہ قرآن شریف پر اور خدا کی دوسری کتابوں پر، اور جس طرح میں قرآن شریف کو یقینی اور قطعی طور پر خدا کا کلام جانتا ہوں، اسی طرح اس کلام کو بھی جو میرے پر نازل ہوتا ہے، خدا کا کلام یقین کرتا ہوں۔"

(حقیقۃ الوحی از مرزا قادیانی ص 220 مندرجہ روحانی خزائن جلد 22 ص 220)

مرزا قادیانی نے ایک کشف میں دیکھا کہ قادیان کا نام قرآن مجید میں درج

ہے۔مرزا قادیانی چونکہ نبوت ورسالت کا دعویدار ہے، اس لیے اس کے کشف پر شک نہیں کیا جاسکتا۔لیکن کیا کیجیے مسلمانوں کے قرآن میں قادیان کا ذکر نہیں ہے۔مرزا قادیانی کا کشف ملاحظہ فرمائیں:

□ ''اُس روز کشفی طور پر میں نے دیکھا کہ میرے بھائی صاحب مرحوم میرزا غلام قادر میرے قریب بیٹھ کر باواز بلند قرآن شریف پڑھ رہے ہیں اور پڑھتے پڑھتے انہوں نے ان فقرات کو پڑھا کہ **انا انزلناہ قریباً من القادیان** تو میں نے سن کر بہت تعجب کیا کہ کیا قادیان کا نام بھی قران شریف میں لکھا ہوا ہے؟ تب انہوں نے کہا کہ یہ دیکھو،لکھا ہوا ہے۔تب میں نے نظر ڈال کر جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ فی الحقیقت قرآن شریف کے دائیں صفحہ میں شاید قریب نصف کے موقع پر یہی الہامی عبارت لکھی ہوئی موجود ہے۔تب میں نے اپنے دل میں کہا کہ ہاں واقعی طور پر قادیان کا نام قرآن شریف میں درج ہے اور میں نے کہا کہ تین شہروں کا نام اعزاز کے ساتھ قرآن شریف میں درج کیا گیا ہے۔مکہ اور مدینہ اور قادیان۔''

(ازالۂ اوہام از مرزا قادیانی (حاشیہ) حصہ اول ص 40 مندرجہ روحانی خزائن جلد 3 ص 140)

مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کی توہین

مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے بارے میں مرزا محمود کے ناپاک خیالات ملاحظہ فرمائیں:

□ ''حضرت مسیح موعود نے اس کے متعلق بڑا زور دیا ہے، اور فرمایا ہے کہ جو بار بار یہاں نہیں آتے، مجھے ان کے ایمان کا خطرہ ہے۔ پس جو قادیان سے تعلق نہیں رکھے گا، وہ کاٹا جائے گا۔تم ڈرو کہ تم میں سے نہ کوئی کاٹا جائے۔ پھر یہ تازہ دودھ کب تک رہے گا۔ آخر ماؤں کا دودھ بھی سوکھ جایا کرتا ہے۔کیا مکہ اور مدینہ کی چھاتیوں سے دودھ سوکھ گیا کہ نہیں۔'' (حقیقۃ الرویاء ص 46 از مرزا محمود)

قادیانی، مسلمانوں کو کیا سمجھتے ہیں؟

قادیانی مسلمانوں کو کیا سمجھتے ہیں؟ آیئے اس کی ایک جھلک مرزا قادیانی اور اس کی ذریت کی تحریروں سے ملاحظہ فرمائیں:

□ ''اور ہماری فتح کا قائل نہیں ہوگا تو صاف سمجھا جائے گا کہ اس کو ولدالحرام بننے کا

شوق ہے اور حلال زادہ نہیں۔"

(انوار الاسلام ص 30 مندرجہ روحانی خزائن ج 9 ص 31 از مرزا قادیانی)

- "جو میرے مخالف تھے، ان کا نام عیسائی اور یہودی اور مشرک رکھا گیا۔"

(نزول المسیح (حاشیہ) ص 4 مندرجہ روحانی خزائن ج 18 ص 382 از مرزا قادیانی)

- **"تلک کتب ینظر الیھا کل مسلم بعین المحبة والمودة و ینتفع من معارفھا و یقبلنی و یصدق دعوتی. الا ذریة البغایا."**

(ترجمہ) "میری ان کتابوں کو ہر مسلمان محبت کی نظر سے دیکھتا ہے اور اس کے معارف سے فائدہ اٹھاتا ہے اور میری دعوت کی تصدیق کرتا ہے اور اسے قبول کرتا ہے مگر رنڈیوں (بدکار عورتوں) کی اولاد نے میری تصدیق نہیں کی۔"

(آئینہ کمالات اسلام ص 547، 548 مندرجہ روحانی خزائن ج 5 ص 547، 548 از مرزا قادیانی)

- "دشمن ہمارے بیابانوں کے خنزیر ہوگئے۔ اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئی ہیں۔"

(نجم الہدیٰ ص 53 مندرجہ روحانی خزائن ج 14 ص 53 از مرزا قادیانی)

- "ہر ایک ایسا شخص جو موسیٰ علیہ السلام کو تو مانتا ہے مگر عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانتا یا عیسیٰ علیہ السلام کو مانتا ہے مگر محمد ﷺ کو نہیں مانتا اور یا محمد ﷺ کو مانتا ہے پر مسیح موعود علیہ السلام کو نہیں مانتا، وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔"

(کلمۃ الفصل ص 110 از مرزا بشیر احمد ایم اے ابن مرزا قادیانی)

- "اور مجھے بشارت دی ہے کہ جس نے تجھے شناخت کرنے کے بعد تیری دشمنی اور تیری مخالفت اختیار کی، وہ جہنمی ہے۔"

(تذکرہ مجموعہ وحی والہامات ص 280 طبع چہارم از مرزا قادیانی)

- "خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا، وہ مسلمان نہیں ہے۔"

(تذکرہ مجموعہ وحی والہامات ص 519 طبع چہارم از مرزا قادیانی)

- "اب معاملہ صاف ہے، اگر نبی کریم ﷺ کا انکار کفر ہے تو مسیح موعود علیہ السلام کا انکار بھی کفر ہونا چاہیے کیونکہ مسیح موعود علیہ السلام نبی کریم ﷺ سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ وہی ہے اور اگر مسیح موعود علیہ السلام کا منکر کافر نہیں تو نعوذ باللہ نبی کریم

کا منکر بھی کافر نہیں کیونکہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ پہلی بعثت میں تو آپ کا انکار کفر ہو مگر دوسری بعثت میں جس میں بقول حضرت مسیح علیہ السلام آپ کی روحانیت اقویٰ اور اکمل اور اشد ہے، آپ کا انکار کفر نہ ہو۔"

(کلمتہ الفصل ص 146، 147 از مرزا بشیر احمد ایم اے ابن مرزا قادیانی)

- "کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ انھوں نے حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کا نام بھی نہیں سنا، وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔"

(آئینہ صداقت ص 35 از مرزا محمود ابن مرزا قادیانی)

پوری ملت اسلامیہ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ قادیانی کافر، مرتد اور زندیق ہیں اور اس فتنہ کا استیصال اور قلع قمع کرنا ہر مسلمان کا اوّلین فریضہ ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا: "قادیانی اسلام اور ملک دونوں کے غدار ہیں۔" قادیانیوں کے کفریہ عقائد وعزائم اور علامہ اقبالؒ کے مذکورہ قول کی روشنی میں پاکستان کی منتخب پارلیمنٹ نے سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے دورِ حکومت میں 7 ستمبر 1974ء کو قادیانیوں کو متفقہ طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ اس کے بعد 26 اپریل 1984ء کو صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق نے تعزیرات پاکستان میں دفعہ 298 بی اور 298 سی کا اضافہ کرتے ہوئے قادیانیوں کو شعائر اسلامی کے غلط استعمال اور اپنے مذہب (قادیانیت) کی تبلیغ سے روک دیا۔ بعدازاں پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں نے بھی حکومت کے ان فیصلوں کی توثیق کرتے ہوئے نہ صرف قادیانیوں کو اپنے کفریہ عقائد وعزائم کی تبلیغ وتشہیر سے منع کر دیا بلکہ اس کی خلاف ورزی پر سزا بھی مقرر کی۔

ختم نبوت کا تحفظ ہر مسلمان کا فرض اوّلین ہے۔ اس کی حفاظت میں کوتاہی بہت بڑا گناہ ہے، جس کی پاداش میں روز قیامت ہم سے سوال ہوگا۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں جھوٹے مدعیانِ نبوت اور ان کے پیروکار ہمیشہ تاویلات اور جھوٹی باتوں کو بنیاد بنا کر دین اسلام میں تبدیلی وتحریف کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ منکرینِ ختم نبوت اپنی شپرہ چشمی کو آفتاب، کج فہمی کو دلیل، بکائن کو انگور، زہر کو امرت، ظلمت کو اُجالا اور پیتل کو زرِ خالص تسلیم کروانے پر مُصر رہے مگر امت مسلمہ نے دین اسلام میں ذرا سی بھی تبدیلی، تحریف یا کمی بیشی کو گوارا نہ کیا، بلکہ ہر قسم کے مشکل اور نامساعد حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے دل وجان سے

عقیدۂ ختم نبوت کی حفاظت کی اور منکرینِ ختم نبوت کے خلاف بھرپور جہاد کیا۔ منکرین ختم نبوت ٹانک وائن کی بدمستی میں ختم نبوت کا چراغ پھونکوں سے بجھانے کی ناپاک سازشیں کرتے رہے مگر نورِ ایمان کے حامل مجاہدینِ ختم نبوت نے جھوٹے مدعیان نبوت اوران کے پیروکاروں کے خلاف ناقابل فراموش سرفروشی اور جان نثاری کے ایسے ایمان افروز مناظر پیش کیے جن سے نہ صرف حق کا سر بلند ہوا بلکہ منکرین ختم نبوت اپنے مکروہ عزائم سمیت خائب وخاسر ہوئے۔

حضور نبی کریم ﷺ سے محبت وعقیدت، ایمان کی بنیاد

مغز قرآن جان ایمان روح دین
ہست حب رحمتہ للعالمین

یعنی قرآن مجید کا اگر نچوڑ نکالا جائے، ایمان کی روح کو تلاش کیا جائے، دین کی جان کو ڈھونڈا جائے تو یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ آپ ﷺ کی محبت کے بغیر نہ ہمارا دین مکمل ہے اور نہ ایمان۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی سورۃ توبہ میں فرماتا ہے۔

لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ حَرِيْصٌ
عَلَيْكُمْ بِالْمُوْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ الرَّحِيْمٌo (توبہ: 128)

ترجمہ: ''بے شک تمہارے پاس تم میں سے ایک عظمت والے رسول تشریف لائے، ان پر سخت گراں ہے، تمہارا مشقت میں پڑنا، تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے، ایمان والوں پر نہایت مہربان اور بے حد رحم فرمانے والے ہیں۔''

حضور خاتم النبیین ﷺ نے اپنی محبت، امت پر فرض قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:
''قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والدین، اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ عزیز تر نہ ہو جاؤں۔'' (بخاری ومسلم)

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کی جان سے بھی زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں۔''

پاکستانی قومی ترانے کے خالق جناب حفیظ جالندھری اپنی تصنیف میں اس حدیث شریف کا منظوم ترجمہ کرتے ہیں۔

محمدؐ ہے متاعِ عالمِ ایجاد سے پیارا
پدر، مادر، برادر، جان، مال، اولاد سے پیارا

مذکورہ بالا حدیث میں جس محبت کا مطالبہ کیا گیا ہے، یہ "محبت عقلی" ہی سے تعبیر کی جاسکتی ہے اور اس کو اس طرح سمجھنا چاہیے کہ اگر تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں کوئی خونی رشتہ جیسے باپ، ماں اور اولاد کی محبت و پیار رکاوٹ کھڑی کر دے تو اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں اس خونی رشتہ جیسے ماں، باپ اور اولاد کو یکسر نظر انداز کرنا ہوگا، اگر ایسے حالات میں ان کو نظر انداز نہ کیا جائے تو ایسے ایمان کا کچھ اعتبار نہیں اور نہ ہی اس کو ایمان کہا جاسکتا ہے اور ایسا معاملہ کسی وقت انسان کی اپنی جان کی محبت کے ساتھ بھی پیش آسکتا ہے۔ ایسی صورت واقع ہو جائے تو اپنی جان پر کھیل کر ناموس رسالت ﷺ کی حفاظت کرنا ایمان کی نشانی ہوتا ہے۔ اس مضمون کو قرآن کریم میں بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

ترجمہ: "اے پیغمبر ﷺ! آپ ان لوگوں سے صاف صاف کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے ماں باپ، تمہاری اولاد، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ قبیلہ اور تمہارا وہ مال و دولت جس کو تم نے محنت سے کمایا ہے اور تمہاری وہ چلتی ہوئی تجارت جس کی کساد بازاری سے تم ڈرتے ہو اور تمہارے رہنے کے وہ اچھے مکانات جو تم کو پسند ہیں (پس دنیا کی محبوب و مرغوب چیزیں) اللہ، اللہ کے رسول ﷺ، اور اللہ کے دین کی راہ کی جدوجہد سے زیادہ تمہیں محبوب ہیں تو انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم اور فیصلہ نافذ کرے اور یاد رکھو اللہ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔" (توبہ:24)

یہ آیت اس باب میں دلیل ہے کہ آپ ﷺ کی محبت ضروری اور لازمی ہے اور جس شخص کو ان مذکورہ آٹھ اشیاء میں سے کوئی چیز بھی اللہ کے رسول ﷺ سے زیادہ پیاری ہو، اسے ایسا گم کردۂ راہ بتلایا ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں فرماتے۔ آنحضرت ﷺ کی محبت کا تقاضا ہے کہ آپ ﷺ کو اپنی جان سے بھی پیارا سمجھا جائے۔ ایک اور جگہ پر ارشاد خداوندی ہے:

النبی اولیٰ باالمومنین من انفسھم۔ (احزاب:6)

"مؤمن کا اپنی جان پر جتنا حق ہے، اس سے زیادہ اس کی جان پر نبی ﷺ کا

حق ہے۔"

مختصر یہ کہ قرآن وحدیث کا ماحصل یہ ہے کہ تکمیل ایمان کا مدار حبِ رسول پر ہے جس شخص میں نبی اعظم وآخر ﷺ سے اس درجہ کی محبت نہ ہو، اس کے ایمان کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔

بیان کیا گیا ہے کہ ایک سیدنا عمر فاروق اعظم ؓ نے مذکورہ بالا حدیث سن کر فرمایا کہ یارسول اللہ ﷺ! دنیا میں صرف اپنی جان کے علاوہ آپ ﷺ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں یعنی دنیا کے اور تمام رشتوں اور چیزوں سے زیادہ میں آپ ﷺ سے محبت رکھتا ہوں مگر اپنی جان سے زیادہ نہیں تو آپ ﷺ نے ان کی بات سن کر فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم اب بھی کامل نہیں ہوئے اس لیے کہ یہ مرتبہ صرف اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب میں تمہیں تمہاری جان سے بھی زیادہ پیارا اور عزیز ہو جاؤں۔" آپ ﷺ کا یہ جملہ سیدنا عمر فاروق ؓ نے سنا تو ان کا دماغ بیدار ہو گیا اور بے اختیار بول اٹھے، یارسول اللہ ﷺ! آپ پر میری جان قربان، آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز اور پیارے ہیں۔ نبی اعظم و آخر ﷺ نے ان کے اس اضطراب کو دیکھا تو فرمایا "اے عمرؓ! اب تمہارا ایمان کامل ہے اور تم پکے مؤمن ہو گئے۔" (صحیح بخاری)

اوپر جو کچھ بیان ہوا، یہ محض تفہیم کی خاطر ہے تا کہ لوگوں کو اس مثال سے حقیقت معلوم ہو جائے اور یہ وہی انداز بیان ہے جو قرآن کریم نے آپ ﷺ کے متعلق اختیار کیا ہے کہ اللہ رب ذوالجلال والاکرام آپ ﷺ کو مخاطب کر کے ایک حکم صادر فرماتے ہیں اور مراد لوگوں کی تفہیم ہوتی ہے ورنہ احادیث میں ایسے بے شمار واقعات بیان ہوئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا حضرت عمر فاروق ؓ تو ایک جلیل القدر صحابی ہیں ہی۔ آپ ﷺ پر ایمان لانے والی صحابیاتؓ نے اپنے اپنے ایمان کا اظہار اس خوبی سے کیا کہ آج بھی انسان کی حیرت گم ہو کر رہ جاتی ہے کہ فی الواقعہ فطری اور طبعی محبت کو اس "عقلی محبت" پر اتنی ترجیح دی ا... ان واقعات کو سن کر انسان ششدر رہ جاتا ہے، ان واقعات میں سے ایک یہ ہے کہ:

غزوہ احد میں جب میدان کارزار گرم ہوا اور مسلمانوں کی فتح پر کفار غالب آ گئے اور فتح ... تے ہوئے شکست میں بدل گئی اور مسلمان پریشان ہو گئے۔ یہاں تک خبریں گرم ہو گئیں کہ کفار مکہ نے مسلمانوں پر فتح حاصل کر لی اور جونہی مدینہ میں یہ خبر پہنچی تو مدینہ سے عورتیں اور بچے میدان کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ ایک انصاری عورت کے شوہر، باپ

اور بھائی تینوں میدان احد میں کام آئے۔ جونہی اس کو یہ خبر پہنچی تو اس نے ان تینوں کی شہادت کی خبر سن کر بھی پوچھا تو یہی پوچھا کہ "خدارا مجھے یہ بتاؤ کہ میرے آقا و سردار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تو بخیریت ہیں؟" لوگوں نے آپ ﷺ کی سلامتی اور خیریت کی خبر اس کو دی لیکن اس کے باوجود اس کو تسکین نہ ہوئی۔ اس لیے کہ خبر گرم ہو چکی تھی کہ نعوذ باللہ "آپ ﷺ قتل کر دیے گئے۔" وہ آگے بڑھی اور یہ کہہ رہی تھی کہ میں خود اپنی آنکھوں سے جب تک آپ ﷺ کو نہ دیکھ لوں، اس وقت تک یقین نہیں آئے گا۔" پھر اس نے آپ ﷺ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تو بے ساختہ پکار اٹھی **کل مصیبة بعدک جلل** "جب آپ ﷺ زندہ سلامت ہیں تو ہر مصیبت آسان ہے۔" اس واقعہ کے بعد عقل سلیم خود یہ فیصلہ کرتی ہے کہ سیدنا عمر فاروق اعظم ؓ اور آپ ﷺ کے درمیان جو گفتگو ہوئی، وہ محض تفہیم کے لیے تھی تا کہ حقیقت لوگوں تک ذرا تفصیل سے پہنچ جائے۔

نظر آیا کہ ہاں جلوہ فگن نور تجلی ہے
پکار اُٹھی کہ اب میری تسلی ہی تسلی ہے
تسلی ہے، پناہِ بے کساں ﷺ زندہ سلامت ہے
کوئی پرواہ نہیں، سارا جہاں زندہ سلامت ہے

حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین صفات جس میں پائی جائیں گی، وہ ایمان کی شیرینی کو پالے گا۔ پہلی: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس کے ہاں سب سے زیادہ محبوب ہوں۔ دوسری: اگر کسی سے محبت رکھے تو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے۔ تیسری: یہ کہ کفر میں جانے کو اسی طرح برا سمجھے جس طرح آگ میں گرائے جانے کو برا سمجھتا ہے۔" (بخاری و مسلم) امام بخاریؒ نے **باب حب الرسول ﷺ من الایمان** اور **باب حلاوۃ الایمان** کے عنوانات کے زیر تحت لکھا ہے کہ ایمان کی لذت اور مٹھاس تب محسوس ہو گی جب حضور نبی کریم ﷺ سب سے زیادہ محبوب ہوں۔

مذکورہ بالا حدیث مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ ایمان کی حلاوت اور مٹھاس جسے انسان خود اپنے دل میں محسوس کر سکتا ہے، صرف اسی آدمی کو حاصل ہو سکتی ہے جو اللہ اور اس کے آخری رسول ﷺ کی محبت میں ایسا سرشار ہو کہ دنیا کی ہر چیز سے زیادہ ان کی محبت ہو اور اس محبت کا اس کے دل پر ایسا قبضہ اور تسلط ہو کہ اگر وہ کسی اور انسان سے بھی محبت کرے تو اللہ

ہی کے لیے کرے اور اس شخص کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا دین اتنا عزیز اور پیارا ہو کہ اس سے پھرنا اور اس کو چھوڑنے کا خیال، اس کے لیے آگ میں گر جانے کے برابر تکلیف دہ اور پریشان کن ہو۔

امام طبرانی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے ایک صحابیؓ کا واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! بلاشبہ آپ مجھے میری جان سے زیادہ عزیز ہیں۔ یقیناً آپ ﷺ مجھے میرے بیٹے سے زیادہ پیارے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی محفل میں آتا ہوں تو چین ملتا ہے۔ گھر بیٹھتا ہوں تو مجھے چین نہیں آتا، جب تک کہ آپ ﷺ کا دیدار نہ کرلوں، جب میں اپنی اور آپ ﷺ کی رحلت کا تصور کرتا ہوں، تو سمجھتا ہوں کہ آپ ﷺ تو جنت میں داخل ہونے کے بعد انبیا کے ساتھ نہایت بلند مقام پر فائز ہوں گے اور اگر میں جنت میں داخل ہو بھی گیا تو مجھے اندیشہ ہے کہ میں آپ ﷺ کا دیدار نہ کر پاؤں گا۔ اس موقع پر حضرت جبرئیل علیہ السلام اس آیت کے ساتھ تشریف لائے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا٥ (النساء:69)

(ترجمہ) ''جو کوئی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کریں وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا، پیغمبروں، صدیقوں، شہدا اور صالحین میں سے، اور یہ لوگ کتنے اچھے ساتھی ہیں اور کتنے اچھے ہمدرد و رفیق ہیں۔''

امام بخاریؒ، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے مقدادؓ کی وہ خوبی دیکھی ہے جس کا پانا مجھے دنیا کی سب چیزوں سے زیادہ عزیز ہے۔ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے، جب آپ ﷺ مشرکوں کے لیے بددعا کر رہے تھے۔ انھوں نے عرض کیا ''یارسول اللہ ﷺ! ہم آپ سے وہ بات نہ کہیں گے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہی: فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ. (المائدہ:24) (یعنی) تُو اور تیرا رب دونوں جا کر لڑیں۔ بلکہ ہم تو آپ کے دائیں، بائیں، آگے پیچھے ہر

جانب سے جنگ کریں گے۔" حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا اس بات نے نبی ﷺ کے چہرے کو روشن کر دیا اور آپ ﷺ خوش ہو گئے۔"

نبی اکرم ﷺ ہماری محبت کے محتاج نہیں۔ ہم ان سے محبت کریں یا نہ کریں، اس سے آپ ﷺ کی عزت، عظمت اور بزرگی میں فرق واقع ہوگا نہ کمی آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے تو ان کا ذکر بے حد بلند کر دیا ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ. (انشراح:4)

اور جو خوش قسمت حُب رسول ﷺ کے تقاضے پورے کرتے ہیں، انھیں حضرت انسؓ کی روایت میں رحمۃ للعالمین ﷺ کی نوید ہے کہ:

مَنۡ اَحَبَّنِیۡ کَانَ مَعِیَ فِی الۡجَنَّۃِ.

"جو میرے ساتھ محبت کرتا ہوگا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔"

اسی طرح حضرت انس بن مالکؓ سے ایک اور روایت ہے کہ "ایک شخص بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ فرمایئے کہ قیامت کب برپا ہوگی؟ شافع محشر ﷺ نے اس سے پوچھا: مَا اَعۡدَدۡتَ لَهَا تم نے قیامت کے لیے کیا تیار کر رکھا ہے؟ اس نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! میں نے نہ تو زیادہ نمازیں پڑھی ہیں، نہ زیادہ روزے رکھے ہیں اور نہ زیادہ صدقات ہی دیے ہیں۔ لٰکِنِّیۡ اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ. البتہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔ رحمۃ للعالمین ﷺ نے فرمایا: "اَنۡتَ مَعَ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ تُو اس کے ساتھ ہوگا جس سے تُو محبت کرتا ہوگا۔" (صحیح بخاری)

مندرجہ بالا حدیث شریف کے راوی حضرت انسؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمیں کبھی کسی چیز سے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی آنحضرت ﷺ کے اس قول انت مع من احببت (تُو اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے) سے ہوئی۔"

ایک شخص نے پوچھا، یا رسول اللہ ﷺ! ایک آدمی دوسرے سے اس وجہ سے محبت کرتا ہے کہ وہ نیک عمل کرتا ہے لیکن خود وہ یہ نیک عمل نہیں کرتا، تو کیا یہ بھی محبت کی وجہ سے اس کے ساتھ ہوگا؟ حضور ﷺ نے فرمایا، آدمی جس سے محبت کرے گا، اسی کے ساتھ ہوگا۔ (صحیح مسلم)

یعنی اگر کوئی شخص خود تحفظ ختم نبوت کا کام نہیں کرتا لیکن یہ کام کرنے والوں سے محبت کرتا ہے، ان کا اکرام کرتا ہے، ان کی مالی معاونت کرتا ہے تو بھی اپنے اس نیک عمل کے باعث وہ جنت میں داخل ہوگا۔

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں:

میں نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! ایک آدمی ایک قوم سے محبت کرتا ہے لیکن ان جیسے عمل نہیں کرسکتا، کیا یہ بھی ان کے ساتھ ہوگا؟ حضور ﷺ نے فرمایا، اے ابوذر! تم اسی کے ساتھ ہو گے جس سے تم محبت کرو گے۔ میں نے کہا، مجھے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، تم جس سے محبت کرو گے، اسی کے ساتھ ہو گے۔ میں نے اپنا جملہ پھر دہرایا تو حضور ﷺ نے پھر یہی ارشاد فرمایا۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھتے اور آپ کی عزت و ناموس کے تحفظ کے لیے کام کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ! آپ کیا فرماتے ہیں اس شخص کی نسبت جو ایسی قوم سے محبت رکھتا ہے جن سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی۔. آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''المرء مع من احب." ''انسان قیامت کے دن ان لوگوں کے زمرہ میں اٹھے گا جن سے وہ محبت رکھتا تھا۔'' (صحیح بخاری)

اس حدیث پاک سے ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ گستاخانِ رسول ﷺ قادیانیوں سے ہمدردی رکھتے ہیں، ان کی خوشی غمی میں شریک ہوتے ہیں، ان کے لیے محبت و پیار کے جذبات رکھتے ہیں، قیامت کے دن ان کا حشر بھی قادیانیوں کے ساتھ ہی ہوگا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا گیا کہ ''رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کی محبت کیسی ہے؟'' حضرت علیؓ نے جواب دیا:

''خدا کی قسم، رسول اللہ ﷺ ہم کو اپنے مال، اولاد، آباء، امہات اور شدت پیاس کے وقت جو پانی کی طلب ہوتی ہے اس سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔'' حضرت علیؓ نے سچ فرمایا۔ تمام صحابۂ کرامؓ کی یہی حالت تھی اور کیوں نہ ہوتی جبکہ وہ حضرات کامل الایمان تھے۔

اصحاب رسول ﷺ کی محبت و فریفتگی کی دنیا کا اک اک ذرہ آفتاب سے کم نہ تھا اور

پھر جب محبوب، محبوب خدا (ﷺ) ہوں اور چاہنے والے روبرو ہوں تو اس کیف کا عالم کیا ہوگا؟

اپنا معیار زمانے سے جدا رکھتے ہیں
ہم تو محبوب بھی محبوبِ خدا رکھتے ہیں

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میری امت میں مجھ سے شدید محبت کرنے والے وہ لوگ ہوں گے جو میرے بعد آئیں گے، ان میں بعض کی تمنا ہوگی کہ کاش! وہ اپنے اہل و مال کے عوض ایک بار میری زیارت سے مشرف ہو جائے۔''

کاش جب ہمیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نصیب ہو تو آپ خوشی سے ہمیں یہ مژدہ جانفزا سنائیں کہ تم میرے ساتھ محبت کرتے ہو، میرے دوستوں کو اپنے دوست سمجھتے ہو اور میرے دشمنوں کو اپنا دشمن تصور کرتے ہو، اس پر میں تم سے بہت خوش ہوں اور اس کا بدلہ جنت ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص کو حضور نبی کریم ﷺ نے شراب پینے کے جرم میں سزا دی۔ پھر دوبارہ وہ اس جرم میں حاضر کیا گیا۔ آپ ﷺ نے پھر سزا کا حکم دیا۔ ایک شخص نے مجمع میں سے کہا کہ اے اللہ! اس پر لعنت کر۔ کس قدر کثرت سے اس کو شراب نوشی کے مقدمہ میں لایا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس پر لعنت نہ کرو۔ واللہ، میرے علم میں ہے کہ یہ شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہے۔ (بخاری)

اس حدیث پاک سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مسلمان خواہ کتنا ہی گناہگار کیوں نہ ہو، اس پر لعنت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ مسلمان کے دل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کے جذبات ضرور ہوتے ہیں۔ اس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کی عظمت معلوم ہوتی ہے کہ ایک مسلمان خواہ کتنا ہی گناہگار ہو، اگر اس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے رتی برابر بھی محبت کا جذبہ موجود ہے تو ایسے مسلمان پر لعنت کرنا جائز نہیں۔ اگر حضور ﷺ کی محبت ہمارے دلوں میں نہ ہو تو ہم کسی کام کے نہیں۔ حضور ﷺ سے محبت ہی ہمارے ایمان کی علامت اور نجات کا ذریعہ ہے۔ حضور ﷺ ہمیں کسی بھی مقام پر نہیں بھولے اور یقیناً قیامت کے روز بھی ہم گنہگاروں کو نہیں بھولیں گے۔

صحابہ کرامؓ کا عشق رسول ﷺ

اصحابؓ رسول وہ مقدس جماعت ہیں جن کا ہر سانس عشقِ مصطفیٰ ﷺ سے مہکتا تھا اور ان کا ہر عمل حرمتِ رسول کا نگہبان تھا۔ یہ وہ پاکیزہ لوگ تھے جن کے حالات دیکھ کر ایک عیسائی مؤرخ بھی پکار اُٹھا کہ "محمد (ﷺ) کے ساتھیوں جیسی عظیم مثالیں، عیسیٰ (علیہ السلام) کے حواریوں میں تلاش کرنا بے کار ہے۔" ان ہستیوں کے واقعات ایک طرف محبت و وفا کی لازوال داستانیں ہیں تو دوسری طرف یہ شریعت کا دستور اور قانون بھی ہیں۔ پڑھیں اور احسان دانش مرحوم کی اس دعا پر آمین بھی کہتے جائیں:

اللہ، تم کو صاحبِ سیف و سناں کرے
جسموں میں روحِ خالدؓ و طارقؒ رواں کرے
دے کر شعورِ زیست، ارادے جواں کرے
جو جم چکا ہے خون رگوں میں رواں کرے
تم کو رہِ رسول ﷺ پہ چلنا نصیب ہو
کب سے گرے پڑے ہو، سنبھلنا نصیب ہو

کنیز عورت کا قبولِ اسلام اور درسِ استقامت

دین مبین پھیلانے اور پرچم اسلام کو سربلند کرنے میں صرف مومن مردوں کا ہی نہیں، مومن عورتوں کا بھی بڑا حصہ ہے۔ ابوجہل کی کنیز نے اسلام قبول کیا تو ابوجہل کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ ایک آزاد آدمی کا اسلام قبول کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا چہ جائیکہ ایک کنیز دین اسلام قبول کرتی۔ ابوجہل نے حکم دیا کہ دو طاقتور اونٹ منگوائے جائیں۔ کنیز کو زمین پر لٹا دیا گیا۔ اس کے پاؤں کو رسی سے باندھ کر اس کے دونوں سرے اونٹوں سے باندھ دیے گئے۔ پھر دونوں اونٹ مخالف سمت الٹے منہ کھڑے کر دیے گئے۔ ابوجہل نے فرعونیت سے کنیز کو کہا کہ "باز آ، اس دین سے لوٹ آ جو تو نے قبول کیا ہے ورنہ اپنا حشر دیکھنے کے لیے تیار ہو جا۔ تمہارے جسم کو چیر کر، دو ٹکڑے کر دیے جائیں گے۔" اے کنیز تیری عظمت پہ قربان جائیں تُو نے مسلمانوں کو ایسا درسِ استقامت دیا کہ دنیا قیامت تک تجھے یاد رکھے گی۔ اس کنیز نے ابوجہل کے جواب میں ایک تاریخی جملہ کہا اور فرمایا کہ میرے جسم

کے دوٹکڑے نہیں، ہزاروں ٹکڑے بھی کر دیے جائیں تو بھی میں حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ پر لایا ہوا ایمان چھوڑ نہیں سکتی۔ چنانچہ ابوجہل کے حکم پر دونوں مخالف سمتوں میں اونٹ چلا دیے گئے۔اس طرح کنیز نے نہایت اذیت ناک حالت میں جام شہادت نوش کیا۔ یہ اسلام کی عظیم شہیدہ تھی۔ اسلام ہم تک آسانی سے نہیں پہنچا۔اس کے لیے بڑی بڑی قربانیاں دی گئی ہیں۔ سوچیے! کیا ہم اسلام کی خاطر ایسی لازوال قربانی کا عشرعشیر بھی ادا کرنے کے لیے تیار ہیں؟

حضرت عاصمؓ

رسول اکرم ﷺ نے ایک بار چھ یا دس آدمیوں کی جماعت تبلیغ دین کے لیے بھیجی، راستہ میں بنولحیان کے دوسو آدمیوں سے مقابلہ ہوا۔بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کافروں نے اُحد میں اپنے مقتول کافرعزیزوں کے جوش انتقام میں ان حضرات کوفریب و حیلہ سے اپنے یہاں بلایا۔سلافہ نامی ایک عورت جس کے دولڑکے اُحد میں مارے گئے تھے اس نے منت مانی تھی کہ اگر میرے بیٹوں کے قاتل عاصم کا سر ہاتھ آ جائے تو اس کی کھوپڑی میں شراب پیوں گی۔اس نے اعلان کر دیا کہ جو عاصم کا سر لائے گا،اسے سو اونٹ انعام دوں گی۔سفیان بن خالد نے سو اونٹوں کی طمع میں قبیلہ عضل و قارہ کے چند آدمیوں کو مدینہ منورہ بھیجا۔انھوں نے وہاں خود کو مسلمان ظاہر کیا اور حضور نبی کریم ﷺ سے کہہ کر چند حضرات کی جماعت اپنے یہاں تبلیغ دین کی غرض بتا کر ساتھ لے آئے جن میں حضرت عاصمؓ، حضرت خبیبؓ، حضرت زید بن دشنہؓ اور حضرت عبداللہ بن طارقؓ بھی تھے۔ راستہ میں لے جا کر انھوں نے بدعہدی کی اور دوسو آدمیوں کو مقابلہ کے لیے بلالیا جن میں سو آدمی مشہور تیرانداز تھے۔

دس یا چھ بزرگوں کی یہ مختصر جماعت، دشمنوں کی بدنیتی دیکھ کر فدفد نامی ایک پہاڑی پر چڑھ گئی۔ کفار نے کہا، ہم تمھیں قتل نہیں کرنا چاہتے۔صرف اہل مکہ سے تمھارے بدلے کچھ مال لینا چاہتے ہیں،تم ہمارے ساتھ آ جاؤ مگر انھوں نے کہا کہ ہم کافروں کی بدعہدی سے دھوکا نہیں کھانا چاہتے اور ترکش سے تیر نکال کر مقابلہ کیا، جب تیر ختم ہو گئے تو نیزوں سے مقابلہ کیا۔حضرت عاصم نے ساتھیوں سے جوش میں کہا،تم سے دھوکا کیا گیا مگر گھبراؤ مت،شہادت کو غنیمت سمجھو،تمہارا محبوب تمھارے ساتھ ہے اور جنت کی حوریں تمہاری منتظر ہیں۔ یہ کہہ کر کافروں سے لڑنے لگے۔ پہلے ان پر تیر برسائے۔ جب تیر ختم ہو گئے تو دشمنوں پر نیزے کے وار کرنے لگے اور جب نیزہ بھی ٹوٹ گیا تو تلوار سے مقابلہ کیا۔ دشمنوں

کا مجمع کثیر تھا، آخر شہید ہو گئے اور دعا کی، یا اللہ! اپنے رسول ﷺ کو ہمارے حال سے آگاہ فرما دینا۔ سرکار دو عالم ﷺ کو اسی وقت اس واقعہ کا علم ہو گیا۔ حضرت عاصم یہ بھی سن چکے تھے کہ سلافہ نے میرے سر کی کھوپڑی میں شراب پینے کی منت مانی ہے، اس لیے مرتے وقت دعا کی، یا اللہ! میرا سر تیرے راستے میں کاٹا جا رہا ہے تو ہی اس کا محافظ ہے۔ چنانچہ شہادت کے بعد جب کافروں نے سر کاٹنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کا (اور بعض روایتوں میں بھڑوں کا) ایک غول بھیج دیا۔ جنھوں نے ان کے بدن کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ کافروں کا خیال تھا کہ رات کے وقت جب یہ اُڑ جائیں گی تو سر کاٹ لیں گے مگر رات کو خوب بارش ہوئی اور اس کے پانی کی ایک تیز لہر آئی اور ان کی نعش کو بہا کر لے گئی، اسی طرح سات آدمی یا تین آدمی شہید ہو گئے، غرض تین باقی رہ گئے، عبداللہؓ بن طارق، زیدؓ بن دشنہ اور حضرت خبیبؓ بن عدی۔ ان تینوں حضرات سے پھر انھوں نے عہد و پیمان کیا کہ تم نیچے آ جاؤ۔ ہم تم سے بدعہدی نہ کریں گے۔ یہ تینوں حضرات نیچے اتر آئے اور نیچے اترنے پر کفار نے ان کی کمانوں کی تانت اتار کر ان کی مشکیں باندھیں۔ حضرت عبداللہ بن طارق نے فرمایا کہ یہ پہلی بدعہدی ہے، میں تمھارے ساتھ ہرگز نہ جاؤں گا، ان شہید ہونے والوں کی اقتدا ہی مجھے پسند ہے، انھوں نے زبردستی ان کو کھینچنا چاہا مگر یہ نہ ٹلے تو ان لوگوں نے ان کو بھی شہید کر دیا۔ صرف دو حضرات ان کے ساتھ رہے جن کو لے جا کر ان لوگوں نے مکہ والوں کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ ایک حضرت زید بن دشنہ جن کو صفوان بن امیہ نے پچاس اونٹوں کے بدلہ میں خریدا تا کہ اپنے باپ امیہ کے بدلے قتل کر دے (بخاری شریف کی روایت ہے کہ حارث بن عامر کی اولاد نے خریدا کہ انھوں نے بدر میں حارث کو قتل کیا تھا) صفوان نے تو اپنے قیدی حضرت زید کو فوراً ہی حرم سے باہر اپنے غلام کے ہاتھ بھیج دیا کہ قتل کر دیے جائیں۔

حضرت زیدؓ

مشرکین مکہ، حضرت زید کو قتل کرنے کے لیے حدود حرم سے باہر لے گئے تو اس کا تماشا دیکھنے کے لیے اور بھی بہت سے لوگ جمع ہوئے جن میں ابوسفیان بھی تھے۔ (جواب تک اسلام نہ لائے تھے) ابوسفیان نے حضرت زید سے یوں کہا۔

"اے زید! میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اس وقت ہمارے پاس بجائے تمھارے، محمد ہوں جن کو ہم قتل کر دیں اور تم آرام سے اپنے گھر میں بیٹھو۔"

حضرت زید نے جواب دیا۔

''اللہ کی قسم! میں قطعاً پسند نہیں کرتا کہ محمد ﷺ اس وقت جس مکان میں تشریف رکھتے ہیں، ان کو ایک کانٹا لگنے کی تکلیف بھی ہو اور میں آرام سے اپنے اہل میں بیٹھا رہوں۔''

یہ سن کر ابوسفیان نے کہا:

''میں نے لوگوں میں کسی کو نہیں دیکھا کہ دوسروں سے ایسی محبت رکھتا ہو جیسا کہ محمد کے اصحاب، محمد سے رکھتے ہیں۔''

پھر ابوسفیان کے غلام فسطاس نے حضرت زید کو شہید کر دیا۔ (سیرت ابن ہشام)

سیرے کارواں میں شامل کوئی کم نظر نہیں ہے
جو نہ مر مٹے محمد ﷺ پہ مرا ہم سفر نہیں ہے

حضرت خبیبؓ بن عدی

حضرت خبیبؓ بن عدی کو سفیان ہزمی مکہ لے گیا اور مکہ کے درندوں کے ہاتھ فروخت کر دیا پھر انھیں حارث بن عامر کے گھر ٹھہرایا گیا اور پہلا حکم یہ دیا گیا کہ انھیں روٹی دی جائے نہ پانی۔ چنانچہ حارث بن عامر نے حکم کی تعمیل کی اور کھانا بند کر دیا۔

ایک دن حارث کا نوعمر بچہ چھری سے کھیلتا ہوا ان کے پاس پہنچ گیا تو اس مرد مجاہد نے جو کئی روز سے بھوکا اور پیاسا تھا، حارث کے بچہ کو گود میں بٹھا لیا اور چھری اس کے ہاتھ سے لے کر زمین پر رکھ دی۔ جب ماں نے پلٹ کر دیکھا تو یہ مرد مجاہد چھری اور بچہ لیے بیٹھے تھے۔ عورت چونکہ مسلمانوں کے کردار سے ناواقف تھی، یہ حال دیکھ کر لڑکھڑا گئی اور بے تاب چیخنے لگی۔ جب انھوں نے عورت کی تکلیف محسوس کی تو فرمایا۔ بی بی تم مطمئن رہو، میں بچے کو ذبح نہیں کروں گا۔ مسلمان ظلم نہیں کیا کرتے۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی اس مرد مجاہد نے گود کھول دی۔ معصوم بچہ اٹھا اور جا کر ماں سے لپٹ گیا۔

قریش نے چند روز انتظار کیا۔ جب فاقہ کشی کے احکامات اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے تو قتل کی تاریخ کا اعلان کر دیا گیا۔ کھلے میدان میں ایک ستون نصب تھا، اُس کے چاروں طرف بے شمار آدمی ہتھیار سنبھالے کھڑے تھے، بعض تلواریں چمکا رہے تھے، بعض نیزے تان رہے تھے، بعض کمان میں تیر جوڑ رہے تھے۔ اتنے میں آواز آئی، ''مجاہد'' آ رہا

ہے۔ مجمع میں ایک شورِ محشر بپا ہو گیا۔ لوگ اِدھر اُدھر دوڑنے لگے۔ بعض لوگوں نے مستعدی سے ہتھیار سنبھالے اور حملہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ حضرت خبیبؓ قدم بہ قدم تشریف لائے اور انھیں صلیب کے نیچے کھڑا کر دیا گیا۔ ایک شخص نے انھیں مخاطب کیا اور کہا کہ ''ہم تمہاری مصیبت سے دردمند ہیں، اگر اب بھی اسلام چھوڑ دو تو تمہاری جان بخشی ہو سکتی ہے۔

حضرت خبیبؓ خطاب کرنے والے کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ''جب اسلام ہی باقی نہ رہا تو پھر جان بچانا بیکار ہے'' اس جواب کی ثابت قدمی بجلی کی طرح پرشور بھیڑ پر گری۔ مجمع ساکت ہو گیا اور لوگ دم بخود ہو گئے۔ پھر ایک شخص نے کہا: ''کوئی آخری آرزو ہے تو بیان کرو'' تو اس مردِ مجاہد نے جواب میں کہا ''کوئی آرزو نہیں، بس دو رکعت نماز ادا کرنی ہے'' ہجوم سے آواز آئی: ''بہت اچھا، فارغ ہو جاؤ''

پھانسی تیار تھی۔ حضرت خبیبؓ اس کے نیچے کھڑے ہوئے تاکہ اللہ کی بندگی کا حق ادا کریں۔ خلوص و نیاز کا اصرار ہے کہ زبان شاکر جو حمدِ حق میں کھل چکی ہے، اب کبھی بند نہ ہو۔ دستِ نیاز جو بارگاہ کبریا میں بندھ چکے ہیں، اب کبھی نہ کھلیں۔ رکوع میں جھکی ہوئی کمر کبھی سیدھی نہ ہو۔ سجدے میں گرا ہوا سر کبھی خاکِ نیاز سے نہ اٹھے۔ ہر بنِ مُو سے اس قدر آنسو بہیں کہ عبادت گزار کا جسم تو خون سے خالی ہو جائے مگر اس کے عشق و محبت کا چمن اس انوکھی آبیاری سے رشکِ فردوس بن جائے۔

حضرت خبیبؓ کا دل محبت نواز اور عشق و نیاز کی لذتوں میں ڈوب چکا تھا کہ عقل مصلحت کیش نے انھیں روکا اور ایک ایسی آواز میں جسے صرف شہیدوں کی روح ہی سن سکتی ہے، انھیں روحِ اسلام کی طرف سے یہ پیغام دیا کہ اگر نماز زیادہ لمبی کرو گے تو کافر یہ سمجھے گا کہ مسلمان موت سے ڈر گیا ہے۔ اس پیغامِ حق کے ساتھ ہی اس مردِ مجاہد نے دائیں طرف گردن موڑی اور کہا ''السلام علیکم و رحمتہ اللہ'' کفار نہیں بولے مگر ان کی کھنچی ہوئی تلواروں نے جواب دیا ''وعلیکم السلام و رحمتہ اللہ'' اب آپ نے بائیں طرف گردن موڑی اور کہا ''السلام علیکم و رحمتہ اللہ'' کفار اب بھی خاموش رہے مگر نیزوں کی انیاں اور تیروں کی زبانیں رو رو کر پکاریں، اے مجاہدِ اسلام ''وعلیکم السلام و رحمتہ اللہ'' مردِ مجاہد سلام پھیر کر صلیب کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ کفار نے انھیں پھانسی کے ستون کے ساتھ جکڑ دیا پھر نیزوں اور تیروں کو دعوت دی کہ وہ آگے بڑھیں اور ان کے صدق و مظلومیت کا امتحان لیں، ایک شخص آگے آیا اور اس نے

مجاہد اسلام کے جسم پاک کے مختلف حصوں پر ہلکے ہلکے چرکے لگائے اور وہی پاکیزہ خون جو چند لمحے پہلے حالت نماز میں شکر کے آنسو بن کر آنکھوں سے بہا تھا، اب زخموں کی آنکھ سے شہادت کے مشک بو قطرے بن کر ٹپکنے لگا۔ پیکر صبر، مجاہد اسلام کے دردناک مصائب کا تصور کیجئے۔ آپ ستون کے ساتھ جکڑے ہوئے ہیں، کبھی ایک تیر آتا ہے اور دل کے پار ہو جاتا ہے، کبھی نیزہ لگتا ہے اور سینے کو چیر دیتا ہے، ان کی آنکھیں آتے ہوئے تیر کو دیکھ رہی ہیں، ان کے عضو عضو سے خون بہہ رہا ہے مگر درد و تکلیف کی اس قیامت میں بھی ان کا دل اسلام سے نہیں ٹلتا۔

ایک اور شخص آگے آیا اور اس نے مجاہد اسلام کے جگر پر نیزے کی انی رکھ دی۔ پھر اس قدر دبایا کہ وہ کمر کے پار ہو گئی۔ یہ جو کچھ ہوا، مرد مجاہد کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں۔ حملہ آور نے کہا ''اب تم بھی پسند کرو گے کہ محمد ﷺ یہاں لگ جائیں اور تم اس مصیبت سے چھوٹ جاؤ'' پیکر صبر نے جگر کے چیر کو دل کی حوصلہ مندی سے برداشت کر لیا مگر یہ زبان کا گھاؤ برداشت نہ ہوا۔ اگرچہ زبان کا خون ختم ہو چکا تھا مگر جوش ایمان نے اس میں تاب گویائی پیدا کر دی اور آپ نے جواب دیا ''اے ظالم! میرا اللہ جانتا ہے کہ مجھے جان دے دینا پسند ہے مگر یہ ہرگز پسند نہیں کہ میرے آقا و مولا رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں ایک کانٹا بھی چبھے''
یہ کہہ کر یہ مجاہد اسلام راہی جنت ہو گیا۔

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا، وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے، اس جان کی تو کوئی بات نہیں

حضرت اُمِ عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت اُمِ عمارہؓ، حضور سرورِ کونین ﷺ سے غایت درجہ کی عقیدت و محبت رکھتی تھیں۔ حضور ﷺ بھی اُن بڑی شفقت فرماتے تھے۔ جنگ اُحد میں ام عمارہؓ اپنے شوہر حضرت زید بن عاصمؓ اور اپنے دو بیٹوں عمارؓ اور عبداللہؓ کے ہمراہ جنگ میں شریک ہوئیں۔ جب کفار نبی ﷺ پر حملہ آور ہوئے تو یہ نبی ﷺ کے قریب آ کر حملہ روکنے والے صحابہؓ میں شامل ہو گئیں۔ ابن قمیہ ملعون نے نبی ﷺ پر تلوار کا وار کرنا چاہا تو انھوں نے اس کو اپنے کندھوں پر روکا جس سے بہت گہرا زخم آیا۔ ام عمارہؓ نے پلٹ کر ابن قمیہ ملعون پر بھرپور وار

کیا۔قریب تھا کہ وہ دو ٹکڑے ہو جاتا مگر اس نے دو زرہ پہن رکھی تھیں لٰہذا بچ نکلا۔ام عمارہؓ کے سر اور جسم پر تیرہ زخم لگے۔ان کے بیٹے عبداللہؓ کو ایک ایسا زخم لگا کہ خون بند نہیں ہوتا تھا۔ ام عمارہؓ نے اپنا کپڑا پھاڑ کر زخم کو باندھا اور کہا بیٹا اٹھو اور اپنے نبی ﷺ کی حفاظت کرو۔ اتنے میں وہ کافر جس نے ان کو زخم لگایا تھا پھر قریب آیا۔نبی ﷺ نے فرمایا،ام عمارہؓ! تیرے بیٹے کو زخمی کرنے والا یہی کافر ہے۔ام عمارہؓ نے جھپٹ کر اس کافر کی ٹانگ پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ وہ گر پڑا۔پھر وہ چل نہ سکا اور سر کے بل گھسٹتے ہوئے بھاگا۔نبی ﷺ نے یہ منظر دیکھا تو مسکرا کر فرمایا،ام عمارہؓ! تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر جس نے تمھیں جہاد کرنے کی ہمت بخشی۔ام عمارہؓ نے اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے دل کی خواہش ظاہر کی کہ اے اللہ کے پیارے نبی ﷺ! آپ دعا فرمائیں کہ ہم لوگوں کو جنت میں آپ ﷺ کی خدمت گزاری کا موقع مل جائے۔نبی ﷺ نے اس وقت ان کے لیے،ان کے شوہر کے لیے اور دونوں بیٹوں کے لیے دعا کی کہ **اللھم اجعلھم رفقائی فی الجنۃ** (اے اللہ! ان سب کو جنت میں میرا رفیق بنا دے)ام عمارہؓ زندگی بھر یہ بات علی الاعلان کرتی تھیں کہ نبی ﷺ کی اس دعا کے بعد میرے لیے دنیا کی بڑی سے بڑی مصیبت بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔حضور نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے،احد کے دن میں دائیں بائیں جدھر نظر ڈالتا تھا،ام عمارہؓ ہی لڑتی نظر آتی تھیں۔

حضرت اُمِ عمارہؓ نے مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑائی میں بھی اپنی روایتی بہادری سے حصہ لیا۔اُمِ عمارہؓ شروع ہی سے مسیلمہ کی تاک میں تھیں۔سپہ سالار خالدؓ بن ولید خود بھی اسی تاک میں تھے۔جب لڑائی باغ کے اندر داخل ہوئی تو اُمِ عمارہؓ زخم پر زخم لگاتیں اور کھاتیں کذاب کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہوگئیں۔اس کوشش میں انھیں گیارہ زخم آئے اور ایک ہاتھ بھی کلائی سے کٹ گیا مگر خاتونِؓ اُحد نے ہمت نہ ہاری۔قریب پہنچ کر وار کرنے کے لیے برچھی تولی تو کذاب پر بیک وقت دو وار پڑتے دیکھے جن سے وہ موذی کٹ کر گھوڑے سے نیچے آ رہا۔نظر اُٹھائی تو پہلو میں اپنے فرزند عبداللہؓ کو کھڑے پایا، ساتھ ہی حضرت وحشیؓ کو دیکھا،حضرت وحشیؓ نے اپنا حربہ پھینکا تھا،جبکہ حضرت عبداللہ نے تلوار سے وار کیا تھا۔

حضرت اُم سلیمؓ

حضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف فرما ہوئے تو ایک خاتون حاضر خدمت ہوئیں اور عرض کیا:''یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! یہ میرا فرزند انسؓ ہے۔

میری دلی تمنا ہے کہ یہ آپ ﷺ کی خدمت میں رہے۔قبول فرمائیں اور اس کے لیے دعا کریں۔" یہ لڑکے مشہور صحابی حضرت انسؓ بن مالک تھے اور خاتون ان کی والدہ اُمِ سلیم تھیں، جو عظیم المرتبت صحابیاتؓ میں شمار ہوتی ہیں۔ بیعت عقبہ اُولیٰ کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ ان کے پہلے خاوند مالک نے اسلام قبول نہ کیا اور ناراض ہوکر شام چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔

ابو طلحہ نے پیغام نکاح بھیجا تو انھیں فرمایا کہ جب تک تم ایک خود ساختہ بُت کے پجاری ہو، تم سے نکاح ممکن نہیں۔ وہ اسلام میں داخل ہو گئے تو فرمایا: پھر میں تم سے صرف اسلام کے حق مہر پر نکاح کرتی ہوں۔ بقول حضرت ثابتؓ کسی عورت کا مہر اُمِ سلیمؓ سے افضل نہیں سنا گیا۔ حضرت ابو طلحہؓ بیعت عقبہ ثانی میں شامل تھے۔ غزوہ اُحد میں ابو طلحہؓ آخر تک حضور ﷺ کی حفاظت میں سینہ سپر رہے اور اُمِ سلیمؓ حضرت عائشہؓ کے ساتھ میدان جنگ میں زخمیوں کو پانی پلاتی رہیں۔ غزوہ حنین میں بھی دونوں میاں بیوی جوش و جذبہ کے ساتھ شریک ہوئے۔ حضور ﷺ نے اُمِ سلیم کو خنجر بکف دیکھا تو پوچھا: خنجر کو کیا کرو گی؟ انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ کا کوئی گستاخ قریب آیا تو اس کا پیٹ چاک کر دوں گی۔ اس پر حضور ﷺ نے تبسم فرمایا۔

سوچنا چاہیے! کیا ہماری ماؤں، بہنوں، بیٹیوں میں آج یہ جذبہ موجود ہے؟

حضرت اصیرم عمروؓ بن ثابت انصاری

اصیرم عمرو بن ثابت، انصار قبیلہ اوس کی شاخ عبدالاشہل سے تھے اور اسلام کے سخت مخالف تھے۔ ان کے قبیلہ کے دوسرے لوگوں نے تو اسلام قبول کر لیا تھا لیکن وہ بدستور کفر پر اڑے ہوئے تھے۔ جس دن سرور دو عالم ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سمیت غزوۂ اُحد کے لیے تشریف لے گئے تھے، حضرت اصیرمؓ شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ واپس آئے تو محلے میں سناٹا دیکھا کیونکہ ان کے رشتہ دار بھی حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ میدان جنگ میں چلے گئے تھے۔ انھوں نے گھر کی خواتین سے پوچھا کہ میرے خاندان کے لوگ کہاں گئے؟ جواب ملا، میدان اُحد میں۔ یہ سن کر غیرت آ گئی۔ اس وقت زرہ پہنی، ہتھیار لیے، گھوڑے پر سوار ہوئے اور اسے سرپٹ دوڑاتے ہوئے میدان اُحد میں رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! مسلمان ہو جاؤں یا لڑوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا،

دونوں کام کرو۔ چنانچہ فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے اور وہاں جہاں دوسرے مجاہدین کھڑے تھے، وہ بھی جا کر کھڑے ہو گئے۔ مسلمانوں نے جب انھیں دیکھا تو کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ، تم یہاں ہمارے ساتھ نہیں ٹھہر سکتے۔ انھوں نے کہا بھائیو! آپ مجھ پر برہم نہ ہوں، میں نے بھی اسلام قبول کر لیا ہے اور تمہاری طرح اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے اور عشق مصطفیٰ ﷺ کی سرشاری میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے آیا ہوں۔

چنانچہ جب کفار سے جنگ شروع ہوئی تو حضرت اصیرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بہادری کے خوب جوہر دکھائے۔ یہاں تک کہ زخموں سے چور چور ہو کر گر پڑے۔ بنی عبدالاشہل کے چند آدمی میدان جنگ میں جب اپنے مقتولوں کی تلاش میں آئے تو انھوں نے اصیرم کو ایک جگہ گرا ہوا پایا۔ وہ کہنے لگے: بخدا یہ تو اصیرم ہے۔ یہ یہاں کیسے آیا، یہ تو منکر اسلام تھا۔ انھوں نے ان سے پوچھا کہ تم یہاں کیسے آئے؟ کیا تمھیں اپنی قومی غیرت یہاں لے آئی ہے یا اسلام کی محبت کے باعث تم یہاں آئے ہو؟ انھوں نے کہا محض اسلام اور پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی محبت کے باعث یہاں آیا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم ﷺ پر ایمان لایا ہوں۔ یہی جذبہ مجھے میدان جنگ میں لے آیا ہے۔ میری زخموں سے یہ حالت ہے جو تم دیکھ رہے ہو۔ میں مر جاؤں تو میرے سارے اموال و املاک حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کر دینا۔ حضور ﷺ جس طرح چاہیں انھیں خرچ فرمالیں۔ اتنے میں سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے۔ انھوں نے ان کے بھائی کو کہا کہ ان سے پوچھے۔

''یعنی کیا تم اپنی قوم کی حمیت کے جذبہ سے یہاں آئے ہو یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ناموس کے لیے غضبناک ہو کر آئے ہو؟ کہا: میں تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی عزت و ناموس کے تحفظ لیے آیا ہوں۔''

کچھ دیر بعد اصیرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ حضور ﷺ کی خدمت میں اطلاع دی گئی تو فرمایا ''کہ اصیرم اہل جنت سے ہے۔''

ایک دن حضرت ابو ہریرہؓ نے لوگوں سے پوچھا: ایسے جنتی کا نام بتاؤ جس نے ایک نماز بھی نہیں پڑھی اور پھر بھی وہ جنت میں ہے؟ لوگوں نے کہا آپؓ ہی فرمائیے۔ کہا ''وہ اصیرم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہے جو بنی عبدالاشہل کا فرد ہے۔''

جان دی ہوئی دی اس کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

حضرت طلحہؓ

اسلام کے مجاہدین میدان اُحد میں مختلف مقامات پر داد شجاعت دے رہے تھے اور دشمنوں کے حملوں کو پسپا کرنے میں مصروف تھے۔ حضور ﷺ نے چاہا کہ نشیب سے پہاڑ کی چوٹی پر جا کر ڈیرا جمائیں تا کہ مجاہدین کی کارروائیوں کا جائزہ لیا جا سکے۔ اس کے علاوہ یہ مقصد بھی تھا کہ پہاڑ کی بلندی پر جب تشریف فرما ہوں گے تو سارے جاں نثار حضور ﷺ کو دیکھ لینے کے بعد وہاں اکٹھے ہو جائیں گے اور پھر اجتماعی قوت سے لشکر کفار پر حملہ کیا جا سکے گا لیکن کفار نے جب حضور ﷺ کو پہاڑی کے اوپر جاتے ہوئے دیکھا تو فیصلہ کن حملہ کرنے کے لیے ادھر بھاگے۔ ان کی نیت یہ تھی کہ وہ حضور ﷺ کی شمع حیات کو گل کر دیں۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضور ﷺ پہاڑی کے اوپر چڑھ رہے تھے، مشرکین نے پیچھے سے آ لیا۔ حضور ﷺ پرنور نے فرمایا "کیا تم میں سے کوئی ہے جو اُن کا راستہ روکے۔" طلحہؓ نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! میں۔ فرمایا تم جہاں ہو ٹھیک ہو، کوئی اور؟ ایک انصاری نے عرض کی "اے اللہ کے پیارے رسول ﷺ! یہ غلام حاضر ہے۔" وہ انصاری ان حملہ آوروں سے برسرپیکار ہو گیا۔ اتنے میں حضور ﷺ اوپر چڑھتے گئے۔ کچھ دیر بعد اس انصاری کو شہید کر دیا گیا۔ حضور ﷺ نے پھر وہی سوال دُہرایا۔ حضرت طلحہؓ نے عرض کی، میں حاضر ہوں۔ حضور ﷺ نے انھیں دوبارہ صبر کرنے کی تلقین فرمائی، اور ایک دوسرے صحابی نے ان سے لڑنا شروع کر دیا اور حضور ﷺ نے اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔ پھر یہ انصاری بھی شہید کر دیا گیا، اس طرح گیارہ انصاری یکے بعد دیگرے اپنے آقا ﷺ کے دشمنوں کے سامنے آڑے آتے رہے اور جانیں قربان کرتے رہے یہاں تک کہ کفار کے اس ریلے کا مقابلہ کرنے کے لیے صرف دو شخص رہ گئے، ایک رحمت عالم ﷺ اور ایک حضور ﷺ کے جانباز صحابی حضرت طلحہؓ۔ پھر حضرت طلحہؓ ان کفار کے سامنے سینہ سپر ہو کر کھڑے ہو گئے اور جتنی مزاحمت ان گیارہ جاں نثاروں کی تھی، اتنی دیر تک اکیلے طلحہؓ نے کی اور ان کو ایک انچ آگے نہ بڑھنے دیا، یہاں تک کہ ان کی انگلیاں کٹ گئیں اور ہاتھ شل ہو گیا۔ ان سب کو نبی کریم ﷺ نے جنت میں اپنا رفیق ہونے کے مژدہ سے سرفراز فرمایا۔

رشتہ جو نہ ہو قائم محمد ﷺ سے وفا کا
جینا بھی برباد ہے، مرنا بھی اکارت

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور نبی کریم ﷺ کی عزت و ناموس کے تحفظ کے سلسلے میں صحابۂ کرامؓ ایسا جذبہ عطا کرے۔

□ حضور ﷺ کے جاں نثاروںؓ نے اُحد میں جو بہادری دکھائی اور شہیدانِ اُحد نے جس شان سے جان دی، خود تاریخ اسلام بھی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ حضرت ابوبکرؓ جب کبھی یوم اُحد کی بات کرتے تو فرماتے: یہ دن سارے کا سارا طلحہؓ کے لیے تھا۔ حضرت طلحہؓ نے اس دن حضور ﷺ کی حفاظت کرتے ہوئے ستر سے اوپر زخم کھائے۔ جن میں سے کچھ تلواروں کے، کچھ نیزوں کے اور کچھ تیروں کے زخم تھے۔ ان کی ایک انگلی بھی کٹ گئی تھی پھر ان کے زخموں کی مرہم پٹی کی گئی۔ حضرت طلحہؓ کے سر پر تیروں کے بہت زخم لگے تھے جس سے بہت خون بہا اور آپ بے ہوش ہو گئے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے ان کے منہ پر پانی چھڑکا اور انھیں ہوش آیا، تو سب سے پہلے یہ سوال کیا ''حضور ﷺ کا کیا حال ہے؟'' انھیں بتایا گیا کہ الحمدللہ، حضور ﷺ بخیر و عافیت ہیں۔ یہ سن کر اس جانباز صادق نے بے ساختہ کہا ''اللہ کا شکر ہے حضور ﷺ سلامت ہیں۔ کوئی مصیبت آپ ﷺ کے ہوتے ہوئے کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔''

؎ تیرا جلوہ ہو، تیری صورت ہو اور کیا چاہیے نظر کے لیے

□ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے یعنی وہ دس حضرات جنھیں ان کی زندگی ہی میں جنت کی بشارت دی جا چکی تھی، ان کا ایک ہاتھ شل ہو گیا تھا۔ لوگوں کو بہت تعجب ہوتا جب وہ دیکھتے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جیسے جلیل القدر صحابی اور خلیفۂ راشد بھی کبھی ان کا وہ شل ہاتھ چوم لیا کرتے ہیں۔ ایک دن کسی نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے ان کے ہاتھ کے شل ہو جانے کی وجہ دریافت کی تو انھوں نے بتایا کہ غزوۂ احد کے موقع پر آنحضرت ﷺ جب زخمی ہو گئے تو کافروں کے ایک دستہ نے موقع غنیمت جان کر آپ پر ہجوم کرنا شروع کیا۔ اس وقت سوائے میرے آپ ﷺ کے پاس کوئی دوسرا شخص موجود نہ تھا۔ تیر تھے کہ بارش کی طرح برس رہے تھے۔ میرے پاس سپر تھی۔ میں حضور ﷺ کے آگے کھڑا ہو گیا اور آنے والے تیروں کو اس سپر پر روکنے لگا۔ اتفاقاً میرے ہاتھ سے چھوٹ کر سپر زمین

پر گر گئی۔ یہ لمحہ نازک ترین لمحہ تھا۔ اگر میں جھک کر اٹھاتا تو ہو سکتا تھا کہ کوئی تیر رسول کریم ﷺ کو زخمی کر دیتا۔ فیصلہ کرنے میں مجھے ذرا بھی دیر نہ ہوئی۔ میں نے سپر نہیں اٹھائی اور سپر کی بجائے آنے والے تیروں کو اپنے اسی ہاتھ پر روکنا شروع کر دیا۔ ہر تیر آ کر میری ہتھیلی کو زخمی کر جاتا۔ خون کا فوارہ میرے ہاتھ سے چھوٹ رہا تھا مگر میں آنے والے تیروں کو ہتھیلی پر لیتا رہا۔ بعدازاں میں نے اپنی ہتھیلی کو دیکھا تو وہ بالکل گوشت کے ایک لوتھڑے کے مانند تھی۔ اکثر رگیں کٹ چکی تھیں۔ میں نے پروا نہ کی اور آج وہ ہاتھ شل ہو چکا ہے۔ اب لوگوں کی سمجھ میں آیا کہ کیوں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ جیسے عظیم المرتبت صحابی، حضرت طلحہؓ کے اس شل ہاتھ کو کبھی کبھی چوم لیا کرتے تھے۔ ہاتھ شل کرایا، ہتھیلی شدید زخمی کرائی، مگر آفرین ہے عشرہ مبشرہ کے ایک فرد سیّدنا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ پر کہ نبی ﷺ کو زخمی نہ ہونے دیا۔ یہی وہ بابرکت ہستیاں تھیں جنھوں نے اپنا خون دے کر جنت خریدی تھی۔

حضرت زیادؓ بن سکن

جنگ اُحد کے موقع پر کفار نے حضور ﷺ کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''کون مرد ہے جو ہمارے لیے اپنی جان کا سودا کرے؟'' تو زیادؓ بن سکن اٹھ کھڑے ہوئے اور دشمن کے نرغے کو توڑنا شروع کیا۔ وہ دشمن کو بھگانے میں تو کامیاب ہو گئے لیکن خود زخموں سے چور چور ہو گئے، انھیں چودہ گہرے زخم لگے تھے۔ جب دشمن بھاگ گئے تو حضور ﷺ نے فرمایا ''میرے محبّ دلفگار کو میرے قریب لے آؤ۔'' انھیں اپنے آقا ﷺ کے قریب لایا گیا تو انھوں نے حضور ﷺ کے قدموں پر اپنے رخسار رکھ دیے اور اپنی جان، جان آفرین کے حوالے کر دی۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حضرت زبیر بن عوامؓ

نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ نے غزوہ خندق کے دن دشمن کی صف سے باہر نکل کر مسلمانوں کو اپنے مقابلہ کے لیے نکلنے کی دعوت دی، چنانچہ اس کے مقابلہ کے لیے نوجوان صحابی حضرت زبیر بن عوامؓ نکلے اور اس پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ اس کے ٹکڑے کر دیے، اس کی

وجہ سے ان کی تلوار میں دندانے پڑ گئے واپس آتے ہوئے وہ یہ شعر پڑھ رہے تھے:

انی امرء احمی و احتمی

عن النبی المصطفی الامی

''میں ایسا آدمی ہوں کہ دشمن سے اپنی بھی حفاظت کرتا ہوں اور نبی رحمت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بھی حفاظت کرتا ہوں۔''

□ ایک دن مکہ میں ایک وحشت اثر خبر پھیل گئی کہ حضرت محمد ﷺ کو مشرکین نے گرفتار کر لیا ہے اور کچھ کا کہنا تھا کہ حضور ﷺ شہید کر دیے گئے ہیں۔ بنو ہاشم سخت غیظ و غضب کے عالم میں تھے۔ ابھی کوئی قدم اٹھانے کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے کہ نوعمر زبیرؓ بن عوام (رسول پاک ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ کے فرزند) کے کانوں میں بھی اس خبر کی بھنک پڑ گئی۔ اس سولہ سالہ کشیدہ قامت اور قوی الجثہ نوجوان کو رحمت عالم ﷺ سے والہانہ محبت تھی، یہ خبر سنتے ہی تڑپ کر اٹھا۔ کھونٹی سے تلوار اتار کر اس کا نیام زمین پر پھینک دیا اور شمشیر بکف مکہ کی گلیوں میں کود گیا۔ اس کا رخ مکہ کے بالائی حصے میں واقع سرور عالم ﷺ کے کاشانہ اقدس کی جانب تھا۔ اس وقت جوش غضب سے اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ وہ نہایت تیزی سے گلیاں طے کر رہا تھا۔ جلد ہی وہ حضور ﷺ کے کاشانہ مبارک پر پہنچ گیا اور یہ دیکھ کر اس کی مسرت کی انتہا نہ رہی کہ رسالت مآب ﷺ خیر و عافیت کے ساتھ وہاں رونق افروز ہیں۔

حضور ﷺ شمشیر بکف نوجوان کو دیکھ کر متبسم ہو گئے اور فرمایا ''زبیر! خیر تو ہے، اس وقت تم شمشیر برہنہ سونت کر کیسے آ رہے ہو؟''

زبیرؓ نے عرض کیا ''یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، میں نے سنا تھا کہ آپ ﷺ کو دشمنوں نے گرفتار کر لیا ہے یا شاید آپ ﷺ شہید کر دیے گئے ہیں۔''

ارشاد ہوا: ''اچھا تو یہ بات ہے۔ اور اگر واقعی ایسا ہو جاتا تو تم کیا کرتے؟''

زبیرؓ نے بے ساختہ عرض کیا ''یارسول اللہ ﷺ خدا کی قسم میں آپ کے دشمنوں سے لڑ مرتا اور مکہ میں خون کی ندیاں بہا دیتا۔'' اس کا جواب سن کر رحمت دو عالم ﷺ کے روئے انور پر بشاشت پھیل گئی۔ آپ ﷺ نے اس کے جذبہ فدویت کی تحسین فرمائی اور اس کے حق میں دعائے خیر کی بلکہ اس کی تلوار کو بھی دعا دی کہ یہ پہلی تلوار تھی جو رسول برحق ﷺ

کی عزت و ناموس کے تحفظ میں بلند ہوئی۔

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰ ﷺ ست
آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰ ﷺ ست

کاش! اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسا جذبہ عطا فرمائے کہ اس کے بغیر زندگی محض شرمندگی ہے۔

حضرت سعدؓ بن ربیع

حضرت زیدؓ بن ثابت بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ اُحد میں حضور ﷺ نے مجھے سعدؓ بن ربیع کی تلاش میں بھیجا اور فرمایا: ''انھیں میرا سلام کہنا اور حال پوچھنا۔'' میں نے انھیں اس حال میں پایا کہ اُن کے بدن پر ستر زخم تھے اور وہ آخری سانسیں لے رہے تھے۔ میں نے انھیں حضور ﷺ کا سلام اور پیغام پہنچایا۔ انھوں نے کہا ''حضور ﷺ پر اور تمھیں میرا سلام۔ آپ ﷺ سے عرض کرنا: میں اس حال میں ہوں کہ مجھے جنت کی خوشبوئیں آ رہی ہیں، اور میری قوم انصارؓ سے کہنا: اگر کوئی کافر حضور ﷺ کو نقصان پہنچانے کی نیت سے آپ ﷺ کے قریب بھی پہنچ گیا تو روزِ محشر تمہارا کوئی عذر نہیں سُنا جائے گا۔'' پھر شہادت سے سرفراز ہو گئے۔

حضرت قتادہ بن نعمانؓ

حضرت قتادہ بن نعمانؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کو ہدیہ میں ایک کمان ملی، آپ ﷺ نے وہ کمان اُحد کے دن مجھے دے دی۔ میں اس کمان کو لے کر حضور ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر خوب تیر چلاتا رہا، یہاں تک کہ اس کا سرا ٹوٹ گیا۔ میں برابر حضور ﷺ کے چہرے کے سامنے کھڑا رہا اور میں اپنے چہرے پر تیروں کو لیتا رہا۔ جب بھی کوئی تیر آپ ﷺ کے چہرے کی طرف مڑ جاتا تو میں اپنے سر کو گھما کر تیر کے سامنے لے آتا اور حضور ﷺ کے چہرے کو بچا لیتا (چونکہ میری کمان ٹوٹ چکی تھی اس لیے) میں تیر تو چلا نہیں سکتا تھا۔ پھر آخر میں مجھے ایک تیر ایسا لگا جس سے میری آنکھ کا ڈیلا ہاتھ پر آ گرا۔ میں اسے ہتھیلی پر رکھے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب آپ ﷺ نے آنکھ کا ڈیلا میری ہتھیلی میں دیکھا تو آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور آپ ﷺ نے میری آنکھ کا ڈیلا لے کر اس کی اصل جگہ پر رکھ دیا اور یہ دعا دی۔

''اے اللہ! قتادہ نے اپنے چہرے کے ذریعہ تیرے نبی کے چہرہ کو بچایا ہے، لہٰذا تُو اس کی اس آنکھ کو زیادہ خوبصورت اور زیادہ تیز بنا دے۔''

حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ میری وہ آنکھ دوسری سے زیادہ خوبصورت اور زیادہ تیز نظر والی ہوگئی۔

حضرت ابودجانہؓ

حضرت ابودجانہؓ میدان اُحد میں مختلف مقامات پر دادِ شجاعت دیتے رہے لیکن جب دشمنوں نے ان کے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اکٹھے ہوکر حملہ کردیا تو آپ دوڑے ہوئے آئے اور اس وقت وہاں پہنچے جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر چاروں طرف سے مشرکین تیروں کی بوچھاڑ کررہے تھے۔ یہ ڈھال بن کر اپنے آقا کے سامنے کھڑے ہوگئے اور آنے والے سارے تیروں کو اپنی پشت پر لیتے رہے۔ ساری پشت تیروں سے بھر گئی لیکن محبوب خدا ﷺ کا یہ جان نثار عاشق سرمُو آگے پیچھے نہ سرکا۔ (سیرت ابن ہشام ج 3 ص 30)

اس موقع پر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضور ﷺ کے قدموں میں کھڑے ہوکر حملہ آور کفار سے جوکھی لڑائی لڑتے رہے۔ آپؓ کے سامنے والے دانت ٹوٹ گئے، آپؓ کو بیس سے زیادہ کاری زخم لگے لیکن پایۂ ثبات میں ذرا لغزش نہ آئی۔ ٹانگ زخمی ہونے کی وجہ سے معذور ہوگئے اور ساری عمر لنگڑا کر چلتے رہے۔

حضرت رافعؓ اور حضرت سمرۃؓ بن جندبؓ

نبی اکرم ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب لڑائی کے لیے تشریف لے جاتے تو مدینہ منورہ سے باہر جانے کے بعد لشکر کا معائنہ فرماتے، ان کے احوال کو، ان کی ضرورتوں کو دیکھتے اور لشکر کی اصلاح فرماتے اور پندرہ برس سے کم عمر کے بچوں کو واپس فرمادیتے۔ یہ حضرات شوق میں نکل پڑتے۔ چنانچہ احد کی لڑائی کے لیے جب تشریف لے جانا ہوا تو ایک موقع پر جاکر لشکر کا معائنہ فرمایا اور پندرہ برس سے کم عمر کے لڑکوں کو واپس بھیج دیا۔ جن میں حضرات ذیل بھی تھے۔ عبداللہ بن عمرؓ، زیدؓ بن ثابت، اسامہ بن زیدؓ، زید بن ارقمؓ، براء بن عازبؓ، عمرو بن حزمؓ، اسید بن جفیوؓ، عرابۃ بن اوسؓ، ابوسعید خدریؓ، سمرۃ بن جندبؓ، حضرت سمرۃؓ بن جندب کے ایک ساتھی رافع بن خدیجؓ تھے۔ وہ پندرہ سال کی عمر کو پہنچ چکے تھے، اس لیے حضور ﷺ نے انھیں لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت دے دی۔ سمرۃ بن جندبؓ نے اپنے سوتیلے باپ مرۃ بن سنان سے کہا کہ حضور ﷺ نے رافع کو تو اجازت مرحمت فرمادی اور مجھے اجازت نہیں عطا فرمائی۔ حالانکہ میں رافع سے قوی ہوں، اگر میرا اور اس کا مقابلہ ہو تو

میں اس کو پچھاڑ لوں گا۔ حضور ﷺ نے دونوں کا مقابلہ کرایا تو سمرۃ نے رافع کو واقعی پچھاڑ لیا۔ اس لیے حضور ﷺ نے سمرۃ کو بھی لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت عطا فرما دی۔

یہ شوق اور ولولے تھے، ان حضرات کے کہ بچہ ہو یا بڑا ہر شخص کچھ ایسا مست تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت و ناموس کے تحفظ کے لیے اپنی جان قربان کرنا اپنی سعادت سمجھتا تھا۔ اسی وجہ سے کامیابی ان کے قدم چومتی تھی۔

حضرت معاذؓ اور حضرت معوذؓ

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ بدر کی لڑائی میں، میں صف کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ میں نے جب دائیں بائیں جانب دیکھا تو میرے دونوں طرف قبیلۂ انصار کے دو لڑکے (جوان) معاذؓ اور معوذؓ تھے، ایک نے میری طرف اشارہ کیا اور پوچھا چچا جان! مجھے ابوجہل کو دکھلا دیجئے۔ میں نے کہا کہ ہاں! لیکن بیٹے تم اسے کیا کرو گے؟ اس نے کہا: مجھے بتایا گیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیتا ہے۔ اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر میں نے اس کو دیکھ لیا تو میرا وجود اس کے وجود سے الگ نہ ہوگا، یہاں تک کہ ہم میں جس کی موت پہلے لکھی ہے، وہ مر جائے۔

مجھے اس پر بڑی حیرت ہوئی، پھر دوسرے نے مجھے چھوا اور وہی باتیں اس نے بھی کہیں۔ میں نے چند ہی لمحوں بعد دیکھا کہ ابوجہل لوگوں کے درمیان چکر کاٹ رہا ہے۔ میں نے کہا: ارے دیکھتے نہیں! یہ رہا تم دونوں کا شکار جس کے بارے میں تم پوچھ رہے تھے۔ یہ سنتے ہی دونوں نے اپنی تلواریں لیں، اس پر جھپٹ پڑے اور اسے شدید زخمی کر کے زمین پر گرا دیا۔ بعد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کے سینے پر سوار ہو کر اس کا سر قلم کر دیا۔ (صحیح البخاری، فرض الخمس، باب من لم یخمس الاسلاب 502/4)

حضرت سعدؓ بن ابی وقاصؓ

☐ اسلام کے مشہور سپہ سالار اور فاتح فارس ہیں، اولین مومنین میں سے ہیں، اسلام قبول کرنے والوں میں ایک روایت کے مطابق آپ کا تیسرا نمبر ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ ساتویں مسلمان ہیں جنہوں نے مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کیا، بالکل آغاز شباب میں آپ ایمان لائے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شرکت کی۔ آپ بڑے جری

اور بہادر تھے اور رسول اللہ ﷺ کے مخصوص محافظین اور پہرہ داروں میں شامل تھے۔ جب سے مسلمان ہجرت کر کے مدینہ منورہ گئے تھے، قریش برابر جوڑ توڑ میں لگے ہوئے تھے۔ بنو کنانہ کو ہموار کرنے کی کوششیں ہو رہی تھیں۔ کنانہ، مکے اور مدینے کے درمیان رہتے تھے اور قریش کے دشمن تھے۔ اس لیے انھیں ہمت نہ پڑتی تھی کہ مدینے پر دھاوا بولیں مگر اب اہلِ ایمان کی دشمنی میں سب پرانے دشمن سر جوڑ کر بیٹھے اور انھیں مدینہ سے نکال پھینکنے کے منصوبے بنانے لگے۔ یہاں آ کر بھی مسلمان کچھ عافیت میں نہ تھے۔ دن کا چین اور رات کی نیند ختم ہو چکی تھی۔ ہر وقت کھٹکا لگا رہتا تھا کہ دشمن اب آیا کہ اب آیا۔ اس زمانے میں حضورِ اکرم ﷺ رات بھر جاگا کرتے۔ ایک رات آپ ﷺ سخت فکر مند تھے۔ کچھ بات تھی کہ پلک سے پلک نہ جھپکتی تھی۔ زبانِ مبارک ﷺ سے نکلا: کاش! کوئی نیکوکار آج رات یہاں ہوتا اور پہرہ دیتا!۔

شاید آپ ﷺ بہت تھک گئے تھے اور سونا چاہتے تھے کہ اتنے میں ایک جھنکار سی سنائی دی جیسے ہتھیار بج رہے ہوں۔ زبانِ رسالت ﷺ سے بے اختیار نکلا: کون ہے؟

آواز آئی: سعد بن ابی وقاص!

ارشاد ہوا: کیسے آنا ہوا؟

عرض کیا گیا: جانے کیوں دل میں وسوسے آ رہے تھے کہ آج رات آپ کی ذاتِ اقدس ﷺ کو کچھ خطرہ ہے۔ مجھ سے گھر پر رہا نہ گیا، پہرہ دینے حاضر ہوا ہوں۔

جواب سن کر زبانِ رسالت ﷺ سے بے شمار دعائیں نکلیں اور خدا کا نبی ﷺ اپنی کملی اوڑھ کر سو گیا۔

ثابت ہوا کہ آج کے دور میں جو شخص بھی حضور نبی کریم ﷺ کی عزت و ناموس کے تحفظ کا پہرہ دیتا ہے یعنی آپ ﷺ کی عزت و آبرو کو دشمنانِ رسول سے بچانے کی کوشش کرتا ہے، آپ ﷺ کی ختمِ نبوت کی حفاظت کرتا ہے، حضور نبی کریم ﷺ کی رحمت بھری دعائیں آج بھی اس کے ساتھ ہیں۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنھیں یہ سعادت حاصل ہے۔

☐ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اُحد کے دن عبداللہؓ بن جحش نے مجھے کہا کہ آؤ ایک کونہ میں جا کر دعا مانگیں۔ میں دعا مانگوں گا، اس پر آپ آمین کہیں۔ پھر آپ دعا مانگیں، اس پر میں آمین کہوں گا۔ اس قبولیت کی گھڑی میں ہماری التجائیں قبول ہوں گی۔ چنانچہ ہم الگ ایک گوشہ میں چلے گئے۔ پہلے میں نے دعا کے لیے

ہاتھ اٹھائے اور عرض کی: اے میرے رب! کل جب دشمن سے ہمارا مقابلہ ہو تو میرے مقابلہ میں ایک طاقتور اور ماہر جنگجو کو بھیج تاکہ میں تیری رضا کے لیے اس سے جنگ کروں اور وہ مجھ سے جنگ کرے، پھر مجھے اس پر غلبہ دے تاکہ میں اس کو قتل کر دوں۔ حضرت عبداللہؓ نے میری دعا پر کہا آمین۔ پھر حضرت عبداللہؓ بن جحش نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور عرض کی: الٰہی میرے مقابلہ میں ایک ایسا کافر بھیج جو بڑا قوی اور تنومند ہو اور فن حرب کا ماہر ہو۔ میں تیری رضا کے لیے اس سے جنگ کروں اور وہ مجھ سے جنگ کرے، آخر کار وہ مجھے قتل کر دے۔ پھر وہ مجھے پکڑے، میری ناک اور میرے کان کاٹ دے اور جب میں روز قیامت تجھ سے اس حالت میں ملاقات کروں تو تُو فرمائے ''اے میرے بندے کس جرم میں تیری ناک اور تیرے کان کاٹے گئے۔'' تو میں جواب میں عرض کروں۔ ''فِیْکَ وَفِیْ رَسُوْلِکَ کہ تیری محبت اور تیرے محبوب ﷺ کی محبت کے جرم میں۔'' تو تُو فرمائے ''اے میرے بندے: تم سچ کہہ رہے ہو۔''

یہ بیان کرنے کے بعد حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہؓ کی دعا میری دعا سے بدرجہا بہتر تھی۔ چنانچہ دونوں کی دعائیں قبول ہوئیں اور حضرت عبداللہؓ کے ساتھ یہی سلوک کیا گیا۔ کیا آج بھی عشق مصطفے ﷺ کی سرشاری میں کوئی ایسا ہے جو ایسی دعا مانگے!

□ جنگ اُحد میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے سرور عالم ﷺ کو مشرکین کے حملوں سے بچانے کے لیے جان لڑا دی، آپ کی صاحبزادی عائشہ بنت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہما اُس دن کے بارے میں آپ سے روایت کرتی ہیں۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ:

اس روز جب لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی تو میں ایک طرف ہو کر سوچنے لگا اور آخر فیصلہ کیا کہ نہ میں ہتھیار ڈالوں گا اور نہ بھاگوں گا، میں ان سے لڑتا رہوں گا، یہاں تک کہ میں ان سے نجات پا جاؤں یا شہید ہو جاؤں۔ اچانک ایک آدمی میرے قریب آ گیا، اس کا چہرہ بہت سرخ تھا۔ کفار نے ہر طرف سے اس کا گھیرا تنگ کر لیا تھا۔ اس نے اپنی مٹھی میں مٹی لی اور ان کی طرف پھینکی۔ میں نے مقداد کو پہچان لیا۔ میں نے چاہا کہ میں ان سے اس شخص کے بارے میں پوچھوں۔ اتنے میں وہ بولے۔ اے سعد! یہ رسول اللہ ﷺ ہیں اور تمہیں یاد فرما رہے ہیں۔ یہ سن کر میں کھڑا ہو گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ مجھے نئی زندگی مل گئی ہے اور کوئی گزند مجھے پہنچا ہی نہیں۔ میں فوراً حاضر خدمت ہوا، حضور ﷺ نے مجھے اپنے سامنے بٹھا لیا،

اور میں دشمن پر تیر چلانے لگا۔ جب میں کوئی تیر چلاتا تو کہتا ''اے اللہ! یہ تیرا تیر ہے، اسے اپنے دشمن کے سینہ میں پیوست کر۔''

میں یہ کہتا تو حضور ﷺ فرماتے:

''اے اللہ! سعد کی دعا قبول فرما، اے اللہ! سعد کا تیر نشانہ پر لگے، واہ واہ سعد تیر چلاؤ۔ میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔'' (بخاری شریف) ''میں جب بھی تیر چلاتا حضور ﷺ مجھے اس دعا سے سرفراز فرماتے۔ جب میرے ترکش کے تیر ختم ہو گئے تو سرکار دوعالم ﷺ نے اپنے ترکش کے تیر نکال کر میرے سامنے بکھیر دیے۔'' امام ذہبی، کہتے ہیں کہ اس روز حضرت سعدؓ نے ایک ہزار تیر لشکر کفار پر برسائے اور عشق مصطفےٰ ﷺ کے اظہار کا بے مثل مظاہرہ کیا۔ کیا اعزاز تھا، کیا اکرام تھا کہ جس نے یہ بات سنی حضرت سعدؓ کے مقدر پر رشک کرنے لگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی فرماتے ہیں کہ غزوہ احد میں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا، آپ سعدؓ سے فرما رہے تھے۔

"یاسعد ارم فداک ابی و امی"

''اے سعد تیر چلا، میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں۔''

حضور ﷺ کا یہ کلمہ حضرت سعدؓ کے لیے آپ کی انتہائی خوشنودی، تعلق خاطر اور محبت کی قابل فخر سند ہے۔ آپ نے یہ الفاظ حضرت سعدؓ کے علاوہ ایک اور موقع پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے لیے بھی فرمائے۔

غزوہ احد ہی کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعدؓ کو یہ دعا دی۔

''اللھم استجب لسعد اذادعاک''

''اے اللہ سعد جب بھی دعا کریں، ان کی دعا قبول فرما۔''

(ترمذی۔ ابواب المناقب۔ باب مناقب ابی اسحٰق سعد ابن ابی وقاصؓ ج 2 ص 216)

چنانچہ حضرت سعدؓ مستجاب الدعوات مشہور تھے اور لوگ ان کی بددعا سے ڈرا کرتے تھے۔ آپ کسی کے حق میں جو دعا یا بددعا کرتے، وہ بارگاہِ الٰہی میں ضرور قبول ہوتی۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو یہ اعزاز محض اس لیے حاصل تھا کہ انھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمنوں کے خلاف آپ ﷺ کا دفاع کیا تھا۔ قدرت کا یہ انعام آج

بھی ہر اس شخص کو ملتا ہے جو آپ ﷺ کے دشمنوں کے خلاف آپ ﷺ کی عزت و ناموس اور ختم نبوت کا دفاع کرتا ہے۔

حضرت زبیرؓ

5 ہجری میں یہود کی افترا پردازی سے تمام عرب، مسلمانوں کے خلاف امنڈ آیا، سرور کائنات ﷺ نے مدینہ کے قریب خندق کھود کر اس طوفان کا مقابلہ کیا، حضرت زبیرؓ اس جگہ پر مامور تھے جہاں عورتیں تھیں۔

بنو قریظہ اور مسلمانوں میں باہم معاہدہ تھا۔ لیکن عام سیلاب میں، وہ بھی اپنے عہد پر قائم نہ رہے، رسول اللہ ﷺ نے دشمنوں کے احوال و عزائم کی دریافت کے لیے کسی کو بھیجنا چاہا اور تین بار فرمایا ''کون اس قوم کی خبر لائے گا؟'' حضرت زبیرؓ نے ہر مرتبہ بڑھ کر عرض کی کہ ''میں جاؤں گا۔'' آنحضرت ﷺ نے خوش ہو کر فرمایا ''ہر نبی کے حواری (مددگار) ہوتے ہیں، میرا حواری (مددگار) زبیرؓ ہے۔'' اس نازک وقت میں حضرت زبیرؓ کی اس طرح بے خطر تنہا آمد و رفت سے آنحضرت ﷺ ان کی اس جانبازی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ فرمایا:

''فِدَاکَ اَبِیْ وَاُمِّیْ''

''میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں۔''

صحابۂ کرامؓ سمیت ساری دنیا کے نیک بزرگ، اولیاء، قطب، ابدال وغیرہ کا ہمیشہ سے معمول رہا ہے کہ وہ جب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر خیر کرتے ہیں تو عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں...... لیکن یہاں معاملہ برعکس ہے۔ خود حضور نبی کریم ﷺ اپنے پیارے صحابی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو یہ فرما رہے ہیں۔ ''اے سعد! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔'' ''اے زبیر! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔'' حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو یہ منفرد اعزاز صرف اس لیے حاصل ہوا کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ کے دشمنوں کے خلاف تیر چلا رہے تھے۔ حضرت زبیرؓ کو یہ بے مثال اعزاز صرف اس لیے نصیب ہوا کہ انھوں نے انتہائی خطرناک حالات میں حضور نبی کریم ﷺ کے مقابلہ میں آپ ﷺ کی مدد کی۔ آج بھی جو شخص حضور نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت کے تحفظ کے سلسلہ میں آپ کے دشمنوں کے خلاف جانی، مالی، تقریری یا تحریری جہاد کرتا ہے، وہ آپ ﷺ کے خاص حلقہ میں سمجھا جائے گا۔

تحفظِ ختمِ نبوت کے ایمان افروز اور تاریخی حقائق و واقعات

حضرت عمر فاروقؓ کی خواہش

رات کا سماں ہے، جگمگ کرتے ستاروں کے درمیان چاند اپنی چودھراہٹ جمائے دودھیا کرنیں بکھیر رہا ہے، ایک پاکدامن خاتون آسمان کے چاروں طرف نگاہ دوڑاتی ہیں تو اسے ستارے ہی ستارے نظر آتے ہیں، وہ انھیں گننے کی کوشش کرتی ہیں مگر وہ تو لاتعداد اور اَن گنت ہیں اور رب کائنات کی بندگی اور حمد وثنا میں مصروف ہیں۔ اتنے میں اس کے ذہن میں ایک سوال اُبھرتا ہے تو وہ عقیدت بھری نظروں سے اپنے شوہر کی طرف دیکھتی ہیں جو اس کے قریب ہی تشریف فرما ہیں۔ وہ اپنے شوہر سے پوچھتی ہیں "اے اللہ کے پیارے محبوب ﷺ! کیا دنیا میں کوئی شخص ایسا بھی ہے جس کی نیکیاں ان جگمگاتے ستاروں کے برابر ہوں؟"

خاتم الانبیاء ﷺ فرماتے ہیں "جی ہاں! کیوں نہیں، عمر فاروقؓ کی نیکیاں آسمان کے ان ستاروں کے برابر ہیں۔" سرورِ کائنات ﷺ کا یہ غیر متوقع جواب سن کر وہ کچھ افسردہ سی ہو جاتی ہیں اور خاموشی اختیار کر لیتی ہیں۔ رحمۃ للعالمین ﷺ خاموشی کا سبب دریافت فرماتے ہیں تو وہ جواب دیتی ہیں کہ "میرے خیال میں یہ تھا کہ میرے والدِ محترم کی نیکیاں آسمان پر جگمگاتے ستاروں کے برابر ہوں گی مگر اے کاش ایسا ہوتا!"

سرکارِ دو عالم ﷺ زیرِ لب مسکراتے ہیں اور پھر جب آپ ﷺ کے لب کھلتے ہیں تو آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ کا منزہ چہرہ فرطِ مسرت سے کھلکھلا اٹھتا ہے۔ تمام افسردگی، غمگینی اور اداسی کافور ہو جاتی ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں "اے عائشہؓ! تیرے والدِ محترم ابوبکر صدیق کی صرف ایک رات کی غارِ ثور والی نیکی ان تمام ستاروں کے برابر نیکیوں پر بھاری ہے۔"

ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ کی حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ آپ میری زندگی کی تمام نیکیاں لے لیں اور اس کے بدلہ میں مجھے اپنی زندگی کی صرف دو نیکیاں دے دیں۔ ایک رات کی نیکی اور ایک دن کی نیکی۔ رات کی وہ نیکی جب آپ ہجرت کے وقت، غارِ ثور میں حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے اور دن کی وہ نیکی جب آپ تحفظِ ختمِ نبوت کے سلسلہ میں منکرینِ ختمِ نبوت کے خلاف جہاد کے لیے یمامہ کی طرف لشکرِ اسلام روانہ کر رہے تھے۔

پہلے شہید ختم نبوت، حضرت حبیبؓ بن زیدؓ

ایک مرتبہ حضرت حبیب بن زیدؓ کو جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب نے گرفتار کر لیا اور ان کو اذیت پہنچانے میں حد کر دی۔ وہ ان سے پوچھتا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد، اللہ کے رسول ہیں؟ حبیبؓ کہتے کہ ''ہاں'' بے شک وہ اللہ کے رسول ہیں۔ لیکن جب مسیلمہ کذاب نے پوچھا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ تو آپ مومنانہ جرأت کے ساتھ جواب دیتے: انا اصم لا اسمع، میں بہرہ ہوں۔ میرے کان تمہاری بات سننے سے انکاری ہیں۔ اس پر وہ حضرت حبیبؓ کا ایک عضو کاٹ دیتا۔ اس طرح وہ یہ دونوں سوال بار بار پوچھتا رہا۔ حضرت حبیبؓ جب بھی اس کی رسالت کا انکار کرتے تو وہ ان کا ایک عضو کاٹ دیتا، یہاں تک کہ اس بندہ خدا نے اپنے جسم کا ایک ایک عضو کٹوا کر جام شہادت نوش کر لیا لیکن باطل کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کیا۔

لکھتا ہوں خونِ دل سے یہ الفاظ احمریں
بعد از رسول ہاشمی ﷺ کوئی نبی نہیں

سب سے پہلے اسیرِ ختم نبوت

حضرت عبداللہ بن وہب الاسلمی رضی اللہ عنہ صحابیِ رسول ہیں، آنحضرت ﷺ کے وصال کے وقت عمان میں تھے، خبر سن کر مدینہ طیبہ روانہ ہوئے، راستے میں مسیلمہ کذاب نے ان کو گرفتار کر لیا، اس نے آپ کے سامنے اپنی نبوت پیش کی تو آپ نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، مسیلمہ کذاب نے اس جرم (ختم نبوت پر ثابت قدمی) میں ان کو جیل میں ڈال دیا۔ جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مسیلمہ کذاب پر حملہ کیا تو حضرت عبداللہ بن وہب الاسلمیؓ جیل سے نکل کر حضرت خالدؓ کے لشکر کے اس حصے میں جا کر شامل جہاد ہوئے جو حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی کمان میں جنگ کر رہا تھا۔ اس لحاظ سے حضرت عبداللہ بن وہب رضی اللہ عنہ کو ختم نبوت کی خاطر سب سے پہلے گرفتار ہونے کی سعادت حاصل ہے۔
(طبقات ابنِ سعد حصہ چہارم ص 446 اُردو)

حضرت ابو مسلم خولانیؒ

حضرت ابو مسلم خولانیؒ جن کا نام عبداللہ بن ثوبؒ ہے اور یہ امت محمدیہ (علی

صاحبہا السلام) کے وہ جلیل القدر بزرگ ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے آگ کو اسی طرح بے اثر فرما دیا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آتش نمرود کو گلزار بنا دیا تھا۔ یہ یمن میں پیدا ہوئے تھے اور سرکار دو عالم ﷺ کے عہد مبارک ہی میں اسلام لا چکے تھے لیکن سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضری کا موقع نہیں ملا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے آخری دَور میں یمن میں نبوت کا جھوٹا دعویدار اسود عنسی پیدا ہوا جو لوگوں کو اپنی جھوٹی نبوت پر ایمان لانے کے لیے مجبور کیا کرتا تھا۔ اسی دوران میں اس نے حضرت ابو مسلم خولانی ؒ کو پیغام بھیج کر اپنے پاس بلایا اور اپنی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دی، حضرت ابو مسلمؒ نے انکار کیا پھر اس نے پوچھا کہ کیا تم محمد (ﷺ) کی رسالت پر ایمان رکھتے ہو؟ حضرت ابو مسلم نے فرمایا: ہاں، اس پر اسود عنسی نے ایک خوفناک آگ دہکائی اور حضرت ابو مسلم ؒ کو اس آگ میں ڈال دیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آگ کو بے اثر فرما دیا، اور وہ اس سے صحیح سلامت نکل آئے۔ یہ واقعہ اتنا عجیب تھا کہ اسود عنسی اور اس کے رفقاء پر ہیبت سی طاری ہو گئی اور اسود کے ساتھیوں نے اسے مشورہ دیا کہ ان کو جلا وطن کر دو، ورنہ خطرہ ہے کہ ان کی وجہ سے تمھارے پیروؤں کے ایمان میں تزلزل نہ آ جائے، چنانچہ انھیں یمن سے جلا وطن کر دیا گیا۔

یمن سے نکل کر ایک ہی جائے پناہ تھی، یعنی مدینہ منورہ، چنانچہ یہ سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے چلے، لیکن جب مدینہ منورہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ آفتابِ رسالت ﷺ پردہ فرما چکا ہے اور حضرت صدیق اکبرؓ خلیفہ بن چکے تھے، انھوں نے اپنی اونٹنی مسجد نبوی ﷺ کے دروازے کے پاس بٹھائی اور اندر آ کر ایک ستون کے پیچھے نماز پڑھنی شروع کر دی۔ وہاں حضرت عمرؓ فاروق موجود تھے۔ انھوں نے ایک اجنبی مسافر کو نماز پڑھتے دیکھا تو ان کے پاس آئے اور جب وہ نماز سے فارغ ہو گئے تو ان سے پوچھا: آپ کہاں سے آئے ہیں؟ یمن سے! حضرت ابو مسلمؒ نے جواب دیا۔ حضرت عمرؓ نے فوراً پوچھا: اللہ کے دشمن (اسود عنسی) نے ہمارے ایک دوست کو آگ میں ڈال دیا تھا، اور آگ نے ان پر کوئی اثر نہیں کیا تھا، بعد میں ان صاحب کے ساتھ اسود نے کیا معاملہ کیا؟ حضرت ابو مسلمؒ نے فرمایا: اُس کا نام عبداللہ بن ثوب ہے۔ اتنی دیر میں حضرت عمرؓ کی فراست اپنا کام کر چکی تھی، انھوں نے فوراً فرمایا: میں آپ کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا آپ ہی وہ صاحب ہیں؟ حضرت ابو مسلم خولانی ؒ نے جواب دیا: ''جی ہاں!'' حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرطِ مسرت و محبت

سے ان کی پیشانی کو بوسہ دیا، اور انھیں لے کر حضرت صدیق اکبرؓ کی خدمت میں پہنچے، پھر انھیں صدیق اکبرؓ کے اور اپنے درمیان بٹھایا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے موت سے پہلے امت محمدیہ ﷺ کے اس شخص کی زیارت کرادی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جیسا معاملہ فرمایا تھا۔"

حضرت مولانا عمادالدین غوریؒ

حضرت مولانا عمادالدین غوریؒ ابتدائے عمر میں بڑے طاقتور اور نامی گرامی پہلوان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں علم حاصل کرنے کا شوق پیدا کر دیا اور وہ کئی سال تک بڑے ذوق وشوق سے علم حاصل کرتے رہے یہاں تک کہ پھر دین کی خدمت شروع کر دی۔ ایک دن یہ سلطان محمد تغلق کے دربار میں بیٹھے تھے۔ محمد تغلق نے کہا: "فیض خدا منقطع نیست چرا باید کہ فیض نبوت منقطع شود، اگر حالا کسے دعویٰ پیغمبری بکند و معجزہ نماید تصدیق می کنید یا نے؟ (جب فیض خدا، منقطع نہیں تو فیض نبوت، کیوں منقطع ہو۔ اگر اب کوئی پیغمبری کا دعویٰ کرے اور معجزہ دکھائے تو تم تصدیق کرو گے یا نہیں؟) یہ سننا تھا کہ مولانا غوریؒ کی غیرتِ ایمانی جوش میں آئی اور ناموسِ ختم نبوت پر حرف آنے سے آنکھوں میں خون اتر آیا اور زبان سے نکلا:

"بادشاہ گوہ مخور" (بادشاہ گندگی مت کھا)

بادشاہ نے حکم دیا: عماد کو ذبح کر دو اور زبان باہر نکال ڈالو۔ آپ نے نہایت اطمینان اور بے پروائی سے اس حکم کو سنا اور کلمۂ حق کہنے پر شہید ہو گئے۔

سلطان عبدالمجید خانؒ

سلطان عبدالمجید خانؒ کا آنحضرت ﷺ سے والہانہ عقیدت و محبت کا تعلق تھا۔ سُلطان ایک منفرد حیثیت کا مالک تھا۔ پڑھے لکھے لوگ جانتے ہیں کہ جب پیرس میں حضور نبی کریم ﷺ کے متعلق ایک تھیٹریکل ڈرامہ اسٹیج کرنے کا منصوبہ زیرِ تجویز تھا تو سُلطان عبدالمجید خان کس قدر غضبناک ہوا تھا اور تلوار نیام سے نکال کر اعلان فرمایا تھا کہ جب تک عیسائی دُنیا حضور خاتم النبیین ﷺ کے متعلق اِس ناپاک عزم سے باز نہیں آئے گی، یہ تلوار باہر ہی رہے

گی اور اِس مضمون کا ایک تار فرانسیسی حکومت کو بھی روانہ کیا تھا جس سے نہ صرف فرانس بلکہ تمام یورپ تھرّا اُٹھا تھا اور معذرت خواہی کے ساتھ اُس پروگرام کو ختم کر دیا گیا تھا۔ یُونانیوں کے ساتھ سُلطانِ موصوف کے مجاہدانہ کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے بیسیوں صدی کے مشہور مصری ادیب وشاعر احمد شوقی اپنی نظم صدی الحرب میں سُلطان سے خطاب کرتے ہیں:۔

بسیفک یعلو الحق و الحق اغلبُ
وینصر دین الله ایان تضربُ

ترجمہ: تیری تلوار کے ذریعہ حق کو بلندی ملتی ہے اور حق ہمیشہ غلبہ پانے والا ہے۔
اور جہاں جہاں تُو شمشیر کے جوہر دکھاتا ہے، دین کو مدد ملتی ہے۔

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ

غیرت وحمیت کا پیکر سلطان صلاح الدین ایوبیؒ اسلام کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کا محافظ تھا۔ وہ بے پناہ خوبیوں اور صلاحیتوں کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت خدا ترس، رحم دل اور صحیح اسلامی حکمران تھا۔ آج بھی اس کا نام اسلامی دنیا میں نہایت عزت و احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ سلطان کا تذکرہ مسلمانوں کے خون میں زندگی کی لہر دوڑاتا ہے۔ زندگی کی مایوسیوں اور تلخیوں میں اس کی ذات ہمیشہ مسلمانوں کے لیے حوصلے کا باعث رہی ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی بڑا عاشق رسول ﷺ اور مجاہد ختم نبوت تھا۔ اس کے دور حکومت میں کسی جھوٹے مدعی نبوت کو سر اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ سلطان اس مسئلہ میں اس قدر حساس تھا کہ اس کے دور میں ایک دفعہ ایک شاعر نے یہ شعر کہا:

کان مبداء هذا الدین من رجل
سعی فاصبح یدعی سید الامم

ترجمہ: ”آغاز اس دین کی ایک شخص سے تھی کہ اس نے کوشش کی اور وہ سردار ہو گیا امتوں کا۔“

اس شعر میں قرار دیا گیا کہ نبوت کسبی ہے جو محنت اور ریاضتوں سے ہر شخص کو حاصل ہوسکتی ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کو اس شعر کا علم ہوا تو وہ آپے سے باہر ہو گیا اور فوراً اس ملعون شاعر کو قتل کروا دیا۔

معتصم

عموریہ کے محاصرے کے دوران ایک شخص دیوار پر کھڑا ہو کر......العیاذ باللہ...... نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا تھا۔ مسلمانوں کے لیے اس سے بڑھ کر تکلیف دہ بات اور کیا ہو سکتی تھی۔ ہر مجاہد کی خواہش تھی کہ اس منحوس کے ہلاک کرنے کی سعادت اس کے حصے میں آئے لیکن وہ تیروں اور حملوں کی زد سے محفوظ ایسی جگہ کھڑا ہوتا جہاں سے اس کی آواز تو سنائی دیتی تھی لیکن اسے موت کے گھاٹ اتارنے کی تدبیر سمجھ میں نہ آتی تھی۔ یعقوب بن جعفر نامی ایک شخص لشکرِ اسلام میں ایک بہترین تیر انداز تھا۔ گستاخ ملعون نے جب ایک بار دیوار پر چڑھ کر شانِ رسالت ﷺ میں گستاخی کے لیے منہ کھولا تو یعقوب گھات میں تھا۔ فوراً تیر پھینکا جو سیدھا جا کر اس کے گلے سے پار ہوا، وہ گر کر ہلاک ہوا تو فضا نعرہ ہائے تکبیر سے گونج اٹھی۔ یہ مسلمانوں کے لیے بڑی خوشی کا واقعہ تھا۔ معتصم نے اس مجاہد تیر انداز کو بلایا اور کہا۔ ''آپ اپنے اس تیر کا ثواب مجھے فروخت کر دیجئے۔'' مجاہد نے کہا ثواب بیچا نہیں جاتا۔ کہا، میں آپ کو ترغیب دیتا ہوں اور ایک لاکھ درہم اسے دیے۔ مجاہد نے انکار کیا۔ خلیفہ نے پانچ لاکھ درہم اسے دیے، تب وہ جانباز مجاہد کہنے لگا:

''مجھے ساری دنیا دے دی جائے تو بھی اس کے عوض اس تیر کا ثواب فروخت نہیں کروں گا البتہ اس کا آدھا ثواب بغیر کسی عوض کے میں آپ کو ہبہ کرتا ہوں۔''

معتصم اس قدر خوش ہوا گویا اسے ایک جہاں مل گیا ہو۔ معتصم نے پھر پوچھا، آپ نے تیر اندازی کہاں سے سیکھی ہے؟ فرمایا، بصرہ میں واقع اپنے گھر میں۔ معتصم نے کہا، وہ گھر مجھے فروخت کر دیں۔ کہنے لگا، وہ رمی اور تیر اندازی سیکھنے والے مجاہدین کے لیے وقف ہے (اس لیے اسے فروخت نہیں کیا جا سکتا) بعد ازاں معتصم نے بڑی منت سماجت کے بعد ہدیہ کے طور پر اس جانباز مجاہد کو ایک لاکھ درہم انعام میں دیے۔

عمرو بن اللیثؒ

امام ابو القاسم قشیریؒ کی روایت ہے:

''خراسان کا ایک بادشاہ جس کا نام عمرو بن اللیث تھا (جو صفار کے لقب سے مشہور تھا) اس کی وفات کے بعد اسے کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا، قبر میں تیرے ساتھ کیا

سلوک کیا گیا تو اس نے جواب میں کہا: ''میں نے اپنی زندگی میں ایک دن پہاڑ کی چوٹی سے اپنی ساری فوج کو دیکھا تو مجھے اس قدر فوج دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، تو میں نے دل میں کہا، کاش! میں، حضور انور ﷺ کے مبارک زمانہ میں ہوتا تو آپ کے دشمنوں کے خلاف آپ کی مدد کرتا اور یہ فوج وہاں کام آتی۔'' میری اس دلی تمنا کو دربار خداوندی میں مقبولیت حاصل ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے محض اس خواہش کے نتیجہ میں میری بخشش فرمادی۔'' (کتاب الشفاء ج 2 ص 27)

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ کا شمار ان نابغہ روزگار ہستیوں میں ہوتا ہے جو احیائے اسلام اور تجدید دین کے باعث محی الدین تھے۔ آپ علم و عرفان اور شریعت و طریقت، دونوں میں جامع تھے۔ قدرت نے انھیں تحفظ ختم نبوت اور فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کے لیے بطور خاص تیار کیا تھا۔

1890ء میں حضرت قبلہ پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ نے مستقل طور پر مدینہ طیبہ میں سکونت پذیر ہونے کا ارادہ فرمایا۔ لہٰذا اس غرض سے حج کا سفر فرمایا۔ مدینہ طیبہ میں حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کے بعد بہت خوش ہوئے کہ اب زندگی کی باقی تمام بہاریں گنبد خضرا کی ٹھنڈی چھاؤں تلے گزاریں گے۔ اسی روز حضور نبی کریم ﷺ پیر مہر علی شاہؒ کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا: ''مہر علی، ہندوستان میں مرزا قادیانی میری احادیث کو تاویل کی قینچی سے ٹکڑے ٹکڑے کر رہا ہے اور تم خاموش بیٹھے ہو۔ واپس جاؤ اور اس فتنہ کا سدباب کرو۔''

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ نبی اپنے امتی کو ہمیشہ اعلیٰ و ارفع کام کا حکم دیتا ہے۔ مسجد نبوی ﷺ میں ایک نماز ادا کرنے کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے، جبکہ بیت اللہ شریف میں ایک نماز ادا کرنے پر ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ، حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص اس کی طاقت رکھتا ہو کہ مدینہ طیبہ میں مرے، اسے چاہیے کہ وہیں مرے، اس لیے کہ میں اس شخص کا سفارشی ہوں گا جو مدینہ میں مرے گا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ میں اس کا گواہ بنوں گا۔'' (ترمذی، ابن ماجہ)

لیکن یہاں حضور نبی کریم ﷺ اپنے ایک امتی کو حکم دے کر قادیانی فتنہ کی سرکوبی

کے لیے واپس ہندوستان بھیج رہے ہیں۔ اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ تحفظ ختم نبوت کا کام جہاد عظیم ہے۔ اس کام سے بڑھ کر کوئی کام ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کی تعریف پر پورا نہیں اترتا۔ جو کوئی شخص دنیا کے کسی خطے میں تحفظ ختم نبوت کا کام کرتا ہے، اسے بیت اللہ شریف اور مسجد نبوی ﷺ میں نمازیں پڑھنے سے کروڑوں درجہ زائد ثواب ملتا رہے گا کیونکہ اس کی کوشش سے ایک مسلمان مرتد ہونے سے بچ جاتا ہے اور ایک گم کردہ راہ قادیانی واپس اسلام کی آغوش میں آ جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص تحفظ ختم نبوت کا کام کرتا ہے تو اس کو ثواب تو ہوگا ہی لیکن اس کی وجہ سے جتنے آدمی اس نیک کام کو شروع کریں گے یا اس فتنہ کے کفریہ عقائد سے آگاہ ہو کر اپنا ایمان بچائیں گے یا اس فتنہ میں مبتلا لوگ واپس اسلام کی آغوش میں آ جائیں گے، تو ان سب لوگوں کی نیکیوں میں اس شخص کا بھی مستقل حصہ ہوگا۔ تحفظِ ختم نبوت کا کام ایک ایسے سرمائے کی مثل ہے جو کسی منافع بخش تجارت میں لگا دیا جائے تو اس سے ہمیشہ اس کا منافع ملتا رہے۔ دوسری اہم بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ تحفظ ختم نبوت کے کام کی سرپرستی اور نگرانی براہ راست حضور نبی کریم ﷺ خود فرماتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر خود راہنمائی بھی فرماتے ہیں۔

چنانچہ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ واپس ہندوستان تشریف لائے اور فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کے لیے دن رات ایک کر دیا۔ پیر صاحب نے نہ صرف مسلمانوں کو اس فتنہ کی شر انگیزیوں سے آگاہ کیا بلکہ قادیانیت کی تردید میں کئی ایک کتب بھی تحریر فرمائیں جن میں قادیانی عقائد و عزائم کا منہ توڑ جواب دیا۔ آپ کی بھرپور کوششوں سے مرزا قادیانی حواس باختہ ہو گیا اور کہا کہ بادشاہی مسجد لاہور میں میرے ساتھ تفسیر نویسی کا تحریری مناظرہ کر لیں۔ پیر صاحب نے جواباً فرمایا کہ ممکن ہے اس طرح مناظرہ میں فیصلہ نہ ہو سکے۔ ایک کاغذ پر قلم تم رکھ دو، ایک کاغذ پر قلم میں رکھ دیتا ہوں۔ جس کا قلم خود بخود لکھنا شروع کر دے، وہ سچا اور جس کا قلم پڑا رہے وہ جھوٹا۔ پھر فرمایا کہ اگر یہ بھی منظور نہیں تو تم حسب وعدہ، شاہی مسجد میں آؤ، ہم دونوں اس کے مینار پر چڑھ کر چھلانگ لگاتے ہیں، جو سچا ہوگا، وہ بچ جائے گا اور جو کاذب ہوگا، وہ مر جائے گا۔ مرزا قادیانی نے جواب میں اس طرح چپ سادھی کہ گویا دنیا ہی سے رخصت ہو گیا۔ تحفظ ختم نبوت کے لیے پیر صاحب کی یہ رجز خوانی تیرہ سو سال کے اولیاء و مشائخ کی روحانی قوتوں کا فیضان تھا اور نہ جانے کون کون سی ہستیاں آپ کی پشت پناہ تھیں۔

ایک بزرگ حضرت سید چاٹن شاہ جابہ شریف اس عرصے میں اپنے ایک خواب کی کیفیت بیان کرتے تھے:

''میں نے ایک فوج کو علَم لہراتے دریائے جہلم کے پل پر سے لاہور کی طرف جاتے دیکھا جس میں سے ایک صاحب نے میرے پوچھنے پر بتایا کہ ہم بغداد شریف سے آ رہے ہیں اور پیر صاحب گولڑہ شریف کی نصرت کے لیے جھوٹے مدعی نبوت مرزا قادیانی کے مقابلے پر لاہور جا رہے ہیں۔''

کچھ عرصہ بعد قادیانی جماعت کا ایک وفد حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ ایک اندھے اور ایک اپاہج یعنی لنگڑے کے حق میں آپ دعا کریں، دوسرے اندھے اور لنگڑے کے حق میں مرزا قادیانی دعا کرے۔ جس کی دعا سے اندھا اور لنگڑا ٹھیک ہو جائیں، وہ سچا ہے، اس طرح حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے گا۔ پیر صاحب نے جواب دیا کہ یہ بھی منظور ہے۔ مزید مرزا قادیانی سے یہ بھی کہہ دیں کہ اگر مردے بھی زندہ کرنے ہوں تو آ جائے، ہم اس کے لیے بھی تیار ہیں۔ لیکن مرزا قادیانی کو پیر صاحب کے سامنے آنے کی ہمت نہ پڑی۔ اس پر پیر مہر علی شاہؒ نے فرمایا: ''یہ دعویٰ میں نے از خود نہیں کیا تھا بلکہ عالم مکاشفہ میں حضور نبی کریم ﷺ کے جمال باکمال سے میرا دل اس قدر قوی اور مضبوط ہو گیا تھا کہ مجھے یقین کامل تھا کہ اگر اس سے بھی کوئی بڑا دعویٰ کرتا تو اللہ تعالیٰ ایک جھوٹے مدعی نبوت کے خلاف ضرور مجھے سچا ثابت کرتے۔ مجھے یقین کامل ہے کہ جو شخص تحفظ ختم نبوت کا کام کرتا ہے، اس کی پشت پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہاتھ ہوتا ہے۔''

پیر صاحب کا یہ احساس تائید ربانی سے بہرہ ور تھا کیونکہ تحفظ ختم نبوت کی اس جدوجہد میں شروع ہی سے آپ کو حضور سید المرسلین ﷺ کے بے پایاں لطف و کرم کی تجلیاں اپنی آغوش میں لیے ہوئے تھیں۔

حضرت پیر سیّد جماعت علی شاہ محدث علی پوریؒ

امیر ملت حضرت پیر سیّد جماعت علی شاہؒ ان عظیم بزرگوں میں شامل ہیں جن کی زندگی کا مقصد صرف تحفظ ناموس رسالت ﷺ تھا اور اس مشن کی تکمیل کے لیے انھوں نے شب و روز ایک کر دیے۔ تحفظ ختم نبوت اور فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کے سلسلہ میں آپ کی خدمات جلیلہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

6 مئی 1908ء کو مرزا قادیانی لاہور آیا، ارتدادی مہم کے مقابلے کے لیے لاہور کے مسلمانوں نے پیر جماعت علی شاہ کو بلوایا، آپ نے موچی دروازہ اور دیگر مقامات پر مرزا قادیانی کو للکارا، مرزا قادیانی کو پانچ ہزار انعام دینے کا اعلان کیا کہ وہ آ کر مناظرہ کرے اور انعام پائے، جواب میں مرزا قادیانی نے کہا کہ ”پیر صاحب! مجھے بھگانے کے لیے آئے ہیں، یہ ایڑی چوٹی کا زور لگائیں، مگر میں ایسا نہیں جو بھاگ جاؤں، اگر وہ بارہ برس بھی رہے تو میرا قدم نہ ہلے گا!“ اس کے جواب میں پیر جماعت علی شاہؒ نے 22 مئی 1908ء کے جلسۂ عام میں اعلان کیا کہ ”بارہ برس تو اپنی جگہ رہے، مرزا قادیانی جلد ہی لاہور نہیں، بلکہ دنیا سے ذلیل وخوار ہو کر جائے گا۔“

آپ نے مرزا قادیانی کو ہر طرح سے للکارا۔ اسے دعوت دی کہ وہ میدان میں آ کر اپنے دعویٰ نبوت کو سچا ثابت کرے۔ مناظرہ کرے یا مباہلہ کرے۔ پانچ ہزار روپیہ کا انعام وصول کر لے۔ اگر مرزا قادیانی میدان میں نہیں آ سکتا تو ہم ان کے پاس جانے کو تیار ہیں مگر مرزے کو کوئی بھی بات ماننے کی جرأت نہ ہو سکی۔

آخر کار 25 مئی 1908ء بروز پیر رات کے جلسہ میں لاہور و بیرون لاہور کے ہزاروں مسلمانوں کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے بیان کیا:

”ہم نے مرزا قادیانی کا بہت انتظار کیا ہے لیکن وہ سامنے نہیں آیا، پیشگوئی کرنا میری عادت نہیں لیکن میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ مرزا کا خدائی فیصلہ ہو چکا ہے۔ خدا کے فضل وکرم سے وہ میرے مقابلہ میں نہیں آئے گا۔ کیونکہ میرا نبی ﷺ سچا ہے اور میں صدقِ دل سے اس سچے نبی کا غلام ہوں۔ آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقے میں ہمیں اس جھوٹے نبی سے نجات عطا فرمائے گا۔“

جب آپ نے یہ پیشین گوئی فرمائی تو ہزاروں مسلمانوں نے یک زبان ہو کر آمین کی صدائیں بلند کیں۔ یہ پیشین گوئی آپ نے رات دس بجے فرمائی اور 26 مئی کو صبح دس بج کر دس منٹ پر مرزا قادیانی آنجہانی ہو گیا۔ مولانا رومؒ نے سچ فرمایا ہے:

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

مرزا قادیانی نے ایک بار کہا تھا ”جو کوئی ہیضے کی موت مرے گا، وہ ذلت کی موت

مرے گا۔'' آسمان کا تھوکا منہ پر آیا۔ جس رات حضرت امیر ملت قدس سرہ نے پیش گوئی فرمائی تھی، اسی رات تھوڑی دیر بعد مرزا قادیانی کو ہیضہ ہوا۔ نصف شب گزرنے تک مرض نے شدت اختیار کر لی۔ مرنے سے چھ گھنٹے قبل زبان بند ہوگئی۔ ڈاکٹر نے ایسی دوائی دے دی کہ نجاست کا رخ جو نیچے کی طرف تھا، اوپر کو ہوگیا۔ یوں نجاست منہ سے نکلتی رہی اور اسی حالت میں (26 مئی 1908ء) (صبح دس بج کر دس منٹ پر) بیت الخلاء میں خاتمہ ہوگیا۔ مرزا قادیانی کی تاریخ وفات ہے **لقد دخل فی قعر جهنم**.(1326ھ)

جس وقت حضرت امیر ملت قدس سرہ نے مرزا قادیانی کی ہلاکت کی پیش گوئی فرمائی تھی، تو لوگوں نے اسے پوری اہمیت نہ دی مگر جب پوری ہوگئی تو حد درجہ حیران ہوئے۔ اس پیش گوئی کا مرزائیوں نے آج تک ذکر نہیں کیا۔ مفتی محمد عبداللہ ٹونکیؒ، پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور نے فرمایا کہ ''ہم پہلے تو اس پیش گوئی کو معمولی سمجھتے تھے لیکن وہ سب سے بڑھ کر نکلی۔''

حضرت امیر ملت قدس سرہ نے جب مرزا قادیانی کی ہلاکت کی خبر سنی تو فوراً سجدۂ شکر بجا لائے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے مسلمانوں کے ایمانوں کو محفوظ رکھا۔ اپنے حبیب پاک ﷺ کی صداقت ظاہر فرمائی اور مسلمانوں کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھا۔

آپؒ کی ردِ قادیانیت پر گرانقدر خدمات ہیں، مرزا قادیانی کے دعویٰ نبوت پر آپؒ نے پانچ نکاتی بیان جاری کیا۔

1- سچا نبی کسی استاد کا شاگرد نہیں ہوتا، اس کا علم لدنی ہوتا ہے، وہ رُوح القدس سے تعلیم پاتا ہے، بلاواسطہ اس کی تعلیم و تعلم خداوند قدوس سے ہوتا ہے، (جھوٹا نبی اس کے برخلاف ہوتا ہے)

2- ہر سچا نبی اپنی عمر کے چالیس سال گزرنے کے بعد یکدم بحکم رب العالمین مخلوق کے روبرو دعویٰ نبوت کر دیتا ہے، بتدریج آہستہ آہستہ اس کو درجۂ نبوت نہیں ملتا، کہ پہلے وہ محدث، پھر مجدد اور بعد میں نبوت کا دعویٰ کرے۔

3- حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور سرور کائنات ﷺ تک تمام کے تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نام مفرد تھے، کسی سچے نبی کا نام مرکب نہیں تھا، (اس کے برعکس جھوٹے نبی کا نام مرکب ہوا)

4- سچا نبی کوئی ترکہ نہیں چھوڑتا، (جبکہ مرزا قادیانی ترکہ چھوڑ کر مرا اور کچھ اولاد کو محروم

الارث کیا)

5- سچا نبی جہاں فوت ہوتا ہے، وہیں دفن ہوتا ہے جبکہ جھوٹا مدعی نبوت مرزا قادیانی احمدیہ بلڈنگ برانڈرتھ روڈ لاہور کی لیٹرین میں عبرتناک موت مرا اور قادیان (بھارت) میں دفن ہوا۔

آپؒ کا یہ پانچ نکاتی اعلان وچیلنج آج تک مرزائی اُمت کے لیے سوہانِ رُوح ہے،کوئی مرزائی اس کا جواب نہ دے پایا۔

اب ان کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں
یا رب وہ ہستیاں اب کس دیس بستیاں ہیں

حضرت اعلیٰ مولانا ابوالسعد احمد خانؒ

حضرت اعلیٰ مولانا ابوالسعد احمد خانؒ، سرخیلِ اولیائے وقت گزرے ہیں۔ سنت نبوی ﷺ کی ترویج واشاعت میں آپ کی خدمات آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ انھوں نے ایک عرصہ دراز تک مخلوق خدا کو رشد وہدایت سے نوازا۔ تحفظِ ختم نبوت کا درد آپ کے سینے میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ جن ایام میں مسجد شہید گنج لاہور کی تحریک زوروں پر تھی اور اہل اسلام میں ہر فرد ولولہ اور جوش کا مرقع تھا، حضرت اعلیٰ نے مجلس احرار اسلام کو ایک گرامی نامہ تحریر فرمایا جس میں لکھا کہ مسجد شہید گنج، اگر مسلمانوں کے ہاتھ سے چلی جارہی ہے تو اس کا غم نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مساجد پھر بھی تعمیر کی جاسکیں گی، ان کی حیثیت ہر حال میں ثانوی ہے۔ اسلام کے تحفظ و بقا کو اولین اہمیت حاصل ہے اور اصل فتنہ موجودہ دور میں مرزائیت کا ہے جو وجودِ اسلام کو مٹانا چاہتا ہے، اس کے خلاف جہاد جاری رکھنا چاہیے۔ اگر اسلام محفوظ رہا تو مساجد کی کمی نہ رہے گی، لہٰذا بقائے اسلام کی خاطر قادیانیت کے خلاف اپنی تمام کوشش و ہمت کو مبذول کرنا چاہیے۔

حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ

آفتاب ولایت حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ ظاہری و باطنی علوم ومعارف سے مالا مال ایک صاحب کشف وکرامت بزرگ تھے۔ بڑے بڑے علماء ومشائخ آپ کی خدمت میں دو زانو ہو کر بیٹھتے۔ آنے والے ہر عقیدت مند کو آپ شریعت مطہرہ کی پیروی کا سختی سے حکم

فرماتے۔ آپ فتنہ قادیانیت کو انتہائی نفرت کی نگاہ سے دیکھتے۔

ایک زمیندار مردان علی نامی، صاحب ثروت تھا مگر بڑا آزاد خیال۔ نیچری قسم کے اعتقادات رکھتا تھا۔ مرزائیت کی طرف مائل تھا اور وقتاً فوقتاً قادیان بھی جایا کرتا تھا۔ ایک بار وہ کسی شخص کے ساتھ حضرت میاں شیر محمدؒ کی خدمت میں ایک مسئلہ لے کر حاضر ہوا۔ اس کی نیت یہ تھی کہ اگر حضرت شرقپوری سے بھی یہ عقدہ حل نہ ہوا تو قادیان جا کر مرزا قادیانی کی بیعت کرلوں گا۔ میاں صاحبؒ کی صرف ایک ہی نگاہ سے وہ اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھا اور اپنی زبان سے کہنے لگا۔ ''مرزا جھوٹا، مرزا جھوٹا، مرزا جھوٹا'' اس اقرار کے بعد جب وہ ہوش میں آیا تو فوراً اپنے خیالات فاسدہ سے تائب ہوا۔

ایک دفعہ حضرت شیر محمد شرقپوریؒ نے مراقبہ کیا اور دیکھا کہ مرزا قادیانی کی شکل قبر میں باؤلے کتے کی سی ہے اور باؤلے پن کا اس پر دورہ پڑا ہوا ہے۔ اس کا منہ دُم کی طرف ہے، بھونکتے ہوئے گول چکر کاٹ رہا ہے۔ منہ سے نجاست نکل رہی ہے اور بار بار اپنی دُم اور ٹانگوں کو کاٹتا ہے۔

حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ

حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کا شمار ان خوش نصیب لوگوں میں ہوتا ہے جنھوں نے زندگی بھر فتنۂ قادیانیت کی سرکوبی کے محاذ پر نمایاں کارنامے سرانجام دیے۔ وہ بیک وقت عیسائیوں، آریوں اور بالخصوص قادیانیوں سے مناظرے کرتے اور انھیں شکست فاش سے دوچار کرتے۔ انھوں نے قادیانیت کی تردید میں درجنوں کتابیں تحریر کیں جنھیں ہر مکتبہ فکر نے سراہا۔ ان کا اپنا پرچہ ہفت روزہ ''اہل حدیث'' امرتسر سے نکلتا تھا جس کے ابتدائی صفحات قادیانیت کی تردید کے لیے وقف تھے۔ اس کے علاوہ انھوں نے ملک بھر میں قادیانی کفریہ عقائد پر بے شمار تقریریں کیں اور مباحثے کیے۔ اس سے تنگ آ کر آنجہانی مرزا قادیانی نے ایک اشتہار شائع کیا جس میں لکھا:

''اگر میں ایسا ہی کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلت اور حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہوتا ہے تا خدا

کے بندوں کو تباہ نہ کرے..... میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے مالک بصیر و قدیر جو علیم وخبیر ہے جو میرے دل کے حالات سے واقف ہے اگر یہ دعویٰ مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افتراء ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں اور دن رات افتراء کرنا میرا کام ہے تو اے میرے پیارے مالک میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں مجھے ہلاک کر اور میری موت سے ان کو اور ان کی جماعت کو خوش کر دے آمین۔ مگر اے میرے کامل اور صادق خدا۔ اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے، حق پر نہیں تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ہی ان کو نابود کر۔ مگر نہ انسانی ہاتھوں سے بلکہ طاعون و ہیضہ وغیرہ امراض مہلکہ سے ..... اب میں تیرے ہی تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما اور وہ جو تیری نگاہ میں درحقیقت مفسد اور کذاب ہے، اس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اٹھا لے۔" (مجموعہ اشتہارات ج 3 ص 578 از مرزا قادیانی)

اس چیلنج اور دعا کے نتیجہ میں مرزا قادیانی اپنی دعا کے 13 ماہ اور بارہ دن بعد 26 مئی 1908ء کو ہیضہ کی بیماری سے نہایت عبرتناک حالت میں آنجہانی ہوگیا جبکہ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ اس دعا کے تقریباً 40 سال بعد 15 مارچ 1948ء میں اللہ کو پیارے ہوئے۔ کسی نے کیا خوب کہا:

لکھا تھا کاذب مرے گا بیشتر
کذب میں سچا تھا پہلے مر گیا

امیر حبیب اللہ خاں والیٔ افغانستان

مرزا قادیانی نے جب جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا تو اس نے اپنی اس جھوٹی نبوت کی تبلیغ کا سلسلہ افغانستان تک بھی پہنچایا، چنانچہ کچھ لوگ اس کے دامِ فریب میں آ گئے۔ ان میں دو اشخاص عبدالرحمٰن اور عبداللطیف سرفہرست ہیں۔ جنھوں نے وہاں پر قادیانیت کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ انگریز کے لیے جاسوسی بھی شروع کر دی۔ عبدالرحمٰن خان کو امیر عبدالرحمٰن کے دور حکومت میں ارتداد کے جرم میں ہلاک کیا گیا۔ جبکہ عبداللطیف کو 1903ء میں امیر حبیب اللہ خاں کے دور میں ارتداد کے جرم میں سنگسار کیا گیا۔ عبداللطیف قادیان کا باشندہ تھا اور کچھ

مدت تک قادیان میں مرزا قادیانی کی صحبت میں رہ کر قادیانیت اختیار کرنے پر مرتد ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس کو کفریہ عقائد کی بناء پر موت کی سزا سنائی گئی۔ اسے کمر تک زمین میں زندہ گاڑ دیا گیا اور اس کے بعد پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ یہی حال بعد میں نعمت اللہ خاں قادیانی مبلغ کا ہوا۔ جب مرزا قادیانی کو معلوم ہوا کہ والیٔ افغانستان کے حکم سے میرے ماننے والوں کو قتل کیا جا رہا ہے تو اس نے والیٔ افغانستان کو ایک لمبا چوڑا احتجاجی خط لکھا جس کے جواب میں والیٔ افغانستان نے صرف ایک جملہ لکھا جو فارسی میں تھا۔ وہ یہ کہ

ایں جابیا (یعنی، اس جگہ آؤ)

جب یہ جواب مرزا قادیانی کو پہنچا تو اس نے خاموشی اختیار کر لی۔ مرزا قادیانی کو اس جواب کا مفہوم بخوبی سمجھ آ گیا تھا کہ اگر میں افغانستان گیا تو میرا حال بھی میرے مبلغین جیسا ہوگا۔

حضرت علامہ سیّد محمد انور شاہ کشمیریؒ

حضرت علامہ محمد انور شاہ محدث کشمیریؒ بہت بڑے عالم، زاہد و عابد اور سچے عاشقِ رسول ﷺ تھے۔ 1926ء میں احمد پور شرقیہ بہاولپور کی ایک مسلمان عورت نے بہاولپور کی ایک عدالت میں دعویٰ کیا کہ اس کا شوہر مرزائی ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس کا نکاح فسخ کیا جائے۔ اس مقدمہ میں تمام مشاہیر علماء کو شہادت کے لیے عدالت میں بلایا گیا۔ جب یہ مقدمہ آخری مراحل میں پہنچا تو شیخ الجامعہ حضرت مولانا غلام محمد گھوٹویؒ، حضرت مفتی صادق صاحبؒ اور تمام علماء نے استدعا کی کہ حضرت شاہ صاحبؒ کا ایک علمی بیان عدالت میں ہونا چاہیے۔ شاہ صاحبؒ ان دنوں خونی بواسیر کے سخت مریض تھے۔ ڈاکٹروں حکیموں نے سفر سے بالکل روک دیا تھا۔ اسی سال حج کا بھی ارادہ تھا۔ کمزوری بہت ہو چکی تھی، لیکن جونہی شاہ صاحبؒ کو دعوت پہنچی، آپ سفر کے لیے تیار ہو گئے۔ بہاولپور سے مفتی صادق صاحب بھی خود انھیں لینے کے لیے دیوبند پہنچ گئے۔ حکیموں نے آپ کو بیماری کے پیش نظر سفر کرنے سے منع کیا۔ لیکن حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: ''اگر قیامت کے روز حضور ﷺ نے یہ سوال کر لیا کہ میری ختم نبوت کا مقدمہ پیش تھا، تجھے طلب کیا گیا اور تُو نہیں گیا تو میں کیا جواب دوں گا؟ موت تو آنی ہی ہے،

اگر اسی راستہ میں آ گئی تو اس سے بہتر اور کیا ہوگا۔" لہٰذا حکیموں کے روکنے کے باوجود آپ تاریخ مقدمہ سے کئی روز پیشتر بہاولپور تشریف لے آئے، اور تقریباً 25 روز بہاولپور میں قیام فرمایا۔ بہاولپور کی جامع مسجد میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا

"حضرات! میں نے ڈابھیل جانے کے لیے سامان سفر باندھ لیا تھا کہ یکایک مولانا غلام محمد گھوٹوی شیخ الجامعہ کا ٹیلی گرام موصول ہوا کہ شہادت دینے کے لیے بہاولپور آیئے۔ ایک مسلمان بچی کے تنسیخ نکاح کا مسئلہ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ قادیانیت کے ارتداد و کفر کا مسئلہ ہے اور ختم نبوت کے اعتقاد کا مسئلہ ہے۔ ٹیلی گرام پڑھ کر، میں نے پچھلی زندگی کے اعمال پر سوچا کہ اگر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پوچھ لے کہ کون سا عمل لائے ہو، پچھلی زندگی میں کوئی عمل رکھتے ہو تو پیش کرو؟ تو سوچنے کے بعد میرے دماغ میں کوئی ایسا عمل تازہ نہیں ہوا جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرسکوں۔ چنانچہ اس عاجز نے ڈابھیل اور حج کا سفر ملتوی کر دیا اور بہاولپور کا سفر کیا۔ تاکہ قیامت کے دن حضور ﷺ کے منصب ختم نبوت کے تحفظ کرنے والوں میں شمار کیا جاؤں اور سمجھا جاؤں اور اس عمل کے صدقے میں میری بخشش ہو جائے۔ دل میں یہ خیال بھی آیا کہ جا تو رہا ہوں حج کے لیے اور آگے سفر کروں گا مدینہ منورہ کا تو اللہ تعالیٰ کی رضا بھی چاہیے، حضور ﷺ کی شفاعت بھی چاہیے۔ قیامت کے دن اگر حضور ﷺ پوچھ لیں کہ ضرورت وہاں تھی، آ یہاں گیا۔ ضرورت تو تیری بہاول پور میں تھی اور تُو یہاں آ گیا تو میرے پاس اس کا بھی کوئی جواب نہیں ہوگا۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ میں حضور ﷺ کے مقام ختمِ نبوت اور منصب ختمِ نبوت کی حفاظت کے لیے بہاولپور جاؤں گا۔ بہت ضعیف اور علیل ہوں۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ ہمارا نامۂ اعمال تو سیاہ ہے ہی، شاید یہی بات میری نجات کا باعث بن جائے کہ نبی کریم ﷺ کا وکیل بن کر عدالت میں پیش ہوں۔ ممکن ہے یہ نیکی میرے لیے توشۂ آخرت بن جائے۔"

اس پر لوگ دھاڑیں مارتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے...... پھر فرمانے لگے:

"ہم سے تو گلی کا کتا بھی اچھا ہے۔ ہم اس سے بھی گئے گزرے ہیں۔ وہ اپنی گلی و محلے کا حق نمک خوب ادا کرتا ہے جبکہ ہم حق غلامی و امتی ادا نہیں کرتے۔ اگر ہم ناموس پیغمبر ﷺ کا تحفظ کریں گے تو قیامت کے دن حضور نبی کریم ﷺ کی شفاعت کے مستحق ٹھہریں گے۔ تحفظ نہ کیا یا نہ کر سکے تو ہم مجرم ہوں گے اور ایک کتے سے بھی بدتر کہلوائیں گے۔"

صوفی بزرگ بلھے شاہ نے کہا تھا:

راتیں جاگیں، کریں عبادت
راتیں جاگن کُتے، تیتھوں اُتے

بھونکوں بند مُول نہ ہوندے
جا رڑی تے سُتے، تیتھوں اُتے

خصم اپنے دا در نہ چھڈ دے
بھانویں وجن جُتے، تیتھوں اُتے

بلھے شاہ! کوئی رَخت وہاج لے
نہیں تے بازی لے گئے کُتے
تیتھوں اُتے

جج صاحب جن کا نام محمد اکبر تھا، وہ شاہ صاحب کا بہت احترام کرتا تھا۔ آپ کو عدالت میں کرسی مہیا کی گئی اور حضرت شاہ صاحبؒ کا آخری معرکہ آرا بیان ہوا اور قادیانیوں کی طرف سے ان پر جرح ہوتی رہی اور شاہ صاحبؒ جواب دیتے رہے۔

آپ کے مدمقابل قادیانیوں کی طرف سے مشہور مرزائی مبلغ و مناظر جلال الدین شمس تھا۔ آپ نے اس پر خوب جرح کی مگر وہ کمال ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتا رہا اور ہر بات پر "میں نہ مانوں" کی رٹ لگاتا رہا۔ اس پر شاہ صاحب نہایت جلال میں آ گئے اور ان پر ایک عجیب وغریب وجد طاری ہو گیا۔ آپ نے مرزائی مبلغ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"جلال الدین! اگر اب بھی تمہیں مرزا قادیانی کے کفر میں کوئی شک ہے تو آ! میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے۔ میں تمہیں بھری عدالت میں کھڑے کھڑے مرزا قادیانی جہنم میں جلتا ہوا دکھا سکتا ہوں۔"

اس پر جلال الدین شمس پر سکتہ طاری ہو گیا اور وہ کچھ نہ بول سکا۔ بعدازاں عدالت سے فراغت کے بعد ایک مرید نے حضرت شاہ صاحب سے پوچھا: حضرت! آج آپ نے عدالت میں بہت بڑی بات کہہ دی۔ اگر مرزائی مبلغ آپ سے مرزا قادیانی کو جہنم میں جلتا ہوا دکھانے کا کہہ دیتا تو آپ کیا کرتے؟ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا:

"بالکل دکھا دیتا، کیونکہ مجھے ہزار فیصد یقین کامل ہے کہ جو شخص تحفظ ختم نبوت کا

کام کرتا ہے، اللہ اسے دوسروں کے سامنے کبھی رسوا نہیں کرتا۔ شرط یہ ہے کہ یہ مقدس کام اخلاص ومحبت سے کیا جائے۔ تب دنیا و جہان کی تمام کامیابیاں اس کے قدم چومیں گی۔"

❑ ایک دفعہ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ نے دارالعلوم دیوبند کے ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "قادیانی جماعت کا بانی آنجہانی مرزا قادیانی بلاشبہ مردودِ ازلی ہے۔ اس کو شیطان سے زیادہ لعین سمجھنا جزو ایمان ہے۔ شیطان نے ایک ہی نبی کا مقابلہ کیا تھا۔ اس خبیث اور بدباطن نے جمیع انبیاء علیہم السلام پر افترا پردازی کی۔"

❑ حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کے پیش نظر قادیانی فتنہ کے قلع قمع کے لیے چند اہم اقدامات تھے:

1- اس فتنہ کی ملعونیت و خباثت اس طرح اجاگر کی جائے کہ قادیانیت و مرزائیت کا لفظ بجائے خود گالی بن جائے، حتیٰ کہ خود قادیانی بھی اپنے آپ کو مرزائی، یا قادیانی کہلانا عار اور شرم کا موجب سمجھیں۔

2- اہل علم کی ایک باتوفیق جماعت تیار کی جائے جو قادیانیوں کی تلبیسات کا پردہ چاک کرے اور ان تمام علمی مباحث کو نہایت صاف اور واضح کر دے جو اسلام اور قادیانیت کے درمیان زیر بحث آئے ہیں۔

3- دعوت وتبلیغ اور مباحثہ ومناظرہ کے میدان میں ایسی پیش قدمی کی جائے کہ حریف پسپا ہونے پر مجبور ہو جائے اور اسے ہر گلی کوچے میں مسلمانوں کو للکارنے کی جرأت نہ ہو۔

4- ردّ قادیانیت اور تحفظ ختم نبوت مسلمانوں کا ایک مستقل مشن بن جائے تاکہ جہاں کہیں قادیانیت کے طاغوتی جراثیم پائے جائیں وہاں ختم نبوت کا تریاق مہیا کیا جا سکے۔

❑ حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیریؒ اپنی وفات سے تین دن پہلے اپنی چارپائی دیوبند کی جامع مسجد کے صحن میں لائے۔ تمام طالب علموں اور اساتذۂ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"آپ سب حضرات اور جنھوں نے مجھ سے حدیث پڑھی، ان کی تعداد 2 ہزار کے قریب ہوگی۔ تاریخ اسلام کا میں نے جس قدر مطالعہ کیا ہے، اس کی بنیاد پر پورے یقین

سے کہتا ہوں کہ اسلام میں چودہ سو سال کے اندر جس قدر فتنے پیدا ہوئے ہیں، قادیانی فتنہ سے بڑا خطرناک اور سنگین فتنہ کوئی بھی پیدا نہیں ہوا۔ میں آپ سب سے کہتا ہوں کہ اگر نجات اخروی اور حضور نبی کریم ﷺ کی شفاعت چاہتے ہو تو تحفظ ختم نبوت کا کام کرو کیونکہ یہ کام آپ ﷺ کی شفاعت کا ذریعہ ہے۔ مرزا قادیانی سے تمہیں جتنی نفرت ہوگی، اتنا ہی تمہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قرب نصیب ہوگا۔ اس لیے کہ دوست کا دشمن، دشمن ہوتا ہے اور دوست کا دوست، دوست ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کو بے حد خوشی اس شخص سے ہوتی ہے جو اس فتنہ کے استیصال کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دے۔ رسول اکرم ﷺ اس کے دوسرے اعمال کی نسبت اس کے اس عمل سے زیادہ خوش ہوتے ہیں۔ جو کوئی اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے اپنے آپ کو وقف دے گا، اس کی جنت کا میں ضامن ہوں۔'' سبحان اللہ! دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں۔ آخری وقت ہے۔ اگر فکر ہے تو اس فتنہ کی۔ پھر آپ نے اس وقت اپنی فراست ایمانی سے دیکھ کر جو کچھ فرمایا، آج واقعات اس کی کس قدر تصدیق کر رہے ہیں۔ یہ قارئین سے مخفی نہیں۔''

☐ حضرت علامہ سیّد محمد انور شاہ کاشمیریؒ اپنے حلقہ علمی میں بیٹھ کر فرمایا کرتے تھے۔

''میں یہ بات علی وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ حدیث کی خدمت بھی اللہ کی دین ہے۔ قرآن کی خدمت بھی بہت اہم خدمت ہے۔ تفسیر کی خدمت بھی بہت بڑی سعادت ہے۔ فقہ کی خدمت بھی بہت بڑی نعمت ہے۔ تبلیغ کرنا بھی بہت اچھا کام ہے لیکن تحفظ ختم نبوت، سرکار دو عالم ﷺ کی ذات کا تحفظ ہے۔ باقی چیزیں اقوال کا تحفظ ہیں، اعمال کا تحفظ ہیں، افعال کا تحفظ ہیں۔ آپ ﷺ کی سیرت کا تحفظ ہیں۔ لیکن ذات کا تحفظ ان سب سے اولیٰ اور افضل ہے۔ جس شخص نے بھی عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے ایک گھنٹہ بھی کام کر لیا، اسے حضور نبی کریم ﷺ کی شفاعت ضرور نصیب ہوگی۔

(بروایت مولانا محمد مکی حجازی (مدرس حرم مکی) ''بیت اللہ کے سائے میں'' ہفت روزہ ضرب مومن 2 تا 8 نومبر 2007ء)

☐ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے قلب صافی پر فتنہ قادیانیت کی شدت کا جو اثر تھا، وہ ان کی گفتگو اور خطبات سے نمایاں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس فتنہ کے استیصال کے لیے مامور من اللہ تھے اور ان کی تمام صلاحیتیں اس پر لگی ہوئی تھیں کہ وہ قادیانیت کے قصر الحاد کو پھونک ڈالیں۔ حضرت امام العصرؒ نے قادیانی الحاد پر تابڑ توڑ حملے کیے اور ان کے کفر

وارتداد کو عالم آشکارا کرنے کے لیے اپنی تمام سرگرمیاں صرف کر دیں۔ مرزا قادیانی اور اس کے پیروکاروں نے حضور خاتم النبیین ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جس دریدہ دہنی کا مظاہرہ کیا ہے، اس سے ایک باغیرت و باحمیت مسلمان کا خون کھول جاتا ہے اور جو شخص اس کے بعد بھی قادیانیوں کے بارے میں کسی نرمی یا مصالحت کا رویہ رکھتا ہے، اس کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ یا تو دین و ایمان سے محروم ہے یا پھر اس کی غیرت و حمیت کو مصلحت کی دیمک چاٹ چکی ہے۔

حضرت انور شاہ کاشمیریؒ کو قادیانی فتنہ نے کس قدر بے قرار کر رکھا تھا؟ بہتر ہوگا کہ ہم یہ روئیداد غم حضرت بنوریؒ سے سنیں:

''امت کے جن اکابر نے اس فتنہ کے استیصال کے لیے محنت کی ہے، ان میں سب سے امتیازی شان حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ کو حاصل تھی۔ قادیانیوں کے شیطانی وساوس اور زندیقانہ دسائس کا امام العصرؒ نے جس طرح تجزیہ کر کے ان پر تنقید کی، اس کی نظیر عالم اسلام میں نہیں ملتی۔ حضرت مرحوم نے خود بھی گرانقدر علوم و حقائق سے لبریز تصانیف رقم فرمائیں اور اپنے تلامذہ مدرسین دیوبند سے بھی کتابیں لکھوائیں اور ان کی پوری نگرانی و اعانت فرماتے رہے۔ میں نے خود حضرت رحمہ اللہ سے سنا ہے کہ ''جب یہ فتنہ کھڑا ہوا تو چھ ماہ تک مجھے نیند نہیں آئی اور یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں دین محمدی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کے زوال کا باعث یہ فتنہ نہ بن جائے۔'' فرمایا ''چھ ماہ کے بعد دل مطمئن ہو گیا کہ انشاء اللہ دین باقی رہے گا اور یہ فتنہ مضمحل ہو جائے گا۔''

میں نے اپنی زندگی میں کسی بزرگ اور عالم کو اتنا دردمند نہیں دیکھا جتنا کہ حضرت امام العصر کو، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دل میں ایک زخم ہو گیا ہے جس سے ہر وقت خون ٹپکتا رہتا ہے۔ جب مرزا قادیانی کا نام لیتے تو فرمایا کرتے تھے ''لعین ابن لعین ابن لعین قادیاں'' اور آواز میں ایک عجیب درد کی کیفیت محسوس ہوتی تھی۔ فرماتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ یہ گالیاں دیتا ہے، فرمایا کہ ہم اپنی نسل کے سامنے اپنے اندرونی درد دل کا اظہار کیسے کریں؟ ہم اس طرح قلبی نفرت اور غیظ و غضب کے اظہار پر مجبور ہیں۔''

❑ حضرت مولانا سید انور شاہ کاشمیریؒ کے فرزند امجد اور ممتاز عالم دین مولانا انظر شاہ کشمیری کا کہنا ہے: ''ایک مرتبہ والد مرحوم نے فرمایا کہ فتنہ قادیانیت کی وجہ سے تین ماہ تک

نہیں سویا۔ اس غم اور فکر میں کہ کہیں قادیانیت کا فتنہ یونہی خود رو جھاڑیوں کی طرح پھیلتا پھولتا گیا تو دین اسلام کا کیا بنے گا؟ تین ماہ کے بعد میرے قلب پر القاء ہوا کہ خداوند تعالیٰ اس دین کی حفاظت فرمائے گا۔"

درس میں ایک مرتبہ یہ بھی فرمایا کہ تیس سال کے عرصہ میں دس دس سال کے وقفہ سے میں نے تین مرتبہ رحمت عالم ﷺ کی زیارت کی۔ آپ ہر مرتبہ توجہ دلاتے تھے کہ:

"ختم نبوت کی حفاظت کرو اور قادیانی فتنہ کو نیست و نابود کرنے کی ہر ممکن سعی کی جائے۔"

والد صاحب کی وفات کے بعد حضرت مولانا حسین علی صاحب نقشبندیؒ، (جن کے متعلق والد مکرم فرمایا کرتے تھے کہ یہ نقشبندیت کے امام ہیں) دیوبند تشریف لے گئے اور والد صاحب کی قبر پر بہت دیر تک مراقب رہے۔ جب دفتر تشریف لائے تو اہتمام کے ذمہ دار حضرات نے پوچھا کہ آپ دیر تک مزار پر مراقب رہے۔ بتایئے، شاہ صاحب سے ملاقات بھی ہوئی؟ پہلے تو آپ نے بتلانے سے گریز کیا۔ بے حد اصرار کے بعد فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب سے میری لمبی گفتگو ہوئی۔ سب سے پہلے حضرت شاہ صاحب نے میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ تشریف لائے اور میرے بچوں کے سر پر دست شفقت رکھا۔

میں نے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔ فرمایا کہ نجات ہوگئی۔ میں نے دریافت کیا کہ کون سا عمل کام آیا؟

فرمایا: "میں نے ختم نبوت کے لیے جو کام کیا تھا، وہ میرے لیے وسیلۂ نجات بن گیا۔ اور فرمایا کہ عالم قبر میں آ کر مجھ پر بات کھلی کہ ختم نبوت کی حفاظت و صیانت کے لیے کام کیا جائے تو اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عمل مقبول نہیں۔"

- حضرت مولانا مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں:

"قادیان میں ہر سال ہمارا جلسہ ہوتا تھا اور مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ بھی اس میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال حسب معمول جلسے میں تشریف لائے۔ میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ ایک صبح نماز فجر کے وقت میں حاضر ہوا تو دیکھا حضرت اندھیرے میں سر پکڑے بہت مغموم بیٹھے ہیں۔ میں نے پوچھا "حضرت! کیسا مزاج ہے؟" کہا "ہاں! ٹھیک ہی ہے میاں، مزاج کیا پوچھتے ہو؟ عمر ضائع کر دی۔"

میں نے عرض کیا، "حضرت! آپ کی ساری عمر علم کی خدمت اور دین کی اشاعت

میں گزری ہے۔ آپ کے ہزاروں شاگرد، علماء اور مشاہیر ہیں جو آپ سے مستفید ہوئے اور خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی؟" فرمایا "میں تم سے صحیح کہتا ہوں، عمر ضائع کر دی۔" میں نے عرض کیا "حضرت، بات کیا ہے؟"

فرمایا "ہماری عمر کا، ہماری تقریروں کا، ہماری ساری کدو کاوش کا خلاصہ یہ رہا ہے کہ دوسرے مسلکوں پر حنفیت کی ترجیح قائم کر دیں، امام ابوحنیفہؒ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں اور دوسرے ائمہ پر آپ کے مسلک کی فوقیت ثابت کریں۔ یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا، تقریروں کا اور علمی زندگی کا۔

اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی! کیا ابوحنیفہؒ ہماری ترجیح کے محتاج ہیں کہ ہم ان پر کوئی احسان کریں؟ ان کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام دیا ہے وہ لوگوں سے خود اپنا لوہا منوائے گا، وہ تو ہمارے محتاج نہیں۔ اور ہم امام شافعیؒ، مالکؒ اور احمدؒ بن حنبل اور دوسرے مسلک کے فقہاء کے مقابلے میں جو ترجیح قائم کرتے ہیں، کیا حاصل ہے اس کا؟ ارے میاں! اس کا تو کہیں حشر میں بھی راز نہیں کھلے گا کہ کون سا مسلک صواب تھا اور کون سا خطا، لہٰذا اجتہادی مسائل کا صرف اس دنیا میں فیصلہ کیسے ہوسکتا ہے۔ دنیا میں ہم تمام تر تحقیق و کاوش کے بعد زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی صحیح ہے اور وہ بھی صحیح، یا یہ کہ یہ صحیح ہے لیکن احتمال موجود ہے کہ یہ خطا بھی ہو اور وہ خطا ہے اس احتمال کے ساتھ کہ صواب ہو۔ دنیا میں تو یہ ہے ہی، قبر میں بھی منکر نکیر نہیں پوچھیں گے کہ رفع یدین حق تھا یا ترک رفع یدین حق تھا؟ آمین بالجہر حق تھی یا بالسر حق تھی۔

اللہ تعالیٰ شافعیؒ کو رسوا کرے گا نہ ابوحنیفہؒ کو، مالکؒ کو رسوا کرے گا نہ احمد بن حنبلؒ کو۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے علم کا انعام دیا ہے، جن کے ساتھ اپنی مخلوق کے بہت بڑے حصے کو لگا دیا ہے، جنھوں نے نور ہدایت چار سُو پھیلایا ہے، جن کی زندگیاں سنت کا نور پھیلانے میں گزریں، اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو رسوا نہیں کرے گا کہ وہاں میدان حشر میں کھڑا کر کے یہ معلوم کرے کہ ابوحنیفہ نے صحیح کہا تھا یا شافعی نے غلط کہا تھا یا اس کے برعکس۔ تو جس چیز کو دنیا میں کہیں نکھرنا ہے نہ برزخ میں اور نہ محشر میں، اسی کے پیچھے پڑ کر ہم نے اپنی عمر ضائع کر دی اور جو صحیح اسلام کی دعوت تھی اور سبھی کے مابین جو مسائل متفقہ تھے اور دین کی ضروریات جو سبھی کے نزدیک اہم تھیں، جن کی دعوت انبیائے کرام لے کر آئے تھے، جن کی

دعوت کو عام کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تھا اور جن منکرات کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی تھی، آج وہ دعوت تو نہیں دی جارہی۔ آج تحفظ ختم نبوت کا کام لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو رہا ہے اور فتنہ قادیانیت جس کو مٹانے میں ہمیں جان قربان کرنا چاہیے، وہ پھیل رہا ہے، الحاد آ رہا ہے، شرک و بت پرستی چل رہی ہے اور حلال وحرام کا امتیاز اٹھ رہا ہے، لیکن ہم لگے ہوتے ہیں ان فروعی بحثوں میں۔'' حضرت شاہ صاحب نے آخر میں فرمایا ''یوں غمگین بیٹھا ہوں اور محسوس کر رہا ہوں کہ عمر ضائع کر دی۔''

□ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیریؒ نے افغانستان میں نعمت اللہ قادیانی مرتد کے قتل کیے جانے پر حضرت امیر امان اللہ خاں غازی والیٔ افغانستان کی خدمت اقدس میں ایک فارسی مکتوب روانہ فرمایا۔ اس مکتوب کے آخر میں علامہ ممدوح نے چند نہایت ہی پُرتاثیر دعائیہ اشعار زیب رقم فرمائے۔ جو فی الواقعہ تمام مسلمانوں کے دلی جذبات کے حقیقی ترجمان ہیں۔ یہاں تبرکاً وتیمناً درج کیے جاتے ہیں۔

باد ہمیشہ ہمہ فرِ شہی	بندۂ درگاہِ امانُ اللّٰہی
شاہ جگر دار و بسالت پناہ	سایۂ حق غازی ظلِّ اِلٰہ
رایت اقبال تُرا برجبیں	انا فتحنا لک فتح مبین
ثبت لوایت ز قریبٌ مجیب	نصر من اللّٰہ و فتحٌ قریب
اشہب ایام بہ کام تو باد	سکۂ اِسلام بنامِ تو باد
دل کہ بہ تو بستہ چہ امیدہا	می طلبد رفعت جاوید ہا
دین نبی از سر تو زندہ باد	دولتِ تو دائم و پائندہ باد

(ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان جون 1998ء ص 20)

علامہ محمد اقبالؒ

ترجمانِ حقیقت حضرت علامہ محمد اقبالؒ بیسویں صدی کے شہرۂ آفاق دانشور، عظیم روحانی شاعر، اعلیٰ درجہ کے مفکر اور بلند پایہ فلسفی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عہد ساز انسان بھی تھے۔ ایسی زندۂ جاوید ہستیاں صدیوں بعد پیدا ہوتی ہیں۔ ان کا دل ملت اسلامیہ کے ساتھ دھڑکتا تھا۔ وہ انسانیت کی اعلیٰ قدروں کے وارث تھے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ

انھوں نے انحطاط اور تنزل کی گھاٹی کی طرف تیزی سے گرتے عالم اسلام کے تن مضمحل میں ایک نئی روح پھونکی اور اسے انقلاب کی راہ دکھائی۔

علامہ اقبالؒ کے حوالے سے یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ وہ انسانی خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ اعلیٰ تعلیم یافتہ، راسخ العقیدہ مسلمان تھے۔ جہاں تک قادیانیت کا تعلق ہے تو اس حوالے سے تو وہ محرم رازِ درونِ خانہ تھے۔ انھوں نے جب بنظرِ غائر دیکھ لیا کہ مرزائی خود تو مرتد اور کافر ہیں ہی، لیکن عامۃ المسلمین کو بھی مرتد بنانے کے لیے کوشاں ہیں اور ''چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد'' کے مصداق اسلام کا لبادہ اوڑھ کر انھیں گمراہ کر رہے ہیں تو وہ اپنی اسلامی غیرت و حمیت اور عشق رسول ﷺ کے حوالے سے برداشت نہ کر سکے۔ انھوں نے انتہائی زیرکی اور ژرف نگاہی سے اس اہم مسئلے کا جائزہ لیا اور اپنے تاثرات امت مسلمہ کے سامنے واضح انداز میں پیش کر دیے۔ علامہ اقبالؒ کو اس بات کا مکمل ادراک تھا کہ ملت اسلامیہ کو جن فتنوں نے سب سے زیادہ نقصان پہنچایا، ان میں سب سے خطرناک فتنہ قادیانیت کا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے قادیانیوں کی ملت اسلامیہ کے خلاف بڑھتی ہوئی سازشوں کو شدت کے ساتھ محسوس کیا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے خطبات، مضامین، توضیحات اور خطوط کے ذریعے قادیانیت کی سرکوبی کی اور اس تحریک کے عالم اسلام پر دینی، معاشی اور تمدنی اثرات اور ان کے منفی نتائج سے امت مسلمہ کو آگاہ کیا۔ علامہ اقبالؒ کو یہ منفرد اعزاز حاصل ہے کہ انھوں نے حکومت کے سامنے سب سے پہلے یہ مطالبہ پیش کیا کہ قادیانیت کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے کیونکہ یہ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر ملت اسلامیہ کی اجتماعیت کو پارہ پارہ کر رہے ہیں اور مسلمانوں کے اندر رہ کر ایک نئی امت تشکیل دے رہے ہیں۔

ایک دفعہ اپنے خط بنام پنڈت جواہر لعل نہرو مورخہ 21 جون 1936ء میں انھوں نے قادیانیوں کے سیاسی رویہ کا تجزیہ کرتے ہوئے تحریر کیا، ''میرے ذہن میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ قادیانی اسلام اور ملک دونوں کے غدار ہیں۔'' ایک اور موقع پر انھوں نے فرمایا: ''ذاتی طور پر مجھے اس تحریک کے متعلق اس وقت شبہات پیدا ہوئے جب ایک نئی نبوت کی برتری کا دعویٰ کیا گیا اور تمام عالم اسلام کے کافر ہونے کا اعلان کیا گیا۔ بعدازاں میرے شبہات نے اس وقت مکمل بغاوت کی صورت اختیار کر لی، جب میں نے اپنے کانوں سے اس تحریک کے ایک رکن کو پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں نہایت نازیبا زبان استعمال کرتے

ہوئے سنا۔'' ایک اور موقع پر انھوں نے قادیانی عقائد وعزائم کا تجزیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ''قادیانیت، یہودیت کا چربہ ہے۔'' یہی وجہ ہے کہ انھوں نے انجمن حمایت اسلام میں سے ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ سمیت تمام قادیانیوں کو نکال باہر کیا تھا جس کا دکھ قادیانی اب تک نہیں بھولے۔

تازہ مرے ضمیر میں معرکہ کہن ہوا
عشق تمام مصطفیٰ ﷺ، عقل تمام بولہب

❑ حکیم الامت حضرت علامہ اقبالؒ کی کتابِ زندگی کا ورق ورق حضور خاتم النبیین ﷺ سے محبت وعقیدت واحترام کے مبارک عنوان سے سجا ہوا ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ السلام کا ذکر مبارک آتے ہی علامہ اقبالؒ کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑتے۔ حالت غیر ہو جاتی، سرد آہیں بھرتے، رنگ زرد پڑ جاتا اور ماہی بے آب کی طرح تڑپتے۔ آپ کے خادم خاص، علی بخش بیان کرتے ہیں کہ حضرت علامہ کے احوال سحر خیزی کا بیان کیا کریں، خوف وخشیت الٰہی اور غلبہ محبت رسول ﷺ میں آنسوؤں کا نہ تھمنے والا سیل ہوتا۔ بسا اوقات قرآن مجید کے اوراق دھوپ میں خشک کرنا پڑتے۔ ڈاکٹر طاہر فاروقی اپنی کتاب ''اقبالؒ اور عشق رسول ﷺ'' میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ کسی نے آپ کی مجلس میں آقائے نامدار ﷺ کا اسم مبارک ذرا بے تکلفی سے لیا۔ بس کیا تھا۔ تلملا اٹھے۔ آنکھیں سرخ ہوگئیں کہ میرے آقا ﷺ کا نام مبارک بے تکلف کیوں لیا ہے۔ اس کم بخت کو اپنی مجلس سے اٹھا دیا۔ پھر پہروں روتے رہے۔

❑ مظاہر العلوم سہارنپور کے استاد حضرت مولانا محمد اسعد شاہ فرماتے ہیں کہ سہارنپور محلہ میر کوٹ میں مشہور شیعہ خاندان اور سادات امروہہ کے ایک ممتاز ونمایاں فرد جناب سیّد جعفر عباس تھے، انہوں نے یہ واقعہ میرے والد ماجد حضرت مولانا الشاہ محمد اسعد اللہؒ ناظمِ اعلیٰ مظاہر العلوم کو حضرتِ موصوف کے حجرے میں سنایا کہ: ہمارا چچا سیّد آغا حیدر چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ نے لاہور کے عمائد اور مشاہیر کو کھانے پر مدعو کیا، حضرت علامہ محمد اقبالؒ بھی مدعو تھے، اتفاق سے بلا دعوت حکیم نور الدین قادیانی بھی آ گیا، کچھ دیر کے بعد حضرت علامہؒ پہنچے تو حکیم نور الدین قادیانی کو دیکھ کر حضرت علامہ مرحوم اتنے سخت برہم ہوئے اور یہ بھول گئے کہ یہ کسی دوسرے کا مکان ہے، اور داعی کو حق ہے کہ جس کو چاہے، اپنے ہاں مدعو کرے، چنانچہ حضرت علامہؒ نے فرمایا: ''آغا صاحب! یہ کیا غضب ہے کہ آپ نے ختم نبوت کا انکار کرنے

والے اور حضور ﷺ کے بعد ایک نئے نبی کو ماننے والے کافر کو بھی مدعو کیا ہے؟'' اور فرمایا کہ: ''میں جاتا ہوں، میں ایسی مجلس میں ایک لمحہ بھی نہیں بیٹھ سکتا۔'' اس پر حکیم نورالدین خود ہی فوراً سخت نادم ہو کر چلا گیا، پھر آغا صاحب نے معذرت کے ساتھ فرمایا: میں نے حکیم نورالدین کو مدعو نہیں کیا تھا، بلکہ وہ بن بلائے آ گیا تھا، اس کے بعد ہی حضرت علامہ مرحوم وہاں بیٹھے۔

☐ علامہ اقبال نور اللہ مرقدہٗ نے مرزائیوں کی دونوں شاخوں کو خارج اَز اِسلام قرار دے کر ''انجمن حمایتِ اسلام'' کے دروازے ان پر بند کر دیئے تھے، مرزائی لاہوری ہو یا قادیانی، انجمن کا ممبر نہیں ہوسکتا تھا۔ اس واقعہ کی پوری تفصیلات انجمن کے تحریری ریکارڈ میں موجود ہیں۔ ایک دفعہ علامہ اقبالؒ جنرل کونسل کے اجلاسِ عام کی صدارت فرمانے لگے تو آپ نے سب سے پہلے کھڑے ہو کر اعلان فرمایا: ''مسلمانوں کی اس انجمن کا کوئی مرزائی (لاہوری یا قادیانی) ممبر نہیں ہوسکتا، مرزا قادیانی کے متبعین کی یہ دونوں جماعتیں خارج اَز اِسلام ہیں۔'' اس وقت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ قادیانی کرسی صدارت کے عین سامنے بیٹھے تھے، ان کے ساتھ ہی میاں امیر الدین فروکش تھے، حضرت علامہؒ نے ڈاکٹر یعقوب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''مجھے صدر رکھنا ہے تو اس شخص کو نکال دو۔'' ڈاکٹر مرزا یعقوب لاہوری جماعت کے پیرو تھے، حضرت علامہؒ کے اس اعلان سے تھرا گئے، کانپ اُٹھے، جز بز ہوئے، کچھ کہنا چاہا، حتیٰ کہ ان کا رنگ فق ہو گیا، حضرت علامہؒ مصر رہے کہ اس شخص کو یہاں سے جانا ہوگا۔ چنانچہ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ بینی و دوگوش نکال دیئے گئے، ان کی طبیعت پر اس اِخراج کا یہ اثر ہوا کہ بدحواس ہو گئے، دو چار دن ہی میں مرض الموت نے آلیا اور اس صدمے کی تاب نہ لاکر جہنم واصل ہوئے۔

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ

عقیدۂ حیات مسیح علیہ السلام یعنی حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا زندہ آسمان پر اٹھایا جانا اور ان کا قرب قیامت اس دنیا میں دوبارہ نازل ہونا مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے جو قرآن اور احادیث سے منصوص ہے۔ حیات عیسیٰ علیہ السلام کا منکر دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ اس عقیدہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ محدثین نے اپنی کتب حدیث

میں ''نزولِ عیسیٰ ابن مریم'' کے عنوان سے مستقل باب قائم کیے ہیں۔ ہر دور میں اہل علم نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

1891ء میں مرزا قادیانی نے حیات مسیح کا انکار کیا اور اپنے نام نہاد الہام کی بنیاد پر وفات مسیح کا عقیدہ گھڑا اور خود مسیح موعود بن بیٹھا حالانکہ مرزا قادیانی نے جو پہلی کتاب براہین احمدیہ کے نام سے لکھی، اس میں قرآن کریم کے حوالہ سے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے دوبارہ نازل ہونے کا ذکر کیا اور اس عقیدہ پر تقریباً 12 سال تک قائم بھی رہا۔ پھر یکا یک اپنے ''خاص الہام'' کی بنیاد پر وفات مسیح کا اعلان کر دیا۔ اس نے وفات مسیح کے موضوع پر ''فتح اسلام''، ''توضیح مرام'' اور ''ازالہ اوہام'' کے نام سے کتابیں لکھیں جس میں قرآن کریم کی تیس آیات میں معنوی تحریف کر کے لکھا کہ ان آیات سے وفات مسیح کا ثبوت ملتا ہے۔ مرزا قادیانی کے ہمعصر علمائے کرام نے مرزا قادیانی کی مذکورہ کتابوں کا مدلل جواب دیا۔ بعض اہل علم نے مرزا قادیانی کو چیلنج دیا کہ ان کی کتابوں میں دیے گئے دلائل کو توڑنے اور بعض مصنفین نے تو دلائل توڑنے کا جواب دینے والوں کو انعام دینے کا اعلان بھی کیا لیکن نہ تو مرزا قادیانی کو جواب دینے کی ہمت ہوئی اور نہ ہی کسی قادیانی نے انعامی چیلنج کو قبول کیا اور یہ چیلنج آج بھی برقرار ہے۔

ان کتابوں میں ''غایت المرام'' اور ''تائید الاسلام'' نامی کتابیں قابل ذکر ہیں جو مرزا قادیانی کی زندگی میں ہی ''رحمۃ للعالمین'' کے مصنف قاضی محمد سلیمان سلمان منصوری ؒ نے تحریر فرمائیں اور یہ کتب دراصل مرزا قادیانی کی تصانیف فتح الاسلام، توضیح مرام اور ازالہ اوہام کا مدلل جواب تھیں۔ انھوں نے مرزا قادیانی کے پاس اپنی مذکورہ کتابیں اس خلوص نیت سے بھیجیں کہ اس کی اصلاح ہو سکے۔ قاضی صاحب مرحوم نے مناظرہ بازی کے بجائے علمی مکالمہ کا راستہ اپنایا۔ کتاب کے ساتھ ایک پیشینگوئی بھی لکھ کر روانہ کی۔ انھوں نے لکھا:

''چونکہ آپ پیشینگوئیاں بہت کرتے ہیں اس لیے بہ توفیق الٰہی، میں بھی تین باتیں لکھ دیتا ہوں:

(1) آپ کو حج نصیب نہیں ہوگا۔

(2) آپ سے اس کتاب کا جواب نہ بن پڑے گا۔

(3) آپ کی موت میری موت سے قبل ہوگی۔''

قاضی صاحب مرحوم کی اُن پیشینگوئیوں پر دوستوں نے رد و قدح کی تو فرمایا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی ہوگا۔ پھر احباب کو ایک خواب سنایا کہ:

''حضرت سیدنا امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کو دیکھا کہ ایک حوض میں ہیں، میں نے قریب جا کر سلام کیا تو انھوں نے پانی کے چھینٹے مجھ پر پھینکے۔ میں نے عرض کیا کہ شہزادو! میں آپ کے خاندان کے ... وں کے غلاموں سے بھی کمتر ہوں۔ یہ شوخی کیسی؟ فرمایا سلمان! یہ شوخی نہیں، عطا ہے۔ ہم جس حوض میں ہیں، اس کے چند چھینٹے تمھیں عطا کر رہے ہیں۔ یہ ''غایت المرام'' لکھنے کا انعام ہے۔ ہماری طرف سے تم بھی اس کو (مرزا قادیانی کو) تین پیشگوئیاں کر دو۔ وہ بھی پیشگوئیاں کرتا رہتا ہے۔''

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد مرزا قادیانی پندرہ سال زندہ رہا لیکن جواب لکھنے کی ہمت نہیں ہوئی اور نہ ہی حج نصیب ہوا اور مرزا کی موت بھی پہلے واقع ہو گئی۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس حوض کے چند چھینٹے عطا فرمائے۔ آمین)

مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ

حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ علمی اور روحانی طور پر وہ اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیلی ہوئی تھی۔ 1952ء میں آپ حج پر تشریف لے گئے۔ مدینہ منورہ جا کر روضہ اقدس پر حاضر ہو کر مراقب ہوئے اور حضوری میں رہنے کی اجازت چاہی۔ رات کو حضور سرور کائنات ﷺ کی زیارت ہوئی اور حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''عبداللہ! تم یہاں آ گئے ہو؟ پاکستان واپس چلے جاؤ (کیونکہ حضرت کا ارادہ تھا کہ بقایا عمر دیار حبیب ہی میں گزاریں) کیونکہ وہاں میری ختم نبوت پر کتے حملہ آور ہو رہے ہیں، تم میری ختم نبوت کی حفاظت کرو اور میرے بیٹے عطاء اللہ شاہ بخاری کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ ختم نبوت کے محاذ پر تمھارے کام سے میں گنبد خضرا میں بہت خوش ہوں۔ ڈٹے رہو۔ اس کام کو خوب کرو، میں تمھارے لیے دعا کرتا ہوں۔''

حضرت درخواستی حج سے واپسی پر سیدھے ملتان آئے۔ شاہ جی چارپائی پر تھے۔ خواب سنایا، شاہ جی تڑپ کر نیچے گر گئے، کافی دیر بعد ہوش آیا۔ بار بار پوچھتے درخواستی صاحب میرے آقا و مولیٰ نے میرا نام بھی لیا تھا۔ حضرت درخواستی صاحب کے اثبات میں جواب دینے پر پھر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی۔

کچھ عرصہ کے بعد دہلی دروازہ لاہور میں شاہ جیؒ کی ختم نبوت کے موضوع پر تقریر ہوئی۔ تقریر کے دوران میں ایک بار والہانہ جھوم کر فرمایا ''میں تو پہلے ہی اللہ کے فضل سے باز آنے والا نہیں تھا مگر اب تو ''سوہنے'' یعنی محبوب کا پیغام آ گیا ہے۔ ہاں ہاں میرا سب کچھ ختم نبوت کی حفاظت پر قربان ہو جائے تو کچھ پروا نہیں۔''

☐ ختم نبوت کانفرنس میں ایک دفعہ خطاب کرتے ہوئے حضرت درخواستیؒ نے فرمایا: ''میرے محترم بزرگو! اور بھائیو! خاتم الانبیاء کی تفسیر کا پتہ میدانِ محشر میں چلے گا......! جب پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے سوا کسی پیغمبر سے شفاعت کا حاصل ہونا ناممکن ہوگا۔ ختم نبوت کی حفاظت اسلام کی حفاظت ہے، اور اسلام کی حفاظت جہاد اکبر ہے، اور جو اس راستے میں جدوجہد کرے، وہ غازی اور جو تحفظ ختم نبوت کے سلسلے میں جدوجہد کرتا ہوا مر جائے، وہ شہید ہے۔ ختم نبوت کا تحفظ شفاعت نبوی ﷺ کے حصول کا قریب ترین راستہ ہے۔''

☐ 1974ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران میں جب یہ مطالبہ شدت پکڑ گیا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے تو امریکہ سمیت تمام مغربی ممالک نے اس سلسلہ میں اپنی اسلام دشمنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا اور سخت لہجے میں پیغام بھیجا کہ حکومت قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے سے باز رہے۔ ورنہ اس کا حشر عبرتناک ہوگا۔ جناب بھٹو اس پر بے حد پریشان ہوئے۔ تحریک کے قائد حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ سے ایک ملاقات میں جناب بھٹو نے دبے لفظوں میں اپنی اس پریشانی کا اظہار بھی کیا جس پر حضرت بنوریؒ نے بھٹو صاحب کو یقین دلایا کہ وہ اس کے توڑ کے لیے عرب ممالک سے درخواست کریں گے۔ چنانچہ اس ساری صورتِ حال کو واضح کرنے کے لیے آپ کے حکم پر ایک وفد اسلامی سربراہان سے ملاقات کے لیے عرب ممالک بھیجا گیا جس کی قیادت حضرت مولانا عبداللہ درخواستی کر رہے تھے۔

وفد جب سعودی عرب پہنچا تو اس نے شاہ فیصلؒ سے ملاقات کی اور انھیں ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔ جناب شاہ فیصلؒ نے اپنے پورے تعاون کا یقین [illegible] وفد نے عمرہ کی سعادت حاصل کی اور مدینہ طیبہ میں حضور خاتم النبیین ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضری دی اور تحریک ی پوری رپورٹ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت مولانا درخواستی فرماتے ہیں کہ اسی دن رات کو پیارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زیارت

نصیب ہوئی۔ آپ ﷺ نے مجھے تحریک کی کامیابی کی خوشخبری دی اور فرمایا عبداللہ! پاکستان جاکر اعلان کرو کہ جس شخص نے بھی میری ختم نبوت کے تحفظ کے لیے دامے، درمے، قدمے سخنے حتیٰ کہ کسی بھی طریقے سے تھوڑا یا زیادہ کام کیا، اللہ تعالیٰ نے سب کی بخشش فرمادی ہے۔"

مولانا عبداللہ درخواستی واپس پاکستان تشریف لائے اور بادشاہی مسجد میں ختم نبوت کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے اپنا یہ سارا خواب من وعن بیان کیا تو لوگ خوشی ومسرت سے تشکر کے آنسوؤں کے ساتھ رونے لگے۔

مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کی علمی وروحانی وجاہت سے کون واقف نہیں۔ ایک دفعہ ان کی خدمت میں حضرت مولانا لال حسین اختر (قادیانیت ترک کرنے کے بعد) حاضر ہوئے۔ آپ نے مولانا لال حسین اختر کے ہاتھوں مرزائی مبلغین کی عبرتناک شکست کا سن کر نہایت خوشی کا اظہار فرمایا۔ دعا کے بعد ارشاد فرمایا: "مولانا! آپ تحفظ ختم نبوت اور ردِ مرزائیت کا کام کر کے عظیم دینی فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ یہ دونوں کام بلاشبہ بہترین عبادت کا درجہ رکھتے ہیں۔"

□ ایک دفعہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، سیّد عطا اللہ شاہ بخاریؒ کے ہمراہ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ حضرت! شعبۂ تبلیغ احرار اسلام، قادیان میں تبلیغی وتدریسی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ مبلغین ختم نبوت کی ایک جماعت قادیان اور اس کے مضافات میں تحفظ ختم نبوت اور تردید قادیانیت کا فریضہ سرانجام دے رہی ہے۔ اس کا ملکی سیاست سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ ختم نبوت کے شعبہ میں شمولیت کے لیے فیس رکنیت کیا ہے؟ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ سالانہ ایک روپیہ۔ اس پر حضرت تھانویؒ نے پچیس روپے عنایت فرمائے کہ میری طرف سے شعبہ ختم نبوت میں شمولیت کے لیے پچیس سال کی فیس رکنیت ہے۔ اگر اس عرصہ میں فوت ہوگیا تو ختم نبوت کے رضا کاروں میں میرا بھی شمار ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی شان کہ آپ اسی عرصہ میں فوت ہوئے۔

مولانا سیّد محمد علی مونگیریؒ

مولانا سید محمد علی مونگیریؒ بانی وناظم اوّل ندوۃ العلماء ایک جلیل القدر عالم، عظیم

المرتبت مبلغ، شیخ طریقت، ایک عالی مقام عارف و سالک اور صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر ان کی خدمات نا قابل فراموش ہیں۔ انھوں نے قادیانیت کی تردید میں سو سے زائد کتب اور رسائل تصنیف کیے ہیں۔ انھوں نے تحفظ ختم نبوت کے کام کو وقت کا افضل ترین جہاد قرار دیا۔ اس کام کے لیے لوگوں کو ہر قسم کی کوشش اور قربانی پر آمادہ کیا، بڑی دلسوزی کے ساتھ لوگوں کو اس کام کی اہمیت سمجھائی۔

آپؒ کا زیادہ تر وقت وظائف، عبادت و مجاہدات میں گزرتا تھا، انھوں نے متعدد بار ذکر کیا کہ میں عالم رویا میں حضور سرور کائنات، فخر موجودات، خاتم الانبیاء ﷺ کے دربار عالی میں پیش ہوا، نہایت ادب و احترام سے صلوٰۃ و سلام عرض کیا، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''محمد علی! تم وظیفے پڑھنے میں مشغول ہو، اور قادیانی میری ختم نبوت کی تخریب کر رہے ہیں، تم ختم نبوت کی حفاظت اور قادیانیت کی تردید کرو۔''

حضرت مولانا رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''اس مبارک خواب کے بعد نماز فرض، تہجد اور درود شریف کے علاوہ تمام وظائف ترک کر دیے، دن رات ختم نبوت کے کام میں منہمک ہو گیا۔''

اسی درمیان یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ مراقبے میں مولانا کو یہ القا ہوا کہ ''یہ گمراہی (قادیانیت) تیرے سامنے پھیل رہی ہے اور تو ساکت ہے، اگر قیامت کے دن باز پرس ہوئی تو کیا جواب دو گے؟'' (سیرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ ص 297)

مولانا مونگیریؒ کو فتنہ قادیانیت کی سنگینی کا پوری شدت سے احساس تھا اور اکثر کہا کرتے تھے:

> ''اتنا لکھو اور اس قدر طبع کراؤ اور اس طرح تقسیم کرو کہ ہر مسلمان جب صبح سو کر اٹھے تو اپنے سرہانے ردِ قادیانیت کی کتاب پائے۔''

مولانا کا معمول تھا کہ رات کے پچھلے پہر 3 بجے تہجد کے لیے اٹھ جاتے تھے۔ بعد ازاں تہجد کا وقت بھی مولانا نے ردِ قادیانیت کے لیے وقف کر دیا۔ اکثر یہ وقت تصنیف میں گزرتا۔ بعض دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ مولانا تہجد چھوڑ کر فتنہ قادیانیت کی تردید پر کتابیں لکھا کرتے تھے۔

مولوی نظیر احسن صاحب بہاری جن کا خط پاکیزہ تھا، صرف اس کام پر مامور تھے

کہ وہ مولانا مونگیریؒ کے ہاتھ سے لکھے ہوئے مسودات صاف خوشخط کر کے دوبارہ لکھیں۔ وہ دونوں پیروں سے مفلوج تھے۔ اگر کبھی مسودات صاف کرنے میں تاخیر ہو جاتی تو مولانا ان سے فرماتے: محنت سے کام کرو، تمھیں جہاد کا ثواب ملے گا۔ ایک مرتبہ مولوی صاحب نے پوچھا کہ: کیا مجھ کو جہاد بالسیف کا ثواب ہوگا؟

فرمایا: ''بے شک! فتنہ قادیانیت کا استیصال جہاد بالسیف سے کم نہیں۔''

اور کون نہیں جانتا کہ جہاد بالسیف کا اجر جنت ہے۔

ہندوستان بھر میں اس وقت حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کے لاکھوں مرید تھے۔

ایک دفعہ آپ نے یہ اعلان فرمایا:

''میرا ہر مرید اپنے اپنے علاقہ میں ختم نبوت کا تحفظ اور فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کے لیے دن رات کام کرے۔ دنیا و آخرت میں کامیابی کے لیے یہ کام سب سے بڑا مقبول اور مجرب وظیفہ ہے۔ میرا جو مرید تحفظ ختم نبوت کے کام میں سستی یا غفلت برتے گا، وہ میری بیعت سے خارج سمجھا جائے گا۔''

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ

عمدۃ المحققین، زبدۃ العارفین، بقیۃ السلف حضرت مولانا عبدالقادرؒ رائے پوری کو حفاظتِ ختم نبوت اور تردید مرزائیت میں اس قدر شغف تھا کہ آپ کی مجلس میں عموماً قادیانیت کی اسلام دشمنی کا تذکرہ ہوتا رہتا تھا۔ جب بھی حضرت کی مجلس میں حضرت امیر شریعتؒ سیّد عطا اللہ شاہ بخاریؒ، حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ، حضرت مولانا قاضی احسان احمدؒ شجاع آبادی، مولانا محمد حیاتؒ یا مولانا لال حسینؒ اختر حاضر ہوتے تو حضرت اقدس ان حضرات کو فرماتے کہ ختم نبوت، حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام اور کذب مرزا کے دلائل بیان کیجئے، تاکہ حاضرین مجلس ان دلائل کو اپنے ذہنوں میں محفوظ کر کے تردید مرزائیت کی جدوجہد میں حصہ لے سکیں۔

حضرت نے اپنے وصال سے پندرہ دن پہلے مولانا لال حسینؒ صاحب اختر سے فرمایا کہ مجھے آپ سے، مولانا محمد علیؒ سے اور مولانا محمد حیاتؒ سے بہت زیادہ پیار ہے کیونکہ آپ ختم نبوت کی حفاظت کا کام کرتے ہیں۔ مولانا لال حسینؒ صاحب اختر نے عرض کیا کہ حضرت! پڑھنے کے لیے کوئی وظیفہ ارشاد فرمائیں۔ حضرتِ والا نے فرمایا ''آپ روزانہ کچھ

درود شریف پڑھ لیا کیجئے۔ آپ کے لیے وظیفہ یہ ہے کہ ختم نبوت پر وعظ کیا کریں۔ یہ چھوٹا وظیفہ نہیں، بہت بڑا وظیفہ ہے۔ پورے دین کا مدار حضور نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت پر ہے۔"

مولانا لال حسین اختر کہتے ہیں کہ کچھ عرصہ کے بعد میں پھر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت سے پھر درخواست کی کہ مجھے دنیا و آخرت میں کامیابی کا کوئی زبردست وظیفہ بتائیے۔ آپ نے فرمایا: ختم نبوت کا کام کرتے رہو۔ ختم نبوت کی حفاظت ہی دنیا و آخرت میں کامیابی کا سب سے بڑا وظیفہ ہے۔"

- حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب میانوی مشہور مبلغ مجلسِ تحفظ ختم نبوت نے فرمایا کہ ایک بار موسم گرما میں ماہِ رمضان المبارک گزارنے کے لیے حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ مری تشریف رکھتے تھے۔ میں بھی ایک شدید مرض سے افاقہ کے بعد مری چلا گیا اور حضرت کی صحبت میں رہنے لگا۔ ایک روز تبلیغی جماعت کے ایک صاحب سے میری کچھ بحث چل پڑی، اس میں کچھ تلخی کی باتیں بھی ہوگئیں۔ دوسرے روز حضرت وضو فرمانے لگے تھے کہ ان صاحب نے میری شکایت کی۔ حضرت وضو سے رک گئے اور رنجیدہ لہجہ میں فرمایا: "مجھ سے ان حضرات کی شکایت نہ کیا کرو۔ آج کے زمانہ میں حضور ﷺ کی عزت و ناموس پر ان کی طرح جان نثار کرنے والا کون ہے؟ حضور ﷺ کی محبت میں ان کو میں صحابہؓ کے نقش قدم پر دیکھ رہا ہوں، آئندہ کوئی اس جماعت کی مجھ سے شکایت نہ کرے۔"

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ آسمانِ ولایت پر آفتابِ عالمتاب بن کر چمکے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بے شمار کمالات اور سعادات سے نوازا تھا۔ ان کی علمی و روحانی شہرت بین الاقوامی حیثیت رکھتی ہے۔ حضرت ختم نبوت کے مجاہد تھے۔ فتنۂ قادیانیت کی تردید میں دن رات ایک کیا۔ قید و بند سے بھی گریز نہ فرمایا۔ 1953ء کی تحریک ختم نبوت میں آپ گرفتار ہوئے۔ گرفتاری کے موقع پر آپ نے فرمایا کہ نبی آخرالزمان ﷺ کی حرمت کے لیے جیل جانا کیا، اگر سر کٹانے کی نوبت بھی آئے تو میں اسے اپنے لیے عین سعادت سمجھوں گا۔

ایک دفعہ مولانا تاج محمودؒ اور مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین صاحب اخترؒ، حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کی خدمت میں حاضر تھے۔ دورانِ گفتگو ختم نبوت کے ساتھیوں کا تذکرہ آگیا۔ حضرت لاہوریؒ نے فرمایا کہ:

''میں ختم نبوت کے ساتھیوں سے محبت کرتا ہوں۔''

اور پھر فرمایا:

''میں کیا ان سے تو خود سرکارِ دو عالم ﷺ محبت فرماتے ہیں۔''

- ایک دفعہ حضرت لاہوریؒ نے ایک جلسۂ عام میں حکومت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''میں مرکزی حکومت سے کہتا ہوں کہ یہ عہدے کوئی چیز نہیں، خدا سے اپنا معاملہ درست رکھو۔ آج کسی کا ہارٹ فیل ہو جائے تو قبر میں اگر پوچھا گیا کہ ختم نبوت کے لیے کیا کیا تھا؟ تو کیا جواب دو گے؟ وہاں تو قادیانیوں کی دوستی کام نہیں آئے گی۔ وہاں مرزائیوں کی حمایت کام نہیں آئے گی۔ حکومتی عہدیداروں کو سمجھ لینا چاہیے کہ اگر مرزائیوں کی حمایت کرو گے تو قبر جہنم کا گڑھا بنے گی۔''

- مولانا احمد علی لاہوریؒ نے ساری زندگی مجاہدین ختم نبوت کی سرپرستی فرمائی۔ تحریر و تقریر کے ذریعے اس فتنہ کی سرکوبی فرمائی۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ تحفظِ ختم نبوت کے سپاہیوں سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ خصوصاً سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے انتہائی محبت تھی۔ شاہ جی جیل میں ہوتے یا سفر و حضر میں ہمیشہ اپنے احباب سے ان کی خیریت دریافت کرتے رہتے۔ مولانا عبیداللہ انورؒ فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ آپؒ نے فرمایا: محشر کا دن ہوگا، رحمت دو عالم ﷺ جلوہ افروز ہوں گے۔ صحابہؓ بھی ساتھ ہوں گے۔ بخاریؒ آئے گا، حضور نبی کریم ﷺ معانقہ فرمائیں گے اور کہیں گے بخاریؒ تیری ساری زندگی عقیدۂ ختم نبوت کی حفاظت میں گزری، آج میدانِ حشر میں تیرا شفیع میں ہوں، تیرے لیے کوئی باز پرس نہیں، جا! اپنے ساتھیوں سمیت جنت میں داخل ہو جا۔ تیرے اور تیری جماعت کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھلے ہیں۔ جس طرف سے چاہو، کھلے بندوں جنت میں داخل ہو سکتے ہو۔

- ایک دفعہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام سرگودھا میں ختم نبوت کانفرنس میں مدعو تھے۔ لیکن آپ کی طبیعت سخت علیل تھی۔ بہرحال وعدہ کے مطابق کانفرنس میں تشریف لائے۔ چارپائی پر آپ کو سٹیج پر لایا گیا۔ اپنے خطاب میں فرمایا:

''لوگو! میں سخت بیمار ہوں، ڈاکٹروں نے سفر کرنے اور تقریر کرنے سے سختی سے منع کیا ہوا ہے لیکن یہ آنحضور ﷺ کی ختم نبوت کا مسئلہ ہے، آپ ﷺ کی عزت و ناموس کا سوال ہے۔ میں کسی حال میں بھی اس معاملے میں پیچھے نہیں رہنا چاہتا۔ کانفرنس میں محض اس

لیے آ گیا ہوں کہ شاید قیامت کے دن اس عمل کی بدولت نجات ہو جائے۔''

❑ حضرت شیخ التفسیرؒ اظہار حق میں شمشیر برہنہ تھے۔ 1953ء میں تحریک ختم نبوت سے کچھ روز قبل جمعہ کی تقریر میں حکمرانوں کو للکار کر فرمایا:

''میں خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان اور میاں ممتاز دولتانہ وزیر اعلیٰ پنجاب سے پوچھتا ہوں کہ تمہاری غیرت اسلامی اور حمیت دینی کو کیا ہو گیا ہے؟ تم مسلمان حکمران ہو؟ تمہاری حکومت میں رسالت مآب ﷺ کی ختم نبوت پر ڈاکہ ڈالا جا رہا ہے۔ ختم نبوت کے انکار کرنے والے قادیانی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، قرآن پاک اور حدیث رسول ﷺ کی توہین کر رہے ہیں مگر تم ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ تم انہیں مسلمانوں سے علیحدہ نہیں کرتے، انہیں کافر اور دائرہ اسلام سے خارج کرنے کے مطالبہ کو نہیں مانتے۔ کیا تمہیں مرنا نہیں؟ خدا کے حضور کیا جواب دو گے؟ پھر فرمایا! مرزا قادیانی کہتا ہے کہ جو مجھے نبی تسلیم نہیں کرتے، وہ جنگلی سور ہیں اور ان کی عورتیں کتیاں ہیں۔ میں خواجہ ناظم الدین اور دولتانہ سے پوچھتا ہوں کہ کیا تم بھی مرزائی ہو؟ اگر نہیں تو مرزا قادیانی کے کہنے پر تم بھی جنگلی سور اور تمہاری عورتیں کتیاں ہیں۔ پھر بھی تمہیں غیرت نہیں آتی۔ فحش گالیاں دینے والے کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرتے، مسلمان تو غیرت مند ہوتے ہیں۔''

حکمراں ہو کے بھی تم غیر کے محکوم رہے
غیرت تاج ملی مگر تاج سے محروم رہے

امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

امیر شریعت سید عطا اللہ شاہ بخاریؒ ایک عالمِ باعمل، بے باک و نڈر اور محبت رسول ﷺ سے مالا مال ایک خوبصورت شخصیت کے مالک تھے۔ شاہ جی بلاشبہ برصغیر پاک و ہند کے سب سے بڑے خطیب تھے۔ ان کی پوری زندگی تحفظِ ختم نبوت میں گزری۔ اس مقدس مشن کی خاطر ان کی آدھی زندگی جیل میں اور آدھی ریل میں گزری۔

❑ مولانا قاری محمد حنیف صاحب ملتانی اپنی ایک تقریر میں فرماتے ہیں کہ میں حج کے لیے مکہ مکرمہ گیا۔ میری ملاقات ایک ولی اللہ مولانا خیر محمد صاحب سے ہوئی جو بہاولپور میں رہتے تھے۔ سارا دن اپنے ہاتھوں سے کام کرتے اور شام کو طالبعلموں کو حدیث پڑھایا کرتے تھے۔ مولانا خیر محمد صاحب نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ بیت اللہ کا طواف ہو رہا

ہے، حضرت آدم علیہ السلام طواف کر رہے ہیں، حضرت خلیل اللہ علیہ السلام طواف کر رہے ہیں، حضرت کلیم اللہ علیہ السلام طواف کر رہے ہیں، حضرت ذبیح اللہ علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت ایوب علیہ السلام موجود ہیں، انبیاء کرام علیہم السلام کی ایک بڑی جماعت طواف کر رہی ہے اور پیچھے پیچھے سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ چل رہے ہیں۔ مولانا خیر محمد صاحب فرماتے ہیں۔ میں نے پوچھا۔ شاہ جیؒ! یہ مرتبہ کیسے ملا کہ انبیاء کرام علیہ السلام کے ساتھ بیت اللہ کا طواف، تو شاہ جی فرمانے لگے، بس اللہ تعالیٰ نے یوں کرمی فرمادی کہ عطاء اللہ شاہؒ تم نے میرے محبوب ﷺ کی ختم نبوت کے لیے زندگی جیل میں کاٹ دی۔ مصیبتوں اور دکھوں میں گزار دی، اب آ، نبیوں کے ساتھ طواف کی سعادت حاصل کر۔

☐ حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھریؒ فرمایا کرتے تھے کہ وفات کے بعد خواب میں مجھے حضرت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی زیارت ہوئی۔ میں نے پوچھا شاہ جی! فرمایئے قبر کا معاملہ کیسا رہا؟ شاہ صاحب نے فرمایا کہ بھائی یہ منزل بہت ہی مشکل ہے، آقائے نامدار ﷺ کی ختم نبوت کے تحفظ کی برکت سے معافی مل گئی۔

☐ حضرت مولانا محمد علی جالندھری نے فرمایا کہ حضرت مولانا رسول خان جو پاکستان کے بہت بڑے محدث اور استاذ الاتام ہیں، نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ جماعت صحابۂ کرامؓ میں تشریف فرما ہیں۔ حضور پاک ﷺ کی خدمت میں ایک دستار مبارک لائی گئی۔ آنحضرت ﷺ نے جناب صدیق اکبرؓ کو حکم دیا کہ "اٹھو اور میرے بیٹے عطاء اللہ شاہ کے سر پر باندھ دو، میں اس سے خوش ہوں کہ اس نے میری ختم نبوت کے لیے بہت سارا کام کیا ہے۔" مولانا فرمایا کرتے تھے کہ آپ نے خود یا اور کسی صحابیؓ کو کیوں حکم نہ دیا کہ بخاری صاحب کے سر پر دستار باندھ دو، بلکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حکم دیا۔ یہ اس طرف اشارہ کرنا مقصود تھا کہ سب سے پہلے ختم نبوت کا تحفظ مسیلمہ کذاب کے زمانہ میں حضرت صدیق اکبرؓ نے کیا تھا۔ اب پاکستان میں مسیلمۂ پنجاب کا مقابلہ اور ختم نبوت کا تحفظ بخاری صاحب نے کیا۔ گویا ختم نبوت کا ایک محافظ دوسرے ختم نبوت کے محافظ کو دستار بندی کرادے۔

☐ قادیانی نبوت کے برگ و بار کو خاکستر کرنے والے، انگریزی سامراج کے

ایوانوں کو متزلزل کرنے والے، سحر خطابت اور عمل پیہم سے ایمان کی روشنی پھیلانے والے مردِ حق آگاہ، حضرت امیر شریعتؒ نے 1950ء میں ختم نبوت کی حفاظت کے متعلق تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

❁ ''ختم نبوت کی حفاظت میرا جزو ایمان ہے جو شخص بھی اس ردا کو چوری کرے گا، جی نہیں چوری کا حوصلہ کرے گا، میں اس کے گریبان کی دھجیاں پھاڑ دوں گا۔ میں میاں ﷺ کے سوا کسی کا نہیں نہ اپنا نہ پرایا، میں انہی ﷺ کا ہوں، وہی میرے ہیں، جن کے حسن و جمال کو خود ربِ کعبہ نے قسمیں کھا کھا کر آراستہ کیا ہو، میں ان ﷺ کے حسن و جمال پر نہ مر مٹوں تو لعنت ہے مجھ پر اور لعنت ہے ان پر جو ان ﷺ کا نام تو لیتے ہیں لیکن سارقوں (چوروں) کی خیرہ چشمی کا تماشہ دیکھتے ہیں۔''

❁ جب شاتم رسول راجپال نے گستاخانہ کتاب لکھی تو شاہ جی علیہ الرحمہ نے لاہور میں خطاب کرتے ہوئے کہا:

''مسلمانو! میں تمہاری سوئی ہوئی غیرت کو جھنجھوڑنے آیا ہوں۔ آج کفار نے توہین رسالت ﷺ کا فیصلہ کر لیا ہے۔ انھیں شاید یہ غلط فہمی ہے کہ مسلمان مر چکا ہے۔ آؤ اپنی زندگی کا ثبوت دیں۔ عزیز نوجوانو! تمھارے دامن کے سارے داغ صاف ہونے کا وقت آ پہنچا ہے۔ گنبد خضریٰ کے مکین تمہاری راہ دیکھ رہے ہیں۔ ان کی آبرو خطرے میں ہے۔ ان کی عزت پر کتے بھونک رہے ہیں۔ اگر قیامت کے روز محمد ﷺ کی شفاعت کے طالب ہو تو پھر توہین رسالت ﷺ کرنے والی زبان نہ رہے یا پھر سننے والے کان نہ رہیں۔''

''آج آپ لوگ جناب فخر رسل رسول عربی ﷺ کی عزت و ناموس کو برقرار رکھنے کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ آج اس جلیل القدر ہستی کا وجود معرض خطر میں ہے جس کی دی ہوئی عزت پر تمام موجودات کو ناز ہے۔ آج کوئی روحانیت کی آنکھ سے دیکھنے والا ہو تو دیکھ سکتا ہے کہ اس دروازے پر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور ام المومنین حضرت خدیجہؓ آئیں اور فرمایا کہ ہم تمہاری مائیں ہیں۔ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ کفار نے ہمیں گالیاں دی ہیں؟'' ارے دیکھو! کہیں ام المومنین عائشہؓ دروازے پر تو نہیں کھڑی ہیں؟

(یہ سن کر مجمع پلٹا کھا گیا۔ مسلمانوں میں کہرام مچ گیا اور وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے) تمہاری محبت کا تو یہ عالم ہے کہ عام حالتوں میں کٹ مرتے ہو لیکن کیا تمہیں

معلوم نہیں کہ آج سبز گنبد میں رسول اللہ ﷺ تڑپ رہے ہیں۔ آج خدیجہؓ اور عائشہؓ پریشان ہیں۔ بتاؤ تمھارے دلوں میں امہات المومنینؓ کی کیا وقعت ہے؟ آج ام المومنین عائشہؓ تم سے اپنے حق کا مطالبہ کر رہی ہے۔ وہی عائشہؓ جنھیں رسول اللہ ﷺ حمیرا کہہ کر پکارتے تھے۔ جنھوں نے سید عالم ﷺ کی رحلت کے وقت مسواک چبا کر دی تھی۔ اگر تم خدیجہؓ اور عائشہؓ کے ناموس کی خاطر جانیں دے دو تو کچھ کم فخر کی بات نہیں ہے۔ یاد رکھو! جس روز یہ موت آئے گی، پیام حیات لے کر آئے گی۔ اگر کچھ پاس رسالت ﷺ ہے تو ناموس رسالت ﷺ کی حفاظت کرو۔'' یہ کلمات اہل ایمان بالخصوص غازی علم الدین شہیدؒ کے دل کی دھڑکنوں میں ڈھل گئے۔

تحریک ختم نبوت 1953ء کے دوران ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے فرمایا:

❁ ''اگر لا نبی بعدی کا مفہوم سلامت نہیں تو ایمان کے جز کا کروڑواں حصہ بھی نہیں بچے گا۔ جڑ کو گھن لگے تو شاخ اور پتیاں سلامت نہیں رہتیں۔ عقیدے کو درخت سمجھو۔ جب تک جڑ مضبوط نہ ہو، درخت بارآور نہیں ہوسکتا۔ اب وہ ماں مرگئی ہے جو نبی جنا کرتی تھی۔ مشاطہ ازل نے آنحضرت ﷺ کی زلفوں میں وہ کنگھی ہی توڑ ڈالی جو زلف نبوت سنوارا کرتی تھی۔ اب زمانے کے یہ کنڈل یونہی رہیں گے لیکن کسی کنگھی کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ آیئے ہمارے ساتھ تعاون کیجیے، ایک دن ہماری بات پورے مسلمانوں کی آواز بن جائے گی، جسے حکومت کو بھی سننا پڑے گا۔ ہمیں اپنے خدا پر پورا یقین اور بھروسہ ہے کہ ہم بھی حالات بدل کر دکھا دیں گے۔ ایک وقت آئے گا کہ جو کچھ آج ہماری زبان پر ہے، پورے مسلمانوں کے دل کی آواز اور دھڑکن ہوگا۔ بس میری مانو! حضور نبی کریم ﷺ کے دیوانے بن جاؤ۔ اس معاملے میں عقل کو جواب دے دو کہ یہ عقل کا نہیں، عشق کا معاملہ ہے۔ صحابہ کرامؓ بھی صحیح معنوں میں دیوانگان محمد ﷺ تھے۔ تبھی پوری دنیا پر چھا گئے۔''

❁ ''مسلمانو! ختم نبوت کے عقیدہ کو یوں سمجھو جیسے یہ ایک مرکزِ دائرہ ہے جس کے چاروں طرف توحید، رسالت، قیامت، ملائکہ کا وجود، صحف سماوی کی صداقت، قرآن کریم کی حقانیت و ابدیت، عالم قبر و برزخ، یوم النشور یوم الحساب گردش کرتے ہیں۔ اگر یہ اپنی جگہ سے ہل جائے تو سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ دین نہیں بچے گا، بات سمجھ میں آئی؟ مزید

سمجھئے، جس طرح روشنی کے تمام مراتب عالم اسباب میں آفتاب پر ختم ہو جاتے ہیں، اسی طرح نبوت و رسالت کے تمام مراتب و کمالات کا سلسلہ بھی حضور رسالت پناہ ﷺ کے وجودِ مسعود پر ختم ہو جاتا ہے۔ آپ کی نبوت و رسالت وہ مہر درخشاں ہے جس کے طلوع کے بعد اب کسی روشنی کی مطلق ضرورت نہیں رہی، سب روشنیاں اسی نور اعظم ﷺ میں مدغم ہو گئی ہیں جبھی تو مخبر صادق ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر آج موسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں زندہ ہوتے تو انھیں بھی بجز میری اتباع کے چارۂ کار نہ ہوتا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو آخر زمانہ میں تشریف لائیں گے تو نبی کی حیثیت سے نہیں بلکہ ابوبکرؓ و عمرؓ کی طرح امتی اور خلیفہ کی حیثیت سے۔ حکومت کو یاد رکھنا چاہیے کہ جو شخص بھی ختم نبوت کے تخت کی طرف میلی آنکھ سے دیکھے گا، ہم اس پر قہر الٰہی اور صدیق اکبرؓ کا انتقام بن کر ٹوٹ پڑیں گے۔"

❁ "ساری باتوں کو چھوڑیے، لاہور والو! کوئی ہے!" اور یہ کہتے ہوئے اپنے سر سے ٹوپی اتار لی اور ٹوپی کو ہوا میں لہراتے ہوئے نہایت ہی جذبات انگیز الفاظ میں فرمایا، "جاؤ میری اس ٹوپی کو خواجہ ناظم الدین کے پاس لے جاؤ۔ میری یہ ٹوپی کبھی کسی کے سامنے نہیں جھکی، اسے خواجہ صاحب کے قدموں پر ڈال دو۔ اس سے کہو، ہم تیرے سیاسی حریف اور رقیب نہیں ہیں، ہم الیکشن نہیں لڑیں گے، تجھ سے اقتدار نہیں چھینیں گے۔ ہاں ہاں جاؤ اور میری ٹوپی اس کے قدموں میں ڈال کر یہ بھی کہو کہ اگر پاکستان کے بیت المال میں کوئی سؤر ہیں تو عطاء اللہ شاہ بخاری تیرے سؤروں کا وہ ریوڑ چرانے کے لیے بھی تیار ہے مگر شرط صرف یہ ہے کہ رسول اللہ فداہ ابی و امی کی ختم رسالت ﷺ کی حفاظت کا قانون بنا دے۔ کوئی آقا ﷺ کی توہین نہ کرے، آپ ﷺ کی دستارِ ختم نبوت پر کوئی ہاتھ نہ ڈال سکے۔" شاہ جی بول رہے تھے اور مجمع بے قابو ہو رہا تھا۔ لوگ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ چشم فلک نے اس جیسا سماں بھی کم دیکھا ہوگا۔ عوام و خواص سب رو رہے تھے۔ شاہ جی پر خاص وجد کی سی کیفیت طاری تھی۔

ہم نے ہر دور میں تقدیسِ رسالت کے لیے
وقت کی تیز ہواؤں سے بغاوت کی ہے
توڑ کر سلسلہ رسم سیاست کا فسوں
اک فقط نام محمد ﷺ سے محبت کی ہے

ہم نے بدلا ہے زمانے میں محبت کا مزاج
ہم نے ہر دل کو نئی راہ و نوا بخشی ہے
مرحلے بند و سلاسل کے کئی طے کر کے
چہرۂ دار و رسن کو بھی ضیاء بخشی ہے

❁ ''دنیا میں چار قیمتی چیزیں محبت کے قابل ہیں:
مال، جان، آبرو اور ایمان۔
لیکن......
جب جان پر کوئی مصیبت آئے تو مال قربان کرنا چاہیے اور آبرو پر کوئی آفت آئے تو مال اور جان دونوں کو۔ اور اگر ایمان پر کوئی ابتلاء آئے تو مال، جان، آبرو سب کو قربان کرنا چاہیے اور اگر ان سب کے قربان کرنے سے ایمان محفوظ رہتا ہے تو یہ سودا سستا ہے۔''
ایک موقع پر آپ نے فرمایا:
''مرزائیوں کو میں دعوت فکر دیتا ہوں، وہ غور کریں اور اپنے مدعی نبوت اور اس کے خاندان کی فرنگی نوازی دیکھیں کہ یہ انگریز کا درباری نبی کس طرح ہندوستان میں انگریز افسروں کے دربار میں اپنی اور اپنے باپ دادا کی خدمات کے حوالے سے اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے لجاجت، منت وسماجت اور سراپا حاجت بن کر یقین دہانیاں کرتا ہے۔ ظالم تم نے اگر نبوت کا دعویٰ کر ہی لیا تھا اور تم اپنے تئیں نبی بن ہی بیٹھے تھے تو کم از کم اس کے نام و منصب کا وقار ہی قائم رکھا ہوتا اور فرنگی کی چوکھٹ پر جبہ سائی نہ کرتے۔ اپنی جبین نیاز کو عدو اللہ فرنگی کی خاک نجس سے آلودہ نہ کرتے:

''اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا''

تجھ سے تو سابق کذاب و دجال مدعیان نبوت ہی بہتر تھے جنھوں نے دعوائے نبوت کے بعد مسلمان بادشاہوں کے درباروں کی راہ تک نہ دیکھی۔ ان کا بھی ایک وقار تھا مگر تجھ سا بے حمیت خطۂ ارضی پر کوئی دوسرا نہیں۔''

❁ ''تصویر کا ایک رخ تو یہ ہے کہ مرزا قادیانی میں یہ کمزوریاں اور عیوب تھے، اس کے نقوش میں توازن نہ تھا۔ قد وقامت میں تناسب نہ تھا، اخلاق کا جنازہ تھا، کردار کی موت تھا۔ جھوٹ اس کا شیوہ تھا۔ معاملات کا درست نہ تھا۔ بات کا پکا نہ تھا۔ بزدل اور کمزور تھا۔

مسلک کا لوڈی تھا۔ تقریر وتحریر ایسی ہے کہ پڑھ کر تسلی ہونے لگتی ہے لیکن میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر اس میں کوئی کمزوری نہ بھی ہوتی۔ وہ مجسمہ حسن و جمال ہوتا، قویٰ میں تناسب ہوتا، چھاتی 45 انچ ہوتی، کمر ایسی کہ سی آئی کو بھی پتہ نہ چلتا، بہادر بھی ہوتا، مرد میدان ہوتا، کردار کا آفتاب ہوتا، خاندان کا مہتاب ہوتا، شاعری میں فردوسی وقت ہوتا، ابوالفضل اور فیضی اس کا پانی بھرتے، خیام اس کی چاکری کرتا، غالب اس کا وظیفہ خوار ہوتا، انگریزی کا شیکسپئر ہوتا اور اردو کا ابوالکلام ہوتا، پھر نبوت کا دعویٰ کرتا تو کیا ہم اسے نبی مان لیتے ؟؟؟

میں تو کہتا ہوں کہ خواجہ غریب نواز اجمیریؒ، شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام بخاریؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، ابن تیمیہ، امام غزالیؒ یا حسن بصریؒ بھی نبوت کا دعویٰ کرتے تو کیا ہم انھیں نبی مان لیتے؟ اگر علیؓ دعویٰ کرتے کہ جسے تلوار حق نے اور بیٹی نبی ﷺ نے دی، سیدنا ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروق اعظمؓ اور سیدنا عثمان غنیؓ بھی دعویٰ کرتے تو کیا بخاری انھیں نبی مان لیتا؟ ہرگز نہیں، حضور ﷺ کے بعد کائنات میں کوئی انسان ایسا نہیں جو تخت نبوت پر سج سکے اور تاج امامت و رسالت جس کے سر پر ناز کر سکے، وہ ایک ہی ہے جس کے دم قدم سے کائنات میں نبوت سرفراز ہوئی۔"

❁ "آج مسیلمہ کذاب کے مقابلہ میں روح صدیقؓ پیدا کرو۔ آج محمد عربی ﷺ کی عزت و ناموس پر کٹ مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ آج محمد عربی ﷺ کی آبرو پر کمینے اور ذلیل قسم کے انسان حملہ آور ہیں۔ یاد رکھو! محمد ﷺ ہے تو خدا ہے، محمد ﷺ ہے تو قرآن ہے، محمد ﷺ ہے تو دین ہے۔ محمد ﷺ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ ہم محمد ﷺ کی بے حرمتی کرنے والی کسی تحریر کو نہیں دیکھ سکتے۔ ہم یقیناً ہر اس اخبار کو جلائیں گے جو رسول اللہ ﷺ کی ذات پر حملہ کرے گا۔ ہم حضور ﷺ کے نام لیوا ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کا ہر دشمن، ہمارا بدترین دشمن ہے۔ میری گردن تو آج بھی تحفظ ناموسِ مصطفیٰ ﷺ کی خاطر پھانسی لگنے کو تڑپتی ہے۔ میں تمام مسلمانوں سے مخاطب ہوں کہ تم حضور اکرم ﷺ کی آبرو کی حفاظت کرو تو میں تمہارے کتے بھی پالنے کو تیار ہوں اور اگر تم نے حضور ﷺ سے بغاوت کی تو پھر میں تمہارا باغی ہوں۔ میں محمد ﷺ کے نام پر کٹ مرنے کے لیے تیار ہوں۔"

❑ "میری بیٹی ...... میرے ظاہری اسباب میں سے، میری حیات کا باعث ہے۔ اللہ بیٹوں کو بھی سلامت رکھے، مگر بیٹی سے مجھے محبت بہت ہے۔

اس نے کئی بار مجھے کہا:

ابا جی! اب تو اپنے حال پر رحم کریں، آپ کو چین کیوں نہیں آتا، کیا آپ سفر کے قابل ہیں، چلنے پھرنے کی طاقت آپ میں نہیں رہی، کھانا پینا آپ کا نہیں رہا، یہ آپ کا حال ہے، کیا کر رہے ہیں آپ؟ میں نے کہا:

تم نے میری دُکھتی رَگ پکڑی ہے، میں تمھیں کس طرح سمجھاؤں؟ بیٹا! تم بہت خوش ہو گی اگر میں چارپائی پر مروں؟ میں تو چاہتا ہوں کسی کے گلے پڑ کے مروں۔ تم اس بات پہ راضی نہیں کہ میں باہر نکلوں میدان میں، اور یہ کہتا ہوا مر جاؤں......

لَا نَبِیَّ بَعْدَ مُحَمَّد، لَا رَسُوْلَ بَعْدَ مُحَمَّد، لَا اُمَّۃَ بَعْدَ اُمَّۃِ مُحَمَّد (صلی اللہ علیہ وسلم)

بیٹا! دعا کرو۔

عقیدۂ ختم نبوت بیان کرتے ہوئے اور کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے مجھے موت آ جائے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ وَلَا رَسُوْلَ بَعْدَہٗ۔"

(راولپنڈی میں جلسۂ عام سے خطاب، 1956ء) (سیدی وابی از محترمہ سیدہ ام کفیل بخاری)

☐ "آخر ہوا ہی کیا ہے؟ یہی کہ تمہاری اماں اور بہن کے سامنے پولیس والوں نے بد زبانی کی اور گالیاں بکیں۔ نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت کے تحفظ کے لیے اس سے بھی زیادہ بدسلوکی ہوتی تو ہماری سعادت ہوتی۔ اگر تمہاری اماں اور بہن کو سڑک پر گھسیٹ کر لاتے اور ان کو مارتے تو میں سمجھتا کہ تحفظ ختم نبوت کا کچھ حق ادا ہوا۔ اللہ کے دین کے کاموں میں سختیاں اور امتحانات نہ آئیں اور مار نہ پڑے، یہ ہو نہیں سکتا۔ دین کا کام کرو گے تو مار بھی پڑے گی۔ اس کے لیے اپنے آپ کو ہر وقت تیار رکھو۔ تمھیں تو معلوم ہے کہ نبی خاتم ﷺ جیسی رؤف و رحیم ہستی کو دین کے نام پر کتنی تکالیف اٹھانی پڑیں۔ جانتے نہیں! آپ ﷺ کی بیٹی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو زخمی کیا گیا اور اسی زخم سے وہ شہید ہوئیں۔ ہماری کیا حیثیت ہے؟ اس لیے صبر کرو اور دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہماری اس حقیر سی قربانی کو قبول فرمائے۔"

(سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی اپنے بڑے بیٹے...... سید ابوذر بخاریؒ کو فہمائش، 1953ء)

(سیدی وابی از محترمہ سیدہ ام کفیل بخاری)

☐ تحریک ختم نبوت 1953ء کی اندوہناک پسپائی سے لوگوں میں مایوسی کا پیدا ہونا

ایک قدرتی امر تھا۔ کئی لوگ ان شہداء کے متعلق جو اس تحریک ناموسِ ختم نبوت پر قربان ہو چکے تھے، یہ سوال کرتے کہ ان کے خون کا ذمہ دار کون ہے؟ شاہ جی نے لاہور کے ایک جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے جواب دیا:

❁ ''جو لوگ تحریک ختم نبوت میں جہاں تہاں شہید ہوئے، ان کے خون کا جوابدہ میں ہوں، وہ عشقِ رسالت میں مارے گئے۔ اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ ان میں جذبۂ شہادت میں نے پھونکا تھا۔ جو لوگ ان کے خون سے اپنا دامن بچانا چاہتے اور ہمارے ساتھ رہ کر اب کنی کترا رہے ہیں، ان سے کہتا ہوں کہ میں حشر کے دن بھی ان کے خون کا ذمہ دار ہوں گا۔ وہ عشقِ نبوت میں اسلامی سلطنت کے ہلاکو خانوں کی بھینٹ چڑھ گئے، لیکن ختم نبوت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی سات سو حفاظِ قرآن اسی مسئلہ کی خاطر شہید کروا دیے تھے۔''

شاہ جی نے مزید فرمایا:

❁ ''میں قیامت کے دن حضور خاتم النبیین ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر دست بستہ عرض کروں گا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ یمامہ میں شہید ہونے والے خوش نصیبوں کا مقصد صرف اور صرف آپ ﷺ کی ختم نبوت کا تحفظ تھا، اس طرح 1953ء کی تحریک ختم نبوت میں شہید ہونے والوں کا مقصد بھی صرف اور صرف آپ ﷺ کی ختم نبوت کا تحفظ تھا۔ لہٰذا یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ تحریک ختم نبوت 1953ء میں شہید ہونے والوں کو بھی یمامہ کے شہدا کے ساتھ ایک ہی صف میں کھڑا کریں کیونکہ دونوں کا مقصد ایک ہی تھا۔'' پھر شاہ جی نے فرمایا: مجھے امید کامل ہے کہ میرے نانا، میرے پیارے آقا و مولا میری درخواست کو شرف قبولیت ضرور بخشیں گے۔

❑ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال نے ایک دفعہ فرمایا کہ جب حضرت شاہ جی بستر علالت پر تھے، ان دنوں تبلیغی جماعت کے حضرات کی ایک جماعت کویت گئی ہوئی تھی۔ امیر صاحب فرماتے ہیں کہ کویت میں ہمارا مرکز کویت کی مرکزی جامع مسجد میں تھا۔ ایک روز صبح کے وقت ایک سن رسیدہ بزرگ تشریف لائے جن کا نورانی چہرہ ہی ان کی بزرگی کی شہادت دیتا تھا۔ وہ مجھ سے پوچھنے لگے کہ آپ لوگ پاکستان سے

آئے ہیں؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو پوچھا پاکستان میں کوئی عطا اللہ شاہ بخاری نام کے بزرگ ہیں؟ میں نے اقرار کرتے ہوئے شاہ جی کا مختصر تعارف کرایا اور تعجب سے دریافت کیا کہ آپ انھیں کیسے جانتے ہیں؟ اس پر انھوں نے بتایا کہ رات میں نے ایک عجیب خواب دیکھا کہ نبی کریم ﷺ ایک وسیع میدان میں ایستادہ ایک سمت یوں دیکھ رہے ہیں جیسے کسی کا انتظار ہو۔ پھر میں نے دیکھا کہ بہت بڑا ہجوم حضور ﷺ کی طرف آ رہا ہے۔ ہر شخص کا چہرہ نہایت نورانی، تابناک اور دل آویز ہے۔ وہ ہجوم حضور ﷺ کے پاس آ کر دو حصوں میں دائیں بائیں بٹ گیا۔ کچھ وقفہ کے بعد ویسا ہی ایک اور ہجوم نمودار ہوا اور وہ بھی نہایت خوبرو اور درخشندہ پیشانیوں والے لوگ ہیں۔ حضور ﷺ کے قریب آ کر وہ بھی دائیں بائیں تقسیم ہو گئے مگر حضور ﷺ اب بھی اسی طرح اسی جانب دیکھ رہے ہیں جیسے اب بھی کسی کا انتظار ہو۔

اتنے میں صرف ایک شخص جو نہایت حسین وجمیل ہے، آتا دکھائی دیا۔ جب وہ قریب تر پہنچا تو حضور ﷺ آگے بڑھے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی ساتھ ساتھ ہیں۔ نبی پاک ﷺ نے اس شخص سے مصافحہ کیا، سینے سے لگایا اور اس کی پشت پر شفقت سے دست مبارک پھیرتے رہے۔ میں نے جی میں کہا یہ پہلا گروہ تو انبیاء کرام علیہم السلام کا تھا، دوسرا صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مگر یہ شخص کون ہے جس کا حضور انتظار فرماتے رہے اور اتنی محبت وشفقت کا اظہار فرمایا۔ تو ایک آواز آئی کہ یہ خادم ختم نبوت عطاء اللہ شاہ بخاری پاکستانی ہے۔ خواب بیان کرنے کے بعد اس بزرگ نے فرمایا کہ آپ نے بتایا ہے کہ وہ بیمار تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی وفات ہو چکی ہے۔ امیر جماعت کہتے ہیں جب ہمیں شاہ جی کی وفات کا علم ہوا تو ہم نے حساب لگا کر دیکھا شاہ جی کی وفات بالکل اسی روز ہوئی تھی جس شب اس بزرگ نے یہ خواب دیکھا تھا۔

تاریخ میرے نام کی تعظیم کرے گی
تاریخ کے اوراق میں آئندہ رہوں گا

❑ سید محمد کفیل شاہ بخاری ''معرکہ حق و باطل'' کے نام سے حضرت امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور جسٹس منیر کا ایک دلچسپ اور ایمان افروز مکالمہ بیان کرتے ہیں:

''1953ء کی تحریک ختم نبوت، اپنے شباب پر پہنچ کر مائل بہ اختتام تھی۔ تحریک کی قیادت اور ہزاروں کارکن جیلوں میں بند تھے۔ ''عدالتی تحقیقات'' کے لیے جسٹس منیر اور ایم

آرکیانی پر مشتمل کمیشن (لاہور ہائی کورٹ) سماعت کر رہا تھا۔ جسٹس منیر متعصب قادیانی نواز تھا۔ وہ علماء کو کمرۂ عدالت میں بلا بلا کر بے عزت کر رہا تھا۔ تحریک ختم نبوت کو "احرار، احمدی نزاع" اور "فسادات پنجاب" کا نام دیتا تھا۔ اسلام کو موضوع بحث بنا کر علماء کا مذاق اڑا رہا تھا، اور اپنے قادیانی آقاؤں اور محسنوں کو خوش کر رہا تھا۔

لیکن...... ایک دن وہ اپنی ہی عدالت میں پکڑا گیا۔ اس نے قائد تحریک تحفظ ختم نبوت، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری (علیہ الرحمتہ) کو عدالت میں طلب کر لیا۔ حکومت نے بیان داخل کرنے کے لیے امیر شریعتؒ کو سکھر جیل سے لاہور سنٹرل جیل منتقل کر دیا۔ پیشی کی تاریخ پر امیر شریعتؒ اور ان کے قیدی رفقاء کو سخت پہرے میں عدالت میں لایا گیا۔

عدالتی ہرکارے نے آواز لگائی: سرکار بنام عطاء اللہ شاہ بخاری وغیرہ وغیرہ

اب، امیر ختم نبوت امیر شریعت، پورے قلندرانہ جاہ وجلال اور ایمانی جرأت و وقار کے ساتھ کمرۂ عدالت میں داخل ہوئے۔ سرفروشانِ احرار نے پورے ہائی کورٹ کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔

عدالت کے دروازے پر ہزاروں فدائین ختم نبوت اور شمع ناموس رسالت ﷺ کے پروانے نعرہ زن تھے۔ نعرۂ تکبیر...... اللہ اکبر، تاج و تختِ ختم نبوت...... زندہ باد، مرزائیت...... مردہ باد۔ امیر شریعتؒ نے عدالت کے دروازے پر کھڑے ہو کر ہتھکڑیاں فضا میں لہرائیں اور ہاتھ سے اشارہ کیا۔

مجمع وارفتگی سے پوچھ رہا تھا:

کہیے کیا حکم ہے؟ دیوانہ بنوں یا نہ بنوں؟

حکم ہوا...... خاموش!

تمام مجمع ساکت و جامد!

امیر شریعتؒ عدالت میں داخل ہو گئے۔

جسٹس منیر بغض و حسد سے بھرا ہوا، غصے سے لال پیلا، گردن تنی ہوئی اور تکبر و غرور کا پیکر ناہنجار بنا کرسی پر بیٹھا تھا۔

مردِ مومن کے چہرۂ انور پر نگاہ پڑی تو اس کی آنکھیں جھک گئیں۔

جسٹس منیر دوسری مرتبہ آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ کر سکا۔

کارروائی شروع ہوئی۔

امیر شریعتؒ نے اپنا تحریری بیان عدالت میں پیش کیا۔ جسٹس منیر نے ایک نظر بیان کو دیکھا (جسے اس نے ''منیر انکوائری رپورٹ'' میں شامل نہیں کیا) اور پھر اپنے مخصوص چبھتے ہوئے انداز میں سوالات کا آغاز کر دیا۔

جسٹس منیر: ہندوستان میں اس وقت کتنے مسلمان ہیں؟

امیر شریعتؒ: سوال غیر متعلق ہے، مجھ سے پاکستان کے مسلمانوں کے بارے میں پوچھیں۔

جسٹس منیر: (تمسخر آمیز لہجے میں) ہندوستان اور پاکستان میں جنگ چھڑ جائے تو ہندوستان کے مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟

امیر شریعتؒ: ہندوستان میں علماء موجود ہیں، وہ بتائیں گے۔

جسٹس منیر: (طنز کرتے ہوئے) آپ بتا دیں؟

امیر شریعتؒ: پاکستان کے بارے میں پوچھیں، یہاں کے مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے۔

جسٹس منیر: مسلمان کی تعریف کیا ہے؟

امیر شریعتؒ: اسلام میں داخل ہونے اور مسلمان کہلانے کے لیے صرف کلمہ شہادت کا اقرار و اعلان ہی کافی ہے۔ لیکن اسلام سے خارج ہونے کے ہزاروں روزن ہیں۔ ضروریات دین میں کسی ایک کا انکار کفر کے ماسوا کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات عالیہ میں سے کسی ایک کو بھی انسانوں میں مانا تو مشرک، قرآن کریم کی کسی ایک آیت یا جملہ کا انکار کیا تو کافر، اور نبی کریم ﷺ کے منصب ختم نبوت کے بعد کسی انسان کو کسی بھی حیثیت میں نبی مانا تو مرتد۔

جسٹس منیر: (قادیانی وکیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟

امیر شریعتؒ: خیال نہیں عقیدہ۔ جو ان کے بڑوں کے بارے میں ہے۔

مرزائی وکیل: نبی کی تعریف کیا ہے؟

امیر شریعتؒ: میرے نزدیک اسے کم از کم ایک شریف آدمی ہونا چاہیے۔

جسٹس منیر: (بدتمیزی کے انداز میں) آپ نے مرزا قادیانی کو کافر کہا ہے؟

امیر شریعتؒ: میں اس سوال کا آرزو مند تھا۔ کوئی بیس برس ادھر کی بات ہے، یہی عدالت تھی جہاں آپ بیٹھے ہیں، یہاں چیف جسٹس، مسٹر جسٹس ڈگلس ینگ تھے۔ اور جہاں مسٹر کیانی بیٹھے ہیں، یہاں رائے بہادر جسٹس رام لال تھے۔ یہی سوال انھوں نے مجھ سے پوچھا تھا۔ وہی جواب آج دہراتا ہوں۔ میں نے ایک بار نہیں ہزاروں مرتبہ، مرزا کو کافر کہا ہے، کافر کہتا ہوں اور جب تک زندہ ہوں گا کافر کہتا رہوں گا۔ یہ میرا ایمان اور عقیدہ ہے اور اسی پر مرنا چاہتا ہوں۔ مرزا قادیانی اور اس کی ذریت کافر و مرتد ہے۔ مسیلمہ کذاب اور ایسے ہی دیگر جھوٹوں کو دعویٰ نبوت کے جرم میں قتل کیا گیا۔

جسٹس منیر: (غصے سے بے قابو ہو کر، دانت پیستے ہوئے) اگر غلام احمد قادیانی آپ کے سامنے یہ دعویٰ کرتا تو آپ اسے قتل کر دیتے؟

امیر شریعتؒ: میرے سامنے اب کوئی دعویٰ کر کے دیکھ لے!

حاضرین عدالت: نعرۂ تکبیر، اللہ اکبر، ختم نبوت...... زندہ باد، مرزائیت...... مردہ باد...... کمرۂ عدالت لرز گیا۔

جسٹس منیر: (بوکھلا کر) توہین عدالت......!

امیر شریعتؒ: (جلال میں آ کر) توہین رسالت......!

جسٹس منیر...... دم بخود، خاموش، مبہوت، حواس باختہ، چہرہ زرد، ہوش عنقا...... پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگا۔

''عدالت'' امیر شریعت کی جرأت ایمانی اور جذبۂ حب رسول ﷺ دیکھ کر سکتے میں آ چکی تھی۔

امیر شریعتؒ: (گرج دار آواز میں) کچھ اور......؟

جسٹس منیر: (پریشانی میں بڑبڑاتے ہوئے) میرا خیال ہے ہمیں مزید کچھ بھی نہیں پوچھنا! عدالت برخواست ہو جاتی ہے۔

وہ صداقت جس کی بیبا کی تھی حسرت آفریں

مولانا ظفر علی خانؒ

مولانا ظفر علی خاں بیسویں صدی کے آسمان علم و ادب کے ماہتاب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند پایہ ادیب، خطیب، صحافی، شاعر اور دینی غیرت و حمیت کے حامل ایک

مجاہد شخص تھے۔ مولانا نے 1933ء میں قادیانیت کے عوامی احتساب کے لیے ایک جماعت بنائی۔ اس جماعت نے تقریباً ہر روز پبلک جلسے منعقد کرنا شروع کر دیے۔ حکومت نے قادیانی امت کی پشت پناہی کے لیے اندیشہ نقضِ امن کی آڑ لے کر 4 مارچ 1933ء کو مولانا ظفر علی خان اور ان کے رفقاء مولانا احمد علیؒ، مولانا حبیب الرحمٰن، مولانا عبدالحنان، مولانا لال حسین اختر، مولانا محمد بخش مسلم اور خان احمد یار رزمی کو گرفتار کرلیا۔ یہ پہلا مقدمہ تھا جو سیاسی پس منظر کے تحت مرزائیت کی حمایت میں حکومت نے پہلی دفعہ مسلمان زعماء کے خلاف تیار کیا۔ ٹھاکر کیسر سنگھ مجسٹریٹ درجہ اوّل نے حفظ امن کے لیے ضمانت طلب کی۔ مولانا احمد علی، مولانا حبیب الرحمٰن اور مولانا محمد بخش مسلم کے عقیدت مندوں نے ضمانتیں داخل کر دیں۔ لیکن مولانا ظفر علی خان، مولانا عبدالحنان، مولانا لال حسین اختر اور احمد یار خان نے انکار کر دیا۔ عدالت نے وہ نوٹس پڑھ کر سنایا، جو اس مقدمہ کی بنیاد تھا کہ:

"تمھارے اور احمدی جماعت کے درمیان اختلاف ہے، تم نے اس کے عقائد اور اس کے مذہبی پیشوا پر حملے کیے ہیں، جس سے نقضِ امن کا اندیشہ پیدا ہو گیا ہے۔ وجہ بیان کرو کہ تم سے کیوں نہ نیک چلنی کی ضمانت طلب کی جائے۔"

مولانا نے عدالت کو جواب دیتے ہوئے کہا:

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مسلمانوں کے ہاتھوں مرزائیوں کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچے گا، لیکن جہاں تک مرزا قادیانی کا تعلق ہے، ہم اس کو ایک بار نہیں، ہزار بار دجال کہیں گے، اس نے حضور ﷺ کی ختم المرسلینی میں اپنی جھوٹی نبوت کا ناپاک پیوند جوڑ کر ناموس رسالت ﷺ پر کھلم کھلا حملہ کیا ہے۔ اپنے اس عقیدے سے میں ایک منٹ کے کروڑویں حصے کے لیے بھی دست کش ہونے کو تیار نہیں اور مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ مرزا غلام احمد دجال تھا، دجال تھا، دجال تھا۔ میں اسی سلسلہ میں قانون انگریزی کا پابند نہیں۔ میں قانون محمدی ﷺ کا پابند ہوں۔"

قرآن و حدیث کی روشنی اور عشق رسالت مآب ﷺ میں ڈوبے ہوئے مولانا ظفر علی خانؒ کے یہ اشعار آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں:

نماز اچھی، حج اچھا، روزہ اچھا، زکوٰۃ اچھی
مگر میں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ بطحا کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

حضرت مولانا لال حسین اختر

حضرت مولانا لال حسین اختر فرماتے ہیں: ''ایک دفعہ مجھے لاہوری مرزائیوں کے چند مبلغ ملے۔ انھوں نے میرے سامنے اپنی جماعت کے تبلیغی کارناموں کو نہایت ہی مبالغہ آمیزی سے بیان کیا اور آنجہانی مرزا قادیانی کی اسلامی خدمات کے بڑھ چڑھ کر افسانے سنائے اور کہا: ''ہماری جماعت کے وہی عقائد ہیں جو اہل سنت والجماعت کے ہیں۔ مرزا قادیانی مدعی نبوت نہیں تھے۔ جن لوگوں نے مرزا قادیانی کی طرف دعویٰ نبوت منسوب کیا ہے، انھوں نے مرزا قادیانی کے متعلق جھوٹ بولا ہے اور بہتان طرازی وافتراء پردازی سے کام لیا ہے۔ اپنے اس بیان کو درست ثابت کرنے کے لیے مرزا قادیانی کی ابتدائی کتابوں سے چند حوالے بھی پڑھ کر سنائے جن میں مرزا قادیانی نے مدعی نبوت کو کافر، دجال اور دائرہ اسلام سے خارج لکھا ہے۔ چونکہ مرزائی مذہب کے متعلق میرا مطالعہ صفر کے برابر تھا، اس لیے میں تبلیغ اسلام کے نام پر ان کے دام تزویر میں پھنس گیا اور بدقسمتی سے مرزا قادیانی کی مجددیت ومہدویت کا پھندا اپنے گلے میں ڈال لیا۔ بیعت کرنے کے بعد انجمن کے تبلیغی کالج میں داخل ہوا۔ سنسکرت پڑھی اور ویدوں وغیرہ کا مطالعہ کیا۔ مدت معینہ میں کورس ختم کرنے کے بعد بحیثیت ایک کامیاب مبلغ کے مجھے تبلیغ واشاعت کے کام پر لگا دیا گیا۔ اس دوران میں، میں نہ صرف مبلغ اور مناظر ہی کے فرائض سرانجام دیتا رہا بلکہ سیکرٹری احمدیہ ایسوسی ایشن، ایڈیٹر اخبار ''پیغام صلح'' اور ''محصل'' وغیرہ کے ذمہ دارانہ عہدوں پر بھی فائز رہا اور آٹھ سال تک پوری جانفشانی وسرگرمی کے ساتھ مرزائی عقائد کی تبلیغ واشاعت کرتا رہا۔

1931ء کے وسط میں، میں نے یکے بعد دیگرے متعدد خواب دیکھے جن میں مرزا قادیانی کی نہایت گھناؤنی شکل دکھائی دی اور اسے بری حالت میں دیکھا۔ میں یہ خواب مرزائیوں سے بیان نہ کرسکتا تھا کیونکہ اگر انھیں یہ خواب سنائے جاتے تو وہ مجھے کہتے کہ یہ شیطانی خواب ہیں۔ نہ ہی کسی مسلمان کو یہ خواب بتا سکتا تھا کیونکہ اگر انھیں یہ خواب سنائے جاتے تو وہ کہتے کہ مرزا قادیانی اپنے تمام دعاوی میں جھوٹا ہے۔ مرزائیت سے توبہ کر لیجیے۔

میری حالت یہ تھی۔

دو گونہ رنج و عذاب است جان مجنوں را
بلائے فرقت لیلیٰ و صحبت لیلیٰ

ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ ایک چٹیل میدان میں ہزاروں لوگ حیران و پریشان کھڑے ہیں۔ میں بھی ان میں موجود ہوں۔ ان کے چاروں طرف لوہے کے بلند و بالا ستون ہیں اور ان پر زمین سے لے کر قد آدم تک خاردار تار لپٹا ہوا ہے۔ تار کے اس حلقے سے باہر نکلنے کا کوئی دروازہ یا راستہ نہیں۔ ہزاروں اشخاص کو اس میں قید کر دیا گیا ہے۔ ان میں چند میری شناسا صورتیں بھی ہیں۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ ہمیں اس مصیبت میں گرفتار کیوں کیا گیا ہے؟ انھوں نے مجھے جواباً کہا کہ ہمیں احمدیت کی وجہ سے مخالفین نے یہاں بند کر دیا ہے۔ یہاں سے کچھ فاصلہ پر ''حضرت مسیح موعود'' پلنگ پر سوئے ہوئے ہیں۔ انھیں ہماری خبر نہیں کہ وہ ہماری رہائی کے لیے کوشش کر سکیں۔ ہم میں سے کسی کے پاس کوئی اوزار نہیں کہ جس سے خاردار تار کو کاٹ کر باہر نکلنے کا راستہ بنایا جا سکے۔ میں نے خاردار تار کے چاروں طرف گھومنا شروع کیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک جگہ سے زمین کی سطح کے قریب تار ڈھیلا ہے۔ میں زمین پر بیٹھ گیا اور اس تار کو اپنے وائیں پاؤں سے نیچے دبایا تو وہ تار زمین کے ساتھ جا لگا۔ سر کے قریبی تار کو ذرا سا اوپر کو دھکا دیا تو دونوں تاروں میں اس قدر فاصلہ ہو گیا کہ میں تار سے باہر نکل آیا۔

مجھے کافی فاصلہ پر پلنگ نظر آیا جس پر مرزا غلام احمد قادیانی چادر اوڑھے لیٹا ہوا تھا۔ میں نہایت ادب و احترام سے پلنگ کے قریب پہنچ گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اس نے اپنے چہرہ سے چادر سرکائی تو اس کا منہ قریباً دو فٹ لمبا اور شکل خنزیر کی ہے۔ ایک آنکھ بالکل بے نور اور بند تھی۔ دوسری آنکھ ماش کے وانے کے برابر تھی۔ اس نے کہا میری بہت بری حالت ہے۔ اس کی آواز کے ساتھ شدید قسم کی بدبو پیدا ہوئی۔ اس کی شکل اور بدبو سے میں کانپ گیا اس پر میری آنکھ کھل گئی اور میری نیند جاتی رہی۔

چند دنوں بعد دوسری دفعہ پھر خواب دیکھا کہ ایک شخص مجھ سے قریباً دو سو گز آگے جا رہا ہے۔ میں اس کے پیچھے پیچھے چل رہا ہوں۔ تانت (جس سے روئی دھنی جاتی ہے) کا ایک سرا اس کی کمر میں بندھا ہوا ہے اور دوسرا سرا میری گردن میں۔ ہمارا سفر مغرب سے مشرق کی

طرف ہے۔ دوران سفر راستہ پر دائیں طرف ایک نہایت وجیہ شخص نظر آئے۔ سفید رنگ، درمیانہ قد، روشن آنکھیں، سفید پگڑی، سفید لمبا کرتہ، سفید شلوار، مسکراتے ہوئے مجھے فرمایا کہ کہاں جا رہے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ جہاں میرے آگے جانے والے مجھے لے جا رہے ہیں۔ کہنے لگے جانتے ہو یہ کون ہے اور تمہیں کہاں لے جا رہا ہے؟ میں نے کہا، مجھے معلوم نہیں کہ یہ کون ہے اور مجھے کہاں لے جا رہا ہے؟ فرمانے لگے یہ آنجہانی مرزا قادیانی ہے۔ خود جہنم کو جا رہا ہے اور تمہیں بھی وہیں لیے جا رہا ہے۔ میں نے کہا کہ دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں جو جان بوجھ کر جہنم میں جائے اور دوسروں کو بھی جہنم میں لے جائے۔ انھوں نے کہا کہ مسیلمہ کذاب کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا اس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے عمداً جہنم کا راستہ اختیار نہ کیا تھا؟ میں ان کی اس دلیل کا جواب نہ دے سکا تو فرمانے لگے، غور سے سامنے دیکھو۔ میں نے سامنے نگاہ کی تو مجھے دور حد نگاہ پر زمین سے آسمان تک سرخی دکھائی دی۔ انھوں نے پوچھا جانتے ہو، یہ سرخ رنگ کیا ہے؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا۔ کہنے لگے یہی تو جہنم کے شعلے ہیں۔ میں حسب سابق چل رہا تھا۔ وہ بھی میرے ساتھ ساتھ قدم اٹھائے جا رہے تھے۔ اچانک وہ غائب ہو گئے۔ میں بدستور اس شخص (مرزا قادیانی) کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا۔ ہم سرخی (جہنم کے شعلوں) کے قریب پہنچ رہے تھے۔ اب تو مجھے حرارت بھی محسوس ہونے لگی۔ وہ وجیہ شخصیت پھر نمودار ہوئی، انھوں نے تانت پر زور سے ضرب لگائی۔ تانت ٹوٹ گئی اور میں نے دیکھا کہ مرزا قادیانی جہنم میں گر گیا ہے۔ اور میں بچ گیا۔ اس پر میری آنکھ کھل گئی۔

اگرچہ پہلے بھی مرزا غلام احمد کے بعض ''الہامات'' اور اس کی چند ''پیشگوئیاں'' میرے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتی تھیں، لیکن حسن عقیدت اور غلو محبت کی طاقتیں ان خیالات کو فوراً دبا دیتی تھیں اور دل کو تسلی دے دیتا تھا کہ مرزا نبی تو نہیں کہ جس کے تمام ارشادات صحیح ہوں۔ ان خوابوں کی کثرت سے متاثر ہو کر میں نے غور و فکر کیا کہ گو ہمارے خوابوں پر دین کا مدار نہیں اور نہ ہی یہ حجت شرعی ہیں لیکن ان سے صداقت کی طرف راہنمائی تو ہو سکتی ہے۔ آخر میں نے فیصلہ کیا کہ مرزا قادیانی کی محبت اور عداوت دونوں کو بالائے طاق رکھ کر اور ان سے صرف نظر کرتے ہوئے مرزائیت کے صدق و کذب کو تحقیقات کی کسوٹی پر پرکھنا چاہیے۔

خدائے واحد و قدوس کو حاظر و ناظر سمجھتے ہوئے یہ اعلان کر دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں

کہ میں نے مرزا قادیانی کی محبت اور عداوت کو چھوڑ کر اور خالی الذہن ہو کر اس کی اپنی مشہور تصنیفات اور قادیانی و لاہوری ہر دو فریق کی چیدہ چیدہ کتابوں کو جو مرزا کے دعاوی کی تائید میں لکھی گئی تھیں، چھ ماہ میں نظر غائر سے بطور ایک محقق پڑھا اور علماء اسلام کی تردید مرزائیت کے سلسلہ میں چند کتابیں مطالعہ کیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جتنا زیادہ میں نے مطالعہ کیا، اتنا ہی مرزائیت کا کذب مجھ پر واضح ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ مجھے یقین کامل ہو گیا کہ مرزا قادیانی اپنے دعویٰ الہام، مجددیت، مسیحیت، نبوت وغیرہ میں جھوٹا اور کذاب تھا۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ حضور رسالت مآب ﷺ آخری نبی ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں۔ وہ قیامت سے پہلے ہماری دنیا میں بحیثیت امتی واپس تشریف لائیں گے۔''

شیخ الاسلام حضرت خواجہ قمر الدین سیالویؒ

تحریک ختم نبوت 1953ء میں برکت علی اسلامیہ ہال میں منعقدہ تحفظ ختم نبوت کنونشن میں پیکر جرأت و غیرت قمر الملت حضرت خواجہ قمر الدین سیالویؒ نے انتہائی جذباتی انداز میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا: قادیانیوں کا مسئلہ باتوں سے حل نہیں ہوگا۔ آپ مجھے حکم دیں، میں قادیانیوں سے خود نپٹ لوں گا اور چند روز میں ربوہ کو صفحہ ہستی سے مٹا دوں گا۔''

قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی امنگوں کے ترجمان، سرمایہ اہلسنت والجماعت، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے دوسرے امیر مرکزیہ، خطیب پاکستان حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ نے فرمایا:

''ہم مرزائیوں کو اسلام اور پاکستان کا سب سے بڑا دشمن خیال کرتے ہیں اور اس کے استیصال کے لیے ہر ممکن قربانی دینے کے لیے تیار ہیں۔''

ایک موقع پر فرمایا: ''جس طرح سورج کو حق ہے کہ وہ سیاہی اور تاریکی پر حملہ کرے، اسی طرح ہمیں بھی یہ حق ہے کہ فخر دو عالم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے تاج و تختِ ختم نبوت کی حفاظت کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیں۔''

ایک اور موقع پر فرمایا: ''حق، باطل کی ریشہ دوانیوں کو کبھی برداشت نہیں کر سکتا۔''

مزید فرمایا: ''آج کے دور میں عقلیت کا دور دورہ ہے، ہر شخص اپنی عقل کے بل بوتے پر ہر چیز

کو پرکھنے کا قائل ہے، اگر وہ واقعی نبوت اور جھوٹے دعوائے نبوت، اسی طرح نبی اور جھوٹے مدعی نبوت کے درمیان فرق کو سمجھنا اور حق و باطل کو پرکھنا چاہے، تو اسلام اور قادیانیت کے تقابلی مطالعہ سے وہ بڑی آسانی سے یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ حق و سچ کیا ہے؟ سچے نبی میں کیا خوبیاں ہوتی ہیں؟ اور جھوٹے مدعی نبوت ان خوبیوں سے کس طرح عاری ہوتے ہیں؟ اخلاق وکردار کی کن بلندیوں پر انبیاء کرام علیہم السلام فائز ہوتے ہیں جبکہ جھوٹے مدعی نبوت بشمول مرزا قادیانی اخلاقی اعتبار سے پستی کے اسفل درجہ میں پڑے ہوئے ہیں۔"

ختم نبوت کے شیدائی و فدائی قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ کی زندگی کے آخری ایام کا واقعہ پڑھیے اور ختم نبوت کا کام کرنے کی اہمیت وافادیت دیکھیے!

"شیخ عبدالمجید صاحب سابق میونسپل کمشنر شجاع آباد، جو قاضی صاحبؒ کے ساتھ کافی عرصہ ایک بھائی اور دوست کی حیثیت سے رہے ہیں، بیان کرتے ہیں کہ بیماری کے ابتدائی ایام میں قاضی صاحبؒ نشتر ہسپتال ملتان میں ڈاکٹر عبدالرؤف کے زیر علاج تھے۔ دوپہر کا وقت تھا، میں جاگ رہا تھا، قاضی صاحب کو نیند آ گئی۔ تھوڑی دیر بعد کیا سنتا ہوں کہ قاضی صاحب بڑی لجاجت سے کہہ رہے ہیں کہ "حضور ﷺ! میں آپ کی ختم نبوت کی خاطر اتنی بار جیلوں میں گیا ہوں، میں نے ملک کے ذمہ دار حکمرانوں کو قادیانی فتنہ سے آگاہ کیا ہے، حضور! یہ سب کچھ میں نے آپ کی خاطر کیا ہے۔" اس کے تھوڑی دیر بعد درود شریف پڑھنے لگے، میں یہ سمجھا شاید قاضی صاحب کا آخری وقت ہے مگر کچھ دیر بعد وہ خود بخود بیدار ہو گئے۔ ہشاش بشاش تھے، درود شریف پڑھ رہے تھے۔" اس کے بعد قاضی صاحب نے فرمایا کہ "میرے متعلق تحریک ختم نبوت 1953ء کی تحقیقاتی رپورٹ میں ججوں نے یہ لکھ دیا ہے کہ اس شخص کی زندگی کا واحد مقصد مرزائیت کی تردید اور ان کی بیخ کنی کرنا ہے۔ چنانچہ میں نے اپنے متعلقین سے کہہ دیا ہے کہ جب میں مروں تو یہ الفاظ کاٹ کر میرے کفن میں رکھ دینا، کیا عجب کہ یہی بات میری بخشش کا سبب بن جائے۔"

قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ کے غیر متزلزل عزم و ہمت کا ایک واقعہ 1954ء میں پیش آیا۔ مولانا تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں ملتان جیل میں نظر بند تھے، اسی دوران ان کے والد ماجد انتقال کر گئے۔ جیل کے حکام نے مولانا سے کہا:

"اگر آپ اعلیٰ حکام سے معافی مانگ لیں تو آپ کو رہا کیا جا سکتا ہے اور آپ

اپنے والد ماجد بزرگوار کی نمازِ جنازہ میں شرکت کر سکتے ہیں۔ مولانا نے خشمگیں انداز میں کہا کہ میں نے یہ جیل رسول اکرم ﷺ کے نام کے تحفظ کی خاطر قبول کی ہے۔ آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں رسول اکرم ﷺ کو بھول جاؤں اور والد کی محبت سے متاثر ہو کر آقائے نامدار ﷺ کو دھوکہ دے جاؤں۔ میں نبی کریم ﷺ کے غلاموں کا غلام ہوں، مجھ پر اس جیسی ایک ہزار مصیبتیں بھی اگر نازل ہو جائیں تو بھی میں اُف نہ کروں گا۔" جیل کے حکام مولانا کے اس دلیرانہ جواب کو سن کر اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

مولانا محمد علی جالندھریؒ

مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ کے فاضل اجل اور عالم بے بدل ہونے کا ایک زمانہ معترف ہے۔ وہ درویش صفت مبلغ ہونے کے ساتھ ساتھ خطابت کے بادشاہ بھی تھے۔ بات کو تمثیل کے ساتھ سمجھانے کا ڈھنگ جانتے اور اس میدان میں اپنی نظیر آپ تھے۔ تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر ان کی خدمات آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

مولانا محمد علی جالندھریؒ 20 سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند سے مروجہ درسِ نظامی کی سندِ تکمیل لے کر نکلے اور یوں ان کی کتاب زندگی میں ایک شاندار باب کی تکمیل ہوئی۔ جس دن دارالعلوم سے نکل رہے تھے اس دن سید انور شاہ کشمیریؒ نے الگ بلا کر کہا "تحفظ ختم نبوت کو اپنا مشن بنا لینا۔" فرمایا کرتے تھے جب میں دارالعلوم سے نکلا تو میرے ذہن میں دو باتوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ ایک انگریز سے نفرت، دوسرا آنجہانی مرزا قادیانی کی جھوٹی نبوت کے خلاف جہاد کا جذبہ، گویا کہ میری سند میں انھیں دو مضمونوں سے فراغت کی شہادت درج تھی۔

□ حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ کی تقاریر میں وہ جذب اور کیفیت ہوتی تھی کہ قلم جس کو لکھنے سے قاصر اور زبان بیان کرنے سے عاجز ہے۔ ایک جمعہ میں فرمایا کہ ہم ایک ایک کے دروازے پر جا کر دستک دیں گے اور دامن پھیلا کر ناموس رسالت ﷺ و ختم نبوت کا واسطہ دے کر بھیک مانگیں گے، اور پھر گلوگیر لہجہ میں فرمایا کہ دیوبندی اپنے آپ کو کہتے ہیں کہ ہم علمائے حق کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ ختم نبوت پر ڈاکہ ڈالا جا رہا ہے اور تم خاموش اپنے گھروں میں بیٹھے ہو۔ میں بریلوی حضرات سے عرض کرتا ہوں کہ تمھیں دعویٰ ہے کہ تم سے زیادہ اور بڑا کوئی عاشق رسول نہیں اور یارسول اللہ کے نعرے لگاتے ہو۔ کیا تم کو اس کی خبر نہیں کہ رسول اللہ ﷺ قبر اطہر میں بے چین ہیں اور تم اپنے

حلوے مانڈے کی فکر میں ہو اور اہل حدیث حضرات سے سوال کرتا ہوں کہ تمھیں دعویٰ ہے کہ تمھارے سوا کوئی بھی زیادہ حدیث پر عمل کرنے والا نہیں۔ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ احادیث کے مقابلے میں نئی احادیث بنائی جا رہی ہیں اور شیعہ حضرات سے بھی پوچھتا ہوں کہ تمھیں شیعان علی کا دعویٰ کرتے ہوئے شرم آنا چاہیے کہ ایک شخص حضرت فاطمہ الزہراؓ کے متعلق بکواس کرتا ہے اور حسنینؓ اور کربلا کے متعلق جو کچھ بکتا ہے، کیا تم اس سے بے خبر ہو، کیا تمھیں اس کی خبر نہیں؟

☐ ایک بار حضرت مولانا جالندھریؒ کا چک 6، تحصیل چشتیاں (ضلع بہاولنگر) جانا ہوا۔ چشتیاں تک ریل گاڑی میں سفر کیا۔ آگے چک تک منتظمین جلسہ نے تانگے کا انتظام کیا۔ راستے میں تانگہ خراب ہو گیا۔ طرفہ تماشا یہ ہوا کہ اسی تانگہ میں جلسہ کے لیے لاؤڈ سپیکر اور بیٹری بھی لدے ہوئے تھے۔ آپ کی علمی وجاہت کے پیش نظر یہ سوچا گیا کہ کسی اور سواری کا انتظام کیا جائے اور انتظار کیا جائے۔ آپ نے ساتھ لے جانے والے ساتھی سے کہا "میاں دوسری سواری کے آنے تک ہم پیدل چل کر جلسہ گاہ تک پہنچ جائیں گے۔" آپ تو پیدل چل لیتے مگر مسئلہ لاؤڈ سپیکر اور بیٹری کا تھا۔ آپ نے اپنے ساتھی کو سمجھا بجھا کر آمادہ کر لیا کہ وہ لاؤڈ سپیکر سر پر اٹھائے اور آپ بیٹری اٹھائیں گے۔ فرمایا کرتے تھے "بیٹری وزنی تھی، میں تھک کر چور ہو گیا مگر چلتا رہا اور دعا کرتا گیا اے اللہ! تیرے نبی اکرم ﷺ کی ختم نبوت کی خدمت ہے، قبول کر لینا۔ اس محبوب ﷺ کے لیے میری جان بھی قربان ہو جائے تو زہے نصیب۔"

تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں ہمیں بھی ایسے چھوٹے چھوٹے کام کرتے ہوئے کوئی عار محسوس نہیں کرنی چاہیے۔ بظاہر ایسی چھوٹی چھوٹی نیکیاں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہاڑ برابر ثواب کا درجہ رکھتی ہیں۔

☐ حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ نے ایک مرتبہ کسی جلسہ میں دوران تقریر فرمایا:

"دیکھو! میں اپنی عمر کے آخری پیٹے میں ہوں، بوڑھا ہو گیا ہوں، شاید جدائی کا وقت قریب ہو، میں تین طبقوں سے ایک ہی درخواست کرنا چاہتا ہوں، شاید آپ اس پر عمل کر کے میری قبر ٹھنڈی کریں۔

1- سرکاری حکام اور ارباب حل و عقد کو میری وصیت ہے کہ وہ عقیدۂ ختم نبوت کے وفادار بن کر رہیں اور کسی عہدہ کے لالچ یا دنیا کی عارضی عزت کے بدلے پیارے

رسول اللہ ﷺ سے بے وفائی کرتے ہوئے منکرینِ ختم نبوت کی مدد یا حوصلہ افزائی نہ کریں، ورنہ ان کا حشر وہی ہوگا جو ان سے پہلے ان حکام کا ہو چکا ہے جنھوں نے آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت کا عہد وفا توڑ دیا اور دشمنانِ عقیدۂ ختم نبوت کے ہاتھ مضبوط کیے، پھر آپ نے چند ایسے بدنام زمانہ حکام اور افسران کے عبرتناک واقعات بھی سنائے۔

-2 علماءِ کرام کو خبردار کرتا ہوں کہ ان کی یہ درسگاہیں جو ان کے لیے آرام گاہیں بن چکی ہیں، انھیں میسر نہیں رہیں گی، جب ایسے حالات آ جائیں تو ثابت قدمی سے دین پر خود بھی قائم رہیں اور اشاعت دین بھی کرتے رہیں، ایسے حالات میں رستوں پر بیٹھ کر اور درختوں کے سائے میں ڈیرہ ڈال کر اللہ کریم کا دین پڑھاتے اور سکھاتے رہیں۔ آپ کے اسلاف نے ایسا کر کے دکھایا ہے، اس کے برعکس ایسے حالات بھی آئیں گے کہ ملازمت یا عہدہ کا لالچ دے کر علماء کو خدمت دین سے باز رکھا جائے گا۔ خدارا، بھوکوں مر جانا مگر اللہ کریم کے دین سے بے وفائی کر کے اس دنیا کی فنا ہونے والی عزت پر نقد دین نہ لٹوانا، دین سکھاتے رہنا، بے شک کچھ بھی ہو جائے۔

-3 عام لوگوں سے میری درخواست ہے کہ ایک وقت ایسا آ سکتا ہے جب عقیدہ ختم نبوت کا نام لینا جرم بن جائے گا، اللہ کرے ایسا نہ ہو، لیکن اگر حالات تمھیں ایسے موڑ پر لا کھڑا کر دیں تو جان دے دینا مگر باوفا نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے دنیا کی عارضی تکلیف پر بے وفائی نہ کرنا اور اپنے عقیدہ پر جمے رہنا، یہاں تک کہ موت تمھیں دنیا کی ان عارضی چیزوں سے بچا کر اللہ کریم کی دائمی نعمتوں والی جنت میں داخل کر دے کہ جس کی نعمتوں کے بارہ میں ارشاد ہے:

"مالا عين رأت ولا اذن سمعت ولا خطر على قلب بشر." (متفق علیہ)

ترجمہ: ''نہ کسی آنکھ نے انھیں دیکھا، نہ کسی کان نے ان کے تذکرے سنے اور نہ کسی دل پر ان (کی رنگا رنگی) کا خیال گزرا۔''

- ضلع سرگودھا کے پہاڑی علاقہ میں غیر مسلموں کا ایک آشرم تھا جو قادیانیوں نے الاٹ کرا لیا تھا اور وہاں اپنی تبلیغی سرگرمیاں جاری کر دیں۔ حضرت امیر شریعتؒ کو جب علم ہوا

تو اس علاقہ میں موضع جابہ کے قریب سالانہ کانفرنس منعقد کرنے کا حکم دیا۔ یہ کانفرنس دو یوم کے لیے ایک عرصہ دراز سے مرکزی جماعت تحفظ ختم نبوت کے خرچ پر ہر سال ماہ ستمبر میں ہوتی ہے۔ 1982ء میں بعض مجبوریوں کی بناء پر ایک میل دور ضلع اٹک کی حدود میں نئی جگہ کانفرنس منعقد کی گئی۔ کانفرنس کے چند روز قبل تلہ گنگ کے حاجی محمد ابراہیم (ملک وال) نے خواب دیکھا کہ خود حاجی صاحب اور مولانا فضل احمد صاحب مع دیگر احباب کانفرنس کی شرکت کے لیے اس نئی جگہ میں آئے۔ جب پہنچے تو دیکھا اس میدان میں آنحضرت ﷺ تشریف رکھتے ہیں اور فرما رہے ہیں، دیر ہو رہی ہے، جلسہ جلدی شروع کرو۔ محمد علی جالندھری سے کہو کہ جلسہ میں دیر نہ کیا کرے۔

☐ مولانا مرحوم خود سنایا کرتے تھے کہ تقسیم سے قبل میں ایک گاؤں میں وعظ کے ارادے سے گیا۔ وہاں مرزائیوں کا بڑا اثر و رسوخ تھا۔ انھوں نے مسلمانوں کو منع کر دیا کہ مولوی صاحب وعظ نہ کریں۔ مسلمانوں نے مجھے روک دیا۔ میں عشاء کی نماز پڑھ کر سو گیا۔ میرے دل و دماغ پر صدمہ کے اثرات تھے کہ مسلمانوں کی بے حسی کا یہ عالم ہے کہ یہ قادیانیوں سے اتنے مرعوب ہیں۔ رات کو خواب میں مجھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زیارت ہوئی۔ میں انھیں خواب میں دیکھتے ہی حدیثوں کے مطابق ان کی علامتوں و نشانیوں کو پوری کرنے لگ گیا۔ چہرہ مہرہ، شکل و شباہت، وضع قطع، سر کے بالوں سے پانی کا ٹپکنا کہ جس طرح ابھی حمام سے نہا کر تشریف لائے ہوں۔ جب میں نے احادیث میں پڑھی ہوئی علامتوں کو پورا کر کے یقین کر لیا کہ واقعتاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں تو میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کیسے اس دنیا میں آ گئے ابھی تو حضرت مہدی علیہ السلام کا ظہور نہیں ہوا، دجال کا خروج نہیں ہوا۔ آپ نے تو احادیثِ رسول اللہ ﷺ کی رُو سے ان اہم دو امور (ظہور مہدی و خروج دجال) کے بعد تشریف لانا تھا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: محمد علی جالندھری جب تم میری حیات (لوگوں کے روکنے کے باعث) بیان نہیں کرتے تو میں خود اپنی حیات کی دلیل بن کر نہ آؤں تو کیا کروں۔ اس پر مولانا فرماتے ہیں کہ میری آنکھ کھل گئی۔ رات بھر ذکر و فکر میں گزار دی۔ دل میں فیصلہ کر لیا کہ جان جاتی ہے جائے مگر میں صبح حیات عیسیٰ علیہ السلام پر تقریر ضرور کروں گا۔ چنانچہ صبح نماز کے بعد مسجد میں اعلان کیا کہ مسلمانو! تم نے میری تقریر مسجد میں نہیں ہونے دی، اب میں اپنی ذمہ داری پر خود اس گاؤں کے چوک

میں تقریر کرنے لگا ہوں، جو سننا چاہیں آ جائیں۔ میں نے جا کر تقریر شروع کر دی۔ آہستہ آہستہ گاؤں کے لوگ آنے شروع ہو گئے۔ اسی اثناء میں مسلح زمیندار قادیانیوں کا ایک جتھا بھی آ گیا۔ ان کے سردار نے مولانا جالندھری کو مخاطب کرتے ہوئے بڑے غیظ و غضب کے لہجے میں کہا: اگر آپ نے احمدیوں کے متعلق کچھ کہا، یا حیات مسیح کا مسئلہ چھیڑا تو (مسلح آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا) پھر آپ یہ دیکھ رہے ہیں، خیر نہیں گزرے گی۔ وہ یہ کہہ کر خاموش ہوا ہی تھا کہ مولانا نے فرمایا میرے سامنے بڑ کا ایک درخت تھا، اس کے تنے کے قریب سے ایک قد آور نوجوان اٹھا اور للکار کر مجھ سے مخاطب ہوا: مولانا آپ کو خدا کی قسم، جو کچھ کہنا چاہتے ہیں، کھل کر کہیں، یہ لوگ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ میں نے اسے ہاتھ کے اشارے سے بٹھا دیا اور زبان سے اتنا کہا، بہت شکریہ۔ پھر میں نے تقریر شروع کر دی۔ ڈیڑھ دو گھنٹے تقریر کرتا رہا۔ جو کچھ میں کہنا چاہتا تھا، کہا۔ از روئے قرآن و حدیث حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات ثابت کی۔ کسی دشمن کو جرأت نہ ہوئی کہ وہ مجھے روکے۔ مجمع پر ایک سحر طاری تھا۔ جب میں نے تقریر ختم کی تو مجمع عقیدت کے ساتھ مجھ سے ملنے کے لیے امنڈ پڑا۔ مصافحہ کے لیے ہر ہاتھ بڑھ رہا تھا۔ میں نے ان لوگوں سے پوچھا بھئی وہ نوجوان کہاں ہے جس نے زمیندار کے جواب میں مجھے حوصلہ دیا تھا۔ وہ سب کہنے لگے ہم نے تو اسے اس گاؤں میں پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ ہم تو یہ سمجھے وہ آپ کا ہی ساتھی ہے۔ میں نے کہا ''وہ میرا ساتھی تو نہیں تھا۔'' پھر ہم سب خدا کی اس قدرت پر حیرت زدہ رہ گئے۔

مولانا حافظ نواب الدین شکوہیؒ

مولانا نواب الدین شکوہیؒ معروف نعت گو شاعر حافظ مظہر الدینؒ کے والد محترم تھے۔ رام داس ضلع امرتسر کے رہنے والے تھے۔ جھوٹے مدعی نبوت مرزا قادیانی کے تعاقب کے شوق میں قادیان سے تھوڑے فاصلہ پر شکوہ میں ڈیرے ڈال لیے جو بٹالہ سے قادیان جانے والی سڑک پر واقع ہے۔ مرزا قادیانی اور اس کے مریدوں سے کئی ایک مناظرے کیے۔ چنانچہ حافظ مظہر الدینؒ لکھتے ہیں۔

''جب مرزا قادیانی ایک مقدمہ میں ماخوذ ہو کر کچہری میں آیا تو والد صاحب بھاگم بھاگ کچہری پہنچ گئے اور مرزا کے گرد لوگوں کا حلقہ توڑ کر اس کا بازو پکڑ کر اسے شدید جھٹکا

دے کر کہا: ''مردود! اگر نبوت جاری ہوتی اور اللہ تعالیٰ اس علاقہ میں کسی کو نبی بنا کر بھیجتا تو بتا کہ مجھ جیسے وجیہہ انسان کو بھیجتا یا تجھ جیسے بجو کو'' حاضرین کھلکھلا کر ہنس پڑے اور مرزا قادیانی پر سکتے کا عالم طاری ہو گیا۔''

حافظ مظہر الدینؒ لکھتے ہیں کہ میری عمر بہت چھوٹی تھی کہ ہماری ایک رشتہ دار خاتون کا نکاح ایک مرزائی سے ہو گیا تو مولانا شکوہی نے کہا کہ مسلمان کا مرزائی سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ لیکن میرے ماموں محمد ابراہیم تحصیل دار تھے جو مشہور ناول نگار نسیم حجازی کے والد محترم تھے۔ اگرچہ مرزا قادیانی کے بہت خلاف تھے اور مرزائیت کے رد میں بالعموم یہ دلیل دیا کرتے تھے کہ میں نے اور مرزا قادیانی نے پٹوار کا امتحان دیا۔ وہ فیل ہو گیا اور میں پاس ہو گیا۔ جو شخص پٹواری نہ بن سکے، وہ خدا کا رسول کیسے بن سکتا ہے؟ ماموں تحصیل دار کی منشا یہ تھی کہ ہمارے خاندان کی لڑکی عدالت میں نہ جائے۔ چنانچہ والد صاحب نے یہ کہہ کر لڑکی سے نکاح کر لیا کہ عدالت کا معاملہ میں خود نمٹ لوں گا۔ مرزائیوں کو جب اس نکاح کی اطلاع ملی تو انھوں نے گورداسپور کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ یہ مقدمہ سات سال تک چلتا رہا بلکہ مولانا کے حق میں فیصلہ ہوا۔ کیس کے دوران جب مرزا محمود عدالت میں پیش ہوا تو مولانا شکوہیؒ نے فرمایا کہ ''برخوردار تیرے باپ کو حیض آتا تھا اور جسے حیض آئے وہ اللہ کا نبی نہیں ہو سکتا۔'' اس جملہ سے ظفر اللہ خان سٹپٹا گیا۔ یہ تنسیخ نکاح کا پہلا مقدمہ تھا۔

محمدی بیگم سے نکاح آسمانی کا مرزا قادیانی نے شور و غوغا کیا تو مولانا شکوہی، محمدی بیگم کے قصبہ ''پٹی'' پہنچ گئے اور اپنی سحر بیانی سے پٹی کے لوگوں کو اپنے حلقہ ارادت میں شامل کر لیا اور محمدی بیگم کا خاندان مولانا کا مرید ہو گیا۔ یوں مرزا قادیانی کا نکاح آسمانی زمین پر نہ ہو سکا۔

مولانا عبدالستار خاں نیازیؒ

مجاہد ملت حضرت مولانا عبدالستار خاں نیازیؒ تحریک پاکستان کے راہنما، تحریک ختم نبوت کے ہیرو، تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ کے روح رواں اور تحریک تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے سالار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اعلیٰ بصیرت سے نوازا تھا۔ تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر ان کی قربانیاں ناقابل فراموش ہیں۔ 1953ء کی تحریک ختم نبوت میں ان کا بڑا اہم کردار ہے۔

تحریک کے مرکز، مسجد وزیر خاں (لاہور) میں تحریک کی قیادت کرتے رہے۔ بالآخر گرفتار ہوئے۔ فوجی عدالت نے انھیں سزائے موت سنائی۔ آپ نے خندہ پیشانی سے اس سزا کو قبول کیا۔ بعدازاں حکومت نے سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل کر دیا، پھر دو سال اور ایک ماہ بعد یہ سزا بھی ختم ہو گئی۔

مولانا عبدالستار خاں نیازیؒ اپنی اسیری کے بارے میں فرماتے ہیں:

''مجھے اپنی زندگی پر فخر ہے کہ جب تحریک ختم نبوت کے مقدمہ کے بعد میری رہائی ہوئی تو پریس والوں نے میری عمر پوچھی۔ اس پر میں نے کہا تھا۔ ''میری عمر وہ دن اور راتیں ہیں جو میں نے ختم نبوت ﷺ کے تحفظ کی خاطر پھانسی کی کوٹھڑی میں گزاری ہیں کیونکہ یہی میری زندگی ہے اور باقی شرمندگی۔ مجھے اپنی اس جیل والی زندگی پر ناز ہے۔''

☐ حضرت مولانا عبدالستار خاں صاحب نیازیؒ کے ایک مضمون کا اقتباس ملاحظہ فرمایئے۔ آپ مسئلہ ختم نبوت کی اہمیت و نزاکت پر نہایت موثر انداز میں اظہار خیال فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''چودھویں صدی میں تمام عالم اسلام کے اندر ہر محب اسلام کا یہ فرض ہے کہ ختم نبوت کے مسئلہ کو تمام دوسرے مسائل پر ترجیح دے۔ اگر ہم تحفظ ختم نبوت کے ذریعے اپنی بقا کا اہتمام کر لیتے ہیں تو توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قرآن شریف، شریعت الغرض کسی اصول دین کو ضعف نہیں پہنچ سکتا، لیکن خدانخواستہ اگر قادیانی تحفظ ختم نبوت کو ہماری لوح قلب سے ذرا بھی اوجھل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو پھر نہ ہمیں ناموسِ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، ہمارا ایمان برقرار رکھنے میں مدد دے سکتا ہے۔ نہ وِلائے اہل بیتؓ ہماری نجات کے لیے کافی ہوسکتی ہے، نہ ہی قرآن کے اوراق میں ہمارے لیے ہدایت باقی رہ جاتی ہے، نہ ہی مساجد کے محراب و منبر میں کوئی تقدیس باقی رہ جاتی ہے اور نہ ہی اولیاء اللہ اور مشائخ عظام کی نسبتیں جاری رہ جاتی ہیں، نہ ہی علمائے کرام کی تدریس و وعظ میں اثر باقی رہ جاتا ہے، نہیں نہیں صرف یہی نہیں، خاکم بدہن اُمت محمدیہ کے تسمیہ اور وجود دونوں پر زد پڑتی ہے۔ اُمتِ محمدیہ ملل میں تقسیم ہو جاتی ہے، ملتیں، حکومتوں میں بٹ جاتی ہیں اور حکومتیں، گروہوں کی سازشوں کا شکار ہو جاتی ہیں، فقط اتنا ہی نہیں خاندان ملت سے خارج ہو جاتے ہیں، خود خاندان کے اندر صلہ رحمی، قطع رحمی سے مبدل ہو جاتی ہے۔ اس لیے اگر حضور نبی کریم علیہ

الصلوٰۃ والسلام، خاتم النبیین نہیں تو پھر شریعت نہیں، جب شریعت نہیں تو حرام وحلال بھی نہیں، جب حرام وحلال نہیں تو باپ، بیٹے، ماں بہن، خاوند اور بیوی غرض دنیا کے سب رشتے اپنی تقدیس سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ختم نبوت کا انکار آسمان پر فرشتوں کا انکار ہے، زمین پر قبلہ اور حج کا انکار ہے، سیاست میں مسلمانوں کے غلبے اور جداگانہ وجود کا انکار ہے۔ غرض ختم نبوت سے انکار خود مسلمان کے مسلمان ہونے سے انکار ہے، یہاں پہنچ کر زبان گنگ ہو جاتی ہے۔ قلم ٹوٹ جاتا ہے اور الفاظ کا ذخیرہ ختم ہو جاتا ہے"۔

ہے یہ وہ نام خاک کو پاک کرے نکھار کر
ہے یہ وہ نام خار کو پھول کرے سنوار کر
ہے یہ وہ نام ارض کو کر دے سما اُبھار کر
اکبر اسی کا ورد تُو صدق سے بیشمار کر
صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

صاحبزادہ سیّد فیض الحسن شاہؒ

صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہؒ آلومہار شریف فرمایا کرتے تھے:

"جو مسلمان حضور نبی کریم ﷺ کی عزت و ناموس کی حفاظت نہیں کرتا، وہ اپنی ماں اور بہن کی عزت و ناموس کی حفاظت بھی نہیں کر سکتا"۔

حضرت مولانا سیّد ابوالحسنات شاہ قادریؒ

حضرت مولانا سیّد ابوالحسنات شاہ قادریؒ بڑے بلند پایہ عالم دین تھے۔ آپ کی زندگی کا سب سے بڑا مشن عقیدۂ ختم نبوت کی حفاظت تھا۔ چنانچہ اس تحریک میں آپ نے بھرپور حصہ لیا۔ آپ تحریکِ تحفظ ختم نبوت 1953ء کے امیر تھے۔ آپ نے مرزائیت کی تردید میں پورے ملک کا دورہ کیا اور ختم نبوت کے سلسلہ میں لاکھوں مسلمانوں سے خطاب کیا۔ مرزائیت کی تردید کی پاداش میں حکومت نے حضرت مولانا کی قیادت میں ان کے رفقا کو گرفتار کر لیا اور کراچی سنٹرل جیل میں بھیج دیا۔ اس گرفتاری کے بعد پورے ملک میں تحریک نے زور پکڑا۔ پنجاب سے روح فرسا خبریں پہنچنا شروع ہوئیں۔ آپ کو اچانک ایک دن اطلاع ملی کہ حضرت مولانا خلیل احمد قادری خطیب مسجد وزیر خان کو مارشل لاء حکومت نے پھانسی کی سزا سنا دی ہے۔ مولانا اپنے اکلوتے فرزند کے متعلق یہ المناک خبر سن کر سجدے میں گر گئے...... اور

عرض کیا، الٰہی میرے بچے کی قربانی کو منظور فرما۔ ڈیڑھ ماہ تک کراچی میں قید و بند کی صعوبتوں سے دو چار رہنے کے بعد سکھر سنٹرل جیل میں نظر بند کر دیے گئے۔ سخت گرمیوں کے دن تھے، آٹھ مربع فٹ کوٹھڑی میں علامہ ابوالحسنات، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا صاحبزادہ سید فیض الحسن صاحب، سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور سید مظفر علی شمسی بند تھے۔ حیدر آباد جیل میں بھی قید رہے۔ چھ ماہ سی کلاس میں گزارنے کے بعد اے کلاس ملی۔ بعدازاں لاہور منتقل کر دیے گئے جہاں تحقیقاتی عدالت میں پیش ہوئے۔ جناب مظفر علی شمسی بیان کرتے ہیں:

''جس ہمت اور اولوالعزمی سے علامہ ابوالحسنات نے قید میں دن گزارے، اس کی مثال ملنی بہت مشکل ہے۔ ناز و نعم میں پلا ہوا انسان، لاکھوں انسانوں کے دلوں کا بادشاہ، علم و عمل کا شہنشاہ، مگر محبت رسول نے امتحان چاہا تو بے دریغ قید و بند کی صعوبتوں کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہو گیا اور اس شان سے قید کاٹی کہ مثال بن گیا۔ کیا مجال، جو کسی سے شکایت کی یا کسی سے شکوہ کیا ہو یا اپنے مشن سے دستبرداری کا ارادہ کیا ہو۔ جیل میں آپ کا بہترین شغل قرآن کریم کی تفسیر لکھنا تھا، کئی برس قید کاٹی اور بہت شدت کے ساتھ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔''

خدا جب حشر میں پوچھے گا تو میں کہہ دوں گا
کہ آقا تیری خاطر جیل میں، میں نے چکی پیسی

حضرت مولانا سیّد خلیل احمد قادریؒ

حضرت علامہ ابوالحسنات شاہؒ کے صاحبزادے، حضرت مولانا خلیل احمد قادریؒ بڑے عابد و زاہد اور مجاہد ختم نبوت تھے۔ مسجد وزیر خاں لاہور میں تحریک کو سرگرم رکھنے میں دن رات ایک کیے ہوئے تھے۔ ایک جلوس کی قیادت کرتے ہوئے آپ گرفتار ہوئے۔ اس سلسلہ میں اپنا احوال بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا خلیل احمد قادریؒ فرماتے ہیں:

''تحریک ختم نبوت 1953ء میں مجھے گرفتار کر کے جیل بھجوا دیا گیا اور مجھ پر مصائب کے پہاڑ توڑے گئے۔ دوران تفتیش گالیوں سے نوازا گیا۔ رات کو سونے نہیں دیا جاتا تھا۔ ایک رات صبح سے عشاء تک کھڑا رکھا اور ان کا صرف ایک ہی مطالبہ تھا کہ میں معافی مانگ لوں۔ مگر میں نے معافی نہ مانگی، چونکہ یہ حضور اکرم ﷺ کی ختم نبوت کا مسئلہ تھا۔ اس

لیے میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر اس میں جان بھی دینا پڑے تو گریز نہیں کروں گا۔ جس دن ہمیں پھانسی کا حکم دیا جانے والا تھا۔ اس دن ہمارے ساتھیوں میں سے ایک صاحب آئے اور بتایا کہ پھانسی کا حکم دیا جانے والا ہے۔ میں نے سوچا کہ حبیب پاک ﷺ کی عظمت کی خاطر اگر میری جان جاتی ہے تو ایک جان کیا، ایسی ہزار جانیں قربان۔ یقین جانیے! اس وقت میرے سامنے جنت کا نقشہ آ گیا اور میں سوچتا تھا کہ یہ دیر بھی کیوں ہو رہی ہے۔ ایک وقت تو یہ تھا کہ فوج نے مسجد وزیر خاں کو گھیر لیا تھا اور ہماری گرفتاری ہونے والی تھی تو ہم نے فیصلہ کیا کہ اب زندہ نہیں رہنا اور حضور اکرم ﷺ کی ختم نبوت پر قربان ہونا ہے۔ چنانچہ میں نے اعلان کیا کہ جن لوگوں کو یہاں رہنا ہے، وہ اپنی موت کا فیصلہ کر لیں اور جو ذرا بھی خوف محسوس کریں، وہ یہاں سے جا سکتے ہیں۔ ساتھیوں میں قطعی کوئی کمزوری نہیں تھی۔ فوج ہمیں گرفتار کر کے تھانہ کوتوالی لے گئی۔ پھر ہمیں پرانی کوتوالی سے دہلی دروازے تک پیدل ہی لایا گیا۔ ہمیں زیر حراست دیکھ کر لوگ مکانوں کی چھتوں سے نعرے لگانے لگے۔ دہلی دروازے سے جیپ میں بٹھا کر شاہی قلعہ کی طرف لے جایا گیا۔ مارشل لاء حکام کو ہماری گرفتاری کی اطلاع تو ہو ہی چکی تھی۔ شاہی قلعہ میں داخل ہوئے تو خاص دربار کے بالائی حصے میں تین چار لمبے لمبے قد والے فوجی افسران کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ پھر وہ نیچے آئے۔ میز اور کرسیاں بچھائی گئیں اور وہ فوجی افسران کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ (غالباً ایک فوجی افسر کا نام سرفراز تھا) مجھے بھی کرسی پر بیٹھنے کو کہا گیا۔ قدوائی صاحب میرے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئے۔ ایک فوجی افسر نے سب سے پہلا سوال مجھ پر یہ کیا ''کیا آپ غیر ملکی ایجنٹ ہیں اور یہ تحریک کسی ملک کے ایماء پر چلائی جا رہی ہے؟'' میں نے جواباً کہا ''1947ء میں تحریک پاکستان کی حمایت میں خضر وزارت کے خلاف جو ایجی ٹیشن ہوا تھا، کیا وہ بھی غیر ملکی سازش تھی؟ جن لوگوں نے اس تحریک میں گرفتاریاں پیش کیں، کیا وہ بھی غیر ملکی ایجنٹ تھے؟...... ہماری تحریک تو ان لوگوں کے خلاف ہے جو غیر ملکی ایجنٹ ہیں اور مذہبی اور سیاسی لحاظ سے پاکستان کے دشمن ہیں۔ ان لوگوں نے بانی پاکستان قائداعظم کی نماز جنازہ تک پڑھنے سے گریز کیا، آج یہ لوگ ملک کے کلیدی عہدوں پر فائز ہو گئے ہیں۔ ہم نے یہ تحریک ان کو کلیدی عہدوں سے علیحدہ کرنے کے لیے چلائی ہے۔''

پھر اس فوجی افسر نے دوسرا سوال کیا ''کیا آپ قادیانیوں کو مسلمان نہیں سمجھتے؟''

میں نے جواب دیا ''نہیں۔'' اس نے پوچھا ''کیوں؟'' میں نے جواب دیا ''سرکار دوجہاں ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے اور قادیانیوں نے ایک بناسپتی نبی پیدا کر لیا ہے اور ان کا فقہ بھی مسلمانوں سے علیحدہ ہے۔ ضابطہ اخلاق بھی جدا ہے اور سیاسی نظام بھی مختلف ہے۔'' اس نے پوچھا ''فقہ کیسے علیحدہ ہے؟'' میں نے جواباً کہا ''زانی کو ہم مسلمان حکم قرآنی کے مطابق کوڑوں کی سزا کا حقدار سمجھتے ہیں جبکہ قادیانیوں نے زنا کی سزا دس جوتے مقرر کی ہے جو زانی اور زانیہ کو لگائے جاتے ہیں، اس طرح قادیانیوں نے زنا کا بھی دروازہ کھول دیا ہے۔'' یہ جواب سن کر قادیانی فوجی افسر آگ بگولا ہو گیا اور اس نے مجھے انگریزی میں گالیاں دینی شروع کر دیں۔

قدوائی صاحب نے اسے ٹوکا تو دونوں کے درمیان تلخ کلامی ہو گئی۔ فوجی افسر نے قدوائی صاحب کو کہا ''اب تم بھی اپنے آپ کو گرفتار سمجھو، میں تمھارے ساتھ نپٹ لوں گا۔'' قدوائی صاحب نے اس سے پوچھا ''کیا آپ قادیانی ہیں؟'' اس نے جواب دیا ''پورا ملک قادیانیوں کا ہے!'' اور یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ تقریباً ایک بج چکا تھا اور ہمیں سخت بھوک لگی ہوئی تھی۔ پھر کرسیاں اٹھا لی گئیں اور ہم نیچے فرش پر بیٹھ گئے۔ چاروں طرف پٹھان فوجی ہماری نگرانی کر رہے تھے۔ اسی دوران ظہر کا وقت ہو گیا اور ہم نے وضو کے لیے پانی مانگا۔ ہمیں شمالی حصے میں لایا گیا جہاں نلکا لگا ہوا تھا۔ وہاں سے وضو کرنے کے بعد میں نے اذان دی۔ اذان کی آواز سن کر کچھ فوجی اور چند کارکنان ختم نبوت جو پہلے ہی گرفتار ہو کر آئے ہوئے تھے، نماز پڑھنے کے لیے آ گئے۔ چنانچہ میں نے امامت کروائی اور سب نے باجماعت نماز ادا کی۔ نماز کے بعد میں نے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ دعا کی۔ دعا کے بعد فوجی میرے گرد جمع ہو گئے اور انھوں نے مجھ سے گرفتاری کی وجوہات پوچھیں۔ میں نے قادیانیت کا پول کھولا اور تحریک کا پس منظر بیان کیا۔ میری باتیں سن کر فوجیوں نے اپنی چادریں بچھا دیں اور نہایت محبت کے ساتھ پیش آئے۔ ایک فوجی میس میں گیا اور ہمارے لیے کھانا لے آیا۔ پھر ہم نے نماز عصر بھی اسی طرح باجماعت ادا کی۔ نماز عصر کے بعد پہلے فوجیوں کی ڈیوٹیاں تبدیل کر دی گئیں اور نئے فوجی آ گئے۔ انھوں نے پھر ہمیں نیچے بٹھا دیا اور نہایت سختی کا مظاہرہ کیا۔ ہلنے تک کی ممانعت تھی۔ نماز مغرب کا وقت ہوا تو میں نے پھر اسی طرح اذان دی اور باجماعت نماز ادا کرنے کے بعد دعا میں مشغول ہو گیا۔ یہ نئے فوجی بھی دعا سے بڑے متاثر

ہوئے۔ انھوں نے بھی ہم سے سوالات کیے۔ ہم نے تفصیلات بتائیں تو ان کا رویہ فوراً بدل گیا اور وہ بڑے اخلاق کے ساتھ پیش آئے۔ نماز مغرب کے بعد مجھے اور قدوائی صاحب کو جیپ میں بٹھا کر مغربی حصے میں واقع سی آئی اے کے دفتر میں لایا گیا۔ جہاں ہمارا نہایت فحش اور غلیظ گالیوں سے استقبال ہوا۔ قدوائی صاحب کو مجھ سے علیحدہ کر دیا گیا اور مجھے اوپر کے حصے میں لے جا کر ایک چھوٹی سی حوالات میں بند کر دیا گیا جس میں پانی کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ رات کو مجھے کھانا بھی نہیں دیا گیا اور میں بھوکا ہی سو گیا۔

دن کے وقت مجھے قید تنہائی میں رکھا جاتا اور رات کو تقریباً دس گیارہ بجے تیز روشنی میں بٹھا کر نہایت بدتمیزی سے سوالات کیے جاتے۔ اس کے بعد مجھے پریشان کرنے کے لیے ایک نیا طریقہ اختیار کیا گیا۔ حوالات کی پچھلی طرف ایک کھائی تھی۔ اس میں رائفل سے فائر کیے جاتے اور پھر ایک افسر سپاہیوں سے پوچھتا آج کتنے ''اُتارے؟'' سپاہی جواب میں چار یا چھ کہتا اور پھر مجھے کہا جاتا ''اب آپ کی باری بھی آنے والی ہے۔'' پھر پوچھ گچھ کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ مجھے ہتھکڑی لگا کر ایک تہہ خانے میں لے جایا جاتا اور وہاں اوٹ پٹانگ سوالات کر کے پریشان کرنے کی کوشش کی جاتی۔ اسی دوران ایک بڑا عجیب واقعہ پیش آیا۔ ایک روز مجھے تہہ خانے میں اتارا جا رہا تھا، جب تین چار سیڑھیاں باقی رہ گئیں تو میں نے دیکھا کہ تقریباً ڈیڑھ گز لمبا سانپ پھن پھیلائے فرش پر پڑا ہے۔ میرے ساتھ آنے والے افسر نے مجھے دھمکی دی کہ اگر میں نے معافی نہ مانگی تو مجھے اس سانپ کے اوپر ڈال دیا جائے گا۔ میں نے اپنے حوصلے کو قائم رکھا اور معافی مانگنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس نے مجھے دھکا دینے کی کوشش کی تو میں نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔ چنانچہ اتفاق یہ ہوا کہ وہ اپنے ہی زور سے نیچے کی طرف لڑھک گیا اور پھر بدحواسی کے عالم میں اوپر کی طرف بھاگا۔ میرے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگی ہوئی تھی، جب مجھے حوالات میں بند کرنے کے لیے پولیس کی بارک کے سامنے سے گزارا گیا تو میں نے دیکھا کہ وہ سب مجھے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ میں نے اپنے دونوں ہاتھ اُوپر اُٹھائے اور پھر ہتھکڑی کو چوم کر آنکھوں سے لگا لیا۔ میرے ساتھ چلنے والے سپاہیوں نے اس کی وجہ پوچھی تو میں نے انھیں کہا ''خدا کا شکر ہے کہ میں نے یہ ہتھکڑیاں کسی اخلاقی جرم کی پاداش میں نہیں پہنیں اور مجھے فخر ہے کہ میں نے آج اللہ کے پیارے حبیب شافع محشر ﷺ کی ناموس اور ختم نبوت کے تحفظ کی خاطر یہ زیور پہنا ہے۔'' یہ

سن کر وہ سپاہی خاصے متاثر ہوئے اور انھوں نے کہا ''دل تو ہمارے آپ کے ساتھ ہیں لیکن ہم کر کچھ نہیں سکتے، ملازمت کا معاملہ ہے۔'' میں نے ان سے کہا ''یزیدی فوج بھی یہی کہتی تھی۔ اگر تم مجھے حق پر سمجھتے ہو تو اسوۂ حُر پر عمل کرو۔'' یہ سن کر وہ شرمندہ ہو گئے۔

چند دنوں بعد ڈی ایس پی، سی آئی اے نے مجھے اپنے دفتر میں بلایا اور کاغذ اور قلم میرے سامنے رکھ دیا اور مجھے کہا کہ میں جو کچھ بھی چاہتا ہوں، کاغذ پر لکھ دوں۔ میں نے اسے پوچھا کہ اس کی ضرورت کیوں پیش آ گئی تو اس نے جواب میں مغلظات سنانا شروع کر دیں۔ میں یہ گالیاں برداشت نہ کر سکا اور میں نے اسے کہا ''آپ میرے ساتھ جو سلوک چاہیں کریں لیکن میرے بزرگوں کو گالی نہ دیں ورنہ آپ کو اس کی بڑی سخت سزا ملے گی کیونکہ میرے بزرگوں کا تعلق اہل بیت سے ہے۔'' یہ باتیں سن کر وہ مرعوب سا ہو گیا۔ اس کے بعد فائرنگ کی آواز آئی اور پھر دو سپاہی دفتر میں داخل ہوئے۔ ڈی ایس پی نے ان سے پوچھا ''آج کتنے اُتارے؟'' انھوں نے جواب دیا ''دو'' سپاہی واپس چلے گئے اور پھر فائرنگ کی آواز آنے لگی۔ ڈی ایس پی نے فون اٹھایا اور پھر وہی سوال دہرایا ''اب کتنے اتارے؟'' اور پھر اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا ''اب مزید چار افراد کو گولی مار دی گئی ہے۔ حکومت کے باغیوں کا یہی حشر ہوتا ہے۔'' اور پھر اس نے بڑی لجاجت سے کہا ''آپ تو شریف آدمی ہیں، اس کاغذ پر معافی نامہ لکھ دیجیے، ہم آپ کو ابھی رہا کروا دیں گے۔'' میں نے اسے جواب دیا ''جو حکومت ختم نبوت کی منکر ہو اور محمد مصطفی ﷺ کی باغی ہو، میں اس سے ہرگز معافی نہیں مانگ سکتا۔'' میرا جواب سن کر اس نے کہا کہ میں اپنے یہی الفاظ کاغذ پر لکھ دوں۔ چنانچہ میں نے یہ الفاظ کاغذ پر لکھ دیے۔ ڈی ایس پی نے یہ عبارت پڑھی تو غصے سے پاگل ہو گیا۔ اس نے قلم زور سے زمین پر مارا اور کاغذ پھاڑ دیا پھر وہ مجھے مارنے کے لیے کرسی سے اچھلا۔ میں بھی اُٹھ کھڑا ہوا اور جلدی میں کرسی کا تکیہ ہی پکڑ سکا۔ لیکن اس پر اللہ کے فضل سے ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ مجھے کچھ کہے بغیر دفتر سے باہر چلا گیا۔ پھر ایک سپاہی آیا اور اس نے مجھے قلعے کے دروازے کے پاس حوالات میں لے جا کر بند کر دیا۔ اس روز دوپہر کو مجھے نہ تو کھانا دیا گیا اور نہ پانی مل سکا۔ ظہر اور عصر کی نماز میں نے تیمم سے ادا کی۔ مغرب کے وقت مجھے وضو کے لیے پانی دے دیا گیا۔ تقریباً نو بجے مجھے ہتھکڑی لگا کر ایک بڑے کمرے میں لایا گیا یہاں میری ہتھکڑی کھول دی گئی اور پھر مجھے سیدھا کھڑا رہنے کا حکم دیا گیا، تھوڑی دیر کے بعد ایک

سپاہی نے میرے بازو پکڑ کر اوپر کر دیے اور ٹانگیں کھولنے کرنے کو کہا، اسی عالم میں دو تین گھنٹے گزر گئے پھر وہ سپاہی چلا گیا اور اس کی جگہ دوسرا آ گیا۔ اس طرح تین تین گھنٹے کے بعد ڈیوٹیاں بدلتی رہیں، جونہی میں ہاتھ ذرا نیچے کرتا، ڈیوٹی پر موجود سپاہی فوراً میرا بازو پکڑ کر ہاتھ اوپر کر دیتا! یہ اذیت ناک سلسلہ ساری رات جاری رہا۔ فجر سے تقریباً دو گھنٹے قبل میرے پیٹ اور سینے میں شدید درد اُٹھا اور میں کراہنے لگا۔ لیکن ان لوگوں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ پھر میں نے تہجد کے نفل ادا کرنے کی اجازت مانگی لیکن اس سے بھی انکار کر دیا گیا۔ درد سے نجات حاصل کرنے کے لیے میں نے درود شریف کا ورد شروع کر دیا۔ چند ہی لمحے بعد کافی افاقہ ہو گیا۔ نماز فجر ادا کرنے کی اجازت بھی مجھے نہ مل سکی۔ رات کے نو بجے سے صبح گیارہ بجے تک یہی عالم رہا۔ طبیعت نہایت مضمحل تھی اور تھکاوٹ سے بدن چور چور ہو رہا تھا۔

اتنے میں ایک پولیس افسر آیا اور مجھے ہتھکڑی لگا کر حوالات میں لے گیا۔ یہاں ایک سپاہی کی ڈیوٹی لگا دی گئی کہ وہ مجھے سونے نہ دے۔ پانی کا گھڑا تو لا کر رکھ دیا گیا مگر کھانا نہ ملا۔ عصر کے بعد وہ سپاہی چلا گیا اور میری آنکھ لگ گئی۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ بہت بڑا کمرہ ہے جس میں سبز رنگ کی روشنی ہے، اس کمرے کی سیڑھیاں ہیں جس پر والد محترم حضرت علامہ ابوالحسنات (جو اس وقت سکھر جیل میں تھے) کھڑے ہیں، مجھے دیکھ کر انھوں نے سینے سے لگا لیا۔ میں نے ان سے پوچھا "آپ کا کیا حال ہے؟" تو انھوں نے جواباً فرمایا "مجھے بھی انھوں نے رات بھر کھڑا رکھا ہے۔" اس گفتگو کے بعد میں ان سیڑھیوں سے نیچے کمرے میں اترا تو میں نے دیکھا کہ شمالی جانب ایک دروازہ ہے جو کہ کھلا ہوا ہے۔ میں اس کمرے میں دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں ایک بزرگ سپید نورانی چہرہ، کشادہ پیشانی، درمیانہ قد، سفید داڑھی، کھلی آستینوں کا سبز کرتہ زیب تن کیے میری طرف تشریف لائے اور پیچھے سے ایک آواز آئی "حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ تشریف لا رہے ہیں۔" میں نے دست بستہ حضرت سے عرض کی "حضور! ان کتوں نے بہت تنگ کر رکھا ہے۔" سرکار غوث اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے میری داہنی طرف پشت پر تھپکی دی اور فرمایا "شاباش بیٹا گھبراؤ نہیں...... سب ٹھیک ہو جائے گا۔" میں نے دوبارہ عرض کی "حضور! انھوں نے بہت پریشان کر رکھا ہے۔" رُخ انور پر مسلسل شگفتگی تھی، فرمایا "کچھ نہیں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اور یہ کہہ کر آپ واپس تشریف لے گئے، اس واقعہ کے بعد میرا حوصلہ بہت بلند ہو گیا ورنہ اس رات کی

اذیت سے ممکن تھا کہ میں ڈگمگا جاتا لیکن غوثِ پاک کے روحانی کرم نے مجھے ذہنی اور قلبی سکون سے مالا مال کر دیا۔ مغرب کے بعد مجھے کھانا دیا گیا اور پھر رات کو کسی نے مجھے پریشان نہیں کیا۔ نماز کے بعد میں بیٹھا ہوا تھا کہ معاً دل میں خیال آیا کہ یہاں خشک روٹی اور چنے کی دال کے سوا کچھ نہیں مل رہا۔ اگر اپنے گھر میں ہوتے تو حسب منشا کھانا کھاتے لیکن دوسرے ہی لمحے ضمیر نے ملامت کی اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی قربانیوں کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ میں نے سربسجود ہو کر توبہ کی اور اس وسوسے کا ازالہ چاہا، لیکن خدا کی قدرت دیکھیئے کہ چند لمحے بعد اندھیرے میں ایک ہاتھ آگے بڑھا اور آواز آئی ''شاہ جی! یہ لے لو'' اور پھر ایک لفافہ مجھے دے دیا گیا جس میں کچھ پھل اور مٹھائی تھی۔ میں حیران رہ گیا کہ اتنے سخت پہروں کے باوجود یہ سب کچھ مجھ تک کیسے پہنچ گیا لیکن میرے دل کو یہ یقین ہو گیا کہ یہ غیبی دعوت قاسم عالم ﷺ کے صدقے میں ملی ہے۔ وہ پھل اور مٹھائی تین روز تک میں استعمال کرتا رہا۔

مجھے سات سال قید بامشقت کی سزا ہوئے تقریباً ایک ہفتہ ہی گزرا تھا کہ فوجی عدالت نے مقدمہ بغاوت کی سماعت شروع کر دی اور سرسری کارروائی کے بعد مجھے سزائے موت کا فیصلہ سنا دیا گیا۔ فوجی عدالت کے سربراہ نے فیصلہ پڑھا ''ملزم کو گلے سے اس وقت تک پھانسی پر لٹکایا جائے جب تک کہ وہ مر نہ جائے۔'' سزائے موت کا فیصلہ سننے کے بعد ایک لمحے کے لیے تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا لیکن معاً بعد آیت کریمہ بل احیاء ولکن لاتشعرون زبان پر آ گئی اور پھر حوصلے کا یہ عالم تھا کہ جام شہادت نوش کرنے کے لیے طبیعت مچلنے لگی اور جنت کے لہلہاتے ہوئے باغات آنکھوں میں گھومنے لگے۔ مجھے سزائے موت کے قیدیوں کے لیے مخصوص ''پکی کوٹھی'' میں لا کر بند کر دیا۔ میں اپنے بخت رسا پر ناز کرنے لگا کہ ختم نبوت ﷺ کے تحفظ کی خاطر جان کی قربانی پیش کرنے کی سعادت حاصل ہونے والی ہے۔ تین روز کے بعد مجھے دوبارہ فوجی عدالت کے سامنے پیش کیا گیا اور اس نے میری سزائے موت چودہ سال قید میں تبدیل کر دی حالانکہ میں نے سزا میں تخفیف کے لیے کوئی اپیل تک نہ کی تھی۔

ایک روز میں نے سکھر جیل کے ایڈریس پر والد محترم کو اپنی خیریت کا خط لکھا جس کا جواب مجھے پندرہ روز کے بعد موصول ہو گیا، والد صاحب نے اپنے خط میں لکھا کہ مجھے یہ

جان کر بہت افسوس ہوا کہ تم رتبہ شہادت حاصل نہیں کر سکے، لیکن بہرحال یہ جان کر دل کو اطمینان ہوا کہ تم تحفظ ختم نبوت ﷺ کی خاطر لڑ رہے ہو۔ خط کے آخر میں لکھا تھا: ''کاش اللہ تعالیٰ میرے بیٹے کی قربانی قبول کر لیتا۔''

حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ

حضرت مولانا خلیل احمد قادریؒ روایت کرتے ہیں: ''میں تحریکِ ختم نبوت 1953ء کے سلسلے میں حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ (نیلا گنبد) کے پاس گیا، اور اُن سے تحریک میں باقاعدہ شمولیت کے لیے درخواست کی، تو اُنھوں نے میرے ہاتھوں کو پکڑ کر چوما اور پھر کہنے لگے کہ: میں ٹانگوں سے معذور ہوں، مگر آپ تحفظ ختم نبوت کی خاطر مجھے جب چاہیں، گرفتار کروا دیں، اگر آپ ابھی چاہیں تو میں اسی وقت آپ کے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔''

آغا شورش کاشمیریؒ

خطابت، صحافت، شاعری اور سیاست کے محاذ پر جناب آغا شورش کاشمیریؒ ایسا عبقری نظر نہیں آتا۔ ان کا شمار ایسے لوگوں میں ہوتا ہے جو بڑی بے خوفی اور استقامت سے حق کی سربلندی کے لیے باطل سے ٹکرا جاتے اور تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ آغا شورش کاشمیریؒ مجاہد ختم نبوت تھے۔ انھوں نے اپنی خداداد خطابت اور صحافت سے عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ کرتے ہوئے منکرین ختم نبوت قادیانیوں کی ناپاک سازشوں کا بھرپور محاسبہ کیا۔ وہ قادیانیت کو ایک مذہبی تحریک نہیں بلکہ سیاسی گماشتہ سمجھتے تھے۔ انھوں نے اپنی کتاب ''عجمی اسرائیل'' میں فتنۂ قادیانیت کو ایک سامراجی مہرہ ثابت کیا اور ان کے مذموم عقائد و عزائم سے حکمرانوں کو بروقت خبردار کیا۔ آپ تحفظ ختم نبوت کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہ کرتے۔ ایک دفعہ چٹان پریس کی ضبطی پر موچی دروازے میں خطاب کرتے ہوئے آپ نے کہا: ''ایوب خان! محمد عربی ﷺ کی ختم نبوت کے تحفظ کی پاداش میں تم نے میرا پریس ضبط کیا ہے، جاؤ دوسرا پریس بھی ضبط کر لو، تم نے کمینگی کا مظاہرہ کیا ہے، میں تو اس مسئلہ کی خاطر اپنی جان کی بازی لگانے کا تہیہ کیے ہوئے ہوں۔''

ایک دفعہ قادیانیت کا پوسٹ مارٹم کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

''قادیان، مرزائیت کی جائے پیدائش، ربوہ اعصابی مرکز، تل ابیب تربیتی مرکز، لندن پناہ گاہ، ماسکو استاد اور واشنگٹن اس کا بینک ہے۔''

جناب زیڈ اے سلہری بیان کرتے ہیں کہ بیماری کے آخری دنوں میں جب ہم آغا شورش کاشمیریؒ سے ملنے ہسپتال گئے تو انھوں نے دوران ملاقات انتہائی رقت آمیز آواز میں کہا: ''سلہری صاحب! آپ گواہ رہنا کہ میں مسلمان ہوں۔ **لا اله الا الله محمد رسول الله.** میں نبی کریم ﷺ کا عاشق ہوں۔ تحفظ ختم نبوت میری زندگی کا مشن ہے۔'' اللہ کی شان آغا صاحب اسی روز رات 11 بجے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ کئی ہفتوں بعد وہ اپنے دیرینہ رفیق صلاح الدین کے خواب میں تشریف لائے اور کہا: ''صلاح الدین! قبر اور حشر کے معاملات بہت سخت ہیں۔ **اگر میرے نامۂ اعمال میں تحفظ ختم نبوت کا کام نہ ہوتا تو میری نجات ناممکن تھی۔''**

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ ایک نادرۂ روزگار مفکر، ایک زمانہ ساز مدبر اور ایک حیات آفریں شخصیت کے مالک تھے۔ پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلہ میں ان کی کوششیں قابل صد ستائش ہیں۔ قرآن مجید کی تفسیر ''تفہیم القرآن'' ان کی بہترین کاوش ہے جسے پوری دنیا میں بے حد پذیرائی ملی۔ مولانا مودودیؒ کو 1953ء کی تحریک ختم نبوت میں ''قادیانی مسئلہ'' نامی کتاب لکھنے کی پاداش میں فوجی عدالت سے سزائے موت کی سزا سنائی گئی۔ اس موقع پر انھوں نے فرمایا: ''دلائل کا جواب دینے کے لیے دلائل موجود نہ ہوں تو پھر طاقت کے زور پر حق کو دبانے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے۔'' مولانا سے کہا گیا کہ آپ اپنی سزائے موت کے خلاف حکام سے اپیل کر سکتے ہیں تو مولانا نے ایمان اور عزم کی شان کے ساتھ فرمایا:

''میں کسی سے رحم کی اپیل نہیں کروں گا اور اپنا معاملہ اپنے خدا کے حوالے کرتا ہوں۔ زندگی اور موت کے فیصلے زمین پر نہیں، آسمان پر ہوتے ہیں۔ اگر وہاں میری موت کا فیصلہ ہو چکا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت مجھے موت سے نہیں بچا سکتی اور اگر وہاں سے میری موت کا فیصلہ نہیں ہوا تو دنیا کی کوئی طاقت میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتی۔''

بعد ازاں مولانا کی سزائے موت، عمر قید میں تبدیل کر دی گئی، پھر تقریباً تین سال قید کے بعد مولانا کو رہا کر دیا گیا۔

؎ گر مدعی حسد سے نہ دے داد، تو نہ دے
آتش غزل یہ تُو نے کہی عاشقانہ کیا

مولانا گلزار احمد مظاہریؒ

حضرت مولانا گلزار احمد مظاہریؒ ملک کے نامور عالم دین، واعظ خوش بیان، اتحاد امت کے نقیب، جماعت اسلامی پاکستان کے مرکزی رہنما، تحریک ختم نبوت کے جری و دبنگ مبلغ اور بے باک رہنما تھے۔ مولانا مظاہریؒ زندگی بھر دعوت و تبلیغ میں مصروف رہے۔ پاکستان کے طول و عرض میں ہزاروں جلسوں، ریلیوں، سیرت النبی اور ختم نبوت کانفرنسوں سے خطاب کیا۔ مشرقی و مغربی پاکستان کا کوئی قابل ذکر شہر، قصبہ، دیہات اور گوٹھ ایسا نہیں کہ جہاں مولانا مظاہری توحید و رسالت کی دعوت اور عقیدہ ختم نبوت کا پیغام لے کر نہ پہنچے ہوں۔

چونکہ جھوٹے مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی کے پہلے خلیفہ حکیم نور الدین کا تعلق بھیرہ سے تھا، اس لیے بھیرہ کی پراچہ برادری کے کچھ خاندان مرتد ہو کر قادیانی ہو گئے تھے بلکہ یوں بھی تھا کہ باپ قادیانی اور بیٹا مسلمان یا باپ مسلمان اور بیٹا قادیانی۔ اسی طرح مختلف خاندانوں میں باہمی شادیوں کے نتیجہ میں مسلمان خواتین غیر مسلموں کے عقد نکاح میں تھیں اور اسے کوئی برائی بھی تصور نہیں کیا جاتا تھا۔ مولانا گلزار احمد مظاہریؒ جب مظاہر العلوم سے عالم دین بن کر بھیرہ واپس آئے تو انھوں نے اپنے محلہ کی بڑی جامع مسجد میں پہلے ہی خطبہ جمعہ میں واضح اور دوٹوک الفاظ میں اعلان کیا کہ قادیانی کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ ان کی نماز جنازہ پڑھنا، انھیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا اور ان کے ساتھ رشتہ داریاں قائم کرنا ناجائز، خلاف اسلام، نبی کریم ﷺ کی دلآزاری اور تکلیف پہنچانے کے مترادف ہے۔ مولانا مظاہریؒ کے اس اظہار حق سے قادیانیوں کے ہاں صف ماتم بچھ گئی۔ انھوں نے اس پر شدید ردعمل کا اظہار کیا۔ چونکہ ان میں سے بعض گھرانے بااثر بھی تھے اور متمول بھی۔ اس لیے انھوں نے اسے اپنی توہین سمجھا۔ لیکن الحمد للہ، مولانا مظاہریؒ کے اعلان حق نے پوری پراچہ برادری میں ہی نہیں، پورے شہر میں ایک نیا جذبہ اور نئی بیداری پیدا کر دی جس کے نتیجہ میں کچھ ہی عرصہ بعد قادیانی اچھوت بن گئے۔ سگے بیٹوں نے اپنے قادیانی باپ کا جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔ قادیانیوں کے سماجی بائیکاٹ کا یہ سب سے پہلا بڑا اور منظم مظاہرہ تھا۔ 1953ء کی تحریک ختم نبوت کے موقع پر مولانا مظاہری جماعت اسلامی ضلع میانوالی کے امیر تھے۔ اس مرحلہ پر تحفظ ختم نبوت کا علم لے کر انھوں نے ملک بھر کا طوفانی

دورہ کیا۔ کراچی سے خیبر تک، شہر شہر، قریہ قریہ ختم نبوت کانفرنسوں سے خطاب کیا۔ ان کے پُرجوش خطاب نے ملک بھر میں اہل ایمان کے دلوں میں عشق مصطفےٰ ﷺ کی آگ لگا دی جس سے گھبرا کر حکمرانوں نے انھیں کراچی کے ایک جلسہ عام کے بعد گرفتار کرلیا۔ لاہور کے شاہی قلعہ میں انھیں نظر بند کر دیا گیا۔ شاہی قلعہ کے صعوبت خانے میں ان پر تشدد بھی ہوا لیکن ان کے پائے استقامت میں کوئی لغزش نہیں آئی بلکہ...... بڑھتا ہے ذوق جرم یہاں ہر سزا کے بعد...... کے مصداق قید و بند نے ان کے جوش و خروش اور عزم و ولولہ کو مزید بلند و بالا کر دیا۔

مولانا مظاہریؒ نے 1974ء کی تحریک ختم نبوت سے دو سال پہلے ہی قادیانیوں کے خلاف منبر و محراب اور قرطاس و قلم کے ذریعے بھرپور مہم کا آغاز کیا۔ انھوں نے اس موقع پر قادیانیت اور ان کے عزائم کو بے نقاب کرنے کے لیے مختلف عنوانات پر انتہائی مدلل اور پُراثر کتابچے تحریر کیے اور انھیں ہزاروں کی تعداد میں شائع کر کے ملک بھر میں پھیلایا۔

مولانا مظاہریؒ نے قادیانیوں کے عزائم سے ملت اسلامیہ کو آگاہ کرنے کا سلسلہ جاری رکھا اور قادیانیوں کو اقلیت قرار دلوانے کا مطالبہ پوری شدت سے اٹھایا۔ اسی سلسلہ میں انھوں نے رابطہ عالم اسلامی کے اجلاس مکہ مکرمہ میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی قرارداد پیش کی اور الحمدللہ کہ مولانا مظاہریؒ کی کوشش سے رابطہ عالم اسلامی نے 1972ء میں قادیانیوں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے کی قرارداد متفقہ طور پر منظور کی۔

چناب نگر (ربوہ) ریلوے اسٹیشن پر نشتر میڈیکل کالج کے طلبہ پر قادیانیوں کے وحشیانہ تشدد کے بعد پورے ملک میں تحریک ختم نبوت پوری شدت کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔ مولانا کے صاحبزادے فرید احمد پراچہ اس وقت پنجاب یونیورسٹی سٹوڈنٹس یونین کے صدر تھے۔ انھوں نے پورے ملک کے طلبہ کو متحرک کیا اور پنجاب بھر کے طوفانی دورے کیے۔ اس دوران اکابر علمائے کرام کی طرف سے مولانا مظاہریؒ کو جو ان دنوں برطانیہ کے دورے پر تھے، فوراً واپس پہنچنے کا حکم ملا۔ عقیدہ ختم نبوت کے ساتھ مولانا کی لازوال محبت کا یہ بین ثبوت ہے کہ اگرچہ وہ برطانیہ میں بھی یہی مشن لے کر گئے تھے، لیکن جب انھیں اکابر علمائے کرام کی طرف سے وطن واپسی کا حکم ملا تو بلاتاخیر پہلی فلائٹ سے پاکستان واپس پہنچے اور پھر پورے ملک کا مسلسل دورہ کر کے ہزاروں عاشقانِ رسول ﷺ کے دلوں میں عقیدہ ختم نبوت اور تحفظ ناموس رسالت ﷺ کی شمع روشن کی۔ یہ بھی مولانا مظاہری کے عقیدہ ختم نبوت پر لازوال

یقین اور حضور رسالت مآب ﷺ سے غیر متزلزل محبت کی دلیل ہے کہ جب ان کی سب سے چھوٹی بیٹی عابدہ نسیم کے لیے ربوہ ریلوے اسٹیشن پر قادیانیوں کے وحشیانہ تشدد کے باوجود تاج و تخت ختم نبوت زندہ باد کے نعرے بلند کرنے والے نشتر میڈیکل کالج ملتان کی طلبہ یونین کے صدر ڈاکٹر ارباب عالم خان کے رشتہ کی تجویز پہنچی تو مولانا نے اپنے خاندان میں موجود مختلف رشتوں کے باوجود یہ کہہ کر بلا تامل ہاں کر دی کہ ارباب عالم کا سب سے بڑا اعزاز غلامیٔ رسول ﷺ ہے اور اس سے بڑا اعزاز اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

حضرت مولانا تاج محمودؒ

حضرت مولانا تاج محمودؒ سید عطا اللہ شاہ بخاریؒ کے قافلۂ احرار کے جانباز سپاہی، تحریک ختم نبوت کے مدبر جرنیل اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی قائد و راہنما تھے۔ جامع مسجد ریلوے کالونی فیصل آباد میں ساری زندگی گزار دی۔ تحریک ختم نبوت 1953ء اور 1974ء میں بھرپور قائدانہ حصہ لیا۔ آخری دم تک تحفظ ختم نبوت کے لیے فتنۂ قادیانیت سے برسرِ پیکار رہے۔ آپ زبان و قلم دونوں کے دھنی اور میدان تقریر و تحریر کے یکساں شہسوار تھے۔ وہ بڑی خوبصورت، علمی، انکشافاتی اور شعلہ بار تقریر کرتے جس سے بزدل دشمنوں کے دل دہل جاتے۔ ایک دفعہ آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ دل کے مریض ہیں، آپ تقریر میں اس قدر جذباتی نہ ہوا کریں۔ اس طرح آپ کو دل کی بیماری کا خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ آپ مسکرا کر فرما دیتے: ''چھوڑو جی، ایک دل ہی تو ہے ہم فقیروں کے پاس، یہ بھی اگر اپنے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ کی ختم نبوت پر نثار نہ کیا تو کیا کمایا۔ ہونے دو جو ہوتا ہے، ہم محمد ﷺ کے دشمنوں کے ساتھ مرتے دم تک جہاد جاری رکھیں گے اور پھر ایک دنیا گواہ ہے کہ یہ صرف زبان تک محدود نہیں، بلکہ آپ نے کر کے دکھایا۔

□ تحریک ختم نبوت 1953ء کے دوران میں جب مولانا تاج محمودؒ جامع مسجد کچہری بازار فیصل آباد میں شمع رسالت کے پروانوں کے ایک جم غفیر سے قادیانی گروہ اور اس کے کفریہ عقائد و عزائم کے تحفظ اور سرپرستی کے لیے حکومت وقت کی طرف سے کیے گئے اقدامات کے خلاف لوگوں کو سول نافرمانی کی ترغیب دے رہے تھے تو مولانا تاج محمودؒ کے دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی یہ آواز مسجد کی سیڑھیوں کے نزدیک کھڑی ایک خاتون بھی ہمہ تن گوش ہو کر سن رہی تھی۔ دفعتاً شدت جذبات سے مغلوب ہو کر ساری مسجد میں پھیلے ہوئے مجمع

کو چیرتی ہوئی وہ آگے بڑھی اور اپنی گود کے بچہ کو منبر کے نزدیک جا کر (جہاں مولانا کھڑے تقریر کر رہے تھے) مولانا کی طرف اچھال دیا اور کہا ''مولانا! میرے پاس ایک یہی سرمایہ ہے، اسے سب سے پہلے حضور ﷺ کی عزت و آبرو پر قربان کر دو۔'' یہ کہہ کر وہ عورت الٹے پاؤں باہر کی طرف چل پڑی۔ اس منظر کو دیکھ کر سارا مجمع دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ خود مولانا کی آواز گلوگیر اور رُندھی ہوئی تھی۔ انھوں نے لوگوں سے کہا کہ لوگو! اس بی بی کو جانے نہ دینا۔ اسے بلاؤ۔ چنانچہ اس خاتون کو بلایا گیا اور مولانا نے کہا کہ بی بی، سب سے پہلے گولی تاج محمود کے سینے سے گزرے گی، پھر میرے اس بچے (اپنے قدموں میں بیٹھے اپنے چھوٹے سے اکلوتے بیٹے طارق محمود کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کے سینے سے، پھر اس مجمع کے تمام افراد گولیاں کھائیں گے اور جب یہ سب قربان ہو جائیں تو اپنے اس بچے کو لے آنا اور اللہ کے پیارے نبی ﷺ کی عزت پر قربان کر دینا۔ یہ کہا اور وہ بچہ اس عورت کے حوالے کر دیا۔

☐ مولانا تاج محمودؒ کی وفات کے بعد بعض صلحاء کو بشارتیں ہوئیں۔ ایک صاحب نے دیکھا کہ مولانا بہت خوبصورت کپڑوں میں ہیں۔ پوچھا، کیسے گزری۔ فرمایا ''معاملہ تو بہت سخت تھا، مگر میرے ہاتھ پر ایک شخص قادیانیت سے تائب ہو کر مسلمان ہوا تھا، اس کی برکت سے بخشش ہو گئی۔''

☐ حضرت مولانا اللہ وسایا بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ مولانا عبدالعزیز صاحب رائے پوریؒ نے نماز عیدالفطر، مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا تاج محمودؒ کی مسجد میں ادا فرمائی۔ مولانا مرحوم کی وفات کے بعد یہ پہلی عید تھی، اس لیے آپ نے اپنے مخلص ورکروں اور حضرت مولانا مرحوم کی اولاد اور ارادت مندوں سے شفقت فرمائی کہ آپ کے تشریف لانے سے بہت ہی زیادہ حوصلہ افزائی ہوئی۔ مولانا مرحوم کے صاحبزادے طارق محمود اور مولانا فقیر محمد صاحب نے حضرت سے درخواست کی کہ آپ مولانا تاج محمود صاحب کی بیٹھک میں تشریف لے چلیں۔ فرمایا نہیں، میں مولانا کے پاس ہی بیٹھوں گا۔ یہ فرما کر حضرت مولانا تاج محمود صاحب کی قبر مبارک پر تشریف لائے۔ دیر تک کچھ پڑھتے رہے۔ مراقبہ کی حالت آپ پر طاری تھی مگر کیا مجال کہ کسی کو کچھ محسوس ہو کہ آپ پر کیا کیفیت ہے۔ یعنی صاحب کرامت و کشف ہونے کے باوجود اخفا اتنا ہوتا ہے کہ کیا مجال ہے کہ کسی کو کچھ علم ہو کہ یہ بھی کچھ ہیں۔ دعا فرمائی، چل دیے۔

بعد میں فقیر اپنے گرامی قدر مخدوم جناب محمد اقبال صاحب کے ہمراہ حضرت کی رہائش گاہ پر حاضر ہوا۔ دست بوسی کے بعد بیٹھتے ہی ہمارے دل میں خیال آیا کہ حضرت سے پوچھوں کہ میرے محسن مولانا تاج محمود صاحب کا کیا حال ہے؟ حضرت کا احترام اور مزاج مانع رہا مگر دل میں یہ خیال بار بار آیا کہ پوچھ لینے میں کیا حرج ہے؟ میری اس قلبی کیفیت کو اللہ رب العزت نے آپ پر منکشف فرما دیا۔ فوراً میری طرف نظر شفقت فرمائی اور فرمایا ''مولانا تاج محمود جنت الفردوس میں مزے لوٹ رہے ہیں اور یہ سب کچھ تحفظ ختم نبوت کے کام کا صلہ ہے۔''

حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ

❑ ختم نبوت 1974ء زوروں پر تھی۔ پاکستان کا ہر مسلمان کسی نہ کسی طور پر اس مقدس تحریک میں شریک تھا اور کاروانِ تحریک کے قائد حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ تھے۔ اس وقت کا ایک واقعہ مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ نے یوں بیان فرمایا:

''ان دنوں حضرتؒ پر سوز و گداز کی جو کیفیت طاری رہتی تھی، وہ الفاظ کے جامۂ تنگ میں نہیں سما سکتی۔ تحریک کے دنوں میں جو آخری سفر حضرتؒ نے کراچی سے ملتان، لاہور راولپنڈی، پشاور تک کا کیا، اس کی یاد کبھی نہ بھولے گی۔ کراچی سے روانہ ہوئے تو حضرتؒ پر بیحد رقت طاری تھی اور جناب مفتی ولی حسن سے فرما رہے تھے۔ ''مفتی صاحب! دعا کیجئے حق تعالیٰ کامیابی عطا فرمائیں۔ میں کفن ساتھ لیے جا رہا ہوں۔ مسئلہ حل ہو گیا تو الحمدللہ، ورنہ شاید بنوریؒ زندہ واپس نہ آئے گا۔'' حق تعالیٰ نے آپ کے سوز دروں کی لاج رکھ لی اور قادیانی ناسور کو جسد ملت سے کاٹ کر جدا کر دیا گیا۔''

مذکورہ تحریک کے دوران جب طلباء جلسہ وجلوس میں حصہ لینے لگے تو حضرت نے طلباء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''ضرورت پڑی تو پہلے بنوری اپنی گردن کٹوائے گا، پھر آپ کی باری آئے گی۔''

❑ شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ تحریک ختم نبوت 1974ء کے قائد تھے۔ آپ کی شب و روز کوششوں سے تحریک کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ تحریک ختم نبوت کی کامیابی پر آپ کو ایک اور انعام ملا۔ حضرت فرماتے تھے کہ تحریک کے بعد غالباً رمضان المبارک میں، میں نے خواب دیکھا کہ ایک چاندی کی تختی مجھے عطا کی گئی ہے اور اس پر

سنہرے حروف میں یہ آیت لکھی ہے۔ انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں نے محسوس کیا کہ یہ تحریک ختم نبوت پر مجھے انعام دیا جا رہا ہے اور اس کی یہ تعبیر کی کہ مجھے حق تعالیٰ بیٹا عطا فرمائیں گے اور میں اس کا نام سلیمان رکھوں گا۔ چنانچہ اس خواب کے دو سال بعد حق تعالیٰ نے ستر برس کی عمر میں آپ کو صاحبزادہ عطا فرمایا اور آپ نے اس کا نام سلیمان تجویز فرمایا۔

مولانا مفتی محمودؒ

مولانا مفتی محمودؒ کا وجود ملت اسلامیہ کے لیے قدرت کا عطیہ تھا۔ آپ کو قدرت نے بے شمار خوبیوں سے سرفراز فرمایا تھا اور آپ کی تمام تر خوبیاں و صلاحیتیں خدمتِ اسلام کے لیے وقف تھیں۔ 53ء کی تحریک ختم نبوت میں آپ ملتان سے گرفتار ہوئے۔ 74ء کی تحریک ختم نبوت میں آپ نے قائدانہ کردار ادا کیا۔ اسمبلی سے باہر ملت اسلامیہ کی راہنمائی شیخ الاسلام مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی قیادت میں جلیل القدر علماء و راہنماؤں نے کی اور قومی اسمبلی میں ختم نبوت کی وکالت آپ نے کی۔ اسمبلی کے معزز ممبران، و علماء کرام کی حمایت و تعاون آپ کو حاصل تھا۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کی طرف سے مرزا ناصر قادیانی اور صدرالدین لاہوری مرزائیوں کے جواب میں جو محضر نامہ تیار کیا گیا، اس کا نام ''ملت اسلامیہ کا موقف'' ہے، اس کے عربی، اردو، انگلش میں مجلس نے کئی ایڈیشن شائع کیے ہیں۔ اس محضر نامے کو اسمبلی میں پڑھنے کا شرف اللہ رب العزت نے حضرت مولانا مفتی محمودؒ کو بخشا۔ آپ اسمبلی میں ملت اسلامیہ کی متفقہ آواز تھے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے ایک عقیدت مند نے آپ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ فرمایئے حضرت کیسے گزری؟ اس پر آپ نے فرمایا: ''ساری زندگی قرآن و حدیث کی تعلیم میں گزری، اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے کوشش و کاوش کی، وہ سب اللہ رب العزت کے ہاں بحمدہٖ تعالیٰ قبول ہوئیں مگر نجات صرف اس محنت کی وجہ سے ہوئی جو قومی اسمبلی میں مسئلہ ختم نبوت کے لیے کی تھی ختم نبوت کی خدمت کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے بخشش فرمادی۔''

حضرت مولانا شاہ احمد نورانیؒ

قائد اہلسنت حضرت مولانا شاہ احمد نورانیؒ ایک عالم باعمل، مجاہد تحریک ختم نبوت اور پاکستان کے اہم ترین سیاست دان تھے۔ ان کے والد گرامی حضرت شاہ عبدالعلیم صدیقیؒ

اپنے زمانے کے شہرہ آفاق روحانی بزرگ اور عالمی مبلغ اسلام تھے جن کے ہاتھ پر بے شمار غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔ فتنہ قادیانیت کے خلاف ان کی گرانقدر خدمات کا ایک زمانہ معترف ہے۔ حضرت مولانا شاہ احمد نورانی ایک سحر بیان خطیب، کمال ذکی، حاضر جواب اور فی البدیہہ گفتگو کرنے کے ساتھ ساتھ زبردست خوش الحان قاری قرآن بھی تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بے پایاں محبت وعقیدت ان کی رگ رگ میں جاگزیں تھی۔ عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کے سلسلہ میں حضرت نورانی میاںؒ کی خدمات آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ انھوں نے بے شمار قادیانی مبلغین سے مناظرے کیے اور انھیں ہمیشہ شکست فاش دی۔ آپ نے بیرون ممالک میں قادیانیوں کی اسلام دشمن سرگرمیوں کا مسلسل تعاقب کیا۔ انھوں نے آئین پاکستان میں مسلمان کی تعریف شامل کروائی۔ 30 جون 1974ء کو آپ نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلانے کے لیے قومی اسمبلی میں تاریخی قرارداد پیش کی۔ قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا ناصر کو اپنی جماعت کے عقائد کے بارے میں صفائی اور موقف پیش کرنے کا مکمل اور آزادانہ موقع دیا گیا۔ 13 دن تک اس پر جرح ہوئی۔ بعدازاں ملک کی منتخب پارلیمنٹ نے متفقہ طور پر قادیانیوں کو ان کے کفریہ عقائد کی بناء پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ مولانا نورانیؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ”قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد کی سعادت اللہ تعالیٰ نے مجھے بخشی اور مجھے یقین کامل ہے کہ بارگاہ خاتم النبیین ﷺ میں میرا یہ عمل سب سے بڑا وسیلہ شفاعت ونجات ہوگا۔“

حضرت مولانا نورانیؒ ایک دلچسپ واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”1974ء کی تحریک ختم نبوت میں قادیانی خلیفہ مرزا ناصر قادیانی جماعت کی طرف سے محضر نامہ پڑھنے کے لیے جب قومی اسمبلی میں آیا تو خدا کی قدرت اور نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت کا اعجاز دیکھنے میں آیا کہ جس وقت اس نے محضر نامہ پڑھنا شروع کیا تو اسمبلی کے اس بند ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں اوپر کے چھوٹے پنکھے سے ایک پرندے کا پر جو غلاظت سے بھرا ہوا تھا، سیدھا اس محضر نامے پر آ کر گرا۔ جس سے مرزا ناصر ایک دم چونکا اور گھبرا کر کہا "I am disturbed" مرزا ناصر کی بدحواسی، ذلت آمیز پریشانی اور اس عجیب وغریب واقعہ پر اراکین اسمبلی ششدر رہ گئے کیونکہ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی غلاظت اوپر چھت سے اس طریقہ سے گری ہو۔“

ایک دفعہ آگرہ کے اکبر عادل صاحب سی۔ ایس۔ پی ریٹائرڈ سیکرٹری وزارت صنعت وحرفت حکومت پاکستان نے پروفیسر شاہ فرید الحق صاحب سے ذکر کیا کہ ''آپ کے صدر جمعیت، عجیب آدمی ہیں کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے والی اپنی پیش کردہ قرارداد سے دولفظوں کے اخراج پر انھیں بہت بھاری رقم مل رہی تھی جو انھوں نے ٹھکرا دی۔ مفصل واقعہ بیان کرتے ہوئے انھوں نے بتایا کہ اسلام آباد میں تحریک ختم نبوت 1974ء کے دوران میرے مکان پر علامہ شاہ احمد نورانی کی دعوت تھی۔ کچھ اور لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے کہ قادیانی لاہوری گروپ سے تعلق رکھنے والے بعض سرکردہ لوگ وہاں آئے اور پوچھا کہ کیا آپ کے ہاں مولانا نورانی تشریف فرما ہیں، ہم ان سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ میں ان لوگوں کو اندر لے گیا اور حضرت نورانی صاحب سے کہا کہ یہ لوگ آپ سے کوئی بات کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کیا بات ہے؟ ان لوگوں میں تین چار اعلیٰ سرکاری افسر بھی تھے۔ ایک صاحب نے کہا جناب آپ نے قومی اسمبلی میں اپنی پیش کردہ قرارداد میں لاہوری گروپ کو بھی غیر مسلم قرار دیا ہے حالانکہ ہم مرزا قادیانی کو نبی نہیں مانتے بلکہ مجدد مانتے ہیں۔ لہٰذا آپ کی قرارداد میں ہمارا ذکر درست نہیں ہے۔ آپ یوں کریں کہ اپنی قرارداد سے ہمارا نام نکال دیں، ہم اس کے عوض آپ کو پچاس لاکھ روپے پیش کرتے ہیں۔ (یاد رہے 1974ء میں پچاس لاکھ روپے کروڑوں بلکہ اربوں کے برابر تھے) اس پر علامہ نورانی طیش میں آگئے اور بلند آواز میں فرمایا، ''او کم نصیبو! ہمارا سودا تو دربار مصطفیٰ ﷺ میں ہو چکا ہے۔ ہم آپ کی پیشکش جوتے کی نوک پر رکھتے ہیں، اس لیے کہ ہمارا جوتا اس پیش کش سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ مرزا قادیانی جھوٹا مدعی نبوت ہے اور جو اسے مجدد یا مسلمان مانتا ہے، وہ بھی کافر ہے اور میری قرارداد سے کوئی لفظ حذف نہیں ہوگا آپ لوگ یہاں سے چلے جائیں ورنہ آپ کے لیے اچھا نہ ہوگا۔'' بس پر وہ لوگ چلے گئے تو علامہ نورانی ؒ نے فرمایا کہ بڑی بڑی اعلیٰ حکومتی شخصیات سفارش کرتی ہیں کہ صاحب! ان لوگوں کو آپ کیوں ذکر لے آئے ہیں۔ یہ تو نبی نہیں مانتے لیکن الحمدللہ! اللہ کریم نے استقامت عطا فرمائی۔ یہ پیسے آنی جانی چیز ہے۔ اصل دولت ایمان کی دولت ہے جو سرمایۂ آخرت ہے۔''

کسی نے کیا خوب کہا تھا: ''مولانا نورانی نہ جھکتا ہے نہ بکتا ہے۔''

حضرت نورانی میاںؒ نے اپنے ایک انٹرویو میں فرمایا:

''ختم نبوت کا عقیدہ مسلمانوں کے درمیان ایک متفقہ اور اجتماعی عقیدہ ہے اور سب کا متفقہ فیصلہ ہے کہ ختم نبوت کا منکر، کافر اور مرتد ہے۔ اس امت میں فتنۂ ارتداد اور فتنہ انکار ختم نبوت کو بیخ و بن سے اکھاڑنے والے سب سے پہلے اور سچے عاشق رسول، حضور ختمی مرتبت ﷺ کے پہلے خلیفہ راشد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، انھوں نے ہر مصلحت کو بالائے طاق رکھ کر فتنۂ ارتداد، فتنہ انکار ختم نبوت کی سرکوبی کی، مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ یمامہ میں ہزاروں صحابہ کرام شریک ہوئے، جن میں سینکڑوں حفاظ قرآن بھی تھے اور بالآخر مسیلمہ کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ برصغیر میں متنبی قادیان کے خلاف بھی علماء حق نے کفر و ارتداد کے فتاویٰ جاری کیے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلویؒ، اعلیٰ حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑویؒ، مولانا لطف اللہ علی گڑھیؒ اور دیگر تمام مکاتب فکر کے اکابر علماء نے مرزا قادیانی کی تکفیر کی۔ علماء حق نے مناظرے اور مباہلے کے چیلنج دیے اور قبول کیے۔ یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ کا سواد اعظم اس فتنے میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہا۔''

حضرت نورانی میاںؒ نے قادیانیوں کے بارے میں نہایت اہم انکشاف کرتے ہوئے فرمایا:

''قادیانی حج کے لیے نہیں جاتے لیکن جب سے پاکستان بنا ہے، یہ لوگ وہاں جانے لگے ہیں کیونکہ ان کے پاسپورٹ میں قادیانی نہیں لکھا ہوتا، اس لیے سعودی حکومت انھیں نہیں روکتی۔ وہاں پہنچ کر یہ لوگ سازشیں کرتے ہیں اور یہاں یہ کہتے ہیں کہ ہم تبلیغ کی غرض سے گئے تھے اور چونکہ وہاں ان کو تبلیغ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس لیے وہ وہاں صرف جاسوسی کرتے ہیں اور یہودیوں کو وہاں کے حالات و واقعات سے آگاہ کرتے ہیں۔

چونکہ میرے والد گرامی کا موضوع ردقادیانیت و مرزائیت تھا۔ ایک حوالے سے تو یہ موضوع مجھے ورثہ میں ملا اور پھر اس موضوع کا مطالعہ انسان کے ضمیر کو جھنجھوڑتا ہے۔ انسان سوتے سے جاگتا ہے، اسے احساس ہوتا ہے کہ اے مصطفیٰ ﷺ کے غلام، اٹھ اور جاگ، تیرے ہوتے ہوئے تیرے نبی ﷺ کے گستاخ کیسے جرأت و جسارت کے ساتھ دندنا رہے ہیں۔ یہ قادیانی سیاہ بخت، اللہ کے پیارے محبوب ﷺ کی محبت ختم کر کے ہندوستان کے جھوٹے نبی کی محبت لوگوں کے دلوں میں پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے میں ہر صاحب ایمان کا فرض ہے کہ وہ اٹھ کھڑا ہو اور میدان میں کود پڑے۔ اس منحوس فتنہ کی سرکوبی ہر بڑے فریضے سے اہم فریضہ ہے۔ یہ

ایسا زہر ہے جو گڑ کی شکل میں کھلانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ ایسے حالات میں بہت ضروری ہے کہ ہر مسلمان فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کے لیے موثر اقدام اٹھائے۔"

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام چناب نگر (ربوہ) میں ختم نبوت کانفرنس سے تاریخی خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا شاہ احمد نورانیؒ نے فرمایا:

"ایمان ایک ایسی قوت ہے جس کی بے شمار برکات ہیں اور تحفظ ختم نبوت خالصتاً ایمانیات کا مسئلہ ہے جس کے لیے ہم اپنے خون کا آخری قطرہ بھی قربان کرنا سعادت سمجھتے ہیں۔ قادیانی حکومت کے کلیدی عہدوں پر فائز ہو کر مالی اور سیاسی فوائد حاصل کر رہے ہیں حالانکہ وہ اقلیت میں ہیں۔ وہ پاکستان میں اپنی وہی پوزیشن بنانا چاہتے ہیں جو امریکہ میں یہودیوں نے بنالی ہے۔ اگر یہ فتنہ اس طرح پروان چڑھتا رہا تو آئندہ اس ملک پر ان کا قبضہ ہوگا اور ان کی مرضی کے بغیر کوئی حکومت نہ کر سکے گا۔ مرزائیت، یہودیت کی گود میں پروان چڑھ رہی ہے اور پاکستان میں تل ابیب کا ایجنٹ ربوہ ہے۔ اس کی معرفت جو چاہتے ہیں، کرواتے ہیں۔ مذہب کا تو ان لوگوں نے لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قادیانیت ایک بہت بڑی خطرناک سیاسی تحریک ہے اور صیہونیت کی ذیلی تنظیم ہے جو مسلمانوں کے اندر رہ کر مسلمانوں کی تباہی و بربادی کا سامان پیدا کر رہی ہے۔ ہر مسلمان کو ان کے خلاف جدوجہد کرنی چاہیے۔"

آسماں تری لحد پہ شبنم افشانی کرے

وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو

سابق وزیراعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو کا شمار دنیا کے بڑے راہنماؤں میں ہوتا ہے۔ بھٹو صاحب کی ذات سے کسی کو ہزار اختلاف ہوں، یہ سچائی اپنی جگہ ہے کہ وہ ایک تاریخ ساز اور عہد آفریں شخصیت تھے۔ وہ پاکستان کی تاریخ کا ایک بہت بڑا نام اور ناقابل فراموش کردار ہیں۔ وہ انتہائی مدبر سیاستدان، اعلیٰ تعلیم یافتہ، بے حد وسیع المطالعہ، وقت کے نبض شناس اور منفرد شخصیت کے مالک تھے۔ انھوں نے دنیا سے اپنی خطابت و ذہانت کا لوہا منوایا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تمام خامیوں اور بشری کمزوریوں کے باوجود عوام کی بھاری اکثریت آج بھی ان کا احترام کرتی ہے۔

جناب ذوالفقار علی بھٹو کے دور حکومت میں 29 مئی 1974ء کو نشتر میڈیکل کالج کے طلبہ پر ربوہ ریلوے سٹیشن پر قادیانی قیادت کے ایماء پر بے پناہ تشدد کیا گیا جب وہ شمالی علاقہ جات کی سیر کے بعد واپس ملتان جا رہے تھے۔ ان طلبہ کا قصور یہ بتایا جاتا ہے کہ انھوں نے 22 مئی کو پشاور جاتے ہوئے ربوہ ریلوے سٹیشن پر قادیانی لٹریچر لینے سے انکار کیا اور ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لگائے تھے۔ اس کی پاداش میں، واپسی پر ان کی گاڑی بلا ضابطہ روک کر طلبہ پر ظلم و تشدد کا ہر نیا طریقہ آزمایا گیا جس سے 30 طلبہ شدید زخمی ہوئے۔ اس واقعہ کا پورے ملک میں زبردست ردعمل ہوا۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کی اپیل پر پاکستان کے مختلف شہروں میں ہڑتالوں اور پرجوش مظاہروں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ چنانچہ 30 جون 1974ء کو قومی اسمبلی میں اپوزیشن نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لیے ایک قرارداد پیش کی۔ اس سے پہلے جناب ذوالفقار علی بھٹو نے 13 جون 1974ء کو ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''جو شخص ختم نبوت پر یقین نہیں رکھتا۔ وہ مسلمان نہیں ہے۔ ربوہ کے واقعہ سے تعلق رکھنے والے سارے مسئلے کو جولائی کے پہلے ہفتے میں قومی اسمبلی کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔ حکمران جماعت کے ارکان پر پارٹی کی طرف سے کسی قسم کا دباؤ نہیں ڈالا جائے گا اور انھیں آزادی ہوگی کہ وہ کم و بیش 90 سال پرانے اس اہم اور نازک مسئلے کو عوام کی اکثریت کی خواہشات، ایمان اور عقیدے کی رُو سے مستقل طور پر حل کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔ قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کے مسئلے پر، میں آمرانہ طور پر خود کوئی فیصلہ کرنا پسند نہیں کرتا۔ جمہوری طریق کار یہی ہے کہ اس اہم مسئلے پر عوام کے منتخب نمائندے خود سوچ سمجھ کر کوئی فیصلہ کریں۔ میں قادیانیوں کے مسئلہ کا جمہوری، منصفانہ اور صحیح فیصلہ کروں گا اور مجھے اپنے فیصلے پر فخر ہوگا۔ یہ فیصلہ کرانے کے لیے وقت کی قید نہیں لگائی جاسکتی۔ ختم نبوت کا مسئلہ ہرگز متنازعہ نہیں۔ فیصلہ تو ہو چکا ہے اور یہ طے شدہ ہے کہ جو شخص ختم نبوت کا قائل نہیں ہے، وہ مسلمان نہیں ہوسکتا۔ اب اسے ایک ضابطہ کے تحت لانا باقی ہے۔

گزشتہ عام انتخابات میں قادیانیوں نے پیپلز پارٹی کو ووٹ دیے تھے لیکن انھوں نے ہمیں خرید تو نہیں لیا۔ ووٹ تو ہمیں دوسرے فرقوں نے بھی دیے۔ مگر ہم ان کے محتاج تو

نہیں۔ میں صرف اللہ کا محتاج ہوں اور پاکستان اور اس کے عوام سے وفاداری میرا ایمانی ہے۔ میں وہی کروں گا جو میرا ضمیر کہے گا۔

میں مسلمان ہوں۔ مجھے مسلمان ہونے پر فخر ہے۔ کلمہ کے ساتھ پیدا ہوا تھا اور کلمہ کے ساتھ مروں گا۔ ختم نبوت پر میرا ایمان کامل ہے اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں نے ملک کو جو دستور دیا ہے، اس میں ختم نبوت کی اتنی ٹھوس ضمانت نہ دی گئی ہوتی۔ 1956ء اور 1962ء کے آئین میں ایسی کوئی ضمانت کیوں نہیں دی گئی۔ حالانکہ یہ مسئلہ 90 سال پرانا ہے۔ یہ شرف مجھ گناہگار کو حاصل ہوا ہے کہ ہم نے اپنے دستور میں صدر مملکت اور وزیراعظم کے لیے ختم نبوت پر کامل ایمان کو لازمی شرط قرار دیا ہے۔ ہم نے یہ ضمانت اس لیے دی ہے کہ ہمارے ایمان کی رو سے، حضور ﷺ خدا تعالیٰ کے آخری رسول ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ میں نے ملک کو نیا عوامی دستور دیا اور انشاء اللہ عوام کے تعاون سے قادیانیوں کا مسئلہ مستقل طور پر حل کر دوں گا۔ یہ اعزاز بھی مجھے ہی حاصل ہوگا اور یوم حساب، خدا کے سامنے اس کام کے باعث سرخرو ہوں گا۔"

انہی دنوں مجاہد ختم نبوت جناب آغا شورش کاشمیری نے بھٹو سے طویل ملاقات کی جس میں انھوں نے اثر انگیز انداز میں ختم نبوت کی وکالت کی۔ اس پر جناب بھٹو کو کہنا پڑا "شورش کاشمیری نے میرا دو ٹوک جواب سننے کے باوجود قادیانیوں کے مذہبی معتقدات میرے سامنے اس طرح رکھے جن کے مطابق امت کا ہر فرد حتیٰ کہ خود میں اور میرے ماں باپ بھی کافر تھے۔ مجھے قادیانیوں کی کتابیں دیکھ کر بڑا غصہ آیا...... کم از کم میں تو یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ قادیانی حضرت امام حسنؓ، حضرت امام حسینؓ، حضرت علیؓ اور میرے ماں باپ تک کو کافر سمجھتے ہیں...... (نعوذ باللہ)

"لیکن میں نے اپنے غصے پر قابو پا کر شورش کاشمیری سے کہا۔ یہ تو درست ہے کہ قادیانی، امت مسلمہ کے ہر چھوٹے بڑے رکن کو کافر سمجھتے ہیں لیکن ان کے عقائد کے بارے میں مَیں کیا کر سکتا ہوں۔ یہ کام تو علماء کا ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی تبلیغ کے ذریعے ان عقائد سے تائب کریں اور جو وقت وہ تحریکیں چلانے میں صرف کرتے ہیں، وہ قادیانیوں کے خلاف تبلیغ میں صرف کریں، حکومت ان کی ہر طرح کی مدد کرنے کو تیار ہے۔"

شورش نے جو کچھ کہا اس پر باحوالہ دلائل دیے اور سب سے آخر میں، اس نے بھی مفتی محمود کی طرح ایک جذباتی مطالبہ کیا۔ اس کے مطالبے کو قبول کرنے کے لیے میرے سامنے اس کے دلائل کا انبار تھا اور میں نے دل ہی دل میں یہ مسئلہ حل کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا......

لیکن اس موقع پر شورش نے ایک ایسی حرکت کی جس سے میں لرز گیا۔ ان کے ساتھی مولوی تاج دین جو ان کے ہمراہ تھے، وہ بھی بڑے حیران ہوئے۔ شورش نے گفتگو کرتے ہوئے یکایک اٹھ کر بڑے جذباتی انداز میں میرے پاؤں پکڑ لیے۔ میں نے شورش کو اس کی عظمت کا احساس دلاتے ہوئے اٹھا کر گلے سے لگالیا مگر شورش ہاتھ ملا کر پیچھے ہٹ گیا اور کہنے لگا!

"بھٹو صاحب! ہمارے پاس کون سی عظمت ہے۔ ہم ایک سو سال سے اپنے آقا و مولا ﷺ کی عزت و عظمت بحال نہیں کر سکے۔ ہم سے زیادہ ذلیل قوم کسی ملک نے آج تک پیدا نہیں کی ہوگی۔ ہم اس وقت عزت و عظمت کا تاج سر پر رکھ سکتے ہیں جب قادیانیوں سے محمد عربی ﷺ کی نبوت کا تاج چھین کر آقائے کونین کو راضی کرلیں۔

پھر شورش نے روتے ہوئے میرے سامنے اپنی جھولی پھیلا کر کہا۔ ''بھٹو صاحب! میں آپ سے اپنے اور آپ کے نبی ﷺ کی ختم المرسلینی کے تحفظ کی بھیک مانگتا ہوں۔ آپ میری زندگی کی تمام خدمات اور نیکیاں لے لیں۔ میں خدا کے حضور خالی ہاتھ چلا جاؤں گا مگر خدا کے لیے اپنے نبی ﷺ کی نبوت کی حفاظت کر دیجئے۔ یہ میری جھولی نہیں۔ فاطمہ بنت محمد (رضی اللہ عنہا) کی جھولی ہے۔ جس کی ناموس پر قادیانی حملہ آور ہیں۔''

اب اس سے زیادہ مجھ میں کچھ سننے کی تاب نہ تھی۔ میرے بدن میں ایک جھرجھری سی آ گئی۔ میں بھی آخر مسلمان تھا اور اسی نبی ﷺ کا کلمہ پڑھتا تھا...... میں مسلمان کی حیثیت کے سوا اپنی ہر حیثیت بھول گیا تھا۔ میں نے شورش سے وعدہ کرلیا کہ میں قادیانی مسئلہ ضرور حل کردوں گا۔ (ہفت روزہ چٹان لاہور 29 اکتوبر 1979ء ص 11-12)

ذوالفقار علی بھٹو جانتے تھے کہ قادیانیوں کو اگر غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا تو انہیں امریکہ کبھی معاف نہیں کرے گا۔ کیونکہ جب مرحوم بھٹو سربراہ مملکت کی حیثیت سے پہلی مرتبہ امریکہ کے دورے پر گئے تو امریکی صدر نے انہیں ہدایت کی کہ پاکستان میں قادیانی

جماعت ہمارا سیکٹ (Sect) ہے۔ ان کا آپ نے ہر لحاظ سے خیال رکھنا ہے۔ دوسری مرتبہ بھی جب امریکہ کے دورے پر گئے تو بھی یہی بات دہرائی گئی، اس بات کا انکشاف انہوں نے اپنے اقتدار کے آخری ایام میں یہ کہتے ہوئے کہا: ''یہ بات میرے پاس امانت تھی۔ فقط ریکارڈ پر لانے کے لیے کہہ رہا ہوں۔'' بھٹو کے دور اقتدار میں کئی کلیدی افسران کو اس لیے جبری ریٹائرڈ کرنا پڑا کہ انہوں نے ائیرفورس پر مرزائیوں کو قابض کرانے کے لیے بڑی ناکام تدابیر کیں۔ ایک دفعہ ایئر مارشل ظفر احمد چودھری کے ہاتھوں کورٹ مارشل کی بھینٹ چڑھنے والے فضائیہ کے ایک مسلمان افسر نے مسٹر بھٹو تک رسائی حاصل کی اور انہیں ظفر چودھری کی گھٹیا ذہنیت سے آگاہ کیا۔ ان کی یہ لرزہ خیز داستان سن کر مسٹر بھٹو بہت حیران ہوئے۔ اس روز بھٹو بے حد پریشان ہوئے اور ان کے ماتھے پر معنی خیز شکن اُبھر آئی اور کہا: ''اچھا یہ ہے کہ ان کا اصل روپ۔'' اس کے علاوہ بھی بھٹو کو بہت سی ایسی باتیں ظفر چودھری کے حوالے سے معلوم ہوئیں جن سے انھیں یقین کامل ہو گیا کہ قادیانی نہ صرف غیر مسلم بلکہ پاکستان کے لیے ایک بہت بڑی آگ ہیں۔

چنانچہ 7 ستمبر 1974ء کو ملک کی منتخب پارلیمنٹ نے متفقہ طور پر قادیانیوں کو ان کے کفریہ عقائد کی بناء پر 13 دن کی طویل جرح کے بعد غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔ آئین کی دفعہ 106 کی شق 3 اور دفعہ 260 کی ایک نئی شق کے ذریعے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔

جناب ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی پھانسی سے پہلے لکھی جانے والی اپنی آخری کتاب "If I am Assassinated?" ''اگر مجھے پھانسی دی گئی'' میں لکھا:

''میں ایک اور خاص بات کی نشاندہی کرنا چاہتا ہوں کہ الیکشن کمیشن کے سیکرٹری مسٹر زیڈ اے فاروقی کے بیانات وائٹ پیپر میں جگہ جگہ شامل کیے گئے ہیں۔ اتفاق یہ ہے کہ مسٹر زیڈ اے فاروقی، مسٹر این اے فاروقی کے بھتیجے بھی ہیں جن کی بیوی میرے مقدمہ میں وعدہ معاف گواہ مسعود محمود کی بیوی کی بہن ہے۔ جہاں تک میری اطلاعات کا تعلق ہے، این اے فاروقی نے مسعود محمود کے وعدہ معاف گواہ بننے سے قبل مسعود محمود اور مارشل لاء حکام کے درمیان رابطے کا کام کیا تھا۔ یہاں میں یہ بھی بیان کر دینا چاہتا ہوں کہ الیکشن کمیشن کے سیکرٹری مسٹر این اے فاروقی جن کے بیانات کو وائٹ پیپر میں بنیاد بنایا گیا ہے، وہ قادیانی ہیں اور

انھوں نے مجھ سے اس بات کا بدلہ لیا ہے کہ میں نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار کیوں دیا تھا۔"

مجاہد ختم نبوت مولانا تاج محمودؒ بیان کرتے ہیں:

"تحریک ختم نبوت 1974ء کے دوران میں حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ کی قیادت میں مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے جید علماء کرام پر مشتمل ایک وفد نے جناب ذوالفقار علی بھٹو سے ملاقات کی اور انھیں قادیانی عقائد و عزائم سے آگاہ کیا۔ اس موقع پر علماء کرام نے بھٹو صاحب سے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیے جانے کی پُرزور درخواست کی۔ اس پر جناب بھٹو نے وفد کو یقین دلایا کہ وہ اپنے ایمان اور عقیدے کی رُو سے قادیانیوں کو غیر مسلم سمجھتے ہیں اور قادیانیوں کے بارے میں پارلیمنٹ کے فیصلہ پر ہر مسلمان فخر کرے گا۔ مزید برآں انھوں نے اپنے خدشے کا اظہار کرتے ہوئے وفد سے کہا کہ آپ لوگ مجھ سے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوا رہے ہیں لیکن میں اس کے بدلہ میں اپنی گردن میں پھانسی کا پھندہ دیکھ رہا ہوں، کیونکہ امریکہ سمیت مجھے کئی عالمی طاقتوں نے خصوصی طور پر کہا ہے کہ "آپ پاکستان میں احمدیوں کا خاص خیال رکھیں۔"

قادیانیوں کو آئین میں غیر مسلم اقلیت قرار دلانے والے جناب ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی پر قادیانیوں نے جشن منایا، مٹھائیاں تقسیم کیں اور جھوٹے مدعی نبوت اور انگریز کے خود کاشتہ پودے مرزا قادیانی علیہ ماعلیہ کی کتابوں کو کھنگالنا شروع کر دیا کہ شاید کوئی ایسا لفظ مل جائے جسے وہ الہام بنا کر جناب بھٹو پر چسپاں کر سکیں، طویل تلاش و بسیار کے بعد مرزا قادیانی کی ایک نام نہاد وحی ملی کہ

"ایک شخص کی موت کی نسبت خدا تعالیٰ نے اعداد تہجی میں مجھے خبر دی جس کا ماحصل یہ ہے کہ (کلب یموت علیٰ کلب) یعنی وہ کتا ہے اور کتے کے عدد پر مرے گا۔ جو باون سال پر دلالت کر رہے ہیں یعنی اس کی عمر باون سال سے تجاوز نہیں کرے گی جب باون سال کے اندر قدم دھرے گا۔ تب اسی سال کے اندر اندر راہی ملک بقاء ہوگا۔"

(ازالہ اوہام ص 187، مندرجہ روحانی خزائن ج 3 ص 190 از مرزا قادیانی)

اس خود ساختہ اور من گھڑت الہام کو سچا ثابت کرنے کے لیے کتے کے اعداد نکالے جو 52 بنتے ہیں اور پھر اسے جناب بھٹو مرحوم پر چسپاں کر دیا کہ چونکہ بھٹو صاحب کو 52 سال کی عمر میں پھانسی ہوئی اور مرزا قادیانی کا یہ الہام بھٹو صاحب کے بارے میں ہے، لہٰذا کتا

(بھٹو) کتے کی موت مر گیا (استغفر اللہ) اس موقع پر مولانا تاج محمودؒ نے اپنے پرچہ ہفت روزہ "لولاک" میں لکھا تھا:

"یہ الہام نہیں بلکہ مرزا قادیانی نے اپنے بیٹے مرزا محمود کو کسی شرارت پر جھڑکا ہوگا اور کہہ دیا ہوگا کہ "یہ کتا ہے، کتے کی موت مرے گا" ماں باپ خواہ مسلمان ہوں یا مرزا قادیانی کی طرح کافر و مرتد اور زندیق ہوں، ان کی بددعا اکثر و بیشتر اولاد کے بارے میں اپنا اثر دکھاتی ہے، چنانچہ مرزا قادیانی کی اس بددعا نے (جسے الہام بنا دیا گیا) اپنا اثر دکھایا اور مرزا محمود گیارہ سال تک خارش زدہ باؤلے کتے کی طرح ایک علیحدہ کمرے میں قید رہا، جس کے ساتھ کسی کو ملنے کی اجازت نہیں تھی۔ آخری دنوں میں تو اس کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ کتے کی طرح بھونکتا تھا۔ چونکہ مرزا محمود کی عمر باون سال تھی اور "کلب" کے عدد بھی ۵۲ ہوتے ہیں، لہٰذا یہ بددعا مرزا محمود کو لگی اور وہ کتے کے عدد پر مر گیا۔"

قادیانیوں کا بھٹو کے خلاف فیصلہ کے بارے میں جو نقطہ نظر تھا، وہ سابق وزیر خارجہ اور مشہور قادیانی چوہدری ظفر اللہ خاں کے ایک انٹرویو کی صورت میں "سیاسی اتار چڑھاؤ از منیر احمد خان" میں شائع ہو چکا ہے جس میں اس نے بھٹو صاحب کے بارے میں اسی قسم کی بکواس کی ہے۔ حالانکہ بھٹو مرحوم نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے کر وہ تاریخی کارنامہ سرانجام دیا کہ رہتی دنیا تک یاد رہے گا۔ ان کی یہ شاندار خدمت تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے اور اس معاملے میں ہم انھیں ملک و ملت کا محسن گردانتے ہیں۔

17 مئی 1977ء سے 4 اپریل 1979ء تک کرنل رفیع الدین نے سنٹرل جیل راولپنڈی میں مارشل لاء انتظامیہ کی جانب سے سپیشل سیکورٹی سپرنٹنڈنٹ کے فرائض سرانجام دیے جہاں سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو رکھا گیا تھا۔ انھوں نے اسی عرصہ ملازمت کے مشاہدات، تجربات اور محسوسات پر مبنی ایک کتاب "بھٹو کے آخری 323 دن" تحریر کی جس میں وہ لکھتے ہیں:

"قادیانی مسئلہ ایک ایسا مسئلہ تھا جس پر بھٹو صاحب نے کئی بار کچھ نہ کچھ کہا۔ ایک دفعہ کہنے لگے، رفیع! یہ لوگ چاہتے تھے کہ ہم ان کو پاکستان میں وہ مرتبہ دیں جو یہودیوں کو امریکہ میں حاصل ہے۔ یعنی ہماری ہر پالیسی ان کی مرضی کے مطابق چلے۔ ایک بار بھٹو نے کہا کہ قومی اسمبلی نے ان کو غیر مسلم قرار دیا ہے اس میں میرا کیا قصور ہے۔ ایک دن اچانک

مجھ سے پوچھا کہ کرنل رفیع! کیا قادیانی آج کل یہ کہہ رہے ہیں کہ میری موجودہ مصیبتیں ان کے خلیفہ کی بددعا کا نتیجہ ہیں کہ میں کال کوٹھڑی میں پڑا ہوا ہوں۔ ایک مرتبہ کہنے لگے کہ "بھئی اگر ان کے اعتقاد کو دیکھا جائے تو وہ تو حضرت محمد ﷺ کو آخری پیغمبر ہی نہیں مانتے اور اگر وہ مجھے ہی اپنے آپ کو غیر مسلم قرار دینے کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں تو کوئی بات نہیں۔ پھر کہنے لگے میں تو بڑا گناہگار ہوں اور کیا معلوم کہ میرا یہ عمل ہی میرے گناہوں کی تلافی کر جائے اور اللہ میرے تمام گناہ اس نیک عمل کی بدولت معاف کر دے۔" بھٹو صاحب کی باتوں سے میں یہ اندازہ لگایا کرتا تھا کہ شاید ان کو گناہ وغیرہ کا کوئی خاص احساس نہ تھا لیکن اس دن مجھے محسوس ہوا کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔" (ص:67)

جناب کرنل رفیع الدین اپنی مذکورہ کتاب میں بھٹو صاحب کے بارے میں حیرت انگیز انکشاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میں پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول میں زیر تربیت تھا جب مجھے ایک ساتھی کیڈٹ کے ذریعے دست شناسی کا شوق پیدا ہوا۔ کمیشن حاصل کرنے کے بعد میں نے اس مشغلے کو کافی سنجیدگی سے لیا۔ بہت سی کتابیں پڑھیں، بے شمار ہاتھ بھی دیکھے۔ اب بھی جب کبھی گاؤں جاتا ہوں تو بزرگ خواتین اپنے اہل وعیال کے ساتھ گھیر لیتی ہیں۔ لیکن جب انھیں بتاتا ہوں کہ مجھ سے یہ علم لے لیا گیا ہے تو وہ بہت رنجیدہ ہو جاتی ہیں۔ مگر پھر بھی اصرار کرتی ہیں کہ میرے اس بچے کی قسمت کے متعلق کچھ تو بتاؤ۔

کافی عرصہ ہوا میں نے پامسٹری کو پڑھنا اور پریکٹس کرنا چھوڑ دیا ہے لیکن اس کے باوجود میں کسی بھی ہاتھ کو دیکھتے ہی چند بڑی لکیروں پر نظر دوڑا لیتا ہوں۔ جس دن سے بھٹو صاحب کے ساتھ جیل میں ملنا ملانا شروع ہوا اور ان کے ساتھ بیٹھ کر گپ شپ کا سلسلہ چل نکلا تو میرا دست شناسی کا پرانا اشتیاق جاگ اٹھا۔ دراصل بھٹو صاحب خوب باتیں کیا کرتے تھے۔ اس دوران ان کی زبان کے ساتھ ساتھ ان کے ہاتھ بھی ہوا میں لہراتے رہتے تھے۔ میری آنکھیں ان کے ہاتھ پر جمی رہتی تھیں۔ ان کے ہاتھ کی لکیروں کو بار بار دیکھتا رہتا تھا۔ ان کی شمسی اور قسمت کی لکیریں بے حد نمایاں تھیں۔ دل، دماغ اور زندگی کی لکیریں بھی کافی غور سے دیکھیں۔ اس کیس کی وجہ سے میں ان کی زندگی کی لکیر کو بار بار دیکھتا۔ ان کی یہ لکیر سوائے پہلے چند سالوں کے جو عموماً ہر ہاتھ پر ایسی ہی ہوتی ہے، باقی گہری، صاف، بغیر کسی

خلل اندازی یا کٹ کے شروع سے کلائی تک بالکل نمایاں تھی، یعنی زندگی کی لائن، ٹوٹ پھوٹ، جزیرے یا کٹ وغیرہ سے مبرا تھی۔ یہی نہیں بلکہ مددگار لکیر بھی موجود تھی۔ مجھے ان کے ہاتھ پر کسی حادثے یا اچانک موت کی کوئی نشانی نہیں ملی۔ اس لیے مجھے یقین ہو رہا تھا کہ ان کو سزا تو ہو سکتی ہے لیکن پھانسی سے ان کی زندگی ختم نہیں ہوگی۔

ان کی اپیل خارج ہونے کے بعد جب ایک روز وہ باتیں کر رہے تھے اور ہاتھ کو میرے سامنے خوب ہلا رہے تھے، میں ان کی زندگی کی لکیر کو خوب غور سے دیکھ رہا تھا تو کہنے لگے، رفیع! میرے ہاتھ پر کیا ہے جسے آپ اتنے غور سے دیکھ رہے ہیں۔ میں نے جواب دیا جناب، آپ کے ہاتھ پر زندگی کی لکیر سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی کافی دراز ہے۔ جواب میں انھوں نے کہا کرنل! بھٹوز ہمیشہ جوانی میں ہی مرتے رہے ہیں۔ میں نے جواب دیا لیکن آپ کا ہاتھ تو اس کے خلاف کہہ رہا ہے۔ وہ مسکرائے، اپنے ہاتھ کو دیکھا اور مجھ سے کہا، کیا آپ پامسٹری جانتے ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ گذشتہ سالوں میں یہ میرا مشغلہ رہا تھا لیکن آج کل اسے چھوڑا ہوا ہے۔ انھوں نے پھر اپنے ہاتھ کو دیکھا اور میرا خیال تھا کہ وہ اپنا ہاتھ مجھے تھما دیں گے لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ پھر کہنے لگے کرنل رفیع! آپ نے چودھری یار محمد سے ایک دفعہ کہا تھا کہ دو گردنوں میں سے ایک کو جانا ہے، بھٹو کی گردن یا جنرل ضیاء کی گردن، چونکہ بھٹو کی گردن اندر ہے اس لیے شاید اسے ہی جانا ہوگا۔ میں نے جواب دیا کہ میں اس سے انکار نہیں کرتا لیکن وہ ایک عام سی خیال آرائی تھی مگر آپ کے ہاتھ کی لکیر تو ایسا نہیں کہتی۔ بھٹو صاحب نے اس موضوع پر اور کچھ نہ کہا بلکہ خود بخود ہی کچھ دیر میں کوئی اور بات چھیڑ دی۔

پامسٹری کی پریکٹس یعنی ہاتھ دیکھنے تو میں نے ساٹھ کی دہائی کے آخیر سے چھوڑ دیے تھے لیکن ان لکیروں کے علم کا یقین رہا یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ایک علم انسان کو دیا ہے۔ بھٹو صاحب کی پھانسی کے بعد مجھے اس علم پر بہت شک و شبہ ہو گیا۔ حتیٰ کہ میں نے اپنے ہاتھ پر بھی نظر ڈالنا چھوڑ دیا۔ دل و دماغ میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ بہت عرصہ بعد ایک دن ایم اے ملک کا یہ بیان پڑھ کر دل میں کچھ ڈھارس بندھی کہ کچھ سرکردہ دست شناسوں نے کہا ہے کہ شہید کے ہاتھ پر زندگی کی لکیر ہمیشہ موجود رہتی ہے۔ اس کے ہاتھ کی لائف لائن کبھی نہیں ٹوٹتی کیونکہ وہ مرتا نہیں ہے۔ بھٹو صاحب کی پھانسی کے بعد میرا یقین پامسٹری سے اٹھ گیا تھا لیکن اس بیان کے پڑھنے کے بعد پھر سے اس علم پر کچھ یقین سا ہونے لگا۔"

حضرت مولانا لطف اللہؒ فرماتے ہیں:

''شاہ فیصلؒ سے حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کی جو آخری ملاقات ہوئی، اس میں انھوں نے مولانا سے فرمایا تھا: ''میں نے بھٹو کو ملاقات کے وقت صاف صاف بتا دیا تھا کہ پاکستان کے تین دشمن ہیں: قادیانی، کمیونسٹ اور مغربی ممالک۔''

مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ نے بھٹو سے جو ملاقات لاہور میں کی تھی، اس میں آپ نے بھٹو سے فرمایا: ''کیا آپ کو شاہ فیصل نے نہیں بتایا کہ قادیانی، کمیونسٹ اور مغربی ممالک، پاکستان کے تین دشمن ہیں اور انہی لوگوں نے سازش کر کے لیاقت علی خان کو مروایا تھا؟ مسٹر بھٹو نے مولانا سے کہا کہ کیا آپ مجھے بھی مروانا چاہتے ہیں؟ مولانا نے برجستہ فرمایا کہ: ایسی موت کسی کو نصیب ہو تو اس پہ ہزاروں زندگیاں قربان کی جا سکتی ہیں۔ جو شخص شہادت کی موت مرتا ہے، وہ مرتا نہیں بلکہ زندہ جاوید ہو جاتا ہے۔''

(ہفت روزہ ختم نبوت کراچی 16 تا 23 مئی 2007ء)

مجاہد ختم نبوت جناب آغا شورش کاشمیریؒ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے پر جناب ذوالفقار علی بھٹو کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پاکستان بنا تو مرزائی قادیان سے اٹھ کر لاہور آ گئے پھر انگریز گورنر سر فرانسس موڈی سے کوڑیوں کے بھاؤ ربوہ کی زمین حاصل کی اور وہاں سے پاکستان کے مختلف حصوں میں اپنی فرمانروائی کا منصوبہ تیار کرنے لگے۔ مرزا ناصر تو عقل کے کورے ہیں لیکن مرزا محمود، کرنل لارنس کی سی شاطرانہ ذہنیت کے مالک تھے۔ انھوں نے پاکستان میں اقتدار کا خواب دیکھنا شروع کیا حتیٰ کہ بلوچستان کو احمدی صوبہ بنانے کا اعلان کیا۔ جب ان کی سیاسی پخت و پز خطرناک ہو گئی تو علماء میں زبردست ہیجان پیدا ہو گیا۔ تمام علماء نے اکٹھے ہو کر مزاحمت کا بیڑا اٹھایا، مجلس عمل کی بنیاد رکھی، راست اقدام کیا لیکن اس وقت کے بدبخت حکمرانوں نے ملت اسلامیہ کے متفقہ مطالبے کو ٹھکرا دیا، مارشل لاء لگایا۔ مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی۔ سینکڑوں نوجوان گولیوں سے بھونے..... منیر انکوائری کمیٹی نے تحقیقات شروع کیں تو خواجہ ناظم الدین نے کھلے بندوں کہا کہ وہ ظفر اللہ کو علیحدہ کرنے یا مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ ماننے سے اس لیے قاصر تھے کہ پاکستان میں خوراک کا بحران تھا اور امریکہ ظفر اللہ کے بغیر ایک دانہ گندم دینے کے لیے تیار نہ تھا۔ گویا اسلام، دانہ گندم پر قربان کر دیا گیا.....

میں یہ اعلان کرتا رہا کہ مسٹر بھٹو ہی قادیانی امت کو ملت اسلامیہ سے خارج کر کے اقلیت قرار دیں گے۔ بحمداللہ یہی ہوا۔ آج یہ عظیم کارنامہ مسٹر بھٹو نے ہی سرانجام دیا ہے۔ انھوں نے ملت اسلامیہ سے 13 جون کے عظیم نشریہ میں جو وعدہ کیا تھا، وہ پورا کیا اور اس طرح پورا کیا کہ آج پاکستان کے مسلمان ہی نہیں بلکہ کائنات کے مسلمان ان کے شکر گزار ہیں۔ انھوں نے مسلمانوں کی اجتماعی آواز کو پروان چڑھایا۔ تمام پارٹیوں کی متفقہ خواہش پر صاد کیا بلکہ اس مسئلہ کو حل کرنے میں اس حد تک غیرت ایمانی اور جرأت اسلامی کا ثبوت دیا کہ پاکستان میں ہمیشہ کے لیے فرضی نبوتوں کا دروازہ بند ہو گیا...... مسٹر بھٹو نے اس فیصلے اور اقدام سے پچھلی تمام حکومتوں کو مات دے دی ہے۔ حضور سرورِ کائنات ﷺ کے دربار میں ان کے لیے بڑا اجر ہے۔ انھوں نے ختم نبوت کی پاسبانی کی ہے۔ ان کی عزت کا محافظ اللہ ہو گا اور وہ جلد ہی محسوس کریں گے کہ انھوں نے ایک مسئلہ حل نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کے دل جیت لیے ہیں۔ آج ہر گھر میں مرد عورتیں اور بچے بچیاں ان کے لیے دعا کر رہے ہیں۔ جو کام بڑے بڑے الحاج وزیراعظم نہ کر سکے اور نظریہ پاکستان کی اجارہ دار کھیپ سے نہ ہو سکا، وہ کام بھٹو نے کیا اور اس طرح کیا کہ ہمارے پاس ان کے لیے تشکر و امتنان کے الفاظ نہیں......"

برطانوی نژاد نبوت کا ارتحال
نرغے میں آ گئے ہیں سیہ کار، زندہ باد
بھٹو کا نام زندۂ جاوید ہو گیا
شورش شکست کھا گئے اشرار، زندہ باد

(ہفت روزہ چٹان لاہور 14 ستمبر 1974ء ص 5,3)

صدر جنرل محمد ضیاء الحق

صدر جنرل محمد ضیاء الحق ایک صالح اور خدا ترس حکمران تھے۔ اسلام سے گہرا، جذباتی اور شعوری تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنے دور حکومت میں منکرین ختم نبوت قادیانیوں کو شعائر اسلامی استعمال کرنے سے باز رکھنے کے لیے 26 اپریل 1984ء کو ایک صدارتی آرڈیننس نمبر 20 جاری کیا جس کی رو سے کوئی قادیانی خود کو مسلمان نہیں کہہ سکتا، نہ اپنے مذہب کو بطور اسلام پیش کر سکتا ہے، نہ اپنے مذہب کی تبلیغ کر سکتا ہے اور نہ شعائر اسلامی

کا استعمال کر سکتا ہے۔ قادیانیوں نے اس آرڈیننس کو ''حقوق انسانی'' کے منافی سمجھا اور اس کے خلاف پوری دنیا میں شور مچایا۔ تمام اسلام دشمن طاقتیں بالخصوص بھارت اور مغربی میڈیا ان کی حمایت میں کھل کر سامنے آ گیا لیکن مسلمانانِ پاکستان کی بلند ہمتی اور اسلامی جذبوں سے سرشار ملی یکجہتی کی بدولت قادیانی پوری دنیا میں ذلیل و رسوا ہوئے۔ بالآخر قادیانیوں نے اس آرڈیننس کو وفاقی شرعی عدالت، مختلف ہائی کورٹس اور بعدازاں سپریم کورٹ آف پاکستان میں چیلنج کیا جہاں ان کی رٹ درخواستیں خارج کرتے ہوئے جج صاحبان نے نہ صرف متفقہ طور پر اس آرڈیننس کو درست قرار دیا بلکہ اسے تعزیرات پاکستان کی دفعہ 298 بی اور 298 سی کا مستقل حصہ بنا دیا۔

30 اپریل 1984ء کو قادیانی جماعت کا سربراہ مرزا طاہر احمد قادیانی صدارتی آرڈیننس مجریہ 1984ء کی خلاف ورزی پر مقدمات کے خوف سے بھاگ کر لندن چلا گیا۔ رات کو لندن میں اس نے مرکزی قادیانی عبادت گاہ ''بیت الفضل'' سے ملحقہ محمود ہال میں غصہ سے بھرپور جوشیلی تقریر کی۔ اس موقع پر معروف سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام مرزا طاہر کے سامنے صف اول میں بیٹھا ہوا تھا۔ مرزا طاہر نے اپنے خطاب میں امتناع قادیانیت آرڈیننس نمبر 20 مجریہ 1984ء (جس کی رو سے قادیانیوں کو شعائر اسلامی کے استعمال سے روک دیا گیا تھا) پر سخت نکتہ چینی کرتے ہوئے اسے حقوق انسانی کے منافی قرار دیا۔ اس نے کہا کہ احمدیوں کی بددعا سے عنقریب پاکستان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ پھر اس نے امریکا اور دوسرے یورپی ممالک سے اپیل کی کہ وہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی پر پاکستان کی تمام اقتصادی امداد بند کر دیں۔ اپنے خطاب کے آخر میں مرزا طاہر نے ڈاکٹر عبدالسام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ''آپ میرے دفتر میں ملاقات کے لئے تشریف لائیں، آپ سے چند ضروری باتیں کرنا ہیں۔'' ڈاکٹر عبدالسلام نے اسے اپنی سعادت سمجھا اور ملاقات کے لیے حاضر ہو گئے۔ اس ملاقات میں مرزا طاہر احمد نے ڈاکٹر عبدالسلام کو ہدایت کی کہ وہ صدر ضیاء الحق سے ملاقات کریں اور انہیں امتناع قادیانیت آرڈیننس واپس لینے کے لیے کہیں۔ چند دنوں بعد ڈاکٹر عبدالسام نے جنرل محمد ضیاء الحق سے پریذیڈنٹ ہاؤس میں ملاقات کی اور انہیں قادیانی جماعت کے جذبات سے آگاہ کیا۔

صدر ضیاء الحق نے بڑے تحمل اور توجہ سے ڈاکٹر عبدالسلام کی باتیں سنیں۔ پھر

اچانک اٹھے اور الماری سے قادیانی قرآن ''تذکرہ مجموعہ وحی والہامات'' اُٹھا لائے اور کہا کہ یہ آپ کا قرآن ہے اور دیکھیں، اس میں کس طرح قرآن مجید کی آیات میں تحریف کی گئی ہے اور ایک نشان زدہ صفحہ کھول کر سامنے رکھ دیا۔ اس صفحہ پر مندرجہ ذیل آیت درج تھی:

انا انزلناه قریبا من القادیان .

ترجمہ: ''(اے مرزا قادیانی) یقیناً ہم نے قرآن کو قادیان (گورداسپور بھارت) کے قریب نازل کیا'' (تذکرہ مجموعہ وحی والہامات، ص59 طبع چہارم از مرزا قادیانی)

پھر اس کتاب میں مزید لکھا ہے کہ یہ تمام قرآن مرزا قادیانی پر دوبارہ نازل ہوا ہے۔ (نعوذ باللہ) اس کے بعد ضیاء الحق نے ڈاکٹر عبدالسلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ڈاکٹر صاحب! یہ بات مجھ سمیت ہر مسلمان کے لیے ناقابل برداشت ہے۔ اب آپ خود بتائیں کہ قادیانیوں کی اسلام دشمن سرگرمیوں کو روکنا درست ہے یا غلط؟'' اس پر ڈاکٹر عبدالسلام کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا، وہ بے حد شرمندہ ہوا اور کھسیانہ ہو کر بات کو ٹالتے ہوئے پھر حاضر ہونے کا کہہ کر اجازت لے کر چلا گیا۔

ایک موقع پر صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''حضور ﷺ کے ساتھ نبوت اور وحی کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہے۔ ختم نبوت اور ختم وحی کا مطلب یہ ہے کہ شعور انسانی اس درجہ پہنچ چکا ہے کہ اب اسے صراط مستقیم پر چلنے کے لیے آخری کتاب قرآن مجید اور سیرت رسول ﷺ کے سوا کسی کی راہنمائی کی ضرورت نہیں۔ حضور ﷺ پر نبوت درجہ کمال کو پہنچ گئی اور جب کوئی چیز درجہ کمال کو پہنچ جائے تو کسی اضافے اور تکرار کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ قرآن، نبوت کے درجہ کمال پر پہنچ جانے کا اعلان ہے۔ حضور ﷺ کے بعد نبوت کا ہر مدعی کاذب ہے اور ایسا دعویٰ کرنے والے کو صاحب شریعت یا مجدد ماننے والے گمراہ اور غیر مسلم ہیں۔

قادیانیت کا وجود عالم اسلام کے لیے سرطان کی حیثیت رکھتا ہے اور حکومت پاکستان مختلف اقدامات کے ذریعے اس بات کو یقینی بنا رہی ہے کہ اس سرطان کا خاتمہ کیا جائے۔ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے لیے یہ بات قابل فخر ہے کہ انھوں نے آنجہانی مرزا قادیانی کی جھوٹی نبوت کا پردہ چاک کیا اور دنیا کو اس کے فریب سے آگاہ کیا۔ ختم نبوت کا عقیدہ نہ صرف ملت اسلامیہ کے ایمان کا بنیادی نکتہ ہے بلکہ پوری انسانیت کے لیے اللہ تعالیٰ

کے دین اور رحمت کی تکمیل کا عالمی پیغام ہے۔

قادیانیوں کے سامنے دو راستے کھلے ہیں، یا تو وہ اسلام قبول کر لیں اور اپنی غلطیوں اور گستاخیوں کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیں یا پھر اقلیت بن کر رہیں اور اپنی اقلیتی حیثیت تسلیم کر لیں۔ قادیانیوں کے بارے میں آرڈیننس نافذ کر کے حکومت نے نہ صرف اسلام کی عظمت کی بحالی کے لیے اپنے عزم کا اظہار کر دیا ہے بلکہ اس نے معاشرے کی خرابیوں کو دور کرنے کا بھی تہیہ کر رکھا ہے۔ ہمیں اصل خطرہ انہی منافقوں (قادیانیوں) سے ہے جو مسلمانوں کا لبادہ اوڑھ کر ہماری صفوں میں گھسے ہوئے ہیں۔" (روزنامہ جنگ کوئٹہ 11 مئی 1983ء)

فتنہ قادیانیت کے خلاف صدر ضیاء الحق کی ان خدمات کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے انعام و اکرام کی کیا بارش فرمائی، اس کا اندازہ اس غیر معمولی واقعہ سے ہوتا ہے کہ 1986ء میں جب وہ عمرہ کی سعادت حاصل کرنے حرمین شریفین گئے تو نماز عشاء کے وقت نماز باجماعت کی صف بندی ہو رہی تھی۔ امام کعبہ نے دیکھا کہ پہلی صف میں صدر جنرل محمد ضیاء الحق کھڑے ہیں تو انھوں نے صدر کا ہاتھ پکڑ کر انھیں آگے مصلّی پر کھڑا کر دیا اور خود پیچھے ان کی جگہ پر کھڑے ہو گئے اور کہا مسلمانوں کے امام تو آپ ہیں۔ پھر مائیک پر کہا کہ آج ہم عالم اسلام کے ایک مجاہد کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ اس پر صدر ضیاء الحق کی حالت غیر ہو گئی۔ قدم لڑکھڑانے لگے، آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی اور گلا رندھ گیا۔ انھوں نے سورۃ فاتحہ بھی مشکل سے مکمل کی اور مختصر سورتوں کے ساتھ نماز اس طرح پڑھائی کہ دوران نماز ان کے بے ہوش ہو جانے کا اندیشہ پیدا ہوتا رہا۔ بعدازاں ان کے لیے خانہ کعبہ کا دروازہ کھول دیا گیا جہاں وہ جذبات تشکر سے اپنے رب کے حضور خوب گڑگڑائے۔ بعدازاں جب وہ مدینہ طیبہ حاضری کے لیے مسجد نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے تو ان کے لیے روضۂ رسول ﷺ کا دروازہ کھول دیا گیا، جہاں وہ خاموشی سے روتے رہے اور اپنی مغفرت کی دعائیں کرتے رہے۔ یہ واقعہ ان کے عاشق رسول ﷺ ہونے کا بین ثبوت ہے۔

20 اگست 1988ء کو جب شہید ضیاء الحق کا جنازہ اٹھا تو انسانوں کے سمندر میں ڈوبا ہوا اسلام آباد تاریخ کی آنکھ میں منجمد ہو گیا۔ بارہ لاکھ سے زائد عاشقانِ مرد وفا اس منظر میں شریک ہونے کے لیے کشاں کشاں چلے آئے تھے۔ ان کی زبان پر کلمہ شہادت اور درود و سلام کے نغمے تھے۔ پوری اسلامی تاریخ میں اتنا بڑا جنازہ اور اتنی کثیر دعائے مغفرت شاید ہی

کسی حکمران کو نصیب ہوئی ہو۔ اسلامی دنیا کی ہر چھوٹی بڑی مسجد میں غائبانہ نماز جنازہ پڑھی گئی اور اشکوں میں گندھی ہوئی دعائیں مانگی گئیں...... یہ ہے تحفظ ختم نبوت کا انعام!

علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ

علامہ احسان الٰہی ظہیر ایک جید عالم، خطیب اور ادیب تھے۔ انھوں نے فتنہ قادیانیت کے خلاف عربی زبان میں ایک کتاب ''القادیانیہ'' تحریر فرمائی۔ بعدازاں اس کا اردو ترجمہ ''مرزائیت اور اسلام'' کے نام سے کیا۔ مولانا کی یہ تصنیف ردقادیانیت کی کتب میں نہایت اہم اضافہ ہے۔ مولانا مرحوم اپنی اس کتاب کی قبولیت کے سلسلہ میں ایک ایمان افروز واقعہ لکھتے ہیں:

''جب 1967ء کے رمضان المبارک کی ستائیسویں شب مسجد نبوی کے پڑوس میں اپنی کتاب ''القادیانیہ'' کو مکمل کر کے سویا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سحرگاہ دعائے نیم شبی لبوں پر لیے باب جبرئیل کے راستے (کہ جب دیارِ حبیب علیہ السلام میں میرا مکان اسی جانب تھا) مسجد نبوی ﷺ کے اندر داخل ہوتا ہوں، لیکن روضۂ اطہر کے سامنے پہنچ کر ٹھٹک جاتا ہوں کہ آج خلاف معمول روضۂ معلّی کے دروازے وا ہیں اور پہرے دار خندہ رُو استقبالیہ انداز میں منتظر ہیں۔ میں اندر بڑھا جاتا ہوں کہ سامنے سرور کونین رحمت عالم حضرت محمد ﷺ رعنائیوں اور زیبائیوں کے جھرمٹ میں صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ کی معیت میں نماز ادا کر رہے ہیں۔ دل خوشیوں سے معمور اور دماغ مسرتوں سے لبریز ہو جاتا ہے اور جب میں دیر گئے باہر نکلتا ہوں تو دربان سے سوال کرتا ہوں۔ ''یہ دروازے تم روزانہ کیوں نہیں کھولتے۔'' جواب ملا ''یہ دروازے روزانہ نہیں کھلا کرتے'' آنکھ کھلی تو مسجد نبوی کے میناروں سے یہ دلکش ترانے گونج رہے تھے۔

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه
اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه

اور صبح جب میں نے مدینہ یونیورسٹی کے چانسلر کو ماجرا سنایا تو انھوں نے فرمایا: ''تمھیں مبارک ہو ختم نبوت کی چوکھٹ کی چوکیداری میں خاتم النبیین ﷺ کے رب نے تمہاری کاوش کو پسند فرمایا ہے۔''

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

ایک دفعہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے فرمایا: ''ایک دن میں بیٹھا تھا کہ ایک پرانے دوست آئے، پاس بیٹھ گئے اور پوچھا کیا حال ہے؟'' میں نے کہا ''ہمارا حال کیا

پوچھتے ہو؟'' انھوں نے شاید میرے لہجے سے سمجھا کہ بہت دکھیارا ہے اور بظاہر انھیں ایسی کوئی بات نظر نہ آئی تو کہنے لگے ''بڑھاپا آ گیا ہے اور کیا ہے؟'' میں نے کہا: ''میرے بھائی اگر کوئی جنت میں کسی جنتی سے پوچھے کہ تمہارا کیا حال ہے؟ تو اس کا کیا جواب ہوگا۔ یہی ناں کہ ہمارا حال کیا پوچھتے ہو؟ اللہ کی قسم! اللہ دنیا میں جنت کا مزہ دے رہا ہے۔ یہی ہے وہ مقام محبوبیت جس کی طرف آیت میں اشارہ کیا گیا ہے اور کبھی اس انتخاب سے پیشتر بشارت دے کر حق تعالیٰ انسان کا رواں رواں نور سے منور فرما دیتے ہیں۔ راتوں کو جب لوگ محوِ خواب ہوتے ہیں تو حق تعالیٰ کسی کے دل پر دستک دے کر اپنائیت کا اک عجب احساس عطا فرماتے ہیں۔ کون جانتا تھا کہ 1977ء میں دیکھا جانے والا خواب 1978ء میں معجزانہ طور پر یوں منکشف ہوگا کہ عالم خواب میں ایک بڑا، بہت بڑا اژدھا رنگت نسواری مائل ایک پہاڑ پر سر رکھے پڑا ہے اور چند لوگ اس کے گرد جمع ہیں اور پتھر اس کے سر پر مار رہے ہیں۔ فقیر بھی ان میں شامل ہے۔ زخمی حالت میں وہ اژدھا اپنا سر اٹھا کر دوسرے پہاڑ پر رکھ دیتا ہے اور وہ اژدھا نیم مردہ حالت میں جب اپنا سر دوسرے پہاڑ پر رکھ دیتا ہے، تب لوگ کہتے ہیں اب (اِن شاء اللہ) یہ نہ اٹھ سکے گا۔ 1978ء میں حق تعالیٰ کی نظر کرم اپنا مقام پا چکی، مجھے تحفظ ختم نبوت کا کام تفویض ہو چکا تو رحمت عالم ﷺ خواب میں تشریف لائے اور مسکراتے ہوئے سر پر دست شفقت پھیرا اور بے شمار دعائیں دیں۔ تب سے اب تک واقعتاً دنیا جنت کا مزہ دے رہی ہے۔

اب انھیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا:

''دنیا بھر کا ہر ہندو، ہر یہودی، ہر عیسائی اور ہر دہریہ، قادیانی مذہب سے خصوصی دلچسپی رکھتا ہے، اس کے تحفظ کے لیے اپنی طاقت کی چھتری مہیا کرنا ضروری فرض سمجھتا ہے، اور قادیانیوں کی خاطر عالم اسلام کو ڈائنامیٹ سے اُڑا دینے کا عزم رکھتا ہے، ایسا کیوں ہے؟ اس لیے کہ "الکفر ملة واحدة" کفر کے تمام فرقوں کی باہمی لڑائی انھیں اسلام دشمنی کے مقصد پر جمع ہونے سے نہیں روکتی، تمام طاغوتی طاقتیں عالم اسلام کے خلاف قادیانی جماعت کی معاون و محافظ ہیں اور قادیانی گروہ ان سارے طاغوتوں کی شطرنج کا مہرہ ہے، جسے اسلام کو زک پہنچانے کے لیے بہ لطائف الحیل حرکت میں لایا جاتا ہے۔

امت مسلمہ پر یہ فرض ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں کے خلاف سینہ سپر ہو

اور جھوٹے مدعیانِ نبوت کے طلسم سامری کو پاش پاش کر ڈالے۔ اس فریضہ کا نام تحفظ ختم نبوت ہے، اور تاریخ شہادت دے گی کہ امت مسلمہ نے کسی بھی دور میں اس فرض سے کوتاہی نہیں کی۔ اگر آپ قیامت کے دن محمد عربی ﷺ کی شفاعت چاہتے ہیں اور آپ ﷺ کے جھنڈے کے نیچے جگہ چاہتے ہیں تو آپ کو ختم نبوت کا کام کرنا پڑے گا اور آنجہانی مرزا قادیانی کی ذریت اور اس کی جماعت کے مقابلے میں آنا پڑے گا، کیا آپ اس کے لیے تیار ہیں؟''

سیّد نور الحسن شاہؒ

حضرت سید نور الحسن شاہؒ فرماتے ہیں کہ لاہور میں ایک خوش نصیب لڑکا رہتا تھا۔ چھوٹی عمر میں ہی اس کو کثرت سے درود شریف پڑھنے کا شوق پیدا ہو گیا۔ اس عمل صالح کے نتیجہ میں اس کو نبی اکرم ﷺ کی اکثر زیارت نصیب ہوتی۔ ہمارے احباب کو اس کے متعلق علم ہوا تو چونکہ اُن دنوں مرزائی تحریک زوروں پر تھی، اس لیے برادرم محمد اسحاق، مہر جلال الدین، بابا الہ دین اور شیخ مظفر الدین وغیرہ کو خیال آیا کہ اس لڑکے سے کہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں عرض کر کے دریافت کرے کہ مرزا قادیانی کے متعلق آپ ﷺ کا کیا فرمان مبارک ہے؟ چنانچہ یہ تمام صاحبان اس لڑکے کے پاس اسلامیہ پریس میں گئے جہاں وہ کام کرتا تھا اور عرض کیا کہ ہم آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ کو نبی اکرم ﷺ کی حضوری حاصل ہے۔ آپ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں عرض کریں کہ مرزا قادیانی کے متعلق آپ ﷺ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ یہ میرے بس کی بات نہیں۔ کسی وقت تو جب زیارت نصیب ہوتی ہے تو جس بات کے دریافت کرنے کا خیال ہو، یاد رہتی ہے اور کبھی یاد نہیں رہتی۔ حضور اکرم ﷺ خود ہی جس بات کا جواب دینا منظور ہوتا ہے، دے دیتے ہیں ورنہ ادب کی وجہ سے از خود میں عرض نہیں کر سکتا۔ اگر خدا کو منظور ہوا تو کسی وقت فرما دیں گے۔ چنانچہ ایک دو دفعہ اس لڑکے کو ملے تو اس نے یہی جواب دیا کہ زیارت تو نصیب ہوئی لیکن اس کے متعلق کوئی بات نہیں ہوئی۔

کچھ عرصہ کے بعد ایک دن اتفاقاً ایک جگہ اس نیک بخت لڑکے سے ملاقات ہو گئی تو کہنے لگا کہ وہ آپ کی بات ہو گئی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''مرزا قادیانی کے متعلق جس کو اتنا بھی خیال ہو کہ شاید سچا ہے یا جھوٹا، میں اس کی بھی شفاعت نہیں کروں گا۔ بلاشبہ مرزا قادیانی اور اس کے پیروکار دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔''

مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ اور صوفی برکت علیؒ سالار والے

فاتحِ ربوہ حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ اپنی کتاب ''جب پنجاب اسمبلی نے ربوہ کا نام چناب نگر رکھا'' میں ایک واقعہ لکھتے ہیں:

''ملک نصیرالدین صاحب کا اور میرا رشتۂ باہمی جنون ''ربوہ'' نام کی تبدیلی کا بھی تھا۔انھوں نے تجویز دی کہ ربوہ سٹیشن کا نام اگر بدل جائے تو پھر ربوہ شہر کا نام بھی بدل جائے گا۔ حالانکہ یہ بات بالکل غیر معقول تھی کیونکہ سٹیشنوں کے نام تو شہروں کے نام کی مناسبت سے ہوتے ہیں۔ جب تک شہر کا نام نہ بدلے، سٹیشن وغیرہ کا نام تبدیل نہیں ہوسکتا مگر شوق جنون میں بغیر سوچے سمجھے ان کی تجویز پر سٹیشن کا نام تبدیل کرانے کی تدبیر سوچی کہ اس وقت ریلوے کے وزیر عبدالحفیظ چیمہ صاحب ہیں اور وہ صوفی برکت علیؒ سالار والے کے مرید ہیں۔ صوفی برکت علیؒ کے پاس چلتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ اپنے مرید وزیر موصوف سے سٹیشن کا نام تبدیل کرنے کے لیے کہیں۔ چنانچہ ہم دونوں صوفی صاحب کے پاس سالار والا پہنچے۔ صوفی صاحب کا نام تو کافی سنا ہوا تھا مگر ان سے ملاقات کا شرف اس سے قبل حاصل نہ تھا۔ یہ پہلی ملاقات اپنے خاص جنون کی وجہ سے تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ صوفی صاحب کو حضور سرکار دو عالم ﷺ سے سچی محبت ہے اور ختم نبوت کے عاشق ہیں۔ میرا تعارف جب ان سے ہوا تو جس گدی پر تشریف فرما تھے، فوراً چھوڑ دی اور مجھ ناچیز کو زبردستی اپنی گدی پر بٹھا دیا جبکہ خود میرے سامنے دو زانو اس طرح بیٹھ گئے جیسے کوئی مرید اپنے پیر کے سامنے بیٹھتا ہے۔آپ فرمانے لگے ''اصل کام تو آپ کر رہے ہیں، ہم تو بے کار لوگ ہیں۔'' فرمایا'' جب بڑا بادشاہ آ جاتا ہے تو نائبین گدی چھوڑ دیتے ہیں۔ آپ اس گدی کے زیادہ مستحق ہیں۔'' میں صوفی صاحب کے انکسار اور تواضع سے بہت متاثر ہوا۔ان کی یہ عقیدت میرے بارے میں شاید اس وجہ سے تھی کہ میں ختم نبوت کے لیے عملی کام جنون کی حد تک شوق سے کر رہا تھا۔اس کے بعد آپ نے دودھ سے ہماری تواضع فرمائی اور ایک سبز چادر منگوا کر میرے اوپر ڈال دی۔ آخر ہم نے آنے کا مدعا بیان کیا تو انھوں نے فرمایا ''میں وزیر موصوف سے کوئی کام کہتا تو نہیں لیکن یہ بات ان سے ضرور کروں گا۔ مجھے امید واثق ہے کہ صوفی صاحب نے چیمہ صاحب سے ضرور بات کی ہوگی۔''

حضرت میاں عبدالہادیؒ

قطب عالم حضرت میاں عبدالہادیؒ سجادہ نشین دین پور شریف اپنے بڑھاپے اور بیماری کے باعث چلنے پھرنے سے معذور تھے مگر تحریک ختم نبوت 1974ء سے آپ کی قلبی وابستگی کا یہ عالم تھا کہ آپ کے حکم کی تعمیل میں آپ کی چارپائی کو خان پور جلوس میں لایا گیا۔ ویگن پر چارپائی رکھی گئی۔ ان حالات میں آپ نے جلوس کی قیادت کی۔ خان پور کے اس جلوس میں حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی (دیوبندی) اور حضرت حافظ سراج احمد صاحب (بریلوی) آپ کے دائیں بائیں ہمراہ تھے۔ شرکاء جب ختم نبوت کا نعرہ لگاتے تو حضرت میاں عبدالہادی صاحبؒ اپنی تمام تر توانائیوں کو جمع کر کے ''زندہ باد'' سے جواب دیتے۔ ''مرزائیت مردہ باد'' کہتے تو آپ پر جلال کی کیفیت طاری ہوتی۔ رفقاء کو اشارہ سے بلا کر فرماتے کہ میاں دیکھو، گواہ رہنا۔ کل قیامت کے دن رحمت عالم ﷺ کی بارگاہ شفاعت میں گواہی دینا کہ یہ عاجز عبدالہادی محض اس عمل کے صدقہ سے نجات و شفاعت کی بھیک مانگتا تھا۔ یاد رکھنا عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ ہی سے نجات ہوگی۔ نجات اور شفاعت حاصل کرنے کا یہ ''شارٹ کٹ'' راستہ ہے۔ اسے کبھی نہ چھوڑنا۔''

حضرت خواجہ خان محمد مدظلہٗ

قطب العالم حضرت خواجہ خان محمد دامت برکاتہم العالیہ کا شمار بلاشبہ "الآخرون السابقون" میں ہوتا ہے، جن کی پوری زندگی اہل فتن بالخصوص منکرین ختم نبوت سے جہاد و پیکار میں گزری۔ حضور خاتم النبیین ﷺ سے بے پناہ محبت و عقیدت و احترام کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے انھیں ایسی پرُجوش ایمانی غیرت نصیب کی ہے کہ وہ بڑھاپے کے اس عالم میں بھی ہمہ وقت قادیانیوں کی اسلام دشمن سرگرمیوں پر نہ صرف بے قرار رہتے ہیں بلکہ جوانوں کی طرح اس فتنہ کے خلاف معروف جہاد ہیں۔ حضرت خواجہ خان محمد مدظلہٗ عقیدۂ ختم نبوت کے محاذ پر کام کرنے والے کارکنان کی کامیابی کے لیے ہر روز اللہ تعالیٰ سے بے شمار دعائیں، التجائیں، استدعائیں اور نالہ ہائے نیم شبی میں اتنی سسکیاں بھرتے ہیں کہ مالک ارض و سماء کو ان پر ترس آجاتا ہے اور ان کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا جاتا ہے۔

میرپور خاص سندھ کے ڈاکٹر احمد اللہ ہمدانی مدینہ طیبہ گئے۔ روضہ طیبہ پر درود و سلام پڑھا اور دعا کی کہ اے آقائے نامدار ﷺ آپ کا جو بہت پیارا امتی ہے، اس بزرگ کی

مجھے آج زیارت ہو جائے۔ یہ دعا کر کے مواجہ شریف سے پیچھے ہٹے تو ایک دوست نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب پاکستان سے مولانا خواجہ خان محمد صاحب مرکزی امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت تشریف لائے ہوئے ہیں، آپ زیارت کے لیے چلیں گے۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ آج تو میری دعا نقد قبول ہو گئی۔ میں گیا اور جا کر مولانا خواجہ خان محمد دامت برکاتہم العالیہ سے ملاقات کی سعادت حاصل کی۔

حال ہی میں حضرت مولانا خواجہ خان محمد سجادہ نشین کندیاں شریف دامت برکاتہم نے علماء، خطباء اور اہل علم کے نام ایک خط جاری فرمایا اور انھیں ان کے فرائض کی طرف متوجہ فرماتے ہوئے لکھا:

''جناب واجب الاحترام علمائے کرام زید مجدکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کو معلوم ہے کہ قادیانی، مرزائی اندر ہی اندر مسلمانوں کو مرتد بنانے میں معروف ہیں، میں آپ حضرات سے اللہ کے نام پر اپیل کرتا ہوں کہ مہینہ میں صرف ایک ہی مرتبہ سہی، اپنے خطبہ میں صرف دس، پندرہ منٹ تحفظ عقیدۂ ختم نبوت اور قادیانی، مرزائی کا مکروہ چہرہ کے متعلق نوجوانوں کو آگاہ فرما دیا کریں، تاکہ ہم حضور ﷺ کے اس حق کو ادا کرنے میں خدا کے ہاں اجر کے مستحق بن سکیں۔ امید ہے کہ آپ توجہ فرمائیں گے۔

والسلام

فقیر خان محمد عفی عنہ

خانقاہ سراجیہ

27 جمادی الاوّل 1428ھ''

حضرت خواجہ خان محمد صاحب مدظلہ کے اس درد بھرے مکتوب کی روشنی میں ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ جس سے جو بن پڑے، اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے اپنی صلاحیتوں کو صرف کرے اور آنحضرت ﷺ کی شفاعت کا مستحق بنے، ورنہ اس بات کا شدید اندیشہ ہے کہ کل قیامت کے دن حضور اکرم ﷺ یہ کہہ کر ہماری شفاعت کرنے سے انکار فرما دیں کہ تمھارے سامنے میری ردائے ختم نبوت کو تار تار کیا جاتا رہا اور تم نے نہ صرف اس کا سدباب نہ کیا بلکہ تمھارے ماتھے پر کوئی شکن تک نہیں آئی تھی۔ خدانخواستہ اگر کل قیامت کے دن

حضور ﷺ یہ کہہ کر ہم سے منہ موڑ لیں تو بتلایا جائے ہمارا کیا بنے گا؟ اور ایسی صورت میں ہماری ہلاکت و بربادی میں کوئی شک وشبہ رہ جاتا ہے؟؟؟؟

تحفظِ ختم نبوت کے محاذ پر گرانقدر خدمات سرانجام دینے والے جناب عامر خورشید صاحب عالمی مجلس تحفظِ ختم نبوت کے امیر حضرت خواجہ خان محمد دامت برکاتہم سے باقاعدہ بیعت ہیں۔ حضرت کے روحانی فیض نے جنید جمشید کی طرح ان کی زندگی بدل کر رکھ دی۔ عامر بھائی تحفظِ ختم نبوت کے کام میں ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں۔ ایک دفعہ انھیں خیال گزرا کہ تبلیغی جماعت والے تبلیغ کے کام کی فضیلت اور اہمیت بیان کرتے ہوئے اس کا بے شمار ثواب بیان کرتے ہیں تو کیا تحفظِ ختم نبوت کا کام کرنے کا بھی اتنا ہی ثواب ہے یا نہیں؟ لہٰذا انھوں نے اپنے شیخ حضرت خواجہ خان محمد دامت برکاتہم العالیہ سے اس بارے میں پوچھا تو حضرت نے جواب دیا کہ تبلیغ کا کام کرنے کی اہمیت وافادیت اور ثواب اپنی جگہ پر، اس سے انکار نہیں لیکن تحفظِ ختم نبوت کا کام کرنے والے کو تبلیغ کا کام کرنے والوں سے کئی گنا زیادہ ثواب ملتا ہے کیونکہ تحفظِ ختم نبوت کا کام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر 100 فیصد پورا اترتا ہے۔ یہ کام نہ صرف دین کی بہترین تبلیغ ہے بلکہ اس میں مرتدین اسلام کی سرکوبی بھی شامل ہے۔ منکرین ختم نبوت کی خلاف اسلام مذموم سرگرمیوں اور سازشوں کو روکنا وقت کا سب سے بڑا جہاد اور تبلیغ ہے۔ لہٰذا اس کا ثواب تمام عبادات سے بڑھ کر ہے۔

بلاشبہ موجودہ دور میں تحفظِ ختم نبوت کا کام اعلیٰ ترین درجے پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تقاضے پورا کرتا ہے۔ بعض بزرگوں کا کہنا ہے کہ جس نے تحفظِ ختم نبوت کے کام سے انکار کیا، گویا اس نے نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت کا انکار کیا۔

□ قادیانیوں سے مکمل بائیکاٹ کے سلسلہ میں حضرت اقدس ایک فتویٰ میں فرماتے ہیں:

''قادیانی / مرزائی کفار محارب، مرتد و منافق، ملحد و زندیق ہیں۔ ان کا حکم عام کفار سے مختلف ہے۔ قادیانیوں / مرزائیوں کی سو نسلیں بھی بدل جائیں تو بھی ان کا حکم عام کافروں کا نہیں ہوگا بلکہ وہ زندیق ہیں۔ زندیق اس کافر کو کہتے ہیں جو شرعی اصطلاحات و الفاظ تو نہ بدلے بلکہ ان کے اجماعی اور متفق علیہ مفہوم کو بدل دے یعنی وہ کفر کا نام اسلام رکھ دے۔ مرتد اور زندیق کی اصل سزا قتل ہے جس کا نفاذ حکومت اسلامیہ کے ذمہ ہے۔ تاہم جب تک ان کی اصلی سزا کا نفاذ نہ ہو، اہل اسلام پر ضروری ہے کہ وہ ان سے الگ رہیں۔ قادیانیوں /

مرزائیوں سے معاشی، معاشرتی، دوستانہ تعلقات، نشست و برخاست وغیرہ حرام ہیں۔ ان سے برادرانہ تعلقات منقطع کرنا چاہیے۔

ان سے سلام وکلام، لین دین اور خرید وفروخت نہ کی جائے اور نہ ان سے کسی قسم کی پارٹنرشپ کی جائے۔ نہ ان کے ہاں ملازمت کی جائے اور نہ ہی ان کو ملازم رکھا جائے۔ ان کے کارخانوں اور فیکٹریوں سے نہ مال خریدا جائے اور نہ ان کو کسی قسم کی سہولت اور فائدہ پہنچایا جائے اور نہ ان کے کارخانوں اور فیکٹریوں کی مصنوعات استعمال کی جائیں۔ ان کی تعلیم گاہوں، ہوٹلوں، ریستورانوں میں جانا یا کسی طرح سے تعلق رکھنا یا تعاون کرنا ناجائز ہے۔ قادیانیوں/مرزائیوں کے ہسپتالوں، ڈسپنسریوں کا مکمل بائیکاٹ کرنا چاہیے اور ان سے علاج کروانا یا کسی قسم کا معاملہ کرنا یا تعاون ناجائز اور حرام ہے۔ قادیانیوں/مرزائیوں کا بائیکاٹ ظلم نہیں بلکہ شریعت اسلامیہ کا اہم ترین حکم اور اسوۂ رسول ﷺ ہے اور جو شخص ان کا بائیکاٹ کرنے کی بجائے ان سے تعلقات رکھتا ہے وہ گمراہ، ظالم اور مستحق عذاب الیم ہے۔ قادیانیوں /مرزائیوں سے اقتصادی ومعاشی ومعاشرتی اور سیاسی مقاطعہ یا مکمل سوشل بائیکاٹ کا شرعی حکم بالکل واضح اور اسلامی عدل وانصاف کے عین مطابق ہے۔ غیرت ایمانیہ اور حمیت دینیہ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ قادیانیوں/مرزائیوں سے مکمل بائیکاٹ کیا جائے اور یہ عشق مصطفیٰ ﷺ کی علامت ہے۔"

مولانا سیّد شمس الدین شہیدؒ

مولانا سید شمس الدین شہیدؒ ممتاز جید عالم دین اور ڈپٹی سپیکر بلوچستان اسمبلی تھے۔ وہ فتنہ قادیانیت کے خلاف شمشیر بے نیام تھے۔ موصوف تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر ایک سپاہی کی طرح کام کرتے تھے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ تحفظ ختم نبوت اور فتنہ قادیانیت کا قلع قمع ایک ایسا کام ہے کہ دور حاضر میں ایمان کے بعد اس کا مقام ہے۔ ایمان کے بعد مقبول ترین عمل تحفظ ختم نبوت کا کام ہے جو ہر شخص کی نجات کے لیے روز محشر کام آئے گا۔

آپ نے تحریک ختم نبوت میں کلیدی کردار ادا کیا۔ قادیانیوں کے خلاف جو تحریک اٹھائی گئی، وہ آپ نے ضلع ژوب ہی سے اٹھائی۔ قادیانی بدبختوں نے فورٹ سنڈیمن میں تحریف شدہ قرآن مجید تقسیم کیے جس کا نوٹس لیتے ہوئے مولانا صاحب اور علاقہ کے عوام نے

ایک مہینے تک ژوب شہر کا محاصرہ کیے رکھا۔ جس کے نتیجے میں حکومت کو مجبوراً گھٹنے ٹیکنے پڑے اور مجبوراً پاکستان کے قانون میں یہ لکھنا پڑا کہ کوئی شخص بھی خود کو قادیانی ظاہر کر کے ضلع ژوب میں داخل نہیں ہوسکتا اور آج بھی یہ قانون موجود ہے کہ کوئی مرزائی یا قادیانی ژوب میں داخل نہیں ہوسکتا۔

مولانا شمس الدین شہیدؒ کو ایک سازش کے تحت شہید کیا گیا۔ مولانا سید امام شاہ اور خان محمد زمان خان نے بتایا کہ مولانا شہیدؒ کے خون مقدس سے ایسی خوشبو آ رہی تھی کہ اس جیسی خوشبو کسی چیز میں نہیں دیکھی حتیٰ کہ بعض افراد نے جن کے ہاتھوں کو خون لگ گیا تھا، سارا دن اُن سے خوشبو آتی رہی۔ یہ خوشبو لوگوں نے عام طور پر محسوس کی۔ جب لوگ مولانا شہیدؒ کے مزار پر دعا میں مصروف تھے، اس وقت مزار پر سفید رنگ کے پھول برس رہے تھے جو کئی لوگوں نے اٹھائے۔ بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ شاید ہوا کے ساتھ قریبی باغ سے بادام کے درختوں کے پھول اڑ کر آ رہے ہیں، لیکن جب ان پھولوں سے موازنہ کیا گیا تو یہ پھول بادام کے پھولوں سے قطعی مختلف تھے۔ لوگوں نے بجا طور پر اسے شہید ختم نبوت کی کرامت سمجھا۔

مولانا غلام غوث ہزارویؒ

مولانا غلام غوث ہزارویؒ ایک جید عالم دین، مجاہد ختم نبوت اور معروف سیاسی لیڈر تھے۔ ان کی پوری زندگی مسلسل جدوجہد سے مزین ہے۔ ایک دفعہ مولانا غلام غوث ہزارویؒ کا اکلوتا بیٹا زین العابدین بیمار ہوا۔ مولانا گھر پر تھے، اس کی بیماری شدت اختیار کرتی گئی۔ حتیٰ کہ اس کی زندگی سے مایوسی کے آثار ظاہر ہوگئے۔ اس دن مولانا نے مشہور قادیانی مبلغ اللہ دتہ جالندھری سے ہزارہ کے علاقہ میں مناظرہ کے لیے جانا تھا۔ مولانا اپنے اکلوتے جواں سال صاحبزادے کو اس حالت میں چھوڑ کر روانہ ہوگئے۔ ابھی اڈہ پر ہی پہنچے تھے کہ پیچھے سے آدمی دوڑتا ہوا آیا اور پیغام دیا کہ بچے کا انتقال ہوگیا۔ آپ نے ٹھنڈا سانس لیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور اس آدمی سے کہا کہ گھر جا کر غسل دیں، کفن پہنائیں، جنازہ پڑھیں اور دفن کر دیں، میرا اس مناظرہ کے لیے جانا ضروری ہے۔ جنازہ پڑھنا فرض کفایہ ہے اور مقرر شدہ مناظرہ کرنا میرے لیے فرض عین ہے، ورنہ کئی آدمیوں کے گمراہ ہونے کا خطرہ ہے، میں جا رہا ہوں۔ یہ کہہ کر استقامت وایثار کا بے تاج بادشاہ غلام غوث ہزاروی بس پر سوار ہو کر مناظرہ کے لیے مقررہ مقام کی طرف روانہ ہوگئے۔ قارئین کرام! ٹھنڈے دل سے

غور کریں کہ آیا ہم میں سے کوئی آدمی ایسی مثال قائم کر سکتا ہے۔ اللہ رب العزت ان پر کروڑ رحمتیں فرمائے۔

تحریک ختم نبوت 1953ء کے دوران میں مولانا غلام غوث ہزارویؒ اپنے ایک خادم کے ساتھ بھیس بدل کر خانقاہ سراجیہ آئے۔ اس وقت خانقاہ سراجیہ کے سجادہ نشین مولانا محمد عبداللہ ثانی ؒ تھے۔ انھوں نے اپنے ایک مرید، جو بھلوال ضلع سرگودھا سے تعلق رکھتے تھے، ان کے ایک دور دراز کھیتوں کے ڈیرہ پر مولانا کی رہائش کا انتظام کر دیا۔ پولیس اور فوج آپ کی گرفتاری کے لیے جگہ جگہ چھاپے مار رہی تھی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ''مجھے سخت پریشانی لاحق تھی اور اپنی حالت پر سوچتا تھا اگر اس حالت میں گولی سے مارا جاتا ہوں تو یہ بزدلی کی موت ہے اور اگر گرفتاری کے لیے ظاہر ہوتا ہوں تو مرکز کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔ یہ پریشانی تین دن تک رہی اور تیسرے دن مجھے کچھ نیند اور کچھ بیداری کی حالت میں حضور انور ﷺ کی زیارت مبارک نصیب ہوئی اور آپ ﷺ نے میری پیشانی پر ہاتھ رکھ کر فرمایا:

''غلام غوثؒ! تم نے اللہ کے رسول ﷺ کی عزت کے لیے قربانی دی ہے، پریشان مت ہو، کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔''

جب میری آنکھ کھلی تو طبیعت میں مسرت کی لہر دوڑ گئی اور کامل اطمینان پیدا ہو گیا۔ بعد میں بہت سی تکالیف بھی آئیں لیکن مجھے قطعاً پریشانی نہیں ہوئی اور اس کے بعد ہی میں فوج اور پولیس کو جل دے کر نکل گیا اور ایسے اوقات بھی آئے کہ میرے پیچھے فوج اور پولیس والے نماز پڑھتے ہے لیکن پہچان نہ سکے۔ یہ سب حفاظت الٰہی اور بشارت نبوی ﷺ کا نتیجہ تھا۔

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ

یہ اُس زمانہ کا ذکر ہے جب سعودی عرب میں آج کی طرح دولت کی ریل پیل نہ تھی اور اس ملک کی معیشت کا دار و مدار زیادہ تر حج کے موقع پر آنے والے حاجیوں سے ہونے والی آمدنی پر تھا۔ آبادی بہت غریب تھی اور بڑی مشکل سے گزارا ہوتا تھا۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ میں حج کے بعد مدینہ منورہ گیا ہوا تھا۔ ہم لوگوں نے ایک دن کھانا کھانے کے بعد دستر خوان اٹھا کر ایک ڈھیر پر جھاڑ دیا، تا کہ روٹی کے بچے ہوئے ٹکڑوں کو جانور کھا جائیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جب میں اپنے کمرے میں سے باہر نکلا تو یہ دیکھ کر حیران

رہ گیا کہ ایک خوبصورت آٹھ نو سال کا بچہ ان ٹکڑوں کو چن چن کر کھا رہا ہے، مجھے سخت افسوس ہوا، بچے کو ساتھ لے کر قیام گاہ آیا اور اسے پیٹ بھر کے کھانا کھلایا، کیونکہ میں ایسی ہستی کے شہر میں تھا جو غریبوں کا والی اور غلاموں کا مولیٰ تھا۔ میرے اس برتاؤ کو دیکھ کر بچہ بے حد متاثر ہوا۔ میں نے چلتے وقت اس سے کہا کہ بیٹے! تمھارے والد کیا کرتے ہیں؟ اس نے کہا میں یتیم ہوں۔ میں نے کہا: بیٹے! میرے ساتھ ہندوستان چلو گے؟ وہاں میں تم کو اچھے اچھے کھانے کھلاؤں گا، عمدہ عمدہ کپڑے پہناؤں گا، اپنے مدرسے میں تعلیم دوں گا، جب تم عالم فاضل ہو جاؤ گے تو میں خود تم کو یہاں لے کر آؤں گا اور تمھیں تمہاری والدہ کے سپرد کر دوں گا۔ تم جاؤ اپنی والدہ سے اجازت لے کر آؤ۔ لڑکا بہت خوش ہوا اور اچھلتا کودتا اپنی والدہ کے پاس واپس گیا۔ وہ بے چاری بیوہ! دوسرے بچوں ہی کے اخراجات سے پریشان تھی۔ اس نے فوراً اجازت دے دی۔ بچہ نے آ کر بتایا کہ میں آپ کے ساتھ چلوں گا، میری ماں نے اجازت دے دی ہے، پھر پوچھنے لگا کہ آپ کے شہر میں یہ چنے ملتے ہیں۔ میں نے اس سے کہا کہ بیٹے! یہ ساری چیزیں وافر مقدار میں تمھیں ملیں گی۔ پھر میری انگلی پکڑے پکڑے مسجد نبوی ﷺ میں وہ میرے ساتھ آیا اور ٹھٹک کر رہ گیا...... سرکار دو عالم ﷺ کے روضہ کو دیکھا اور مسجد کے دروازے کو، پھر دریافت کیا، بابا! یہ دروازہ اور روضہ بھی وہاں ملے گا؟ میں نے اس سے کہا کہ بیٹا! اگر یہ وہاں مل جاتا تو میں یہاں کیوں آتا؟ لڑکے کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور کہا بابا تم جاؤ، اگر یہ نہیں ملے گا تو میں ہرگز ہرگز اس روضے کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ بھوکا رہوں گا، پیاسا رہوں گا، اس روضہ کو دیکھ کر اپنی بھوک اور پیاس بجھاتا رہوں گا، جس طرح آج تک بجھاتا رہا ہوں۔ یہ کہہ کر بچہ رونے لگا اور اس کے اس عشق و تعلق کو دیکھ کر میں بھی رونے لگا۔

میری آرزو محمد ﷺ، میری جستجو مدینہ

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ نابغۂ روزگار تھے۔ علم و عرفان کا ایک سمندر آپ کے سینہ میں موجود تھا۔ قرآن مجید کی تفسیر ''ضیاء القرآن'' علم و ادب کی دنیا میں ایک شہ پارہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا مطالعہ دل و دماغ کو ایمان کی ایک نئی جلا بخشتا ہے۔

عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کے سلسلہ میں پیر صاحب کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ تحاریک ختم نبوت میں ان کی گرانقدر خدمات سنہرے حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔ عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت وضرورت بیان کرتے ہوئے ایک دفعہ آپ نے فرمایا:

''اس عقیدہ پر ہماری زندگی اور موت، ہماری فنا و بقا کا دار و مدار ہے۔ جس طرح عقیدۂ توحید کو نظر انداز کر کے ہم بحیثیت امت مسلمہ زندہ نہیں رہ سکتے، اسی طرح اگر خدانخواستہ ہم عقیدہ ختم نبوت سے دستبردار ہو جائیں تو ہماری تعداد اگرچہ ایک ارب کے قریب ہے، تعداد کی اس کثرت کے باوجود بحیثیت امت ہم چشم زدن میں نیست و نابود ہو جائیں گے۔ بحیثیت ملت ابراہیمی ہمارا نام ونشان باقی نہ رہے گا۔ امت مسلمہ کا یہ قصر رفیع صرف دو بنیادوں پر استوار ہے، عقیدۂ توحید اور عقیدۂ ختم نبوت۔

جب یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ عقیدہ توحید کی طرح عقیدہ ختم نبوت پر ہماری زندگی اور بقاء کا انحصار ہے تو ہم اپنے عقیدہ ختم نبوت کو نظر انداز کر کے اپنی شہ رگ کاٹ ڈالیں۔ ہم کس کو خوش کرنے کے لیے خودکشی کے مرتکب ہوں؟ یہ کیونکر ممکن ہے؟؟ حالانکہ نوع انسانی کی فلاح اور بقا کے لیے ہمارا زندہ وسلامت رہنا ضروری ہے۔ درحقیقت دفاع ختم نبوت کا جذبہ ہی ملت اسلامیہ کی زندگی کی علامت ہے جب تک یہ جذبہ زندہ وسلامت اور قوی وتوانا رہے گا، ابلیسی نظام کا کوئی فتنہ، کوئی سازش اس نور ہدایت کو بجھا نہ سکے گی جس کو بڑھانے کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ بہرحال جس شخص نے امت کو انگریز کی ابدی غلامی کے لیے تیار کرنے میں ساری عمر کھپا دی ہو، ہم مجبور ہیں کہ اسے ملت کا بدخواہ اور غدار قرار دیں۔ جس طرح ہم خارش زدہ کتے کو مسجد میں داخل نہیں ہونے دیتے، اسی طرح ایسے غداروں کو ہم حرم ملت کے پاس نہیں پھٹکنے دیں گے۔''

حضرت پیر فیض الحسن تنویرؒ

حضرت پیر فیض الحسن تنویرؒ المعروف شاہ جی ایک بلند پایہ شخصیت کے مالک تھے۔ حضور سرور کائنات ﷺ سے بے پناہ محبت اور فتنہ قادیانیت سے نفرت آپ کے سینے میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ 1974ء کی تحریک ختم نبوت میں انھوں نے اپنا بھرپور کردار ادا

کیا۔ جامع مسجد ہارون آباد کے عظیم اجتماع میں خطاب اور رضا کاروں کی تربیت سے فارغ ہو کر اپنی گرفتاری کے لیے سب سے پہلے شاہ جیؒ ہی مسجد سے باہر آئے۔ پولیس کی بھاری گارد آپ کی گرفتاری کے لیے مسلح موجود تھی۔ سب انسپکٹر پولیس نے آپ کو دروازے پر روک کر گرفتار کرنے کے لیے حوالدار کو ہتھکڑی لگانے کا حکم دیا۔ حوالدار نے چابی لگائی۔ شاہ جی نے ہاتھ نیچے کیے تو ہتھکڑی کھل گئی۔ سب انسپکٹر پولیس نے حوالدار کو گھورا کہ بیوقوف تجھے ابھی تک ہتھکڑی لگانے کا طریقہ ہی نہیں آیا۔ کیا ملازمت کر رہے ہو۔ حوالدار نے تیزی سے شاہ جی کی طرف پھر ہاتھ بڑھایا اور بڑی احتیاط سے چابی گھمائی جب ہتھکڑی لگ گئی اور اس نے تسلی کر لی تو شاہ جی کو لے کر چلنے ہی والا تھا کہ شاہ جی نے ہاتھ نیچے کیے تو حسب سابق ہتھکڑی پھر کھل گئی۔ اس پر سب انسپکٹر خود آگے بڑھا، دوسری ہتھکڑی لائی گئی اور اس نے اپنے ہاتھوں سے ہتھکڑی لگائی مگر جب لے کر چلے تو ہتھکڑی ایک بار پھر کھل کر نیچے گر پڑی۔ پولیس میں افراتفری مچ گئی۔ بالآخر موقع پر موجود ڈی ایس پی نے کہا، شاہ جی کو بغیر ہتھکڑی کے لے جاؤ۔ یہ بھاگنے والے لوگوں میں نہیں ہیں اور پھر بغیر ہتھکڑی کے ہی شاہ صاحب کو جیل لے جایا گیا۔ شاہ جی نے اس تحریک میں بہاولنگر، ساہیوال اور ہارون آباد کی جیلوں میں صعوبت کے دن گزارے اور اُف تک نہ کی۔

حضرت مولانا محمد یوسف المعروف حضرت جیؒ

تبلیغی جماعت کے رہنما، جید عالم دین اور معروف روحانی شخصیت حضرت مولانا محمد یوسف المعروف حضرت جیؒ تقریباً ربع صدی تک اللہ کی راہ میں مسلسل سفر، مسلسل جدوجہد، مسلسل دعوت اور مسلسل نقل و حرکت کرتے رہے۔ ایک دفعہ تحفظ ختم نبوت کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''ہمارے حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ اور دوسرے بزرگ علماء، بلاوجہ قادیانیت کی مخالفت نہیں کرتے۔ انگلینڈ میں کوئی مشین خواہ کتنی ہی تیز چلنے والی کیوں نہ ہو، وہ اتنی تیزی سے کپڑا تیار نہیں کرتی، جتنا قادیانی کفر کی مشین میں تیزی سے تیار کیا جاتا ہے۔ پھر اس پر مزعومہ دلائل کا رنگ چڑھا کر مرزائی مبلغین سے دجل وفریب اور کہہ مکرنی کی بھٹی میں استری کر کے مسلمان قوم کے ایمان کے جنازہ کے کفن کے لیے تیار کرتے ہیں۔ مرزائیت، مکر وافتراء اور کذب وفریب کا ایک پلندہ ہے۔ مرزا قادیانی جھوٹوں کا سردار تھا۔ امت کو اس

فتنے سے بچانے والے، پوری امت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر رہے ہیں۔“

حضرت مولانا محمد زکریا سہارنپوریؒ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا سہارنپوریؒ کی علمی و دینی خدمات سے کون ناواقف ہے۔ ایک دفعہ انھوں نے پیپلز کالونی فیصل آباد میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

”مرزا قادیانی کے دماغ و زبان کی مہار شیطان نے تھام رکھی تھی اور وہ مرزا قادیانی کو منہ زور گھوڑے کی طرح جھوٹ کی وادیوں میں دوڑاتا تھا۔ ہر قدم پر جھوٹ تیار کرنا اور پھر سب سے پہلے اس کا خود بے دریغ استعمال کرنا، اس کا وتیرہ تھا۔ ہمارے اکابر نے اپنی ایمانی و وجدانی کیفیات سے سرشار ہو کر اس کا تعاقب کیا۔ حضرت گنگوہیؒ سے لے کر حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ تک اور پھر حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے لے کر آپ (مولانا محمد علی صاحب جالندھری کو مخاطب کر کے) تک سبھی حضرات نے امت کی اس فتنہ کے خلاف راہنمائی نہ فرمائی ہوتی تو اس فتنہ کے بڑھنے کے بہت اسباب تھے۔ آپ نے ان کے سامنے دیوارِ چین کھڑی کر دی ہے لیکن مولانا (محمد علی جالندھری) دیکھیں یہ بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔ حضور علیہ السلام کا ایک امتی بھی قادیانی ہو گیا تو ہم سے پوچھا جائے گا کہ قادیانیوں نے اس کے ایمان پر ڈاکا ڈالا تھا، تم نے اس کا ایمان بچانے کی فکر کیوں نہ کی تھی؟“

حضرت مولانا محمد عمر پالن پوریؒ

تبلیغی جماعت کے معروف راہنما حضرت مولانا محمد عمر پالن پوریؒ نے ایک دفعہ فرمایا:

”قادیانیت ایک ناسور ہے۔ جس کو یہ لگ جائے، وہ لاعلاج ہو جاتا ہے۔ مرزا قادیانی کو صرف نبی و رسول ہونے کا دعویٰ نہ تھا، بلکہ نعوذ باللہ اس کو خدا کا بیٹا اور اس سے بھی بڑھ کر خدا ہونے کا دعویٰ تھا۔ حیرانی ہے کہ ایک احمق و کور باطن کو لوگ کیا سے کیا مانے ہوئے ہیں۔ اس فتنہ کے خلاف کام کرنا، نبی کریم ﷺ کی توجہات کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا بہترین وسیلہ ہے۔“

حضرت مولانا نذر الرحمٰن مدظلہ

تبلیغی جماعت کے معروف راہنما اور عالم دین حضرت مولانا نذر الرحمٰن مدظلہ نے

ایک دفعہ خانقاہ سراجیہ میں حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

''ہمارے حضرت (مولانا خواجہ خان محمد صاحب) تو بیک وقت شیخ وقت بھی ہیں اور مجاہد بھی۔ فتنہ قادیانیت کے خلاف ان کے کام کو دیکھ کر یقین ہے کہ ان میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کی نسبت عود کر آئی ہے۔ مرزا قادیانی ایسے بے دین، گمراہ، دجال و کذاب شخص کی تردید وقت کی ضرورت ہے۔ خوش بخت وسعادت مند انسانوں کو قدرت ان کاموں کے لیے قبول فرماتی ہے۔''

سیّد انور حسین نفیس الحسینیؒ

قطب الارشاد شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے خلیفہ مجاز، پیر طریقت حضرت سید انور حسین نفیس الحسینیؒ نے ایک دفعہ راقم الحروف سے ملاقات میں فرمایا:

حضور خاتم النبیین ﷺ کا قرب حاصل کرنے کے لیے نہایت ضروری ہے کہ آپ ﷺ کے دشمنوں سے دلی نفرت کی جائے۔ قادیانیت، دراصل حضور شافع محشر ﷺ سے بغاوت کا دوسرا نام ہے۔ ان سے روزمرہ زندگی میں معمولی سا بھی تعاون سخت گناہ کے زمرے میں آتا ہے۔ ایک دفعہ مظہر ملتانی قادیانی، قادیانیوں کی گڑھی شاہو لاہور میں واقع عبادت گاہ کی پیشانی کے لیے کلمہ طیبہ لکھوانے کے لیے آیا۔ میں نے اسے سختی سے ڈانٹ دیا کہ تمھیں یہ جرأت کس طرح ہوئی کہ میں قادیانیوں کا کام کروں گا۔ ایک دفعہ ایک پریس والے کا رقعہ لے کر ایک شخص آیا کہ یہ نظم کا کام کرانا چاہتے ہیں۔ نثر کے کام کی نسبت کاتبوں کے لیے نظم کا کام کرنا آسان ہوتا ہے۔ رقعہ میں تحریر تھا کہ جو آپ معاوضہ کہیں گے، یہ آپ کو دیں گے۔ یہ بات میرے مزاج کے خلاف تھی۔ تاہم کام کی آسانی اور پریس والوں کی شناسائی کے باعث اس آدمی کو میں نے بٹھا لیا اور مسودہ دیکھا تو وہ آنجہانی مرزا قادیانی کا کلام ''درثمین'' تھا۔ ملعون مرزا قادیانی کا کلام دیکھ کر مجھے بہت تعجب اور صدمہ ہوا۔ جس پریس والے نے رقعہ لکھا تھا، اس پر بھی افسوس ہوا۔ سوچا کہ میرے اندر ضرور کوئی کمی ہوگی کہ کفر مجھ سے کافرانہ کلام لکھوانے کی امید سے میرے دروازے پر آ گیا۔ استغفار کیا اور اس آدمی کو چلتا کیا۔ میں نے زندگی بھر کسی قادیانی کا کوئی کام نہیں کیا۔ یہ واقعات اس لیے بیان کر دیے ہیں کہ دوسرے خوشنویس حضرات خواہ وہ کمپیوٹر کتابت کرتے ہوں، کو نصیحت ہو کہ وہ مسلمان ہو کر قادیانیوں کا کام نہ کریں۔ یہ بھی قادیانیت سے اعانت کے زمرے میں آتا ہے جو شرعاً

حرام اور نا قابل معافی جرم ہے۔''

سر عمر حیات ٹوانہ

حضرت اقدس مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں کہ مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھری مرحوم نے ایک دفعہ مجھے بتایا ''خضر حیات ٹوانہ کے والد نواب سر عمر حیات ٹوانہ مرحوم لندن گئے ہوئے تھے۔ نواب آف بہاولپور مرحوم بھی گرمیاں اکثر لندن گزارا کرتے تھے۔ نواب مرحوم، سر عمر حیات ٹوانہ سے لندن میں ملے اور مشورہ طلب کیا کہ انگریز حکومت کا مجھ پر دباؤ ہے کہ ریاست بہاولپور سے قادیانی مقدمہ کو ختم کرا دیں، تو اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟ سر عمر حیات ٹوانہ نے کہا کہ ہم انگریز کے وفادار ضرور ہیں مگر اپنا دین، ایمان اور عشق رسالت مآب ﷺ کا تو ان سے سودا نہیں کیا۔ آپ ڈٹ جائیں اور ان سے کہیں کہ عدالت جو چاہے فیصلہ کرے، میں حق و انصاف کے سلسلہ میں اس پر دباؤ نہیں ڈالنا چاہتا۔ چنانچہ مولانا محمد علی جالندھری نے یہ واقعہ بیان کر کے ارشاد فرمایا کہ ان دونوں حضرات کی نجات کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے۔'' آج کے روشن خیال اور ترقی پسند حکمران اگر چاہیں تو اس واقعہ کی تقلید کر کے اپنی آخرت بہتر بنا سکتے ہیں بشرطیکہ ان کی نیت ٹھیک ہو۔

نواب محمد صادق والئ ریاست بہاولپور

مشہور مقدمہ بہاولپور میں فاضل جج محمد اکبر فریقین کے دلائل اور علماء کے بیانات سُن کر ایک حتمی نتیجے پر پہنچ گئے تھے اور اس فتنہ سیہ کی حقیقت ان پر آشکار اور روز روشن کی طرح واضح ہو چکی تھی، مگر فیصلے کا اعلان کرنے میں اس خیال سے متردد اور تذبذب کا شکار تھے، مبادا بقول علامہ شورش کاشمیری، انگریز کے ایجنٹ اور خود ساختہ پودے کو غیر مسلم قرار دینے پر انگریزی حکومت ریاست بہاولپور کو نقصان نہ پہنچائے۔ جب یہ خبر والئ ریاست بہاولپور نواب محمد صادق صاحب تک پہنچی تو انہوں نے جج صاحب سے بغیر کسی خوف و خطر کے بانگ دہل یہ فرمایا: ''آپ قادیانیوں کو علی الاعلان غیر مسلم قرار دیں، اگر صادق کی ایک کیا، ہزار ریاستیں بھی سرکار محمد ﷺ کی ختم نبوت کے تحفظ میں قربان میں ہو جائیں تو یہ میرے لیے سب سے بڑی سعادت کی بات ہو گی اور مجھے کوئی پروا نہیں۔'' پھر وہ تاریخی فیصلہ سامنے آیا، جس کے نتیجے میں انگریز کے خود کاشتہ پودے، قادیانیت کو پوری دنیا میں خائف و خاسر ہونا پڑا اور آخر کار

7 ستمبر 1974ء کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کی منتخب پارلیمنٹ کے متفقہ اور تاریخ ساز فیصلے کی رو سے قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار پائے۔

"خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را"

حضرت مولانا مفتی محمد حسن مدظلہ

اس دور قحط الرجال میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن مدظلہ کی شخصیت روشنی کی درخشاں قندیل ہے۔ آپ کے محاسن و معارف، خدا خوفی، بلندی کردار، دینی غیرت وحمیت، محبت رسول ﷺ اور گستاخانِ رسول سے بے پناہ نفرت وحقارت کے بارے میں لکھنے کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔ آپ نے خود کو تحفظ ختم نبوت کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ آپ جس جذبے سے اپنے شاگردوں کو اس محاذ پر تیار کر رہے ہیں، اس کی مثال ملنی محال ہے۔ آپ اپنی ایک تحریر میں فرماتے ہیں:

"دین اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک اہم ترین عقیدہ، عقیدہ ختم نبوت ہے۔ اس مبارک عقیدہ کی عظمت کو بیان کرنے کے لیے صرف اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ یہ عقیدہ پورے دین اسلام کی روح ہے۔ جیسے روح کے بغیر جسم کی کوئی حیثیت نہیں۔ ایسے ہی عقیدہ ختم نبوت کے بغیر کسی عمل کی کوئی اہمیت نہیں۔ اگرچہ لاکھ نمازیں پڑھے، روزے رکھے، حج کرے، سب بے کار ہیں۔ یہ قرب قیامت کا دور ہے۔ روز بروز نت نئے فتنے مختلف شکلوں میں رونما ہو رہے ہیں۔ ان میں سے ایک خطرناک ترین فتنہ، قادیانیت کا فتنہ ہے۔ یہ حضور اکرم ﷺ کی ختم نبوت کے باغی اور دشمن ہیں۔

مسیلمہ کے جانشین گرہ کٹوں سے کم نہیں
کتر کے جیب لے گئے پیمبری کے نام سے

آج بھی یہ مختلف چالوں سے مسلمانوں کے ایمان پر حملہ آور ہیں۔ دوستی، نوکری چھوکری پیسوں کے لالچ اور غیر ملکی ویزہ کا جھانسہ دے کر ان کے ایمان کو لوٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔

بندہ سیدھے لفظوں میں عرض کر رہا ہے۔ اللہ نہ کرے، اگر کسی مسلمان نے قادیانیوں کے مکر وفریب میں آ کر برطانیہ، جرمن، کسی اور ملک کا ویزہ لے لیا اور کسی قادیانی

لڑکی سے شادی کر کے قادیانی بن گیا تو گنبد خضری سے اس کا ویزہ ختم ہو گیا۔ گنبد خضری سے اس کا رشتہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ اے میرے غیرت مند مسلمان بھائی! اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھ، اگر خدانخواستہ حضور ﷺ سے ہمارا رشتہ ختم ہو گیا تو ہمارے پلے رہے گا کیا۔ پھر یہ ویزہ کب تک کام آئے گا، شادی کا من تو کب تک پورا کرے گا۔ ہماری ساری امیدوں کا سہارا آپ ﷺ کی مبارک ہستی ہی تو ہے۔ اللہ پاک کی بارگاہ میں پیش کرنے کے قابل کوئی پونجی ہے تو وہ آپ ﷺ کی محبت ہی تو ہے۔ لہٰذا آقائے دو جہاں، سرور کونین، فخر دو عالم، سرور دو عالم، سید المرسلین، خاتم النبیین ﷺ کی محبت (جو گناہگار سے گناہگار مسلمان کے سینے میں جوش مار رہی ہے) کے وسیلے سے ایک ایک مسلمان سے پُرزور اپیل کی جاتی ہے کہ وہ قادیانیوں سے مکمل طور پر بائیکاٹ کرے۔ ان سے ہر قسم کے تعلقات کو ختم کرے اور ان کے ساتھ تعلقات کو ختم کرنے کے لیے اپنے دل کو غیرت دلانے کے لیے اس جملے کو پڑھ لیا کرے۔

اے مسلمان جب تو کسی قادیانی سے ملتا ہے تو گنبد خضری میں دل مصطفیٰ ﷺ دکھتا ہے۔ قادیانی مسلمانوں کا روپ دھار کر اور ان کے شعائر (نشانیوں) کو استعمال کر کے تعلقات کے جھانسے میں سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ لہٰذا ان کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات حرام ہیں۔

مزید وضاحت کے لیے حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی ایک تحریر ملاحظہ فرمائیں۔

''قادیانیوں کی سو نسلیں بھی بدل جائیں تو ان کا حکم زندیق اور مرتد کا رہے گا۔ سادہ کافر کا حکم نہیں ہو گا، اس لیے کہ ان کا جو جرم ہے یعنی کفر کو اسلام اور اسلام کو کفر کہنا، یہ جرم ان کی آئندہ نسلوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ الغرض قادیانی جتنے بھی ہیں، خواہ وہ اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہوئے ہوں یا پیدائشی ''احمدی'' ہوں یعنی قادیانیوں کے گھر پیدا ہوئے ہوں اور یہ کفران کو ورثے میں ملا ہو، ان سب کا ایک ہی حکم ہے۔ یعنی وہ مرتد اور زندیق ہیں۔ کیونکہ ان کا جرم صرف یہ نہیں کہ وہ اسلام کو چھوڑ کر کافر بنے ہیں بلکہ ان کا جرم یہ ہے کہ دین اسلام کو کفر کہتے ہیں اور اپنے دین کفر کو اسلام کا نام دیتے ہیں اور یہ جرم ہر قادیانی میں پایا جاتا ہے۔ خواہ وہ اسلام کو چھوڑ کر قادیانی بنا ہو یا پیدائشی قادیانی ہو۔''

اس لیے بندہ تمام مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ قادیانیوں کی سازشوں اور ان کے مکر و فریب سے بچیں۔ عام مسلمان ان سے (اور اسی طرح دیگر فتنوں سے) بحث و مباحثہ

سے اوران کالٹریچر پڑھنے سے بچیں۔ یہ سانپ کے زہر سے زیادہ خطرناک ہے۔ اگر کوئی قادیانی تنگ کرے تو فوراً کسی ماہر عالم سے رجوع کریں۔

یہاں ایک واقعہ کا ذکر کرنا مناسب ہوگا جس کو بندہ اکثر مجالس میں سناتا رہتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت میں ایک صاحب نے خط لکھا کہ میں نے مرزائیوں کالٹریچر پڑھا ہے اور میرے ذہن میں عجیب قسم کے شکوک وشبہات پیدا ہورہے ہیں۔ میں اب کیا کروں۔ حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے جو جواب مرحمت فرمایا، وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔فرمایا! آپ نے سانپ پکڑنے کا منتر سیکھے بغیر سانپ کو پکڑنے کی کوشش کی ہے۔ وہ ڈسے گا نہیں تو اور کیا کرے گا۔ مطلب یہ کہ قادیانیت کا زہر سانپ کے زہر سے زیادہ خطرناک ہے۔سانپ کے زہر سے اگر وقت موعود یعنی موت کا وقت آ چکا ہے تو موت آ جائے گی لیکن قادیانیت کا زہر اگر سرایت کرگیا تو وہ دنیا وآخرت دونوں کو تباہ کردے گا۔لہٰذا اس فتنے کے بارے میں معلومات رکھنے والے علماء کرام اور محافظین ختم نبوت قادیانیت کے سانپ کو پکڑنے کا منتر جانتے ہیں۔ جب بھی ضرورت ہو فوراً ان سے رجوع کریں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ پوری امت مسلمہ کی ہر شر اور فتنہ سے بالخصوص فتنۂ قادیانیت سے حفاظت فرمائے اور محافظین ختم نبوت کی جملہ کوششوں کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔آمین

مستری برکت علی مغلؒ

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشادگرامی ہے:"غیرت ایمان کا حصہ ہے۔" یہی وجہ ہے کہ سچا نبی اپنے امتیوں میں غیرت پیدا کرتا ہے اور جھوٹا مدعی نبوت اپنے امتیوں میں بے غیرتی اور دیوثی پیدا کرتا ہے۔اس کی ایک زندہ مثال ملاحظہ فرمائیں۔

سندھ کے علاقہ عمرکوٹ کنری ضلع تھرپارکر کے مجاہد ختم نبوت بزرگ جناب مستری برکت علی مغلؒ لوہار کا کام کرتے تھے۔ دینی غیرت وحمیت اور عشق رسول ﷺ کی لازوال دولت سے مالا مال تھے۔ایک دفعہ ان کے پاس ایک قادیانی مبلغ آیا اور اپنے باطل مذہب کی ارتدادی گفتگو شروع کردی۔اس دوران مستری صاحب اپنے کام میں مگن، دستے والی کلہاڑی

کی دھار تیز کر رہے تھے۔ قادیانی مبلغ اپنی گفتگو میں بار بار جھوٹے مدعی نبوت مرزا قادیانی کا نام بڑے ادب و احترام اور مقدس القابات سے ادا کرتا۔ قادیانی مبلغ تقریر کرتا رہا۔ مستری برکت علی صاحب سنتے رہے۔ جب کلہاڑی کی دھار خوب تیز ہوگئی تو مستری برکت صاحب شیر کی طرح اٹھے اور کلہاڑی قادیانی مبلغ کی گردن پر رکھ کر کہا: ''او خبیث بتا! تم مرزا قادیانی کو کیا مانتے ہو؟'' قادیانی مبلغ نے کہا: میں اسے نبی مانتا ہوں۔ مستری صاحب نے پورے جلال کے ساتھ کہا۔ کہو کہ مرزا قادیانی جھوٹا، بے ایمان اور بدکار تھا۔ مبلغ نے اپنی جان کی خیر مناتے ہوئے کہا مرزا قادیانی جھوٹا، بے ایمان اور بدکار تھا۔ مستری صاحب نے دوبارہ کہا، کہو کہ مرزا قادیانی مرتد، زندیق، مردود اور اُلّو کا پٹھا تھا۔ قادیانی مبلغ نے یہی الفاظ پھر دہرا دیے۔ الغرض مستری صاحب مرزا قادیانی کے متعلق جو بے نقط سناتے، قادیانی مبلغ اسے بار بار دہراتا۔ آخرکار مستری برکت علی صاحب، وہی کلہاڑی قادیانی مبلغ کے ہاتھ میں دے کر خود اس کے سامنے گردن جھکا کر بیٹھ گئے اور کہا: او بدبخت! اب تم یہ کلہاڑی میری گردن پر رکھ کر میرے سچے نبی، میرے آقا و مولا حضور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے متعلق میری زبان سے ایک جملہ بھی نکلوا کر دیکھو۔ میں تمھارے سامنے، ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤں گا مگر میں اپنے پیارے نبی کی شان اقدس میں ادنیٰ سی توہین کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ یہی میرے اور تمھارے سچے اور جھوٹے ہونے کی بین دلیل ہے۔

سچے نبیوں کا اقرار ضروری ہے
جھوٹے نبیوں کا انکار ضروری ہے
ختم نبوت کی نگری میں چور گھسے
نگری والے ہوں بیدار ضروری ہے

حضرت علامہ علاؤ الدین صدیقیؒ

پنجاب یونیورسٹی لاہور کے سابق وائس چانسلر، عظیم مفکر، شعلہ بیاں خطیب، لاجواب متکلم اور متبحر عالم دین حضرت علامہ علاؤ الدین صدیقیؒ جامع الصفات شخصیت کے حامل تھے۔ تحریک پاکستان میں ان کا کردار نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ وہ امت مسلمہ کے اتحاد و یگانت کے بڑے داعی اور علمبردار تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی دعوت دین اور خدمت

اسلام کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ آپ نے تحریک ختم نبوت 1953ء میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ہر صوبہ اور علاقہ میں ختم نبوت کانفرنسوں اور اجتماعات میں اپنی شعلہ نوا تقریروں سے عوام کے دلوں کو گرمایا اور محبت رسول ﷺ کے جذبے کو بیدار کیا۔

تحفظ ختم نبوت کی کانفرنسوں میں ایمان پرور تقریریں کر کے بارگاہ رسالت ﷺ میں نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ وجہ تخلیق کائنات اور شاہکار منشائے ربانی حضور اکرم ﷺ سے والہانہ عشق کا نتیجہ تھا کہ حق بات برمحل کہہ دیتے تھے۔ 1953ء میں تحریک ختم نبوت ملک گیر صورت اختیار کر گئی۔ بے شمار طلبہ صدائے اللہ اکبر پر پروانہ وار فدا ہوتے چلے گئے اور لاتعداد نوجوانانِ وطن نے جام شہادت نوش کیا۔ لاہور میں مارشل لاء نافذ ہو گیا، جمعہ کا دن تھا، جناب علامہ علاؤ الدین صدیقی ؒ پہلے سے ہی مسجد شاہ چراغ میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے ختم نبوت کے موضوع پر حد درجہ پر جوش خطاب شروع کر دیا کہ اتنے میں اچانک گھوں گھوں کی سی آواز سنائی دی، یہ آواز جنرل اعظم خان کی مشین گنوں سے مسلح جیپ کی تھی جو جی پی او کے چوک میں آ کر رکی تھی۔ جناب علامہ صدیقی ؒ خطابت میں معمول سے زیادہ جوش میں تھے۔ حاضرین نے نعرہ ختم رسالت ﷺ بلند کیا۔ اس وقت فضا بالکل ساکن تھی۔ اس آن علامہ صدیقی نے جنرل اعظم کو مخاطب کر کے کہا:

''تمہاری بندوق کی گولیاں اگر ختم نبوت زندہ باد کا نعرہ لگانے والوں کے سینوں کو چھید سکتی ہیں تو پہلے میرے سینے پر گولی لگنی چاہیے۔''

کچھ توقف کے بعد جنرل اعظم کی جیپ چلی گئی۔ لاہور کی خون آلود سڑکیں اہل لاہور کو خوب یاد ہیں۔ شہدائے ختم نبوت کے خون کا نقشہ آج بھی زندہ جاوید ہے اور ابدالآباد تک زندہ رہے گا۔

ماہنامہ اردو ڈائجسٹ کے مدیر اعلیٰ جناب الطاف حسن قریشی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''یہ غالباً 1953ء کی سردیوں کا ذکر ہے۔ میں اُن دنوں ایم اے علوم اسلامیہ کا طالب علم تھا۔ ہماری کلاسیں دن میں دو بار لگتی تھیں۔ ایک صبح سات بجے سے لے کر نو بجے اور پھر شام کو چار بجے سے لے کر رات کے آٹھ نو بجے تک اور اگر ہمارے استاذ مکرم علامہ علاؤ الدین صاحب صدیقی کسی اہم مسئلے پر گفتگو فرماتے، تو رات کے گیارہ بارہ بھی بج جاتے

تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک بار جھوٹے مدعیان نبوت پر بات چل نکلی تو جناب علامہ نے پوری اسلامی تاریخ سمیٹ کر رکھ دی اور آخر میں بڑے دلدوز لہجے میں فرمایا:

''تاریخ کے کسی بھی حصے میں امت مسلمہ نے جھوٹے نبی کو برداشت نہیں کیا اور اُس وقت تک چین سے نہیں بیٹھی جب تک اپنے آپ کو جھوٹے نبی کے ناپاک وجود سے پاک نہیں کر لیا، لیکن اہل پنجاب کی بے غیرتی نے پوری اسلامی تاریخ کی غیرت کو مجروح کیا۔ ہائے! دیوانوں کو غیرت نہ آئی۔''

اُس رات ایک بج گیا تھا اور شدید سردی کے باوجود ہمیں غیرت کے پسینے آتے رہے۔''

(ماہنامہ اردو ڈائجسٹ لاہور جولائی 1968ء)

ناز کیا اس پہ کہ بدلا ہے زمانے نے تجھے
مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

سیّد ذاکر حسین شاہ

راولپنڈی سے تعلق رکھنے والے معروف اسلامی سکالر اور دانشور جناب سیّد ذاکر حسین شاہ صاحب اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ 1974ء کی منتخب پارلیمنٹ میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے والے تاریخی اجلاس میں ان کا کردار ناقابل فراموش ہے۔ وہ جید علماء کرام کی اس اہم ٹیم میں شامل تھے جو اٹارنی جنرل جناب یحیٰی بختیار کے قادیانی خلیفہ مرزا ناصر پر کیے جانے والے سوالات اور جرح میں معاونت کرتی تھی۔ اٹارنی جنرل یحیٰی بختیار صاحب اس سلسلہ میں محترم شاہ صاحب کے بے حد معترف تھے کیونکہ قادیانی خلیفہ دوران جرح شاہ صاحب کے تیار کردہ کئی سوالات کے کوئی جواب نہ دے سکا۔

سیّد ذاکر حسین شاہ صاحب نے ایک دفعہ اپنا ایمان افروز واقعہ سنایا کہ ''ایک رات وہ اٹارنی جنرل کے لیے قادیانی کتب سے حوالہ جات تلاش کر رہے تھے کہ حالت بیداری میں اچانک دیکھا کہ دو بزرگ تشریف لائے جن کے چہروں سے نور ٹپک رہا تھا۔ ان میں ایک حضرت امام ابو حنیفہؒ اور دوسرے حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ تھے۔ ان بزرگوں نے قادیانیوں کے خلاف تیاری کرنے پر حوصلہ افزائی کرتے ہوئے مجھے شاباش دی اور فرمایا، گھبرانا نہیں۔ تحفظ ختم نبوت کا کام کرتے رہو، فتح مسلمانوں کی ہی ہوگی۔'' شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس

واقعہ سے مجھے تحفظ ختم نبوت کا کام کرنے کا مزید حوصلہ اور جذبہ نصیب ہوا۔

حضرت مولانا محمد عارفؒ

حضرت مولانا محمد عارفؒ ایک درویش صفت عالم دین اور سچے عاشق رسول ﷺ تھے۔ وہ ایک عرصہ تک کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے ہاسٹل کی مسجد میں بطور خطیب اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ انہوں نے پوری زندگی قناعت اور غربت میں گزاری۔ ہمیشہ حرام سے بچتے ہوئے محنت کی کمائی سے بمشکل گزارہ کرتے۔ بعض اوقات فاقوں تک بھی نوبت پہنچ جاتی مگر کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لائے بلکہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہے۔ آخری دنوں کینسر کے موذی مرض کا شکار ہو گئے۔ اس بیماری کا بڑی استقامت اور دلیری سے مقابلہ کیا۔ اُن کے صاحبزادے جناب حافظ قاری محمد عمران خان بیان کرتے ہیں کہ جب میں نے بی اے کا امتحان پاس کیا تو والد صاحب نے حکم دیا کہ تم قانون کا امتحان پاس کرو۔ میری خواہش ہے کہ تم عدالت کے ایوانوں میں ختم نبوت کا تحفظ کرو اور گستاخانِ رسول ﷺ قادیانیوں کی خلاف اسلام سرگرمیوں کا مقابلہ کرو۔ میں نے جواب میں عرض کیا کہ لاء کالج میں داخلہ کے لیے میرے پاس رقم نہیں ہے۔ اس پر والد محترم نقاہت کے باوجود فوراً بستر سے اُٹھے اور کہا، میرے پاس کچھ رقم ہے، وہ داخلہ کے لیے جمع کروا دو۔ میں نے عرض کیا کہ وہ تو آپ نے اپنی ادویات کے لیے جمع کر رکھی ہے۔ اس پر والد محترم نے فرمایا: ''بیٹا! موت تو پھر بھی آ جانی ہے۔ تم لاء کر کے عدالت کے ایوانوں میں حضور شافع محشر ﷺ کی ختم نبوت کا تحفظ کرو گے تو یہ صدقہ جاریہ قبر اور حشر میں میری بخشش کے لیے کافی ہوگا۔''

حضرت مولانا محمد عارفؒ 12 مارچ 2004ء کو قضائے الٰہی سے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ حافظ محمد عمران ایڈووکیٹ آج کل سیشن کورٹ لاہور میں وکالت کرنے کے ساتھ ساتھ تحفظ ختم نبوت لائرز فورم پاکستان کے جنرل سیکرٹری کے فرائض بھی سرانجام دے رہے ہیں۔

؎ تیرے دیوے دی رشنائی جاوے وچ زمیناں

جناب طارق محمود

خانیوال کے طارق محمود صاحب جو آج کل کراچی میں ہیں، نہایت عابد و زاہد اور متقی نوجوان ہیں۔ اپنے اخلاص و نیکی کے باعث بہت ہی زیادہ قابل احترام ہیں۔ انھوں نے

ایک دفعہ ختم نبوت کانفرنس مسلم کالونی ربوہ کے موقع پر بیان کیا:

''میں نے خواب میں دیکھا کہ مسجد ختم نبوت مسلم کالونی میں محبت و اضطراب کی کیفیت ہے۔ عظیم اجتماع استقبال کے لیے امڈ آیا ہے۔ لوگ اِدھر اُدھر دیوانوں کی طرح سرگرداں پھر رہے ہیں۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ آقائے نامدار ﷺ دریائے چناب کی جانب سے کانفرنس کے پنڈال کی طرف تشریف لا رہے ہیں۔ میں بھاگم بھاگ دریائے چناب کی جانب گیا جس طرف سے آپ ﷺ تشریف لا رہے تھے۔ میں نے آگے بڑھ کر قدم بوسی کی سعادت حاصل کی اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ ﷺ کا کہاں تشریف لے جانے کا ارادہ ہے؟ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جامع مسجد ختم نبوت میں ہماری کانفرنس ہو رہی ہے۔ ادھر جانے کا پروگرام ہے۔''

جناب ایچ ساجد اعوان

ایچ ساجد اعوان ایبٹ آباد کے عظیم مجاہد ختم نبوت ہیں۔ اللہ پاک نے انھیں محبت رسول ﷺ کی لازوال دولت سے مالا مال کر رکھا ہے۔ انھوں نے اپنی پوری زندگی تحفظِ ختم نبوت کے نام وقف کر رکھی ہے۔ موصوف نے ''تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ اور گستاخ رسولؐ کی سزا'' کے عنوان پر ایک ضخیم اور تاریخی کتاب تالیف کی ہے۔ جناب ساجد اعوان کہتے ہیں:

''جب میں نے یہ کتاب لکھنا شروع کی تو ایک رات میرے سوئے ہوئے بخت جاگ اٹھے۔ میں نے عالم خواب میں دیکھا کہ میں مسجد نبوی شریف کی سیر کر رہا ہوں، جی بھر کر مسجد نبوی شریف کی زیارت کی، پھر روضۂ رسول ﷺ پر حاضر ہوا۔ روضۂ رسول ﷺ کی خوب خوب زیارت کی اور قلب ونظر کی تسکین کا سامان کیا۔ آنکھ کھلی تو پورے وجود میں ایک مہک تھی۔ طبیعت میں ایک عجیب فرحت تھی۔ اس خواب سے کئی دن مجھ پر ایک کیف و سرور کی کیفیت رہی۔''

مولانا قاضی مظہر حسینؒ

جناب انجم نیازی اپنی کتاب ''ایک تنہا آدمی'' (خودنوشت) میں لکھتے ہیں:

''ایک دن میں ایس ڈی ایم صاحب کے پاس بیٹھا تھا۔ پولیس والوں کے چہرے اترے ہوئے تھے اور گھبراہٹ میں ادھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ بار بار ایس ڈی ایم کے پاس

آتے اور واپس چلے جاتے۔ پتہ چلا کہ چکوال میں ''آل پاکستان احمدیہ کانفرنس'' کا انعقاد ہونا ہے۔ اس کے لئے ساری انتظامی مشینری مصیبت میں پڑی ہوئی ہے۔ ان دنوں ایم ایم احمد، ایوب خان کا دست راست تھا اور اس کی وجہ سے مرزائی پورے عروج پر تھے۔ حکومت اور اس کی ساری مشینری ان کے اشارے پر چلتی تھی۔ میں نے گھبراہٹ کی وجہ پوچھی تو پتہ چلا کہ قاضی مظہر حسین نے الٹی میٹم دے رکھا ہے کہ یہ جلسہ اس کی لاش پر ہوگا۔ میں نے کہا کیا ایک مولوی کے خوف سے اس قدر سراسیمگی پھیلی ہوئی ہے؟ مولوی کے لئے تو ایک اے ایس آئی ہی کافی ہوتا ہے۔ جواب ملا وہ ایسا مولوی نہیں ہے جس کے لئے ایک اے ایس آئی کافی ہو۔ اس کے لئے تو پاکستان بھر کی ساری انتظامی قوت بھی ناکافی ہے۔ اول تو وہ کوئی فیصلہ بلا سوچے سمجھے جلدی میں کرتا ہی نہیں۔ جب فیصلہ کرلے تو پھر کسی قیمت پر بدلتا نہیں۔ خوف اور لالچ کے الفاظ اس کی لغت میں ہیں ہی نہیں۔ وہ کئی بار آزمایا جا چکا ہے۔ ایک گولی کے لئے نہیں، کئی گولیاں کھانے کے لیے میدان میں آئے گا۔ اس کی پیش قدمی فوجی ٹینک بھی نہیں روک سکتے۔ ٹینک اسے کچل سکتے ہیں، اس کو روک نہیں سکتے۔ میں حیران تھا کہ چکوال میں ایسی شخصیت موجود ہے۔ جس سے ساری حکومتی مشینری خوف زدہ ہے۔

کانفرنس کا دن آنا تھا، آ گیا۔ قادیانیوں نے لاؤڈ سپیکر پر اپنی تقریریں شروع کر دیں۔ ان کی عبادت گاہ کو چاروں طرف سے پولیس نے گھیر رکھا تھا۔ مگر وہ چند منٹ ہی تقریریں کر سکے۔ اس کے بعد لاؤڈ سپیکر کی آواز بند ہوگئی۔ قادیانی صحن سے بھاگ کر عبادت گاہ کے کمرے کے اندر خوف سے ایک دوسرے کے اوپر ڈھیر ہو گئے۔ پتہ چلا کہ جس مولوی کا خطرہ تھا، وہ مولوی آ پہنچا ہے۔ اس کے ساتھ ایسے سچے عاشق رسول ﷺ نوجوان تھے جو گولیوں کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ پہلے تو پولیس نے اپنا دھمکی آمیز رویہ اختیار کیا۔ رائفلیں لوڈ کر لی گئیں۔ سپاہیوں نے گولی چلانے کی پوزیشن سنبھال لی۔ ڈی ایس پی نے ایک لکیر کھینچی اور کہا کہ جو اس لکیر سے آگے آئے گا، ہم گولی چلا دیں گے۔ اس لائن کو سب سے پہلے کراس کرنے والا وہی مولوی تھا جس نے الٹی میٹم دے رکھا تھا۔

بہادری اور شجاعت بھی اپنے اندر کمال کا حسن رکھتی ہیں، بشرطیکہ یہ صداقت کے لئے ہو۔ اب ڈی ایس پی کی ساری شوخی، رعب اور دبدبہ کی مصنوعی عمارت زمین بوس ہوگئی۔ اس کو نوکری خطرے میں گھری ہوئی محسوس ہونے لگی یا اس کے اندر ایمان کی کسی کرن نے

کروٹ لی۔اس نے قاضی مظہر حسین کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے اور کہا کہ آپ ہمارے حال پر مہربانی کریں۔کوئی ایسا حل بتائیں جس پر ہم عمل کر سکیں۔قاضی مظہر حسین نے کہا: لاؤڈ سپیکر اتار لو جو کچھ انہوں نے کہنا ہے، بند کمرے میں کہتے رہیں۔ہم جھوٹے نبی کی کھلے عام تبلیغ برداشت نہیں کر سکتے۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

محمد سرور مجاہد

کسی بھی تحریک کی کامیابی کا انحصار اس کے کارکنوں کے اوصاف پر ہوتا ہے۔اگر کارکنان کے دل خشیتِ الٰہی سے معمور اور سینے عشق مصطفیٰ ﷺ سے منور ہوں، وہ بہترین اخلاق و عادات، مضبوط کردار کے مالک، بے لوث خدمت و قربانی کے جذبہ سے سرشار، شہرت کی خواہش سے کوسوں دور، آزمائش و مشکلات کی گھڑیوں میں ثابت قدم اور ناساعد گھریلو حالات پر صابر و شاکر ہوں تو تحریک کی کامیابی یقینی ہوتی ہے۔تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر کام کرنے والے نوجوان جناب محمد سرور مجاہد کا شمار ایسے ہی مثالی کارکنوں میں ہوتا ہے۔وہ ختم نبوت کے تحفظ اور فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کے سلسلہ میں دن رات مگن رہتے ہیں۔جلسے جلوسوں کے پوسٹر لگانے، بینرز آویزاں کرنے، دریاں بچھانے، سٹیج آراستہ کرنے، مہمانوں کو کھانا کھلانے، اجلاسوں کی اطلاع کروانے، لٹریچر تقسیم کرنے اور سکیورٹی کے فرائض سرانجام دینے میں بہت فخر محسوس کرتے ہیں۔انہوں نے اپنے بچوں سمیت خود کو تحفظ ختم نبوت کے لئے وقف کیا ہوا ہے۔تحفظ ختم نبوت کا کام کرنے کی بدولت جناب محمد سرور مجاہد کو ایک دفعہ خواب میں سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کی زیارت نصیب ہوئی۔آیئے یہ ایمان پرور خواب جناب محمد سرور مجاہد کی زبانی سنتے ہیں۔

''ایک رات عشاء کی نماز پڑھ کر میں سویا تو خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ جوق در جوق جامع مسجد غلہ منڈی (اونچی مسجد) ننکانہ صاحب کی طرف جا رہے ہیں۔مسجد کے لاؤڈ سپیکر سے کسی برگزیدہ شخصیت کی گھن گرج کے ساتھ تقریر ہو رہی تھی۔میرے دریافت کرنے پر ایک شخص نے بتایا کہ یہاں تحفظ ختم نبوت کانفرنس ہو رہی ہے اور امیر المومنین سیدنا حضرت عمر فاروقؓ صدارتی خطاب فرما رہے ہیں۔تھوڑی دیر بعد ان کی تقریر ختم ہو گئی۔میں نے

حضرت کی زیارت کا قصد کیا تو پتہ چلا کہ آپ جامع مسجد غوثیہ سراجیہ (انڈہ تالاب) تشریف لے گئے ہیں۔ میں بھاگم بھاگ وہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سیدنا حضرت عمر فاروقؓ مسجد کے صحن میں لیٹے ہیں۔ چہرہ مبارک نہایت نورانی اور قد دراز تھا۔ میں نے فوراً قدم بوسی کی سعادت حاصل کی، اُٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے، کیا کام کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا، حضور! میرا تعلق تحریک تحفظ ختم نبوت سے ہے۔ ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ختم نبوت کا تحفظ اور فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کے سلسلہ میں کام کرتے ہیں۔ میں نے مزید عرض کیا کہ یہ اتحاد بین المسلمین کا پلیٹ فارم ہے۔ پھر میں نے قرآن مجید کی ایک آیت تلاوت کی۔

وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّ لَا تَفَرَقُوۡا (آل عمران:103)

اس پر سیّدنا حضرت عمر فاروقؓ نے میری تصحیح کرتے ہوئے فرمایا۔ بیٹا! اصل آیت اس طرح ہے۔

وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوۡا (آل عمران:103)

مزید فرمایا: ''آپ بہت نیک کام کر رہے ہیں۔ اس کام کو جاری و ساری رکھیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور نصرتیں دنیا و آخرت میں تمہارے ساتھ ہونگی''۔ ابھی یہ مبارک لمحات جاری تھے کہ موذن کی اذانِ فجر سے میری آنکھ کھل گئی۔''

پروفیسر چودھری فضل احمد

پروفیسر میاں محمد یعقوب (شعبۂ اردو نیشنل سائنس کالج گوجرانوالہ) ایک ایمان افروز واقعہ یوں بیان کرتے ہیں:

''1966-67ء کی بات ہے، میں لاہور کے سنٹرل ٹریننگ کالج میں B.Ed کا طالب علم تھا۔ وہاں ہمارے ایک بزرگ پروفیسر تھے، چودھری فضل احمد، انھوں نے یہ واقعہ کلاس روم میں سنایا۔

''میں بیروت کی یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھا اور وہاں ہندوستان (تقسیم سے قبل) کے بہت سے طلبہ و طالبات زیر تعلیم تھے۔ ان میں سے ایک لڑکی (نام نہیں بتایا) بہت شوخ و شنگ اور الٹرا ماڈرن قسم کی تھی۔ اس کا تعلق ہندوستان کے کسی مسلمان نواب گھرانے سے تھا۔ وہ خود شاید فیشن کے طور پر کمیونزم کی پرچارک تھی۔

ایک دن ٹک شاپ پر اسلام اور کمیونزم کی بحث چل رہی تھی کہ اس ناہنجار لڑکی نے حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں ایک آدھ نازیبا لفظ کہہ دیا۔ میں نے اسے بے نقط سنائیں، بہت برا بھلا کہا اور ہمیشہ کے لیے اس سے قطع کلامی کر لی۔ پھر یوں ہوا کہ مجھے (پروفیسر فضل احمد) اور اس نابکار لڑکی کو جو اپنی امارت اور حسن پر بہت نازاں تھی، دورانِ تعلیم ہی میں برص کا حملہ ہوا۔ اس نے اپنے حسن کو بچانے کے لیے اس وقت کے اعلیٰ ترین ڈاکٹروں اور ہسپتالوں کی طرف رجوع کیا لیکن برص پھیلتا چلا گیا اور وہ خود بھی پھیلتی چلی گئی، یعنی بے اندازہ موٹی ہو گئی۔ ہندوستان واپسی پر اس کا کہیں رشتہ نہ ہو سکا اور اپنی مضحک ہیئت کذائی کی وجہ سے اس نے گھر سے نکلنا بھی چھوڑ دیا اور وہ جو کبھی جانِ محفل ہوا کرتی تھی، سوسائٹی میں نسیاً منسیاً ہو گئی۔

اُدھر واپسی کے بعد میں نے جہلم کے ایک ڈاکٹر سے علاج کروایا اور اللہ کے فضل سے (چہرہ پر ایک آدھ داغ کے سوا) شفا ہو گئی۔"

تقریباً ساری کلاس نے سوال کیا۔ "سر! اسے تو رحمۃ للعالمین ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کے سبب یہ سزا ملی، آپ پر برص کیوں حملہ آور ہوا؟"

بوڑھے پروفیسر کے جواب نے نہ صرف کلاس کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا بلکہ سب کو آنسوؤں سے رُلا دیا۔ فرمایا "مجھے اس وجہ سے برص ہوا کہ میں نے گالیوں پر اکتفا کیوں کیا اور اسے اُسی دم قتل کیوں نہ کر دیا۔"

اختر شیرانی

ہمارے ہاں کے تو رندانِ بلانوش کا بھی حال یہ ہے کہ شراب کی ساری سرمستیاں اور نشہ کی تمام مدہوشیاں حضور رسالت مآب ﷺ کا دامانِ ادب ان کے لرزتے ہاتھوں سے چھڑانے میں بھی کامیاب نہیں ہوتیں۔ اور یہ "دیوانے" اپنے اس حال میں بھی "با محمد ہوشیار" کا پاس نہیں بھولتے۔

شہرۂ آفاق شاعر اختر شیرانی رومانوی شاعری میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ ان کے بارے میں ایک معروف نقاد نے کہا تھا کہ وہ وصل کی آرزو اس طرح کرتا ہے جس طرح بچہ ٹافی مانگتا ہے۔ مجاہد ختم نبوت آغا شورش کاشمیریؒ فرماتے ہیں کہ عرب ہوٹل میں ایک دفعہ بعض کمیونسٹ نوجوانوں نے جو بلا کے ذہین تھے، اختر شیرانی سے مختلف موضوعات پر بحث چھیڑ دی۔ وہ اس وقت تک شراب کی دو بوتلیں چڑھا چکے تھے اور ہوش قائم نہ تھے۔ تمام بدن

پر رعشہ طاری تھا، حتیٰ کہ الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر زبان سے نکل رہے تھے۔ ادھر اَنا کا شروع سے یہ حال تھا کہ اپنے سوا کسی کو نہیں مانتے تھے۔ جانے کیا سوال زیر بحث تھا۔ فرمایا مسلمانوں میں تین شخص اب تک ایسے پیدا ہوئے ہیں جو ہر اعتبار سے جینئس (Genios) بھی ہیں اور کامل الفن بھی۔ پہلے ابوالفضل، دوسرے اسد اللہ خاں غالب، تیسرے ابوالکلام آزاد۔ شاعر وہ شاذ ہی کسی کو مانتے تھے۔ ہمعصر شعرا، میں جو واقعی شاعر تھا، اسے بھی اپنے سے کمتر خیال کرتے تھے۔ کمیونسٹ نوجوانوں نے فیض کے بارے میں سوال کیا، طرح دے گئے۔ جوش کے متعلق پوچھا، کہا وہ ناظم ہے۔ سردار جعفری کا نام لیا، مسکرا دیے۔ فراق کا ذکر چھیڑا، ہونہہ ہاں کر کے چپ ہو گئے۔ ساحر لدھیانوی کی بات کی، سامنے بیٹھا تھا۔ فرمایا، مشق کرنے دو۔ ظہیر کاشمیری کے بارے میں کہا ''نام سنا ہے۔'' احمد ندیم قاسمی؟ فرمایا ''میرا شاگرد ہے۔'' نوجوانوں نے دیکھا کہ ترقی پسند تحریک ہی کے منکر ہیں، تو بحث کا رخ پھیر دیا۔

''حضرت! فلاں پیغمبر کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ نشہ میں چور تھے۔ زبان پر قابو نہیں تھا، لیکن چونک کر فرمایا:

''کیا بکتے ہو؟''

''ادب وانشا یا شعر و شاعری کی بات کرو۔'' کسی نے فوراً ہی افلاطون کی طرف رخ موڑ دیا۔ ''ان کے مکالمات کی بابت کیا خیال ہے؟'' ارسطو اور سقراط کے بارے میں سوال کیا، مگر اس وقت وہ اپنے موڈ میں تھے، فرمایا۔ ''اجی پوچھو یہ کہ ہم کون ہیں۔ یہ افلاطون، ارسطو یا سقراط آج ہوتے، تو ہمارے حلقہ میں بیٹھتے، ہمیں ان سے کیا؟ کہ ان کے بارے میں رائے دیتے پھریں۔'' اس لڑکھڑاتی ہوئی گفتگو سے فائدہ اٹھا کر ایک قادیانی نوجوان نے سوال کیا۔

''آپ کا محمد ﷺ کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

اللہ اللہ! ایک شرابی، جیسے کوئی برق تڑپی ہو، بلور کا گلاس اٹھایا اور اس کے سر پر دے مارا۔

''بدبخت ایک عاصی سے سوال کرتا ہے۔ ایک سیاہ رُو سے پوچھتا ہے! ایک فاسق سے کیا کہلوانا چاہتا ہے؟''

تمام جسم کانپ رہا تھا۔ ایکا ایکی رونا شروع کیا۔ گھگی بندھ گئی ''تم نے اس حالت

میں یہ نام کیوں لیا۔ تمھیں جرأت کیسے ہوئی.... ؟ گستاخ! بے ادب!!

باخدا دیوانہ باش و با محمد ﷺ ہوشیار!

اس شریر سوال پر توبہ کرو، تمہارا خبث باطن سمجھتا ہوں۔ خود قہر و غضب کی تصویر ہو گئے۔ اس قادیانی کو محفل سے اٹھوا دیا پھر خود اٹھ کر چلے گئے۔ تمام رات روتے رہے۔ کہتے تھے یہ بد بخت اتنے نڈر ہو گئے ہیں کہ ہمارا آخری سہارا بھی ہم سے چھین لینا چاہتے ہیں، میں گنہگار ضرور ہوں لیکن یہ مجھے کافر بنانا چاہتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دنیائے ہست و بُود کو زینت تمہی ﷺ تو ہو
اس باغ کی بہار کے ساماں تمہی ﷺ تو ہو
دنیا کی آرزوئیں فنا آشنا ہیں سب
جو روح زندگی ہے وہ ارماں تمہی ﷺ تو ہو
صبح ازل سے شام ابد تک ہے جس کا نور
وہ جلوہ زار حُسن درخشاں تمہی ﷺ تو ہو
دُنیا و آخرت کا سہارا تمہاری ﷺ ذات
دونوں جہاں کے والئی و سلطان تمہی ﷺ تو ہو
اختر کو بے نوائی دُنیا کی فکر کیا
ساماں طرازِ بے سر و ساماں تمہی ﷺ تو ہو
(اختر شیرانی)

صبا حسین چوہدری

یہ جون 1999ء کا واقعہ ہے۔ برطانیہ کے شہر مانچسٹر میں واقع لڑکیوں کے اہم سکول Levenshulme High School کے ہال میں تقریری مقابلہ ہو رہا تھا۔ موضوع تھا Famous Religious Person (مشہور مذہبی شخصیت) اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے ایک بچی نے حضور نبی کریم ﷺ کی شخصیت کو اپنی تقریر کا موضوع بنایا۔ اپنی تقریر کے دوران میں یہ بچی جب بھی لفظ ''محمد'' ادا کرتی تو غیر ارادی طور پر ''صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' نہ کہتی۔ کلاس میں بیٹھی صبا حسین چوہدری نامی ایک بچی کو یہ حرکت انتہائی ناگوار گزری، اس غیر ارادی لغزش کو ایک دو دفعہ برداشت کرنے کے بعد اس بچی سے نہ رہا گیا، پھر وہ

اچانک اپنی نشست سے اٹھی اور زوردار الفاظ میں بے اختیار پکار اٹھی۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ہال میں سناٹا چھا گیا۔ سکول کی تاریخ میں پہلی بار کسی نے نظم و ضبط کی خلاف ورزی کی تھی۔ بچی کو فوری طور پر ہال سے باہر نکال دیا گیا۔ یہودی و عیسائی اساتذہ اور ماہرین نفسیات پر مشتمل بورڈ نے بچی سے متعدد سوالات کیے اور اس بے ساختہ حرکت کے بارے میں پوچھا۔ بچی نے ہچکیوں اور سسکیوں میں ایمان افروز جواب دیا ''جب کوئی شخص ہمارے پیارے نبی حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا اسم گرامی استعمال کرتا ہے تو اس پر فرض ہے کہ وہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ادا کرے۔ میں اس پر ولی Compromise نہیں کر سکتی۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا اسم گرامی سن کر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ کہنا میرا ایمانی و دینی استحقاق اور اولین فریضہ ہے۔ اس فریضہ اور استحقاق کی ادائیگی سے مجھے ڈسپلن کے نام پر نہیں روکا جا سکتا۔'' برطانیہ ایسے سیکولر، مادر پدر آزاد اور جنسی بے راہروی کے شکار معاشرے میں ایسی بچیاں اسلام کے روشن اور محفوظ مستقبل کی ضمانت ہیں۔

تحریک ختم نبوت 1953ء کے ایمان افروز واقعات

تحریک ختم نبوت 1953ء میں لاہور، لائل پور (فیصل آباد)، گوجرانوالہ، سیالکوٹ، ساہیوال، راولپنڈی، سرگودھا اور دوسرے تمام شہروں اور قصبوں کی حالت یہ تھی کہ رضا کار اپنے اپنے بھرتی کے مراکز پر آتے، جسم پر بڑی دلیری سے زخم لگاتے اور خون سے حلف نامے پر دستخط یا انگوٹھا ثبت کر دیتے تھے۔ رضا کاروں کا یہ جذبہ گفتنی نہیں، دیدنی تھا۔ بس ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے ان نوجوانوں کے سینوں میں قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے دل دھڑکنے لگ گئے ہیں اور یہ دنیا و مافیہا سے منہ موڑ کر خواجۂ بطحا ﷺ کی حرمت پر قربان ہو جانا چاہتے ہیں۔

لکھتا ہوں خونِ دل سے یہ الفاظ احمریں
بعد از رسول ﷺ ہاشمی کوئی نبی نہیں

☐ مجاہد ختم نبوت مظفر علی شمسیؒ 1953ء کی تحریک ختم نبوت میں دیگر رہنماؤں کے ساتھ گرفتار ہو گئے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور دیگر اکابرین کے ساتھ سکھر جیل کی ایک کوٹھڑی میں انہیں بند کر دیا گیا۔ عیدالفطر کا دن تھا، مظفر علی شمسی کی شدید بیمار بہن کا خط بھائی کو جیل میں اسی روز ملتا ہے جسے پڑھ کر آنکھیں پرنم ہو جاتی ہیں۔

''میرے بھیا! اس امتحان میں آپ کو پریشان کرنا نہیں چاہتی۔ اب قریب المرگ ہوں۔ بخار دامن نہیں چھوڑتا، 104 درجہ حرارت سے گرتا نہیں، کھانسی زوروں پر ہے۔ محبوب بھائی ڈاکٹر کو لائے تھے۔ ایکسرے میں ٹی بی کی ابتدائی منزل ہے۔ ماں باپ نے مجھے آپ کے سپرد کیا تھا اور اب موت مجھے لیے جا رہی ہے۔ کاش کہ میرے آخری وقت آپ میرے پاس ہوتے۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے نام پر جو مصائب برداشت کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو استقلال بخشے اور قیامت کے دن آپ کی قربانی ہمیں دربارِ رسالت ﷺ میں سرخرو کرے، آپ بہادری سے قید کاٹیں۔ اگر زندہ رہی تو مل لوں گی ورنہ میری قبر پر تو آپ ضرور آئیں۔ سب بچے سلام کہتے ہیں، اب ہاتھ میں طاقت نہیں، لہٰذا خط ختم کرتی ہوں۔

بھیا سلام

آپ کی بہن

اس خط سے شاہ صاحب سمیت تمام راہنما آبدیدہ ہو گئے۔ سب نے عزیزہ کی صحت کے لیے دعا کی۔ اس خط کا مطلب وہی سمجھ سکتا ہے جو وطن سے دور ہو اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہا ہو۔

- مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا مظفر علی شمسی فرماتے ہیں:

''تحریک ختم نبوت 1953ء میں ایک عورت اپنے بیٹے کی شادی کی برات لے کر دہلی دروازہ کی جانب آ رہی تھی۔ سامنے سے تڑتڑ کی آواز آئی۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ آقائے نامدار ﷺ کی عزت و ناموس کے لیے لوگ سینہ تانے بٹن کھول کر گولیاں کھا رہے ہیں تو اس عورت نے برات کو معذرت کر کے رخصت کر دیا۔ پھر اپنے بیٹے کو بلا کر کہا کہ بیٹا آج کے دن کے لیے میں نے تمھیں جنا تھا۔ جاؤ اپنے پیارے آقا ﷺ کی عزت پر قربان ہو کر دودھ بخشوا جاؤ، میں تمہاری شادی اس دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں کروں گی اور تمہاری برات میں آقائے نامدار ﷺ کو مدعو کروں گی۔ جاؤ پروانہ وار شہید ہو جاؤ تا کہ میں فخر کر سکوں کہ میں بھی شہید کی ماں ہوں۔ بیٹا ایسا سعادت مند تھا کہ تحریک میں ماں کے حکم پر آقائے نامدار ﷺ کی عزت و ناموس کے تحفظ کے لیے شہید ہو گیا۔ جب لاش لائی گئی تو گولی کا کوئی نشان پشت پر نہ تھا۔ سب گولیاں سینہ پر کھائیں۔''

یہ منصب بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

□ مولانا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''تحریک ختم نبوت میں ایک طالب علم کتابیں ہاتھ میں لیے کالج جا رہا تھا۔ سامنے تحریک میں شامل لوگوں پر گولیاں چل رہی تھیں۔ کتابیں رکھ کر جلوس کی طرف بڑھا۔ کسی نے پوچھا یہ کیا۔ جواب میں کہا: ہمیشہ پڑھتا رہا ہوں، آج عمل کرنے جا رہا ہوں۔ جاتے ہی ران پر گولی لگی، گر گیا۔ پولیس والے نے آ کر اٹھایا تو شیر کی طرح گرجدار آواز میں کہا: ظالم گولی ران پر کیوں ماری ہے، عشق مصطفیٰ ﷺ تو دل میں ہے، یہاں دل پر گولی مارو تا کہ قلب وجگر کو سکون ملے۔''

جو سوچتا رہا، رہا گمنام و نامراد
جو بڑھ کے جل گیا، وہی پروانہ بن گیا

□ تحریک ختم نبوت میں لاہور کی سڑکوں پر ایک مسلمان دیوانہ وار ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لگا رہا تھا۔ ایک پولیس والے نے پکڑ کر تھپڑ مارا۔ اس پر اس نے پھر ختم نبوت زندہ باد کا نعرہ لگایا۔ پولیس والے نے بندوق کا بٹ مارا، اس نے پھر نعرہ لگایا۔ وہ مارتے رہے، یہ نعرہ لگاتا رہا۔ اسے اٹھا کر گاڑی میں ڈالا، یہ زخموں سے چُور چُور پھر بھی ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لگاتا رہا۔ اسے گاڑی سے اتارا گیا تو بھی وہ نعرہ لگاتا رہا۔ اسے فوجی عدالت میں لایا گیا اس نے عدالت میں آتے ہی ختم نبوت کا نعرہ لگایا۔ میجر نے کہا ایک سال سزا۔ اس نے سال کی سزا سن کر پھر ختم نبوت کا نعرہ لگایا۔ اس نے سزا دو سال کر دی، اس نے پھر نعرہ لگا دیا غرضیکہ میجر سزا بڑھاتا رہا اور یہ مسلمان نعرہ ختم نبوت بلند کرتا رہا۔ فوجی عدالت جب بیس سال پر پہنچی، دیکھا کہ بیس سال کی سزا سن کر یہ پھر بھی نعرہ سے باز نہیں آ رہا۔ تو میجر نے کہا کہ عدالت سے باہر لے جا کر ابھی اسے گولی مار دو۔ اس نے گولی کا سن کر دیوانہ وار رقص کرنا شروع کر دیا اور ساتھ ختم نبوت زندہ باد، ختم نبوت زندہ باد کے فلک شگاف ترانہ سے ایمان پرور اور وجد آفریں کیفیت طاری کر دی۔ یہ حالت دیکھ کر عدالت نے کہا کہ اسے رہا کر دو، یہ دیوانہ ہے، اس نے رہائی کا سن کر پھر نعرہ لگایا۔ ختم نبوت زندہ باد

(قارئینِ کرام! میں یہ ایمان پرور واقعہ لکھتے ہوئے نعرہ لگاتا ہوں اور آپ پڑھتے ہوئے نعرہ لگائیں۔ ختم نبوت زندہ باد، ختم نبوت زندہ باد، ختم نبوت زندہ باد)

□ تحریک ختم نبوت 53ء میں دہلی دروازہ لاہور کے باہر صبح سے عصر تک جلوس نکلتے رہے اور دیوانہ وار سینوں پر گولیاں کھا کر آقائے نامدار ﷺ کی عزت و ناموس پر جان قربان

کرتے رہے۔ عصر کے بعد جب جلوس نکلنے بند ہو گئے تو ایک اسّی سالہ بوڑھا اپنے معصوم پانچ سالہ بچے کو اپنے کندھے پر اٹھا کر لایا۔ باپ نے ختم نبوت کا نعرہ لگایا۔ معصوم بچے نے جو باپ سے سبق پڑھا تھا، اس کے مطابق زندہ باد کہا۔ دو گولیاں آئیں، اسّی سالہ بوڑھے باپ اور پانچ سالہ معصوم بچے کے سینے سے شائیں کر کے گزر گئیں، دونوں شہید ہو گئے۔ مگر تاریخ میں اس نئے باب کا اضافہ کر گئے کہ اگر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس پر مشکل وقت آئے تو مسلمان قوم کے اسّی سالہ بوڑھے خمیدہ کمر سے لے کر پانچ سالہ معصوم بچے تک سب جان دے کر اپنے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کا تحفظ کرتے ہیں۔

مسافروں سے کہو رات سے شکست نہ کھائیں
میں لا رہا ہوں خود اپنے لہو سے بھر کے چراغ

□ حضرت مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری راوی ہیں:

”1953ء کی تحریکِ ختم نبوت میں گرفتاری کے لیے پیش ہونے والے مجاہدینِ ختمِ نبوت کو پولیس پکڑ کر کراچی سے بلوچستان کی طرف تقریباً سو میل دُور ایک مقام پر چھوڑ کر آئی، لیکن پولیس والوں کی حیرت کی انتہاء نہ رہتی جب ٹھیک تین چار گھنٹوں بعد انہی کارکنوں کو وہ کراچی میں پھر جلوس نکالتے ہوئے پاتے۔ پولیس انکوائری کر کر کے تھک گئی کہ کونسی طاقت ان کو اس دُور کے جنگل سے اتنی جلدی کراچی میں پہنچا دیتی ہے؟ زمین سمیٹ دی جاتی ہے؟ غائبانہ سواری کا انتظام ہوتا ہے؟ یا اس گروہ کو لانے والی کوئی مستقل تنظیم ہے؟ بہرحال پولیس کے لیے یہ معمہ رہا، اور واقعہ یہ ہے کہ تمام کارکنوں کو جونہی دُور دراز کے جنگل میں چھوڑا جاتا، اللہ ربّ العزت ان کے لیے فی الفور کراچی پہنچانے کا انتظام فرما دیتے، وہ کارکن کراچی آتے ہی پھر تحریک کے الاؤ کو روشن کرنے میں لگ جاتے، بالآخر پولیس نے تھک کر یہ پروگرام ترک کر دیا۔“

مولانا مزید فرماتے ہیں: ”ایک دفعہ پولیس والے مجاہدینِ ختمِ نبوت کے ایک جتھے کو رات کے وقت گرفتار کر کے دُور کے ایک جنگل میں چھوڑ آئے، پولیس کے جانے کے بعد یہ مجاہد چند قدم چلے تو روشنی نظر آئی، وہاں گئے تو جنگل میں چند گھرانے آباد دیکھے، ان گھرانوں میں سے ایک آدمی باہر آیا، ان مجاہدین کو بلایا، دُعا دی، راستہ اور حفاظت کا وظیفہ بتلایا، یہ حضرات چند گھنٹوں میں کراچی پہنچ گئے۔ پولیس والے سو کر بھی نہ اُٹھے ہوں گے کہ یہ حضرات

کراچی میں پھر ختمِ نبوت کے جلوس نکالنے میں مصروف ہو گئے۔ جنگل میں کونسی قوم آباد تھی؟ وہ آدمی از خود بغیر آواز دیے، کیسے رات کے وقت باہر آیا؟ کراچی کا راستہ اور حفاظت کا وظیفہ کیوں بتلایا؟ دُعا کیوں دی؟ وہ کون تھا؟ ان مجاہدین کے ساتھ ان کا یہ شفیق برتاؤ کیوں؟ آج تک اہلِ دُنیا کے لیے یہ معمہ ہے، مگر اہلِ نظر خوب جانتے ہیں کہ ان حضرات پر ختم نبوت کی وجہ سے اللہ رَبُّ العزت کے اِنعامات کی بارش ہو رہی تھی۔"

☐ شاعرِ ختم نبوت سیّد امین گیلانی ؒ فرماتے ہیں:

"جنرل اعظم کے حکم سے لاہور میں کشتوں کے پشتے لگ رہے تھے، تحریک ختم نبوت 1953ء اپنے جوبن پر تھی۔ پولیس مجھے اور میرے بہت سے ساتھیوں کو ہتھکڑیاں پہنا کر قیدیوں کی بس میں بٹھا کر شیخوپورہ سے لاہور کی طرف روانہ ہو گئی۔ اسیرانِ ختم نبوت بس میں ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لگاتے ہوئے جب لاہور کی حدود میں داخل ہوئے تو ملٹری نے بس روک لی اور سب انسپکٹر کو نیچے اترنے کا حکم دیا۔ ایک ملٹری آفیسر نے اس سے چابی لے کر بس کا دروازہ کھول دیا اور بڑے رعب و جلال سے گرجا، تمھیں معلوم نہیں نعرے لگانے والے کو گولی مارنے کا حکم ہے، کون نعرے لگاتا تھا؟ اس اچانک صورتحال سے سب پر ایک سکوت سا طاری ہو گیا۔ معاً میرا ہاشمی خون کھول اٹھا۔ میں نے تن کر کہا "میں لگاتا تھا۔" اس نے بندوق میرے سینے پر تان کر کہا، اچھا اب نعرہ لگاؤ۔ میں نے پُر جوش آواز میں نعرہ لگایا "میرا کملی والا" سب نے بآواز بلند جواب دیا "زندہ باد"۔ اس کی بندوق کی نالی نیچے ڈھلک گئی، منہ پھیر کر کہا، "ہاں وہ تو زندہ باد ہی ہے۔" اور بس سے اتر گیا۔ ایسا معلوم ہوا کہ جنت جھلک دکھا کر اوجھل ہو گئی۔ پھر اس نے سب انسپکٹر سے کچھ کہا۔ اس نے بس کا دروازہ مقفل کر دیا۔ چند منٹوں کے بعد ہم بورسٹل جیل لاہور میں تھے۔"

☐ عالمی مجلسِ تحفظ ختمِ نبوت واہ کینٹ کے حضرت مولانا عبدالقیوم مدظلہ نے اپنے علاقہ کا ایک ایمان پرور واقعہ سنایا کہ تحریک ختم نبوت 1974ء میں واہ کینٹ میں ایک جلوس نکلا۔ پولیس نے جلوس کے کئی شرکاء کو گرفتار کر لیا۔ ان میں ایک سات سالہ بچہ بھی تھا۔ مقامی ڈی، ایس، پی نے اس بچے کو مرغا بنا کر پوچھا: "بتاؤ تمہاری پیٹھ پر کتنے جوتے ماروں۔" بچے نے بڑی ایمانی جرأت اور معصومیت سے جواب دیا: "اتنے جوتے مارنا جتنے تم قیامت کے دن کھا سکتے ہو۔" اتنا سننا تھا کہ ڈی، ایس، پی مارے خوف کے پسینہ پسینہ ہو گیا اور اس بچے کو سینہ سے لگایا،

پیار کیا، گھر لے گیا، کھانا کھلایا، رقم دی، پاؤں پکڑ کر معافی مانگی اور فوراً گھر چھوڑنے گیا۔

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
شباب جس کا ہو بے داغ ضرب ہو کاری

□ چودھری نذیر احمد صاحب بھائی پھیرو میں کریانہ کا کاروبار کرتے ہیں۔ 1953ء کی تحریک ختم نبوت کا واقعہ انہی کی زبانی سنیے اور اپنے ایمان کو تر و تازہ کیجئے، فرماتے ہیں:

''میری شادی کے چند ماہ بعد تحریک ختم نبوت 1953ء شروع ہوئی۔ میں تحریک میں بھرپور حصہ لینے کے لیے ننکانہ صاحب سے لاہور، مسجد وزیر خاں چلا گیا۔ یہاں روزانہ جلسہ ہوتا اور جلوس نکلتے۔ ایک دن جنرل سرفراز، جو غالباً اس وقت لاہور کا کور کمانڈر تھا، کے کہنے پر مسجد کی بجلی اور پانی کا کنکشن کاٹ دیا گیا۔ اس پر مسجد میں ایک احتجاجی جلسہ ہوا، پھر جلوس نکلا۔ میں اس جلوس میں شامل تھا۔ فوج نے ہمیں گرفتار کر لیا۔ چند احباب کے ہمراہ سرسری سماعت کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ میرا نمبر آخر میں تھا۔ میری باری پر قادیانی میجر جنرل حیاء الدین صاحب نے کہا کہ معافی مانگ لو کہ آئندہ تحریک میں حصہ نہیں لو گے تو ابھی بری کر دوں گا۔ میں نے مسکراتے ہوئے میجر کو کہا کہ آپ کی بات سمجھ میں نہیں آ رہی کہ حضور نبی کریم ﷺ کی عزت و ناموس کا مسئلہ ہو اور ایک امتی کی شفاعت کا ذریعہ ہو اور پھر وہ معافی مانگ لے؟ میجر نے کہا کہ سامنے لان میں چلے جاؤ۔ آدھا گھنٹہ اچھی طرح سوچ لو۔ میں لان میں بیٹھ گیا۔ پھر پیش کیا گیا تو میجر جنرل نے کہا کہ معافی مانگ لو۔ میں نے مسکراتے ہوئے میجر کو جواب دیا کہ شاید آپ کو اس مسئلہ کی اہمیت کا علم نہیں، آپ کی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی کہ اس مسئلہ میں معافی کیا ہوتی ہے؟ اس پر میجر حیاء الدین نے غصہ کی حالت میں میرے منہ پر ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کیا اور آٹھ ماہ قید بامشقت اور 500 روپے جرمانہ کا حکم دیا، جسے میں نے بخوشی قبول کر لیا۔ میرے نامۂ اعمال میں میری بخشش کے لیے یہی ایک نیکی کافی ہے۔''

□ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب راوی ہیں: ''1953ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران بطور ڈاکٹر میری تعیناتی میو ہسپتال میں تھی۔ ہم چند دوست ہسپتال کی چھت پر کھڑے تھے۔ اچانک دیکھا کہ نسبت روڈ چوک کی جانب سے ختم نبوت کے پروانوں کا ایک جلوس بڑھتا ہوا آ رہا ہے، جسے روکنے کے لیے فوج نے ہسپتال کے گیٹ کے آگے ریڈ لائن لگا دی اور انتباہ کر دیا کہ جو بھی

اسے پار کرے گا، اسے گولی مار دی جائے گی۔ یہ ایک ایسا انتباہ اور ایسی وارننگ تھی، جسے عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ کی پوری تاریخ میں کبھی پرکاہ سی اہمیت بھی حاصل نہ رہی، یہاں بھی یہی ہوا، جلوس نامِ محمد ﷺ کی عظمتوں کے ترانے بلند کرتا ہوا اسی آن سے آگے بڑھتا رہا۔ ریڈ لائن پہ اک لمحے کو رُکا۔ دوسرے ہی لمحے چشم فلک نے دیکھا کہ غلامیِ رسول پہ ناز کرنے والا ایک خوبرو نوجوان آگے بڑھا، اس نے اپنا سینہ کھولا اور نعرہ لگایا ختم نبوت زندہ باد اور سرخ لائن کراس کر گیا۔ دوسری طرف سے قادیانیت نواز کی بندوق سے گولی نکلی اور سرخ سرحد عبور کرنے والا جوان، عشقِ مصطفیٰ ﷺ کے سفر میں اتنا تیز نکلا کہ ایک ہی جست میں زندگی کی سرحد عبور کر کے قدم بوسیِ حضور ﷺ کے لیے روانہ ہو گیا۔ چنانچہ ہم نے دیکھا کہ اسی رفتار سے دوسرا جوان آگے بڑھا، اس نے بھی گریبان چاک کیا اور پوری قوت سے نعرہ زن ہوا، ختم نبوت زندہ باد، ظلم وتشدد کی روایت کے مطابق ادھر سے گولی آئی اور عشق ومحبت کی تاریخ کا اک اور صفحہ رنگین کرتے ہوئے گزر گئی، وہ جوان لڑکھڑایا اور لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ لیے راہی فردوسِ بریں ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ تیسرا نوجوان آگے بڑھتا، ہم چھت سے نیچے آ چکے تھے اور ادھر خبر ملی کہ ان دونوں جوانوں کے لاشے بھی ہسپتال پہنچ چکے ہیں۔ دورانِ زیارت معلوم ہوا کہ دونوں جوان سگے بھائی تھے۔"

یاد ہم تم کو شہیدانِ نبی کرتے ہیں! ناز ہم تم پہ عزیزانِ نبی کرتے ہیں
بے گماں خون شہیدانِ نبی کے چھینٹے چشم عالم میں فزوں شانِ نبی کرتے ہیں
سر بکف کفر کے باطل کے مقابل ہوں گے عہد و پیان ثناء خوانِ نبی کرتے ہیں
اپنے نزدیک تو ہیں قابل شمشیر و سناں جو بھی توہین رفیقانِ نبی کرتے ہیں
اے بخاری! تیری عظمت تیری رفعت کی قسم عہد تقلید شہیدانِ نبی کرتے ہیں
مشکبو کرتے ہیں کانٹوں کو اگر ہم تو فقط بہر تزئین گلستانِ نبی کرتے ہیں
کسی کذاب و مفتنِ نے اگر دعویٰ کیا جان قربان غلامانِ نبی کرتے ہیں

کاروان سیّد یثرب کا چلے گا ہر سو
یہ صدا آج حدی خوانِ نبی کرتے ہیں!

(اکرام الحق سرشار)

غدارانِ ختم نبوت کا انجام

تحریک ختم نبوت کے قاتلوں میں ایک نام ملک غلام محمد کا بھی آتا ہے۔ننگ ملت،ننگ دیں، ننگ وطن...... اس کا ذہنی توازن ٹھیک نہ تھا۔ وہ فالج اور ہائی بلڈ پریشر کا مریض تھا اور چلنے پھرنے سے بالکل معذور، اس لیے اکثر مریضوں والی کرسی پر بیٹھ کر گورنر ہاؤس کا گشت کیا کرتا تھا۔اس کے ہاتھوں میں رعشہ تھا اور اپنے دستخط کے علاوہ مزید کچھ لکھنے کے قابل نہ تھا۔ فالج نے اس کی زبان اور چہرے کے حصے کو خاصا متاثر کیا تھا جس کی وجہ سے اس کی گفتگو کسی کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ وہ غصے میں چیخ چیخ کر اول فول بکتا تو منہ سے جھاگ نکلنے لگتی۔ پھر تھوتھو کرنے لگتا جس سے اس کا کوٹ اور آستین بری طرح گندے ہو جاتے اور پھر اس کی خوبرو سیکرٹری مس بورل جسے وہ امریکہ سے ایک سرکاری دورہ میں پسند کر کے اپنے ساتھ لایا تھا، صاف کرتی۔ اس کے ذہن کا عضلاتی نظام اس قدر کمزور ہو گیا تھا کہ وہ کھانے پینے کی کوئی شے بھی منہ میں ڈالتا تو اس کا کچھ حصہ دونوں کونوں سے باہر گرتا رہتا تھا۔ اس کے باوجود اس کا سازشی ذہن بہت تیزی سے سازش بنتا۔ بقول پروفیسر جمیل احمد عدیل ”قطع نظر وہ امور مملکت کیسے چلاتے تھے۔گالیوں کی ادائیگی کا کام بڑی عمدگی سے چلاتے رہے۔ اپنے آفس میں انہوں نے بڑی مقفّی و مسجع گالیوں کا ایک طویل مگر خوش خط چارٹ آویزاں کروالیا تھا۔ جسے جو گالی دینا مطلوب ہوتا، ملک صاحب اس خاص گالی کو اپنی چھڑی کی نوک لگا کر اپنے جذبات کا اظہار کر دیتے۔“

؎ اور اک تو ہے کہ تیرا سایہ بھی نجس

تحریک ختم نبوت 1953ء کے ہزاروں شہدا کے قاتلوں میں سکندر مرزا کا نام بھی سرفہرست ہے۔ 1952ء سے اکتوبر 1958ء تک سکندر مرزا پاکستان کے مطلع سیاست پر اس طرح چھایا رہا کہ اس کی ہیبت اور دبدبے کا شہرہ چاردانگ عالم میں تھا۔ اس کے اشارہ ابرو کے بغیر پاکستان میں کوئی پتا تک نہیں ہلتا تھا، وہ مشرقی پاکستان کی گورنری کے عہدے پر فائز رہا پھر اس نے مرکزی حکومت میں سیکرٹری داخلہ اور دفاع کے فرائض سرانجام دیئے، پھر ایوان صدر کراچی کی غلام گردشوں میں کوئی ایسا کھیل کھیلا کہ مفلوج و معذور ملک غلام محمد کو نکال باہر کیا اور قائداعظمؒ کی کرسی پر مسلط ہو گیا۔ اس کے دور میں چودھری محمد علی، سہروردی، چندریگر اور پھر

ملک فیروز خان نون کی چھٹی ہوئی۔ اس طرح پاکستان کی سیاست میں اس نے وزرائے اعظم کی تقرری اور برطرفی کا ایک ایسا ریکارڈ قائم کیا جس کی شکست کا مسئلہ کسی طالع آزما "صدر" کا منتظر ہے۔ وہ اپنے نامزد کردہ پانچویں (جنرل ایوب خان) وزیراعظم کو بھی چھٹی دینے کے لیے تیار ہو گیا لیکن ایوب خان اس کھیل میں اس سے بازی لے گیا اور اسے بیک بینی و دو گوش ایوان صدر سے ہی نہیں بلکہ ملک سے بھی نکال باہر کیا۔ اپنے دور اقتدار میں ملک کی قسمت کا مالک بننے والے جنرل مرزا کو لندن کے ایک ہوٹل میں منیجر کا عہدہ ہی مل سکا اور اقتدار کے دور میں حاصل کردہ صرف ایک ہی چیز اس کی رفیق سفر رہی یعنی اس کی اہلیہ ناہید سکندر مرزا۔ بیگم ناہید جو پاکستان میں متعین ایک ایرانی پریس اتاشی کی اہلیہ تھی، کسی تقریب میں سکندر کی نگاہ انتخاب کا معیار ٹھہری اور جس طرح ایرانی شوہر سے اس نے نجات حاصل کی، وہ ایک طویل اور شرمناک کہانی ہے۔

سکندر مرزا نے ملک میں دو مارشل لاء لگائے۔ اس لحاظ سے بھی یہ ایک ریکارڈ ہے۔ تاحال کسی کو یہ "دوہری سعادت" حاصل نہیں ہو سکی۔ وہ ملک کا آخری گورنر جنرل اور پھر پہلا صدر مقرر ہوا۔ یہ ایک ایسا منفرد ریکارڈ ہے جو کسی بھی نہیں ٹوٹے گا۔ وہ چانکیہ اور میکاولی ازم کا معجون مرکب تھا اور ان سے کام لے کر وہ پاکستانی سیاست کا مرد آہن بن گیا۔ امریکی سفارت خانے اور ایوان صدر کے درمیان گہرے رابطے انہی دنوں استوار ہوئے کہ اس کے صاحبزادے نے امریکی سفیر کی صاحبزادی کو اپنی زوجیت میں لیا اور پھر اس کی اولاد کو "اموبیہ لارنس مرزا" کا منفرد نام دیا گیا۔ سیکرٹری دفاع کی حیثیت سے اس کے حکم پر لاہور میں 1953ء کا مارشل لاء لگایا گیا اور پھر اسے ہی یہ سعادت حاصل ہوئی کہ 1958ء میں انہوں نے اس آئین ہی کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا جس کی اس نے منظوری دی تھی اور اسی آئین نے اسے اسلامی جمہوریہ پاکستان کا پہلا صدر ہونے کا اعزاز بخشا۔ سکندر مرزا کا عہد اقتدار ہماری تاریخ کا ایک ایسا حصہ ہے۔ جس کی ایک ایک سطر عبرت کا مرقع ہے۔ اس نے اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کے لیے کیا کیا تدبیریں اختیار نہ کیں، سازشوں اور ریشہ دوانیوں کی ایک نئی روایت کی داغ بیل ڈالی جو اب ایک تن آور درخت کی شکل اختیار کر گیا۔ اس نے راتوں رات ری پبلکن پارٹی بنوائی جس کا سربراہ اپنے ایک قدیمی دوست ڈاکٹر خان صاحب کو بنایا اور پھر ان کی سادگی اور خلوص کو اپنے اقتدار کی مضبوطی کے لیے استعمال کیا۔ سکندر مرزا کے "کارناموں"

کا جائزہ لیا جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ پاکستانی قوم نے اپنے مزاج کے خلاف کیسے کیسے حکمرانوں کو برداشت کیا یا کیسے کیسے حکمرانوں نے پاکستانی عوام کے صبر وضبط کو آزمانے کی کوشش کی۔ اقتدار کے حصول کے لیے کیسے کیسے گھناؤنے کھیل کھیلے گئے اور ملک وعوام کے خلاف ایسی کونسی سازش تھی جو نہیں کی گئی۔ اوراگر قدرت کا دست غیب پاکستانی عوام کے سر پر سایہ فگن نہ ہوتا تو پاکستان اور پاکستانی قوم کا کیا حشر ہوتا، اس کے تصور ہی سے روح کانپ اٹھتی ہے۔ سکندر مرزا کے بارے میں ان گنت کہانیاں مشہور ہیں۔ ایک کہانی تو یہ ہے کہ اپنے زمانے کے معروف سمگلر قاسم بھٹی نے اس کی اہلیہ کو ایک لاکھ روپے کی مالیت کا ہار بطور تحفہ پیش کیا اور اس کے بدلے ان سے سونے کی سمگلنگ میں سر پرستی کی استدعا کی جو بارگاہ سلطانی میں قبول کی گئی۔ لیکن فوجی حکام نے اس زمانے میں ایک کروڑ روپے کا مالیتی سونا کراچی کے قریب سمندر سے برآمد کرلیا جس پر سکندر مرزا کی خفگی قابل دید تھی۔ اخبارات میں قاسم بھٹی اور سکندر مرزا کی ایک تصویر بھی شائع ہوئی تھی جس میں اپنے اپنے فن کے دوامام کھڑے مسکرا رہے تھے لیکن تقدیر ان پر مسکرا رہی تھی۔ ایک کو قید بامشقت اور دوسرے کو جلاوطنی کی سزا ملی۔ سکندر کو پھر اپنے پیشرو سکندر اعظم کی طرح اپنے وطن کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ کہتے ہیں سکندر اعظم کی پیدائش یورپ (یونان) میں ہوئی۔ موت ایشیا میں آئی اور اسے افریقہ میں دفن کیا گیا۔ یہ سکندر بھی ایشیا میں پیدا ہوا، یورپ میں مرا اور پھر اس سرزمین میں دفن ہوا جہاں اس کے پیشرو سکندر کی موت واقع ہوئی تھی۔

ڈھانپا کفن نے داغ عیوب برہنگی
ورنہ وہ ہر لباس میں ننگ وجود تھا

معروف دانشور جناب پروفیسر احمد فریدی اپنے مضمون ''میر جعفر حاضر ہو'' میں لکھتے ہیں۔

''27 اکتوبر 1958ء کی نصف شب، سکندر مرزا پاکستان کی صدارت سے جبراً مستعفی ہوگئے اور 13 نومبر 1969ء کو انگلستان میں انتقال کر گئے۔ ان کے انتقال کے تیس برس بعد، ان کے صاحب زادے (امویہ لارنس مرزا) نے جو تیس سال ورلڈ بینک کا نمک کھانے کے بعد اب ریٹائر ہو چکے ہیں، اپنے والد اور ان کے خاندان کے بارے میں ایک ضخیم کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے ''پلاسی سے پاکستان تک۔'' اس کتاب میں جو 1999ء

میں امریکہ میں شائع ہوئی، پانچ صفحات پر پھیلا ہوا ایک شجرہ نسب ہے۔ جس میں بڑے فخر سے بتایا گیا ہے کہ سکندر مرزا ساتویں پشت پر میر جعفر کی صلبی اولاد ہیں۔

یہ اکیسویں صدی ہے اور کچھ بعید نہیں ہے کہ قیامت کے وقوع سے پہلے یہ قیامت بپا ہو جائے کہ یزید کا کوئی جانشین بھی اپنے خاندان کی تاریخ، مصدقہ شجرہ نسب کے ساتھ، بڑے فخر سے کوفے، کربلا یا امریکہ سے شائع کرائے۔ وطن عزیز میں اس وقت سراج الدولہ کی کمی ہے نہ میر جعفر کی .... چنانچہ یہاں بھی صرف ایک واقعہ کا ذکر ہے۔ یہ 1953ء کی بات ہے۔ جب پاکستان اور خصوصاً پنجاب میں تحریک ختم نبوت عروج پر تھی۔ وزیراعظم خواجہ ناظم الدین نے مرکزی کابینہ کا خصوصی اجلاس کیا۔ سکندر مرزا کو جو اس وقت وزارت دفاع کے سیکرٹری تھے، اجلاس میں بلایا گیا۔ وہاں جو کچھ بیتی، اس کا احوال سکندر مرزا کے صاحبزادے نے "پلاسی سے پاکستان تک" میں یوں بیان کیا ہے:

"وزیراعظم خواجہ ناظم الدین نے اپنی کابینہ سے پوچھا کہ اب کیا کیا جائے۔ سب چپ رہے۔ وزیراعظم نے سکندر مرزا کی رائے طلب کی، سکندر مرزا جانتے تھے کہ وزیراعظم کی قوت فیصلہ جواب دے چکی ہے۔ انہوں نے وزیراعظم سے تھوڑی دیر کے لیے باہر جانے کی اجازت طلب کی۔ اجازت ملتے ہی سکندر مرزا سیدھے ملٹری انٹیلی جنس کے دفتر پہنچے اور وہاں سے خصوصی ٹیلی فون کے ذریعے لاہور کے جی او سی میجر جنرل اعظم خان سے بات کی اور کہا" اعظم! لاہور سول انتظامیہ کے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ اس کا انتظام میں اب تمہیں سونپ رہا ہوں۔ مارشل لاء لگاؤ اور اس بارے میں کسی کی طرف سے مزید احکام کا انتظار نہ کرو۔ ذمہ داری میری ہے۔ مارشل لاء لگاؤ، کارروائی کا آغاز کرو اور فتنے کو ختم کر ڈالو۔" اعظم خان نے کہا" جناب! کارروائی کا آغاز تو ہو جائے گا لیکن اس میں خاص جانیں بھی جائیں گی۔ سکندر مرزا نے کہا" میں یہ جانتا ہوں۔ تمہارا خیال ہے کہ تم کسی کو مارے بغیر یہ کام سر انجام نہیں دے سکتے ہو۔" اس مختصر گفتگو کے بعد سکندر مرزا، وزیراعظم کے پاس واپس پہنچے اور انہیں مطلع کیا کہ لاہور میں مارشل لاء نافذ ہو گیا ہے...... میجر جنرل اعظم خان نے اپنی کارروائی کی اور روداد سکندر مرزا کو بھیجی اور ان کی نقول وزیراعظم کو ارسال کیں۔ انہیں پڑھتے ہی وزیراعظم خواجہ ناظم الدین پریشان ہو گئے۔ انہوں نے سکندر مرزا سے کہا" کرنل! میری رات کی نیند اڑ گئی ہے۔ فوج اللہ کے نیک بندوں کا قتل عام کر رہی ہے۔ سکندر مرزا نے

دوبارہ اعظم خان سے لاہور میں بات کی ''احمق! ملاؤں کو ٹھکانے لگانے کے بعد تمہیں یہ مشتہر کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ تم نے ملاؤں کو گولی سے اڑا دیا ہے؟ اعظم خان نے کہا'' جناب! مجھے کیا الفاظ استعمال کرنے چاہئے تھے؟'' سکندر مرزا نے کہا ''تمہیں کہنا چاہئے تھا کہ تم نے آج اتنے بد کردار لوگوں کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔'' اس گفتگو کے بعد یہ فارمولا کامیابی سے استعمال کیا جاتا رہا اور خواجہ ناظم الدین کی نیند میں خلل نہیں پڑا''۔ (روزنامہ نوائے وقت لاہور 12 ستمبر 2000ء)

بنایا ایک ہی ابلیس آگ سے تو نے
بنائے خاک سے اس نے دو صد ہزار ابلیس

جناب آغا شورش کاشمیری ''غداران ختم نبوت کا انجام'' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ سردار عبدالرب نشتر کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ ایک دن عندالملاقات راقم سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

''ختم نبوت کی تحریک (1953ء) کے دوران میں جن لوگوں نے اقتدار کے زعم میں فدایان محمد ﷺ کا خون بہایا، ان کا انجام ورق عبرت ہو گیا۔ انھیں قدرت نے اتنی زبردست سزا دی کہ اس کا تصور کرتے ہوئے جی کانپتا ہے۔'' وہ سزا کیا تھی اور عبرت کیا؟ سردار صاحب نے تفصیلات نہیں بتائیں۔ لیکن راقم بعض واقعات سے آگاہ ہے۔ مثلاً قلعہ لاہور میں علماء کو تفتیش کے لیے رکھا گیا تو پولیس کا جو آفیسران علماء پر مامور تھا، اس نے اتنی گندی زبان استعمال کی کہ ہم ملفوف سے ملفوف لفظ میں بھی بیان نہیں کر سکتے۔ پھر اس کا جو عبرتناک انجام ہوا، وہ ہمارے سامنے ہے۔ اگلے ہی دن اس کی جوان لڑکی سوئمنگ پول میں ڈوب کے مر گئی۔ قدرت یونہی عبرت سکھاتی ہے۔

ایک دوسرے سپرنٹنڈنٹ پولیس جو ان دنوں سی آئی ڈی میں اے سیکشن کے انچارج تھے، ایک مسلح دستہ پولیس لے کر مال روڈ پر نوجوانوں کو شہید کرتے رہے۔ انھوں نے مال روڈ پر چینیز لنچ ہوم کے سامنے دو درجن نوجوانوں کے ایک ہجوم پر ختم نبوت زندہ باد کا نعرہ لگانے کی پاداش میں گولیوں کی بارش کروائی۔ کئی ایک نوجوان شہید ہو گئے۔ وہ ان کی لاشوں کو ٹرک میں لاد کر نجانے کہاں لے گئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سپرنٹنڈنٹ پولیس کو چند دنوں ہی میں سزا دی۔ اس کا بیٹا کھیلتا ہوا اس طرح گرا کہ اس کے پیٹ میں شکستہ بوتل کے ریزے

چلے گئے اور وہ آناً فاناً رحلت کر گیا۔ وہ واحد سپرنٹنڈنٹ پولیس تھا جو خود اپنے حلقوں میں کبھی عزت پیدا نہ کر سکا۔ اس پر پولیس کے اہلکار اور آفیسر بھی لعنت بھیجتے رہے کہ وہ نوکری کے غرور میں اندھا ہو چکا تھا۔ ہر شخص کو معلوم ہے کہ ایک ڈپٹی کمشنر جس نے مسلمان عوام پر تحریک کے چار دنوں میں وحشیانہ ظلم کیے، پاگل ہو گیا تھا پھر بہت دنوں پاگل خانے میں رہا...... یہ تو خیر معمولی افسروں کے واقعات ہیں اور راقم کو ذاتی طور پر معلوم ہے کہ بعض پولیس آفیسر جو فدائیانِ ختم نبوت کے معاملہ میں فرعون ہو گئے تھے، ان کا انجام کیا ہوا اور وہ کس طرح تڑپ تڑپ کر مرتے رہے اور ان کی اولاد پر کیا بیتی؟

ملک غلام محمد ان دنوں گورنر جنرل تھے۔ انھوں نے ہماری ثقہ معلومات کے مطابق شیخ دین محمد گورنر سندھ کی اس تجویز کو مسترد کر دیا تھا کہ قادیانیوں کو فی الفور اقلیت قرار دیا جائے۔ شیخ صاحب نے اس سلسلہ میں ایک آئینی و دستوری مسودہ تیار کیا۔ الحمدللہ وہ محفوظ ہے، لیکن ملک غلام محمد بعض عادتوں میں سر ظفر اللہ خان کے ساتھی تھے۔ انھوں نے ختم نبوت کے مضمرات پر غور نہ کیا اور وہ قیمتی مسودہ ٹھکرا دیا بلکہ اس جرم میں ایک سازش کے تحت شیخ صاحب کو گورنری سے سبکدوش کر دیا۔ ملک غلام محمد کس طرح مرے، سب کو معلوم ہے۔ وہ آخری ایام میں دماغ کے تعطل کا ورق عبرت تھے۔ کسی مسلمان کہلانے والے کی موت اس سے زیادہ عبرت ناک کیا ہو سکتی ہے کہ وہ مر جائے تو اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں جگہ نہ ملے۔ ملک غلام محمد گوروں کے قبرستان میں دفن کیے گئے اور اب شاید وہ قبر ہی مٹ چکی ہے۔ کسی پھول یا چراغ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کوئی مسلمان انھیں عزت سے یاد نہیں کرتا اور نہ کسی رعایت سے ان کا عزت سے تذکرہ کیا جاتا ہے۔ وہ خدا و عوام دونوں کے معتوب ہو کر مرے تھے۔

اسکندر مرزا اس زمانہ میں ڈیفنس سیکرٹری تھے۔ وہ ختم نبوت کی تحریک کو کچلنے کے لیے اتنے بے تاب تھے کہ لاہور گورنر ہاؤس میں افسرانِ مجاز سے چیخ چیخ کر پوچھتے کہ مجھے یہ نہ بتاؤ فلاں جگہ امن قائم ہو گیا ہے بلکہ یہ بتاؤ کہ تم کتنی لاشوں کا مژدہ لائے ہو۔ کوئی گولی ضائع تو نہیں ہوئی۔

اس اسکندر مرزا کے انجام سے ایک دنیا واقف ہے کہ اسے ملک سے نکالا گیا۔ لندن کے ایک ہوٹل میں منیجر ہو گیا۔ پھر وہاں فاحشہ عورتوں کی دلالی کرتا رہا۔ آخر بے بسی میں نذرِ اجل ہوا تو لحد کے لیے وطن کی زمین نصیب نہ ہوئی، دیارِ غیر میں مرا اور ایک دوسرے ملک

میں قبر کے لیے جگہ ملی۔

یہ واقعات ہم نے اس لیے لکھے ہیں کہ آج بھی سرکاری ایوانوں میں بعض اس قسم کے وزراء و حکام موجود ہیں جنھیں مزدور کے پسینہ سے تو ہمدردی ہے لیکن ختم المرسلین ﷺ کی ناموس سے نہیں۔ہم انھیں یہی کہیں گے ۔

خدا کی غصہ میں ڈوبی ہوئی نگاہ سے ڈرو!

غازی علم الدین شہیدؒ

ہندو آریہ سماج تنظیم جو مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانے کے لیے دل آزار کتابیں شائع کرواتی رہتی تھی، 1923ء کے اواخر میں اس تنظیم کے سرگرم رکن راجپال نے ایک ایسی دل آزار کتاب شائع کی، جس میں حضور نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں بے پناہ گستاخیاں کی گئی تھیں۔ کتاب کی اشاعت سے پورے ملک میں کہرام مچ گیا۔ مسلمانوں نے احتجاجی جلسے اور جلوس نکالنے شروع کر دیے۔ ملزم راجپال کے خلاف مقدمہ درج ہوا۔ پھر راجپال کو 6 ماہ قید اور ایک ہزار روپے جرمانہ ہوا۔ بعدازاں ہائی کورٹ نے نہ صرف ملزم کو بری کر دیا بلکہ اس کا جرمانہ بھی معاف کر دیا۔ اس دل آزار کتاب کی اشاعت جاری رہی۔ یکم اپریل 1929ء کی رات ایک نوجوان غازی علم الدین شہید اپنے بڑے بھائی کے ساتھ دہلی دروازہ کے باغ میں جلسہ سننے چلے گئے، جہاں سیّد عطا اللہ شاہ بخاریؒ نے بڑی رقت انگیز تقریر کی۔ دفعہ 144 کا نفاذ تھا جس کی رو سے کسی نوع کا جلسہ یا اجتماع نہیں ہوسکتا تھا لیکن مسلمانوں کا ایک فقید المثال اجتماع بیرون دہلی دروازہ درگاہ شاہ محمد غوثؒ کے احاطہ میں منعقد ہوا۔ وہاں اس عاشق رسول ﷺ نے ناموسِ رسالت پر جو تقریر کی، وہ اتنی دل گداز تھی کہ سامعین پر رقت طاری ہوگئی۔ کچھ لوگ تو دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ شاہ جی نے مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

”آج آپ لوگ جناب فخر رسل محمد عربی ﷺ کے عزت و ناموس کو برقرار رکھنے کے لیے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ آج جنس انسان کو عزت بخشنے والے کی عزت خطرہ میں ہے۔ آج اس جلیل المرتبت کا ناموس معرض خطر میں ہے جس کی دی ہوئی عزت پر تمام موجودات کو ناز ہے۔“ اس جلسہ میں مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید دہلوی بھی موجود تھے۔ شاہ جی نے ان سے مخاطب ہو کر کہا۔

''آج مفتی کفایت اللہ اور احمد سعید کے دروازے پر اُمّ المومنین عائشہ صدیقہؓ اور اُمّ المومنین خدیجہ الکبریٰؓ کھڑی آواز دے رہی ہیں۔ ہم تمہاری مائیں ہیں۔ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ کفار نے ہمیں گالیاں دی ہیں۔ ارے دیکھو! کہیں اُمّ المومنین عائشہ صدیقہؓ دروازہ پر تو کھڑی نہیں؟''

یہ الفاظ دل کی گہرائیوں سے اس جوش اور ولولہ کے ساتھ اُبل پڑے کہ سامعین کی نظریں معاً دروازے کی طرف اٹھ گئیں اور ہر طرف سے آہ و بکا کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ پھر اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔

''تمہاری محبتوں کا تو یہ عالم ہے کہ عام حالتوں میں کٹ مرتے ہو لیکن کیا تمھیں معلوم نہیں کہ آج گنبد خضریٰ میں رسول اللہ ﷺ تڑپ رہے ہیں۔ آج خدیجہؓ اور عائشہؓ پریشان ہیں۔ بتاؤ! تمھارے دلوں میں اُمہات المومنین کے لیے کوئی جگہ ہے؟ آج اُمّ المومنین عائشہؓ تم سے اپنے حق کا مطالبہ کرتی ہیں۔ وہی عائشہؓ جنھیں رسول اللہ ﷺ ''حمیرا'' کہہ کر پکارا کرتے تھے، جنھوں نے سید عالم ﷺ کو وصال کے وقت مسواک چبا کر دی تھی۔ یاد رکھو کہ اگر تم نے خدیجہؓ اور عائشہؓ کے لیے جانیں دے دیں تو یہ کچھ کم فخر کی بات نہیں۔''

شاہ جی نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''جب تک ایک مسلمان بھی زندہ ہے، ناموس رسالت پر حملہ کرنے والے چین سے نہیں رہ سکتے۔ پولیس جھوٹی، حکومت کوڑھی اور ڈپٹی کمشنر نااہل ہے۔ وہ ہندو اخبارات کی ہرزہ سرائی تو روک نہیں سکتا، لیکن علمائے کرام کی تقریریں روکنا چاہتا ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ دفعہ 144 کے یہیں پر پرخچے اڑا دیے جائیں۔ میں دفعہ 144 کو اپنے جوتے کی نوک تلے مسل کر بتا دوں گا۔

پڑا فلک کو دل جلوں سے کام نہیں
جلا کے راکھ نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

داغ کا یہ شعر شاہ جی نے کچھ اس انداز سے پڑھا کہ لوگ بے قابو ہو گئے۔ اس تقریر نے سارے شہر میں آگ لگا دی۔ لاہور میں بدنام زمانہ کتاب، اس کے مصنف اور ناشر کے خلاف جابجا جلسے ہونے لگے۔

6 اپریل 1929ء کو غازی علم الدین ٹھیک ایک بجے راجپال کی دکان پر پہنچ گئے اور دریافت کیا کہ راجپال کہاں ہے؟ راجپال نے خود ہی کہا۔ میں ہوں کیا کام ہے؟ غازی صاحب نے چھری نکال کر اس پر بھرپور حملہ کیا۔ پھر پے در پے وار کر کے اسے واصل جہنم کر دیا وہ کہا یہی کام تھا۔

غازی صاحب کو گرفتار کر لیا گیا۔ 10 اپریل 1929ء کو سیشن جج کی عدالت میں مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی۔ 22 مئی 1929ء کو غازی صاحب کو سزائے موت کا حکم سنا دیا گیا۔ 30 مئی کو ہائی کورٹ میں اپیل دائر کی گئی۔ 15 جولائی کو قائداعظم محمد علی جناحؒ اس مقدمہ کی وکالت کے لیے ہائی کورٹ میں پیش ہوئے مگر ہائی کورٹ نے اپیل خارج کر دی جس کے نتیجہ میں 31 اکتوبر 1929ء کو میانوالی جیل میں آپ کو پھانسی دے دی گئی۔ جسد اطہر کو میانوالی سے لاہور لایا گیا۔ جنازہ میں لاکھوں عاشقانِ رسول ﷺ نے شرکت کی۔ آپ کو لاہور کے میانی قبرستان میں دفنایا گیا۔ غازی علم الدین شہید برصغیر کے شہیدان ناموس رسالت ﷺ کے ہیرو ہیں۔

نامور دانشور جناب صاحبزادہ خورشید گیلانی اپنے مضمون ''شہید محبت'' میں لکھتے ہیں:

''علامہ اقبالؒ کا ایک مصرع ہے:

طے شود جادۂ صد سالہ بآ ہے گاہے

یعنی بعض اوقات ایک آہ کے فاصلے پر منزل ہوتی ہے یا لمحے بھر میں سو سال کا سفر طے ہو جاتا ہے، یہ مصرع زبان پر آتے ہی ذہن بے اختیار شہید ناموسِ نبی ﷺ غازی علم الدین کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اس نے صدیوں کا سفر اس تیزی اور کامیابی سے طے کیا کہ اربابِ زہد و تقویٰ اور اصحابِ منبر و محراب بس دیکھتے ہی رہ گئے۔ اس نے ایک قدم انارکلی ہسپتال روڈ پر اٹھایا اور دوسرے قدم پر جنت الفردوس میں پہنچ گیا۔

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

اسی جنت کی تلاش میں زاہدوں اور عابدوں کے نجانے کتنے قافلے سرگرداں رہے، کیسے کیسے لوگ غاروں کے ہو کر رہ گئے، کئی پیشانیاں رگڑتے اور سر پٹختے رہے، ہزاروں سربگریباں، چلہ کش اسی آرزو میں دنیا سے اٹھ گئے، لاکھوں طواف و سجود میں غرق رہے، بے شمار صوفی و ملا وقف دعا رہے، اَن گنت پرہیزگار خیالِ جنت میں سرشار رہے، خدا ان سب کی

محنت ضرور قبول کرے گا، لیکن غازی علم الدین کا مقسوم دیکھئے! نہ چلہ کیا نہ مجاہدہ، نہ حج کیا، نہ عمرہ کیا، نہ حرم کا مجاور بنا، نہ مکتب میں داخلہ لیا، نہ خانقاہ کا راستہ دیکھا، نہ کنز قدوری کھول کر دیکھی، نہ رازی و کشاف کا مطالعہ کیا، نہ حزب البحر کا ورد کیا، نہ اسم اعظم کا وظیفہ پڑھا، نہ علم و حکمت کے خم و پیچ میں الجھا، نہ کسی حلقۂ تربیت میں بیٹھا، نہ کلام و معانی سے واسطہ رہا نہ فلسفہ و منطق سے آشنا ہوا، نہ مسجد کے لوٹے بھرے، نہ تبلیغی گشت کیا، نہ کبھی شیخی بگھاری نہ کبھی شوخی دکھائی، اسے پاکبازی کا خبط نہیں، محبوبِ حجازی ﷺ سے ربط تھا۔ وہ تسبیح بدست نہیں، مست مئے الست تھا، وہ فقیہ مسند آرا نہیں، فقیر سرِ راہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے مصلحت کیشی سے نہیں، جذبۂ درویشی سے کام لیا، چنیں و چناں۔ کے دائروں سے نکل کر کون و مکاں کی وسعتوں میں جا پہنچا، وہم و گمان کی خاک جھاڑ کر ایمان و عشق کے نور میں ڈھل گیا، نجانے ہاتفِ غیب نے چپکے سے اس کے کان میں کیا بات کہی کہ پل بھر میں دل کی کائنات بدل گئی۔

پروانے کا حال اس محفل میں، ہے قابل رشک اے اہل نظر
اک شب میں ہی یہ پیدا بھی ہوا، عاشق بھی ہوا اور مر بھی گیا

خدا معلوم کتنی ریاضت سے آغوشِ بسطام نے بایزیدؒ کی پرورش کی، خاکِ بغداد نے جنیدؒ کو جنم دیا، شہر قونیہ نے مولانا رومؒ کو بنایا، دہلی نے شاہ ولی اللہؒ کو پیدا کیا اور ادھر علم الدینؒ، بڑھئی کی دکان سے اٹھا اور ایک ہی جست میں زمان و مکان طے کر ڈالے۔"

غازی علم الدین شہیدؒ اور قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ

غازی علم الدین شہیدؒ کی عظمت پر مبنی ایک ایمان افروز واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

"1953ء کی تحریک ختم نبوت میں عالمی مجلس تحفظِ ختم نبوت کے امیر قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ گرفتار ہو کر میانوالی جیل میں قید ہوئے۔ دورانِ قید میں ان کی ملاقات عبداللہ نامی ایک ایسے خوش نصیب قیدی وارڈن سے ہوئی جو جیل میں غازی علم الدین شہید کی نگرانی پر مامور تھا۔ عبداللہ نے قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ کو کئی مواقع پر غازی علم الدین شہیدؒ کے حالات و واقعات سنائے۔ ایک دن عبداللہ وارڈن نے قاضی صاحب کو بتایا کہ آپ بہت خوش قسمت ہیں کہ آپ غازی علم الدین شہیدؒ والی کوٹھری میں قید ہیں۔ قاضی صاحب نے عبداللہ سے درخواست کی کہ وہ غازی علم الدین شہیدؒ کا کوئی ناقابل فراموش واقعہ سنائے۔

عبداللہ وارڈن کے چہرے پر مزید نورانیت اور بشاشت اتر آئی۔ پھر اس نے بتایا کہ جس دن یعنی 31 اکتوبر 1929ء کو جب غازی علم الدین شہید کو پھانسی ہونا تھی، اس سے ایک روز پہلے میں حسب معمول غازیؒ کی کوٹھڑی کا پہرہ دے رہا تھا۔ پیدل چلتے ہوئے میں کوٹھڑی سے ذرا فاصلے پر عام قیدیوں کی بیرک کی طرف آ گیا۔ مڑ کر کیا دیکھتا ہوں کہ غازی کا کمرہ خوبصورت اور دلکش روشنیوں سے بھر گیا ہے۔ میں یہ سمجھا کہ شاید غازی علم الدین شہیدؒ نے اپنے کمرے کو آگ لگا لی ہے۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ نور کا ایک بادل ہے جو تیزی سے آسمانوں کی طرف چلا گیا۔ چنانچہ میں بھاگم بھاگ غازیؒ کی کوٹھڑی کی طرف بھاگا۔ اندر گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ پورا کمرہ بہترین اور مسحور کن خوشبوؤں سے معطر اور منور تھا۔ غازیؒ حالت سجدہ میں زار وقطار رو رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد اٹھے تو میں نے ان کی قدم بوسی کی اور خود بھی بے اختیار رونا شروع کر دیا۔ پھر میں نے عرض کیا، غازی صاحب یہ کیا ماجرا تھا؟ غازی صاحب نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے پھر عرض کیا کہ حضرت! آپ یہ اہم راز اپنے سینے میں لے کر نہ جائیں اور اس واقعہ کی تفصیلات ضرور بتائیں، بہرحال غازیؒ نے میرے بے حد اصرار پر فرمایا، عبداللہ! تمھیں معلوم ہے کہ مجھے کل پھانسی ہو رہی ہے۔ میری دلجوئی اور حوصلہ افزائی کے لیے شافع محشر، حضور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اپنے خاص صحابۂ کرامؓ کے ساتھ یہاں خود تشریف لائے اور بڑی محبت اور شفقت فرمائی۔ اس موقع پر حضرت علیؓ نے مجھ سے پوچھا کہ غازی بیٹا! تمھیں پھانسی کا خوف تو نہیں ہے؟ میں نے عرض کیا۔ حضور! بالکل نہیں۔ فرمایا: بیٹا اگر کوئی خوف ہے تو آؤ ہمارے ساتھ چلو۔ میں نے پھر عرض کیا۔ حضور! نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔ میں تو بہت خوش اور مطمئن ہوں۔ پھر پیارے آقا و مولا حضور نبی کریم ﷺ نے میرے سر پر اپنا دست مبارک رکھ کر فرمایا: غازی بیٹا! پھانسی کے وقت جیل حکام تم سے تمہاری آخری خواہش پوچھیں گے، تم کہنا کہ میرے ہاتھ کھول دیں۔ میں پھانسی کا پھندا چوم کر خود اپنے گلے میں ڈالنا چاہتا ہوں تا کہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ مسلمان اپنے پیارے نبی ﷺ کی عزت و ناموس کے تحفظ کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا سب سے بڑی سعادت سمجھتا ہے۔ دوسرا یہ کہ تم روزہ رکھ کر آنا، میں تمام صحابۂ کرامؓ اور فرشتوں کے ہمراہ حوض کوثر پر تیرا استقبال کروں گا اور ہم سب روزہ اکٹھے افطار کریں گے۔"

یہ ہے تحفظ ناموس رسالت ﷺ کا صلہ!

غازی محمد صدیق شہیدؒ

دنیا میں ایسے آدمی بہت کم ہوتے ہیں جن کے سامنے کوئی بلند مقصد ہو اور وہ اس کی خاطر اپنی جان کی بازی لگا دینے سے ذرا سا بھی تامل نہ کریں۔ ایسے ہی آدمیوں سے قوموں کی زندگی کے چراغ روشن رہتے ہیں اور ایسے ہی آدمیوں سے ملتوں کی تاریخ بنتی ہے۔ قصور کے غازی محمد صدیق شہیدؒ اس صف کے ایک ممتاز مجاہد تھے۔

پالا مل ایک ہندو سنار تھا جو ہندو ساہو کاروں کی پشت پناہی میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہر اگلتا رہتا تھا۔ 16 مارچ 1934ء کو اس نے حضور سرور کائنات ﷺ کی ذات اقدس کے متعلق نازیبا کلمات کہے۔ توہین رسالت ﷺ کی اس قبیح حرکت پر سارے شہر میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ پالا مل کے خلاف استغاثہ دائر ہوا اور عدالت نے جرم ثابت ہونے پر اسے چھ ماہ قید اور دو سو روپے جرمانے کی سزا سنائی۔ مجرم نے سیشن جج کی عدالت میں اپیل کر دی اور ضمانت پر رہا ہو گیا۔ ادھر یہ ہوا کہ شمع رسالت ﷺ کے ایک پروانے غازی محمد صدیق کا مقدر جاگ اٹھا۔ خواب میں رحمت عالم حضور سرور کائنات ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی اور حکم ملا۔

> ''قصور میں ایک ہندو ہماری شان میں گستاخیاں کر رہا ہے۔ جاؤ اس کی زبان بند کر دو۔''

آقائے دو جہاں ﷺ کا یہ جانباز سپاہی کئی دن تک شدت غم سے نڈھال رہا۔ اس کے سینے میں غیظ و غضب کے شعلے ابل رہے تھے۔ دل میں ایک ہی جذبہ موجزن تھا کہ جلد از جلد اسے جہنم رسید کروں۔ چنانچہ غازی محمد صدیق نے مجرم سے نپٹنے کی تیاری کی اور چلتے وقت اپنی والدہ سے کہا: ماں دعا کرو میں اس عظیم فرض کو بطریق احسن نبھا سکوں اور بارگاہ سرور کونین ﷺ میں میری قربانی منظور ہو''۔ 17 ستمبر 1934ء کو یہ عظیم مجاہد دربار بابا بلھے شاہ کے پاس ایک درخت سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور اپنے شکار کا انتظار کرنے لگا۔ جیسے ہی مجرم سامنے آیا اسے پہچان کر للکارا اور کہا: ''میں تاجدار دو عالم ﷺ کا غلام ہوں۔ کئی دنوں سے تیری تلاش میں تھا۔ اے ملیچھ گستاخ رسول ﷺ! آج تو کسی بھی طرح ذلت ناک موت سے نہیں بچ سکتا۔'' یہ کہا اور نعرۂ تکبیر لگا کر اس گستاخ رسول ﷺ کو ڈھیر کر دیا۔

موقع پر موجود افراد کا بیان ہے کہ اگر غازی صاحب فرار ہونا چاہتے تو آسانی سے ایسا کر سکتے تھے مگر انہوں نے اپنا فرض ادا کر کے نماز شکرانہ ادا کی اور اطمینان سے مسجد کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ ہندوؤں کے چہرے اترے ہوئے تھے اور غازی صاحب خوشی سے مسکرا رہے تھے۔ آپ کی یہ ادا مسلمانوں کی سر بلندی اور غیرت مند فطرت کا منہ بولتا ثبوت تھی۔

قتل کے الزام میں پولیس نے محترم غازی صاحب کو گرفتار کر لیا۔ اس موقع پر غازی صاحب نے پولیس آفیسر کے روبرو ایمان افروز بیان دیتے ہوئے فرمایا:

"بلاشبہ پالا مل کو میں نے ہی قتل کیا ہے کیونکہ اس ملعون نے رسول کریم ﷺ کی توہین کی تھی۔ وہ دیدہ و دانستہ اس جرم کا مرتکب ہوا، اسے راجپال اور غازی علم الدین شہیدؒ کے واقعہ کا بھی بخوبی علم تھا۔ ہمارے مذہب کے مطابق وہ شخص ہرگز مسلمان نہیں بلکہ منافق ہے جو نبی پاک ﷺ کی توہین سن کر خاموش رہے اور عصمتِ رسول ﷺ پر جان قربان نہ کرے۔ کسی اور شخص کی ذات کا مسئلہ ہو تو برداشت ہو سکتا ہے، دنیوی امور میں کسی بھی فرد خواہ ماں باپ ہی کیوں نہ ہوں، کی شان میں گالی گلوچ پر چپ رہا جا سکتا ہے لیکن سرکار مدینہ ﷺ کے مقام و مرتبہ پر ہرزہ سرائی کرنے والوں کے خلاف غیظ و غضب، جوش و ولولہ اور غصہ کسی حالت میں بھی کم نہیں ہو سکتا۔ میں نے جو کچھ کیا، خوب غور و فکر کے بعد غیرت دینی کے سبب اپنے رسول ﷺ کی شان کو برقرار رکھنے کے لیے کیا ہے۔ اس پر مجھے قطعاً تاسف یا ندامت نہیں بلکہ میں اپنے اس اقدام پر بہت خوش اور نازاں ہوں۔ عدالت زیادہ سے زیادہ جو سزا دے سکتی ہے، جب چاہے دے دے، مجھے قطعاً حزن و ملال نہ ہوگا۔ مگر جب تک ہمیں شہنشاہ مدینہ ﷺ کی حرمت اور تقدس کے تحفظ کی ضمانت فراہم نہیں کی جاتی، کوئی نہ کوئی سرفروش نوجوان بزم دار و رسن میں چراغ محبت جلاتا رہے گا۔ یہ تو ایک جان ہے، اس کی بات ہی کیا ہے، میں تو آپ ﷺ کی خاکِ قدم پر پوری کائنات بھی نچھاور کر ڈالوں تو میرا عقیدہ، ایمان اور عشق و وجدان یہی کہتا ہے کہ گویا ابھی حق غلامی ادا نہیں ہو سکا۔"

سیشن کورٹ سے پھانسی کے فیصلے کے بعد حضرت غازی محمد صدیق شہیدؒ کی والدہ نے اپنے جواں سال بیٹے کی پیشانی چومتے ہوئے نہایت حوصلے کے ساتھ فرمایا:

"بیٹا! میں تم سے بہت خوش ہوں۔ جس رسول ﷺ کی شان کے تحفظ کے لیے تم قربان گاہ پر جا رہے ہو، اس محبوب کردگار ﷺ کی شان قائم رکھنے کے لیے مجھے تم جیسے 20

بیٹوں کی قربانی بھی دینا پڑے تو ربِ کعبہ کی قسم! کبھی دریغ نہ کروں اور یوں غازی محمد صدیق نے آقائے دو عالم ﷺ کی حرمت و ناموس کی حفاظت کے لیے اپنی جان کا نذرانہ دے کر امت مسلمہ کو تاابد سرخرو کر دیا۔" تختہ دار پہ اس پروانہ شمع رسالت کے آخری الفاظ یہ تھے:

"میرے اللہ! تیرا ہزار شکر کہ تو نے اپنے حبیب پاک ﷺ کی عظمت کے تحفظ کے لیے مجھ ناچیز کو کروڑوں مسلمانوں میں سے منتخب فرمایا۔"

تیرے ذوقِ شہادت کا فسانہ
نہ بھولے گا قیامت تک زمانہ
فنا کے بعد بھی زندہ رہے گا
تیرے ایمانِ کامل کا فسانہ!!

غازی عبدالرشید شہیدؒ

شردھانند رسوائے زمانہ شدھی تحریک کا بانی اور ہندو مسلم فساد کا داعی تھا۔ اس کا اصل نام منشی رام تھا اور وہ مسلمانوں کے خلاف فرنگی سازشوں کا آلۂ کار تھا۔ تحریک خلافت کے زمانے میں ہندو مسلم اتحاد کی جو فضا برسوں کے اندر پیدا ہوئی تھی، شردھانند اور اس کے چیلوں نے چند مہینوں میں اسے نفرت و انتشار میں بدل دیا۔ یہ لوگ گاؤں گاؤں پھیل گئے اور اسلام پر کیچڑ اچھالنے لگے۔ حد یہ کہ ان لوگوں نے براہ راست ناموس رسالت ﷺ پر حملے شروع کر دیے۔ شردھانند کے ایک چیلے نے "جڑپٹ" کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں حضور سرور کائنات ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی شان میں اس قدر سخت گستاخیاں بالکل عریاں الفاظ میں کی گئی تھیں کہ اس خباثت کا تصور بھی مشکل ہے۔

توہین رسالت ﷺ کفر کی آخری حد ہے۔ شردھانند کی لگائی ہوئی آگ ہر طرف بھڑک رہی تھی اور جاں نثاران مصطفیٰ ﷺ کے دل تڑپ رہے تھے۔ بگراس ضلع بلند شہر (یوپی) سے ایک نوجوان عاشق رسول ﷺ اٹھا اور اس نے رسالت مآب ﷺ پر کیچڑ اچھالنے والے اس گروہ کے سرغنہ کا قصہ پاک کرنے کی ٹھان لی۔ شمع رسالت ﷺ کا یہ پروانہ غازی عبدالرشید تھا۔ ایک غریب مگر معزز گھرانے کا یہ فرزند جس کی خوش قسمتی پر کائنات ہمیشہ ناز کرے گی، دہلی سے افغانستان روانہ ہوا، اور وہاں ایک پستول خرید کر لوٹ آیا۔ اب

غازی عبدالرشید تھا اور عشق رسول ﷺ کی بیقراریاں تھیں۔ جذبوں کی حرارت جوں جوں بڑھتی گئی اور اس عاشق رسول ﷺ کا چہرہ نکھرتا گیا۔ وہ موقع کی تلاش میں تھا اور قدرت نے یہ موقع اسے جلد ہی فراہم کر دیا۔ 17 دسمبر 1926ء کو شردھانند دہلی میں اپنے مکان پر موجود تھا کہ غازی عبدالرشید ریوالور لے کر دن دہاڑے اس کے آشرم میں جا پہنچا۔ ملت اسلامیہ کے اس غیور فرزند نے دشمن رسول ﷺ شردھانند ملعون کو للکارا اور پستول کی لبلبی دبا دی۔ چھ گولیاں اس ملعون کے سینے میں پیوست ہو گئیں اور یوں بیسیوں صدی کے ایک بہت بڑے فتنے کی کہانی اپنے بھیانک انجام کو پہنچ گئی۔

شردھانند کے قتل سے ہندوؤں میں صف ماتم بچھ گئی جبکہ مسلمانوں نے بے انتہا خوشی کا اظہار کیا۔ غازی عبدالرشید نے ابتدائی کارروائی کے دوران ہی قتل کا اعتراف کر لیا۔ دہلی، یوپی اور پنجاب کے مسلمانوں نے مقدمے میں گہری دلچسپی لی۔ ہر پیشی پر عدالت میں غازی عبدالرشید سے محبت کرنے والوں کا بے پناہ ہجوم امڈ آتا۔ مقدمے کی ساری روداد خود مولانا محمد علی جوہرؒ نے شائع کی۔ عدالت نے غازی عبدالرشید کو پھانسی کی سزا دی اور ملت اسلامیہ نے اپنے اس قابل فخر سپوت کو ''شہید اسلام'' اور عاشق رسول ﷺ کے خطاب سے نوازا۔

ہم نے ہر دور میں تقدیس رسالت کے لیے
وقت کی تیز ہواؤں سے بغاوت کی ہے
توڑ کر سلسلۂ رسم سیاست کا فسوں
اک فقط نام محمد ﷺ سے محبت کی ہے
ہم نے بدلا ہے زمانے میں محبت کا راج
ہم نے ہر دل کو نئی راہ و نوا بخشی ہے
مرحلے بند و سلاسل کے کئی طے کر کے
چہرۂ دار و رسن کو بھی ضیاء بخشی ہے

غازی عبدالقیوم شہیدؒ

آریہ سماج حیدر آباد سندھ کے سیکرٹری نتھو رام نے ''تاریخ اسلام'' کے نام سے ایک کتاب شائع کی جس میں سرکار دو عالم ﷺ کی شان اقدس میں سخت دریدہ دہنی کا مظاہرہ کیا۔ مسلمانوں میں سخت اضطراب پیدا ہوا۔ جلسے جلوس اور شدید احتجاج کے علاوہ نتھو رام کے

خلاف عدالت میں استغاثہ دائر کیا گیا۔نتھو رام پر مقدمہ چلا۔ کتاب ضبط ہوئی اور معمولی جرمانہ کے ساتھ ایک سال کی سزا سنائی گئی۔ اس نے جوڈیشل کمشنر کی عدالت میں اپیل کی اور اس کی ضمانت منظور ہو گئی۔ مسلمانوں کو بہت صدمہ ہوا۔ ہزارہ کے ایک غریب خاندان کے فرزند عبدالقیوم نے نتھو رام کی خرافات کا ذکر سنا تو اس کی غیرت ایمانی بھڑک اٹھی۔ خدا نے ازل سے عبدالقیوم کے نصیب میں غازی اور شہید کا اعزاز لکھا ہوا تھا۔

مقدمہ کی تفصیل جاننے کے لیے غازی عبدالقیوم نے پوچھا: سندھ میں اتنے مسلمان ہیں مگر اس بدزبان سے کسی نے نہیں پوچھا کہ سرور کائنات ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کرنے کی تجھے کس طرح جرأت ہوئی؟ کیا ہم اس قدر بے غیرت ہو چکے ہیں؟ پھر کیا تھا اس شہبازِ محبت نے اپنے آقا ﷺ کی ناموس پہ قربان ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ ایک تیز دھار چاقو خریدا اور اپنی رفیقۂ حیات سے کہا:

> ''دعا کرو اللہ مجھے اس مردود سے عدالت ہی میں ملوائے۔ میں اسے بتا دوں گا کہ میرے رسول ﷺ کی عظمت و تقدیس میں یاوہ گوئی کا فیصلہ انگریز کی عدالت سے نہیں، کسی غیرت مند مسلمان کے خنجر کی نوک ہی سے ممکن ہے۔''

یہ مارچ 1934ء کی بات ہے۔نتھو رام کی اپیل کی سماعت شروع ہوئی۔ ہندو اور مسلمان بھاری تعداد میں کارروائی سننے آئے۔ غازی عبدالقیوم شہید عدالت میں داخل ہوا تو نتھو رام پاس بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد شمع رسالت ﷺ کا یہ پروانہ اٹھا اور نتھو رام کے پیٹ میں اپنا خنجر گھونپ دیا۔ گستاخ رسول ﷺ کی آنتیں باہر نکل آئیں اور وہ تڑپنے لگا۔ غازی عبدالقیوم نے بڑے اطمینان سے جج کو مخاطب کر کے کہا! ''اس خنزیر کے بچے نے میرے آقا و مولا ﷺ کی شان میں گستاخی کی تھی اور اس کو سزا مل گئی''۔ یہ کہا اور بڑے اطمینان سے اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔ پولیس نے آکر گرفتار کیا۔

مقدمہ چلا اور مسلمان وکیلوں نے مقدمے کی مفت پیروی کی پیشکش کی تو غازی عبدالقیوم شہید نے ایک جرأت مندانہ فقرہ کہا: ''آپ جو چاہیں کریں مگر مجھ سے انکارِ قتل نہ کرائیں۔ اس سے میرے جذبۂ جہاد کو ٹھیس پہنچے گی''۔ یوں غازی عبدالقیوم شہید پھانسی چڑھ کر ہمیشہ کی زندگی پا گیا اور قیامت تک آنے والی نسلوں کو عشقِ رسول ﷺ کی حرارت اور

تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے لازوال جذبوں کی تابانیاں دے گیا۔ آج بھی فضائے عالم میں اس غازی شہید کے یہ الفاظ گونج رہے ہیں اور تا ابد گونجتے رہیں گے:

''میری زندگی کا سب سے خوشگوار دن وہ تھا جب میں نے گستاخ رسول ﷺ کو موت کے گھاٹ اتارا اور میں اسی جذبۂ ایمانی سے سرشار ہو کر اپنی زندگی، شہنشاہ مدینہ ﷺ کے قدموں پر نچھاور کر رہا ہوں۔''

غازی عبدالقیوم شہید جیسے غیور نوجوان امت مسلمہ کی آبرو اور تاریخ اسلام کے ماتھے کا جھومر ہیں۔ ۔

نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمان غیور
موت کیا شے ہے؟ فقط عالم معنی کا سفر
ان شہیدوں کی دیت اہل کلیسا سے نہ مانگ
قدر و قیمت میں ہے خوں جن کا حرم سے بڑھ کر
آہ اے مرد مسلماں! تجھے کیا یاد نہیں؟
حرف لا تدع مع اللہ الھاً آخر

غازی مرید حسین شہیدؒ

1936ء میں روزنامہ زمیندار میں ایک خبر شائع ہوئی کہ پلول ضلع گوڑگاؤں کے ڈاکٹر رام گوپال نے ایک گدھے کا نام معاذ اللہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کے نام نامی پر رکھا ہے۔ خبر چھپتے ہی ہر مسلمان کا خون کھول اٹھا اور شدید احتجاج کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ بھلہ ضلع چکوال کے ایک غیرت مند جوان غازی مرید حسین کے جوش و جذبے کا کچھ اور ہی حال تھا۔ اس عاشق رسول ﷺ کے تن بدن میں شعلے بھڑک اٹھے اور اس نے رام گوپال کو سبق سکھانے کا فیصلہ کر لیا۔ مجرم کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور قتل کی پوری منصوبہ بندی کی۔ بالآخر 7 اگست 1932ء کو آفتاب نبوت ﷺ کا یہ شیدائی اس ملعون کے ٹھکانے پر پہنچا۔ ہسپتال کے قریب ایک محفوظ جگہ کھڑا ہو گیا اور اپنے شکار کی راہ دیکھنے لگا۔ بالآخر ڈاکٹر سامنے آیا اور یہ نحیف و نزار مجاہد ناموس رسالت ﷺ اس پر ٹوٹ پڑا! اور یہ کہتے ہوئے: ''او موذی! اٹھ اج محمد ﷺ دا پروانہ آ گیا ای۔'' چھوٹے سے خنجر سے ایک ہی وار سے گستاخ رسول ہندو

کو واصل جہنم کر دیا۔ بس یہی وہ لمحہ تھا جس نے مرید حسین کو غازی مرید حسین شہیدؒ بنا کر رہتی دنیا تک امر کر دیا۔

رام گوپال کو جہنم رسید کرنے کے بعد غازی مرید حسین نے خود ہی گرفتاری پیش کر دی اور دوران تفتیش اس سوال پر کہ مقتول کا حلیہ کہاں سے معلوم ہوا، اس شہبازِ محبت نے انکشاف کیا:

> ''جس عظیم ذات نے مجھے اس کی شناخت کروائی، ان کے حضور تم تو کیا تمہارے خیال کا بھی گزر نہیں ہو سکتا۔ رام گوپال نے میرے آقا ﷺ کی شان میں گستاخی کی اور میرے آقا ﷺ نے کرم فرمایا کہ اسے کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے مجھے چن لیا۔ میری قسمت جاگ اٹھی اور خواب میں آقا ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نے اس گستاخ کی صورت مجھے دکھائی اور میں نے جاگ کر اس کا حلیہ نوٹ کر لیا۔'' اب میں اسے ختم کر چکا ہوں۔ یہ میرے ہنسنے اور ہندوؤں کے رونے کا وقت ہے۔''

سچ کہا غازی مرید حسین نے۔ واقعی یہ اس کے ہنسنے کا وقت تھا۔ چنانچہ جب پھانسی کا وقت آیا تو محبوب خدا ﷺ کا یہ غلام تختہ دار کی طرف اس شان سے چلا کہ ہونٹوں پر تبسم تھا اور زبان پر نعت رسول ﷺ کے زمزمے۔ اور اب تاقیامت اس شہید عشق نبی کا مزار مسکراہٹوں میں ڈوبا رہے گا۔

مقام شوق ترے قدسیوں کے بس کا نہیں
انہی کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں زیاد

غازی میاں محمد شہیدؒ

16 مئی 1934ء کی شام ایک فوجی چھاؤنی میں مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے فوجی عہدیدار خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ ایک ہندو ڈوگرہ نے کوئی نعت باآواز بلند ترنم سے پڑھنی شروع کر دی۔ لہجے میں مٹھاس اور عقیدت کا رنگ نمایاں تھا۔ جوش مسرت سے مسلمانوں کی آنکھیں بھر آئیں۔ پاس ہی ایک دوسرا ہندو بیٹھا تھا۔ وہ اپنے ڈوگرہ ساتھی کے منہ سے حضور رحمت عالم ﷺ کا اسم گرامی سنتے ہی جل بھن کر رہ گیا۔ اس نے غلیظ الفاظ میں

حضور اکرم ﷺ کی توہین کرتے ہوئے اپنے ساتھی کو کہا کہ تو ہندو دھرم کا مجرم ہے اور تیرا پاپ ہرگز معاف نہیں کیا جا سکتا۔ عاشق رسول ﷺ غازی میاں محمد یہ سب کچھ دیکھ اور سن رہا تھا۔ اس نے گستاخ ڈوگرے سپاہی سے کہا: ''وہ خوش قسمت ہے جو حضرت محمد ﷺ کی نعت پاک پڑھ رہا ہے۔ اگر تجھے پسند نہیں تو خاموش رہ یا باہر نکل جا۔ خبردار! آئندہ ایسی بکواس مت کرنا، وہ بولا: ''میں ایسا ہی کہوں گا۔ تجھے کیا، میں جو چاہوں کہہ دوں۔''

یہ جواب سن کر غازی میاں محمد کا خون کھول اٹھا۔ ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا اور فیصلہ کن انداز میں کہا: ''اپنی ناپاک زبان سے ہمارے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کی جرأت ہرگز نہ کرنا۔ یہ بدتمیزی تجھے اذیت ناک موت سے دوچار کر دے گی۔'' بدقسمت ڈوگرے نے دوبارہ وہی جواب دیا اور یہ وہ لمحہ تھا جب میاں محمد نے اپنے آقا ﷺ کی ناموس پہ قربان ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ اپنی بیرک میں گیا، نماز عشاء ادا کی اور بارگاہ الٰہی میں تڑپ کر التجا کی:

> ''میرے اللہ! میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ تیرے محبوب ﷺ کی شان میں ہرزہ سرائی کرنے والے کا کام تمام کردوں۔ تو مجھے حوصلہ اور استقامت عطا فرما۔ حضور سید کائنات ﷺ کی عزت و ناموس پہ مجھے اپنی جان نچھاور کرنے کی توفیق دے اور میری یہ قربانی منظور کر لے۔''

یہ دعا مانگ کر غازی اٹھا، اپنی رائفل نکالی اور شاتم رسول ﷺ ہندو سپاہی کو للکار کر کہا: ''ارے کم بخت! اب بتا کہ میرے نبی کی شان میں گستاخی پر میں تجھ سے پوچھنے کا حق رکھتا ہوں یا نہیں۔'' اور اس کے ساتھ ہی ناموس رسالت ﷺ کی شیدائی کی گولی ہندو ڈوگرے کو ڈھیر کر چکی تھی۔ گرفتار ہوئے، مقدمہ چلا اور عشق مصطفیٰ ﷺ کا یہ پیکر اپنے آقا و مولا ﷺ کی ناموس اطہر پہ قربان ہو گیا۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

غازی محمد عبداللہ شہیدؒ

1942ء کے لگ بھگ کا واقعہ ہے۔ چلچل سنگھ جو پہلے مسلمان تھا، ایک سکھ عورت کے عشق میں مرتد ہو گیا اور جنڈیالہ شیر خان کے قریب اس عورت کے گاؤں میں جا بسا۔ یہ

مرتد حق سے پھرا، انتہائی خبیث حرکتوں پر اتر آیا۔ سکھوں کے اکسانے پر جگہ جگہ حضور اکرم ﷺ کی شان اقدس میں دریدہ دہنی اور یاوہ گوئی کرنے لگا۔ مسلمانوں کی سخت دلآزاری ہوئی اور سارے علاقے میں ہیجان پھیل گیا۔ چلچل سنگھ کے گاؤں سے کوسوں دور رہنے والے عبداللہ انصاری کو ایک رات خواب میں حضور پرنور سید عالم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "عبداللہ! یہ مرتد مجھے دکھ پہنچا رہا ہے۔ اس کی زبان بند کرو" صوفی عبد اللہ کی آنکھ کھلی تو اپنے اندر ایک عجیب ایمانی قوت اور جوش ولولہ محسوس کر رہا تھا۔ تقدیر نے اس کے لیے غازی اور شہید کے اعزاز لکھ دیئے تھے۔ وہ اٹھا اور یہ کہہ کر سکھ کے گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا:

"اس مرتد نے شہنشاہ کونین ﷺ کی شان میں گستاخی کی ہے، اس دنیا میں ہی سزا ملنی چاہئے اور یہ سزا میں دوں گا۔"

اس عاشق رسول ﷺ کا حوصلہ اور امنگ دیکھو کہ تن تنہا سکھوں کے گاؤں جا رہا تھا جو اپنی سفاکی، خونریزی اور مجرمانہ سرگرمیوں کے باعث ضلع بھر میں بدنام تھے اور جن کے سامنے آس پاس کے سارے مسلمان خود کو بے بس اور مجبور پا رہے تھے۔ چلچل سنگھ کنویں پر بیٹھا تھا اور پاس ہی کئی سکھ گپیں لگا رہے تھے۔ غازی عبداللہ نے ان سے پوچھا: "مجھے چلچل سنگھ سے ملنا ہے۔" ایک سکھ نے اس مردود کی طرف اشارہ کیا۔ غازی عبداللہ نے بڑھ کر اسے دبوچ لیا اور اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا، اسے لٹا کر گلے پر چھری پھیر دی۔ خون کا فوارہ بہہ نکلا۔ غازی عبد اللہ نے چھری زمین پر رکھ کر بارگاہ الٰہی میں سجدۂ شکر ادا کیا پھر نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ وہیں بیٹھ گیا۔ چہرے پر خوشی کی لہریں مچل رہی تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے سکھوں کا اژدھام ہو گیا مگر کسی میں غازی کے قریب آنے کی ہمت نہ تھی۔ پولیس کے سپاہی یہ منظر دیکھ کر دم بخود رہ گئے اور حیران ہو کر سکھوں سے پوچھا: یہ اکیلا آدمی تھا اور تم ڈھیر سارے، مگر اس کے قریب آنے کی ہمت بھی نہ کر سکے۔ گرفتاری کے وقت غازی عبداللہ اتنا خوش اور ہشاش بشاش تھا جیسے شادی میں آیا ہو۔ قریباً ایک برس مقدمہ چلتا رہا۔ بالآخر سزائے موت سنائی گئی۔ یہ دیوانہ تو بارگاہ سرور کونین ﷺ میں حاضری کے لیے پہلے ہی بیتاب تھا۔ شہادت سے سرفراز کیے جانے کی خوشخبری سن کر چہرہ بشاشت سے مزید چمک اٹھا۔

غازی منظور حسین شہیدؒ

1941ء کی بات ہے۔ تھانہ ڈڈھمن کے ڈاک بنگلہ میں ایک متعصب ہندو چودھری کھیم چند ایس ڈی او چکوال مقیم تھا۔ اس بدطینت کو مہاشہ راجپال کا قریبی رشتہ دار بتایا جاتا ہے۔ بارگاہ سرورِ کونین ﷺ میں گستاخی اور زبان درازی اس کا وطیرہ تھا۔ اسے توہین رسالتؐ کا مزہ چکھانے کے لیے غازی منظور حسین اپنے ایک مخلص ساتھی ماسٹر عبد العزیز کے ہمراہ ڈاک بنگلہ گیا اور اس کی پیشانی پر پستول کا فائر کیا۔ ازاں بعد ماسٹر صاحب نے برچھیاں ماریں اور گستاخ رسول ﷺ کھیم چند اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ مقتول کے نزدیک اس کی بیوی سوئی ہوئی تھی۔ وہ بے گناہ تھی، لہٰذا اسے چھوڑ دیا اور یہ کہہ کر وہاں سے چلے گئے:

> ''ہم نے توہین رسالت ﷺ کا بدلہ لے لیا ہے۔ مسلمان ابھی اتنے بے غیرت نہیں ہوئے کہ تاجدار مدینہ ﷺ کی بے عزتی پر چپ چاپ بیٹھے رہیں۔ دشمنوں سے نبٹنے کے لیے ابھی عاشقان رسول ﷺ زندہ ہیں۔''

گستاخ رسول ﷺ کو جہنم واصل کرنے کے بعد یہ سرفروش جہادی سرگرمیوں میں مشغول ہو گئے۔ ان کے عزائم بہت بلند تھے۔ اور وہ جہادِ آزادی کشمیر کے لیے کام کرنا چاہتے تھے۔ سرفروش غازیوں کی یہ قلیل جماعت لکی مروت کے قریب ایک جگہ ٹھہری ہوئی تھی کہ پولیس کو خبر ہو گئی۔ پہاڑ کا طویل سفر طے کرنے کی وجہ سے مجاہدین پر تھکان غالب تھی۔ وہ ایک درخت کی ٹھنڈی چھاؤں میں گہری نیند سو گئے تھے۔ پولیس نے ان کو بیدار ہونے کا موقع ہی نہیں دیا اور بے خبری میں ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ یوں ان مجاہدوں کی سعید روحیں عالم بالا کو پرواز کر گئیں اور شہادت کا بلند مقام انہیں نصیب ہوا۔ یہ جولائی 1944ء کا واقعہ ہے۔

غازی حاجی محمد مانکؒ

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے معروف مبلغ حضرت مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی لکھتے ہیں کہ سندھ کی ایک بستی کرونڈی میں ایک بدفطرت قادیانی مبلغ عبدالحق رہتا تھا جس کا دعویٰ تھا کہ وہ مرزا قادیانی کا جانشین نبی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ اس کی انگوٹھی پر ''عبدالحق نبی اللہ'' نقش تھا۔ ایک دفعہ اس نے مولانا لال حسین اخترؒ کے ساتھ ایک مناظرے میں حضور نبی

کریم ﷺ کی شان اقدس میں نہایت بدترین توہین کی۔ لوگوں کا کلیجا چھلنی ہوگیا۔ لوگوں نے اس پر حملہ کیا تو وہ بھاگ گیا اور لوگ کف افسوس ملتے رہے۔ وہاں کے ایک رہائشی اور مرد مجاہد حاجی محمد مانک ان دنوں علاقے سے باہر تھے۔ واپس آئے تو ان کی والدہ نے روتے ہوئے کہا: ''بیٹا میں تمھیں دودھ معاف نہ کروں گی کہ تمھارے ہوتے ہوئے ایسے لوگ موجود ہیں جو ہمارے ملجا و ماویٰ حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں گالیاں بکتے ہیں۔'' ان کے استفسار پر بوڑھی ماں نے پورا واقعہ کہہ سنایا۔ آپ حج کی تیاری میں مصروف تھے۔ یہ دردناک حادثہ سن کر حج کا ارادہ منسوخ کر دیا۔ چنانچہ 54 سالہ شیر نے اس گستاخ رسول ﷺ کا تعاقب کیا اور روزہ کی حالت میں بڑی جدوجہد کے بعد اسے پکڑا اور اسے قتل کیا۔ پھر اس کے منہ سے اس کی ناپاک زبان نکال کر ٹکڑے ٹکڑے کی اور کہا کہ نبی ﷺ کی گستاخی کرنے والوں کا حاجی مانک ہمیشہ یہی انجام کرتا رہے گا۔

؎ یہی ہے رسم وفا اور من چلوں کا شعار

الغرض پولیس انسپکٹر نے آپ کو گرفتار کر کے حوالات میں بند کر دیا۔ مصدقہ روایت ہے کہ متعلقہ پولیس افسر کی بیوی بڑی پاکباز، نیک سرشت اور عبادت گزار تھی۔ وہ نبی پاک ﷺ کے شہر کی ٹھنڈی ہوا کے لیے ہمیشہ تڑپا کرتی۔ ان کا تعلق پنجاب کے ایک معزز خاندان سے تھا اور یہ کہ اس خوش بخت خاتون کے والد ایک باعمل اور متقی عالم دین تھے۔ قصہ مختصر نصف شب کے قریب موصوفہ سو رہی تھیں کہ یکایک مقدر بیدار ہو گیا، خواب میں رسول پاک نبی کریم ﷺ تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا کہ حوالات میں ہمارا ایک مہمان آیا ہوا ہے، اس کی خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھنا۔ یہ نیک سیرت خاتون اسی لمحے اٹھ بیٹھیں۔ حد نظر تک اجالا ہی اجالا تھا۔ فضاؤں میں الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ کی وجد آفرین صدائیں گونج رہی تھیں۔ اب کہاں کی نیند اور کیسا اضطرار؟ انسپکٹر مذکور بغرض سحری گھر آئے تو ماحول بھینی بھینی خوشبوؤں میں رچا ہوا تھا۔ عجیب قسم کی راحت محسوس ہوئی۔ وہ کچھ نہ سمجھ سکے، جھٹ اپنی رفیقۂ حیات سے پوچھا کہ یہ ہوا، یہ رات، یہ چاندنی، کس کی ادا پر نثار ہیں۔ مہکی مہکی ہوا، بدلے ہوئے موسم کا پتا دے رہی ہے۔ ہمارے گھر میں بہار کی یہ رونقیں کیسے اور کب سے آبسیں۔ شرم و حیا کی اس تصویر نے سجدۂ شکر سے سر اٹھایا اور اشکِ مسرت اپنے رخساروں سے پونچھتے ہوئے بولی:

"آج ہمارے پاک نبی ﷺ نے کرم فرمایا ہے۔ ان آنکھوں نے جب سے وہ جلوہ دیکھا، کسی اور نظارے کی حسرت نہیں رہی۔ شاہِ مدینہ ﷺ کے یاقوتی ہونٹوں سے ایسے ترنم ریز الفاظ سنے ہیں کہ میں اپنے مقدر پر مرمٹی ہوں۔ آپ ﷺ کی حرمت و ناموس کا کوئی محافظ آج تھانے میں پابند ہے، ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہر طرح سے ان کی مدارات کا خیال رکھیں۔"

اس ایمان پرور واقعہ کے بعد پولیس کے رویہ میں نمایاں تبدیلی رونما ہوئی۔ جب تفتیش کا مرحلہ ختم ہو چکا تو افسرانِ بالا کی ہدایت پر حاجی محمد مانکؒ کو ڈسٹرکٹ جیل خیرپور میں بھیج دیا گیا۔ یہاں ابرِ رحمت ایک بار پھر اُمڈ آیا۔ بتایا جاتا ہے کہ جیل سے ملحقہ ایک سید گھرانے کی رہائش تھی۔ غازی صاحب کے ادھر آتے ہی ایک سیدانی کو سرورِ دو عالم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ نے فرمایا "بیٹی! جیل میں آج شام سے ہماری عصمت و ناموس کا ایک نگہبان محبوس ہے، لوگ اسے حاجی مانک کے نام سے جانتے ہیں، اسے کھانے وغیرہ کی تکلیف نہ ہونے دینا۔" علی الصبح گلشن زہراؓ کی اس پاکیزہ کلی نے تمام روداد اپنے بھائی سید امام علی شاہ صاحب کے گوش گزار کی۔ انھوں نے حاجی صاحب کے متعلق معلوم کروایا۔ پتہ چلا کہ وہ ایک قاتل ہے۔ اس پر پریشانی لاحق ہوئی۔ دوسرے روز پھر جمالِ اقدس کا دیدار نصیب ہوا اور تاکید فرمائی گئی کہ یہی تو ہماری عظمت کا پاسبان ہے۔

دورانِ اسیری ان کی طرف سے باقاعدہ کھانا پہنچتا رہا۔ نان و نفقہ کا یہ ایسا اہتمام تھا جو من و سلویٰ تناول کرنے والے کے لیے باعث رشک ہے، اس لیے کہ خود محسن انسانیت ﷺ نے اپنے مخلص غلام کی خاطر اس کا حکم فرمایا۔

پولیس کے قانونی تقاضے پورے ہو چکے تھے۔ اب حسب ضابطہ مقدمے کی سماعت شروع ہوئی۔ آپ بالآخر مقدمے سے بری ہوئے۔ رہائی کے بعد جب حضرت قبلہ غازی صاحب کی ضیافتوں کا سلسلہ شروع ہوا تو سپرنٹنڈنٹ جیل اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحبان نے بالخصوص دعوت منظور کی۔ سپرنٹنڈنٹ جیل جناب منظور حسین خان پنور صاحب، جو آج کل آئی جی جیل خانہ جات سندھ ہیں، نے ہر دو راہے پر جناب غازی ممدوح سے نیک برتاؤ کیا۔ آپ کا ابتدائی تعلق حسین آباد ضلع خیرپور سے ہے۔ ایسے صاحب کردار افسر بہت کم دیکھنے میں آئے ہیں۔ جب تک الحاج موصوف بقید حیات رہے، آپ سے وقتاً فوقتاً ملتے رہنا ان کا معمول تھا۔ بعض اوقات تو سپیشل ملاقات کے لیے تشریف آوری ہوتی۔ محترم سپرنٹنڈنٹ

جناب پنور صاحب بتاتے ہیں کہ ایک رات میں ڈیوٹی پر تھا۔ غازی محمد مانک صاحب کی کوٹھڑی کے قریب سے میرا گزر ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ماحول خوشبوؤں میں رچا ہوا ہے اور عجب قسم کی روشنی بھی دیکھی۔ قریب پہنچا تو دکھائی دیا کہ غازی صاحب قبلہ رو سر بسجدہ ہیں۔ وہ پہلا دن تھا جب میرے دل میں عقیدت پیدا ہوئی اور پھر روز بروز بڑھتی ہی چلی گئی۔ اب آپ سے ملتا تو دل مطمئن ہو جایا کرتا تھا۔ ہم لوگ ہمیشہ دعاؤں کی درخواست کیا کرتے۔

2 اکتوبر 1983ء بروز ہفتہ چار بجے شام کے قریب آپ کا وصال ہوا۔ غازی محمد مانک مرحومؒ نے تمام زندگی مرزائیوں کے خلاف جہاد کیا۔ ایک موقع پر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

''خدا کی قسم اگر تمام دنیا بھی ہماری دشمن ہو جائے تو ہم تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ کا کام کرتے رہیں گے اور اس عظیم مقصد کے لیے ہر مصیبت بخوشی جھیلیں گے۔''

☐ غازی محمد مانک صاحب اکثر فرمایا کرتے ''اوائل عمری ہی سے میری سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نصیب ہو۔ میں مدتوں اوراد و وظائف میں جتا رہا۔ سات حج کیے، باقاعدگی کے ساتھ نمازیں پڑھیں مگر ہمیشہ اس عظیم شرف سے محروم رہا۔ آخر میری قسمت اس وقت جاگی، جب میں نے اپنے نوکِ قلم سے نشانِ باطل (عبدالحق قادیانی) کو کھرچ ڈالا۔ اب کوئی رات ایسی نہیں گزرتی جس میں شاہِ مدینہ ﷺ نے ملاقات نہ فرمائی ہو۔ ہر وقت ہر روز قربت کے مزے لوٹتا ہوں۔ بس میری زندگی کے روز وشب ان ﷺ کی نگاہِ کرم سے گزر رہے ہیں۔''

میرے ہزار دل ہوں تصدق حضور ﷺ پر
میری ہزار جان ہو، قربان مصطفیٰ ﷺ

غازی عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہیدؒ

30 ستمبر 2005ء کو ڈنمارک کے اخبار جیلنز پوسٹن نے حضور نبی کریم ﷺ کے بارے میں 12 نہایت توہین آمیز اور نازیبا کارٹون شائع کیے۔ پھر مسلمانوں کو مشتعل کرنے کے لیے ایک منظم سازش کے تحت جنوری 2006ء میں 22 ممالک کے 75 اخبارات و رسائل نے ان کارٹونوں کو دوبارہ شائع کیا۔ ان کارٹونوں کی اشاعت سے مشتعل ہو کر جرمنی میں مقیم

ایک پاکستانی طالب علم عامر عبدالرحمٰن چیمہ نے متعلقہ اخبار کے چیف ایڈیٹر ہینرک بروڈر پر قاتلانہ حملہ کیا جس کے نتیجہ میں وہ نہایت عبرتناک حالت میں جہنم واصل ہو گیا۔ عامر عبدالرحمٰن چیمہ گرفتار ہوئے۔ جرمن پولیس اور مختلف حکومتی ایجنسیوں نے برلن جیل میں 44 دن تک عامر چیمہ کو ذہنی و جسمانی اذیتیں دے کر تشدد کیا۔

ایک موقع پر تفتیشی افسر نے عامر چیمہ کو مشروط طور پر رہا کرنے کی پیش کش کرتے ہوئے کہا کہ وہ جرمن ٹیلی ویژن پر آ کر اعلان کرے کہ وہ ذہنی مریض ہے، دماغی طور پر تندرست نہیں ہے اور اس نے یہ قدم محض جذبات میں آ کر اٹھایا ہے۔ مزید براں یہ کہ اس فعل کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں اور میں اپنے کیے پر بے حد شرمندہ اور نادم ہوں۔ شہید عامر چیمہ نے نہایت تحمل سے تفتیشی آفیسر کی تمام باتیں سنیں اور پھر اچانک شیر کی طرح دھاڑا اور اس آفیسر کے منہ پر تھوک دیا اور روتے ہوئے کہا ''میں نے جو کچھ کیا ہے، وہ نہایت سوچ سمجھ کر اور اپنے ضمیر کے فیصلے کے مطابق کیا ہے۔ مجھے اپنے فعل پر بے حد فخر ہے۔ یہ میری ساری زندگی کی کمائی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی عزت و ناموس کے تحفظ کے لیے ایک تو کیا، ہزاروں جانیں بھی قربان۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ آئندہ بھی اگر کسی بدبخت نے میرے آقا رسول کریم ﷺ کی شان اقدس میں کوئی توہین کی تو میں اسے بھی کیفر کردار تک پہنچاؤں گا۔ بحیثیت مسلمان یہ میرا فرض ہے اور میں اس فریضہ کی ادائیگی کرتا رہوں گا۔'' عامر چیمہ کی اس بے باک اور بے خوف جسارت کے بعد جیل حکام آپے سے باہر ہو گئے اور انھوں نے عامر چیمہ پر بہیمانہ تشدد کی انتہا کر دی، اس کے پیچھے سے ہاتھ باندھے گئے۔ پلاس کے ساتھ اس کے ناخن کھینچے گئے۔ پاؤں کے تلوؤں پر بید مارے گئے، گرم استری سے اس کا جسم داغا گیا، جسم کے نازک حصوں پر بے تحاشا ٹھڈے مارے گئے، ڈرل مشین کے ذریعے اس کے گھٹنوں میں سوراخ کیے گئے۔ عامر چیمہ نہایت اذیت کی حالت میں اللہ اکبر کے نعرے لگاتا رہا۔ اسی دوران میں اس کی سانسیں اکھڑ گئیں اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ پھر ان بدبختوں نے اس کی شہ رگ کاٹ دی۔

مرے خاک و خوں سے تو نے یہ جہاں کیا ہے پیدا
صلۂ شہید کیا ہے تب و تاب جاودانہ

عامر چیمہ کی شہادت 3 مئی 2006ء کو ہوئی۔ شہید کا جسد خاکی 10 دن کی تاخیر کے بعد 13 مئی 2006ء کو صبح 9 بجے پی آئی اے کی پرواز کے ذریعے لاہور لایا گیا۔ بعدازاں شہید کے آبائی گاؤں ساروکی (وزیرآباد) میں تدفین ہوئی۔ ایک اندازے کے مطابق جنازے میں 5 لاکھ سے زائد لوگ موجود تھے۔

عامر عبدالرحمٰن چیمہ کے استادِ محترم جناب محمد یحییٰ علوی صاحب جو کہ گورنمنٹ جامعہ سکول فار بوائز راولپنڈی میں استاد ہیں اور اسلامیات، عربی کی تدریس کر چکے ہیں، فرماتے ہیں: ''الحمدللہ میرا معمول ہے کہ ہر شب جمعہ کو کم از کم 500 مرتبہ درود شریف پڑھ کر سوتا ہوں۔ 4 مئی کو نماز عشا ادا کرنے کے بعد جب میں مسجد سے نکلا تو ایک دوست نے بتایا کہ پروفیسر نذیر چیمہ صاحب کا بیٹا عامر جو گستاخ رسول پر حملے کے جرم میں جرمنی میں گرفتار تھا، شہید کر دیا گیا۔ یہ خبر سن کر مجھے بہت صدمہ ہوا اور عامر کی یادیں دل میں بسائے سو گیا۔ صبح سے کچھ دیر قبل میں نے خواب دیکھا کہ ایک بہت بڑے میدان میں بہت زیادہ قمقمے جگمگا رہے ہیں۔ اور ہر طرف روشنی ہی روشنی ہے۔ اس دوران میں مَیں نے دیکھا کہ اس روشن میدان میں ایک بلند سٹیج سجا ہوا ہے اور اس پر حضور ﷺ جلوہ افروز ہیں۔ آپ کے رخِ زیبا سے نور ہی نور پھوٹ رہا ہے۔ آپ ﷺ کے ساتھ خلفائے راشدینؓ بھی موجود ہیں۔ اسی اثناء میں میدان کی دوسری طرف سے سفید لباس میں ملبوس عامر شہید آتے ہیں اور تیز قدموں کے ساتھ حضور ﷺ کی طرف بڑھتے ہیں۔ آقا نامدار ﷺ عامر کو اپنی طرف آتا دیکھ کر خوشی اور مسرت سے کھڑے ہو جاتے ہیں اور آغوش مبارک وا کر کے عامر کو پکارتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ''مرحبا! اے میرے بیٹے۔ پھر سرکار دو عالم ﷺ فرماتے ہیں۔ حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) یہ دیکھو کون آیا ہے۔ میں عامر کو تمہارے سپرد کر رہا ہوں، تم اس کا خیال رکھنا۔''

بس اسی لمحے قریبی مسجد سے اذانِ فجر بلند ہوئی اور میری آنکھ کھل گئی۔''

عشق کی ایک جست نے طے کر دیا قصہ تمام

اے کاش! ہر مسلمان گھرانے سے ایک ایک عامر اٹھے جو دنیا کو یہ بتا دے کہ ہم اپنے نبی ﷺ کے تحفظ کے لیے زندہ ہیں اور جب تک ہمارے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی موجود ہے، ہم اپنے نبی ﷺ کی ناموس کا تحفظ کرتے رہیں گے، اے مسلم نوجوان!

ناموس مصطفیٰ ﷺ کا تقاضا ہے ان دنوں
مہر و وفا کے نام پہ گردن کٹائے جا
آئے گی موت واقعتہً ایک دن ضرور
پھر موت کیا ہے کچھ نہیں غیرت دکھائے جا

سر محمد شفیع

تقسیم ہند سے قبل کا واقعہ ہے۔ ایک انگریز میجر کی بیوی نے اپنے مسلمان خانساماں کے سامنے حضور ﷺ کی شان میں کچھ نازیبا الفاظ استعمال کیے جس پر اس مردِ غیرت مند نے اسی وقت اس انگریز میم کا کام تمام کر دیا۔ یہ مقدمہ لاہور ہائی کورٹ پہنچا تو ڈویژن بنچ میں دو انگریز جج اس مقدمہ کی سماعت کر رہے تھے۔ ملزم کی جانب سے اس وقت کے سیاسی رہنما اور ممتاز قانون دان میاں سر محمد شفیع جو وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن بھی تھے، مقدمہ کی پیروی کر رہے تھے۔ یہاں ہمیں سر محمد شفیع کے سیاسی معتقدات سے بحث نہیں بلکہ سرکار دربار میں رسائی کے باوجود ان کی دینی حس کو بتلانا مقصود ہے۔ اس مقدمہ میں دورانِ بحث میاں محمد شفیع کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے جس پر مقدمہ کی سماعت کرنے والے ججوں نے حیرت سے پوچھا۔ سر شفیع! کیا آپ جیسے ٹھنڈے دل و دماغ کا بلند پایہ وکیل بھی اس طرح جذباتی ہو سکتا ہے؟ اس پر سر شفیع نے جواب دیا:

"جناب آپ کو نہیں معلوم، ایک مسلمان کو اپنے پیغمبر ﷺ کی ذات سے کتنی گہری عقیدت اور محبت ہوتی ہے۔ سر شفیع بھی اگر اس وقت وہاں ہوتا تو وہ یہی کر گزرتا جو اس ملزم نے کیا ہے۔"

یوں روح کی تسکین کا سامان کریں گے
ایمان کے لیے جان کو قربان کریں گے

فتنوں سے لڑنے والوں کا مقام

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ "فتنوں سے لڑنے والوں کا مقام" بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حق تعالیٰ کا نظامِ قدرت وحکمت بھی عجیب ہے۔ بعض حضرات بزمِ جہاں میں دیر سے آتے ہیں، مگر ان کونشست ''صدیقین اولین'' کے پہلو میں دی جاتی ہے۔ امام بیہقیؒ نے ''دلائل النبوۃ'' میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے:

انه سيكون في آخر هذا الامة قوم لهم مثل اجرا ولهم، يامرون بالمعروف و ينهون عن المنكر ويقاتلون اهل الفتن.

(مشکوٰۃ ص 584)

''اس امت کے آخر میں کچھ لوگ ہوں گے جن کو اجر، امت کے پہلوں کا سا دیا جائے گا۔ یہ لوگ ''معروف'' کا حکم کریں گے، برائیوں سے روکیں گے اور اہلِ فتنہ سے لڑیں گے۔''

یعنی ''المعروف'' کا حکم کرنا، ''المنکر'' سے روکتے رہنا اور فتنہ پردازوں سے برسر پیکار رہنا، یہی تین وصف ایسے ہیں جو پچھلوں کو پہلوں سے ملا دیتے ہیں۔ بلاشبہ علم و فضل، طہارت وتقویٰ، زہد و تقدس وغیرہ ایمانی و انسانی اوصاف بھی نہایت گرانقدر ہیں، مگر ان سارے اوصاف سے آدمی مقبولیت عند اللہ میں اپنے ہمعصروں سے آگے نکل سکتا ہے، اور اپنے زمانہ کا مقتدا بن سکتا ہے، تاہم شمار اس کا اسی زمانے میں ہوگا جس میں وہ پیدا ہوا اور اس کے اجر وثواب اور درجات کا پیمانہ بھی اسی دَور کے لحاظ سے متعین ہوگا۔ لیکن جو چیز قرونِ متاخرہ کے افراد کو قرونِ اولیٰ کی شخصیت بنا دیتی ہے، وہ صرف امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور اہل فتن (قادیانیوں) سے جہاد ہے۔''

☐ تحفظِ ختم نبوت کا کام کرنے کی اہمیت کے بارے میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ فرماتے ہیں:

''اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو آخری پیغمبر بنا کر بھیجا اور آپ ﷺ پر آخری کتاب قرآن مجید نازل کی، اور اسلام کے بارے میں فرمایا ''آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام ہی کو پسند فرمایا۔'' (سورۃ مائدہ :3) حضور ﷺ کی ختم نبوت سے متعلق اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

ماكان محمد ابا احد من رجالكم ولكن رسول الله و خاتم

النبیّن و کان اللہ بکل شی علیماo

ترجمہ: ''نہیں ہیں محمد ﷺ تمھارے مردوں میں سے کسی مرد کے باپ لیکن آپ ﷺ اللہ کے رسول اور تمام انبیاء کے ختم کرنے والے ہیں۔ اور ہے اللہ ہر چیز کا جاننے والا۔'' (سورۃ احزاب: 40)

حضور ﷺ کے آخری نبی ہونے پر ایک سو آیات واضح طور پر دلالت کرتی ہیں اور دو سو دس احادیث مبارکہ واضح طور پر تشریح کے ساتھ مسئلہ ختم نبوت پر دلالت کر رہی ہیں۔ مسئلہ ختم نبوت کی اتنی زیادہ وضاحت سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ پاک اس مسئلہ میں کس قدر حساس ہیں۔ مسئلہ ختم نبوت، دین اسلام کا واحد بنیادی مسئلہ ہے، دین کے باقی تمام مسائل اس مسئلہ کے گرد گھومتے ہیں۔ کلمہ طیبہ کی روح مسئلہ ختم نبوت ہے۔ کلمۂ طیبہ کا دل مسئلہ ختم نبوت ہے۔ اگر کلمہ طیبہ میں سے مسئلہ ختم نبوت نکال دیا جائے تو دین اسلام کی حیثیت ایسی ہو جاتی ہے جیسے کٹی ہوئی شہ رگ والا جسم یا ایسا جسم جس میں دل دھڑکنا بند کر دے۔ مسئلہ ختم نبوت پر اتنی زیادہ آیات مبارکہ اور احادیث مبارکہ بیان کرنے کی ضرورت اس لیے بھی تھی کہ جھوٹے کذاب مدعیانِ نبوت اور ان کے ساتھ مل جانے والے مرتدین و زندیق ہر دَور میں پیدا ہونے کی پیشین گوئی موجود ہے۔ انہی مرتدین اور ان کا مقابلہ کرنے والوں کے بارے میں اللہ پاک کا ارشاد ہے:

یا ایھا الذین اٰمنو من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ اذلۃ علَی المومنین اعزۃ علَی الکافرین. یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم. ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ واسع علیم."

(سورۃ المائدہ: 54)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم پیدا کر دے گا جس سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہوگی اور ان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی۔ مہربان ہوں گے وہ مسلمانوں پر اور تیز ہوں گے کافروں پر۔ جہاد کرتے ہوں گے اللہ کی راہ میں اور وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے۔ یہ

اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ بڑا وسعت
والا ہے، بڑا علم والا ہے۔"

اس آیت شریف میں اللہ تعالیٰ نے ایک پیشین گوئی فرمائی ہے اور پیش گوئی ہے اس امت کے اندر فتنہ ارتداد کے ظاہر ہونے کی، اور صرف پیش گوئی ہی نہیں فرمائی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان مرتدین کے مقابلہ میں ایک جماعت کو لانے کا وعدہ بھی کیا ہے۔ ایک پیش گوئی ہے مرتدوں کے ظاہر ہونے کی کہ اس امت میں مرتدین ظاہر ہوں گے اور دوسری پیش گوئی ہے، ان مرتدین کی سرکوبی کے لیے کہ ان کے مقابلے کے لیے اللہ تعالیٰ ایک جماعت کو کھڑا کرے گا اور اس کے اوصاف بیان فرماتے ہوئے حق تعالیٰ نے چھ صفتیں ذکر فرمائیں۔

پہلی صفت "یحبھم" اللہ تعالیٰ ان سے محبت فرماتے ہوں گے، وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے ہوں گے۔ دوسری صفت "ویحبونہ" کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہوں گے، اللہ تعالیٰ کے محب اور عاشق ہوں گے۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبوبیت کا تمغہ پہلے دیا اور محبت کا بعد میں دیا۔ محبوب پہلے نمبر پر اور محب بعد میں۔ باقی ہر جگہ ہر مقام پر محب کو پہلے نمبر پر اور محبوب کو دوسرے نمبر پر رکھا ہے۔ یہ سعادت اور بلند درجہ صرف مرتدین کا مقابلہ کرنے والوں کے لیے ہے۔ تیسری صفت "اذلة علی المومنین" مومنوں کے مقابلے میں سر نیچا کر کے رہیں گے اور حقیر بن کر رہیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اوپر ہونے کے باوجود مومنوں کے سامنے سر جھکا کر رہیں گے۔ ان کی تواضع کا یہ عالم ہوگا کہ سب کچھ موجود ہونے کے باوجود اپنے علم و فضل کے باوجود، اپنی محبوبیت اور محبت کے باوجود ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان کے سامنے بھی نیچا ہو کر رہیں گے اور اپنے آپ کو اونچا نہیں کہیں گے۔ چوتھی صفت یہ کہ "اعزة علی الکافرین" کافروں کے مقابلے میں معزز اور سربلند ہو کر رہیں گے۔ اُن کا سر نیچا کریں گے۔ پانچویں صفت یہ کہ "یجاھدون فی سبیل اللّٰہ" وہ اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے، مجاہد ہوں گے اور مجاہد بھی "المجاھد فی سبیل اللّٰہ" سربکف۔ جہاد تین قسم کا ہوتا ہے اوّل: جہاد مال کے ساتھ ہوتا ہے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے مالی قربانیوں کے ریکارڈ پیش کیے، دوم: قلم اور زبان کے ساتھ جہاد کرنا اور کبھی باطل کے ساتھ مصلحت نہ کرنا اور سوم: ضرورت ہو تو بارگاہ الٰہی میں نذرانہ سر پیش کر دینا اور جان قربان کر دینا اور چھٹی صفت یہ کہ "ولا یخافون لومة لائم" وہ کسی ملامت کرنے والے کی

ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے، چاہے کوئی سر پھرا کہے، کوئی مذہبی جنونی کہے اور کوئی سیاسی اغراض و مقاصد کا طعنہ دے، کوئی کچھ کہے جس کے منہ میں جو آئے کہے۔ آخر میں فرمایا "ذالک فضل اللّٰہ" یہ اللہ کا فضل ہے "یوتیہ من یشاء" وہ یہ فضل عطا فرما دیتا ہے جس کو چاہتا ہے، یہ ہر ایک کو نہیں ملتا، یہ دولت عظمیٰ اللہ پاک کسی کسی کو نصیب فرماتے ہیں "واللّٰہ واسع علیم" اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا ہے اور اس کے لیے عطا کرنا مشکل نہیں اور ساتھ کے ساتھ علیم ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کس کو کونسی چیز دی جائے۔ یہ خلاصہ ہے اس آیت کا۔

جس وقت یہ آیت شریفہ نازل ہوئی: **یاایھا الذین امنومن یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللّٰہ بقوم یحبھم ویحبونہ**" اس وقت بھی کسی کو معلوم نہ تھا کہ یہ فضیلت کس کے ہاتھ میں ہے اور یہ سعادت کس کے حصے میں آنے والی ہے؟ یہ تاج کس کے سر پر سجایا جائے گا اور محبت اور محبوبیت کا شاندار تمغہ کس کو عطا کیا جائے گا؟ لیکن رسول اکرم ﷺ کے وصال کے بعد فتنۂ ارتداد پھیلا، لوگ مرتد ہوئے۔ انہی مرتدوں میں جھوٹے مدعیانِ نبوت بھی تھے اور ان جھوٹے مدعیانِ نبوت میں سرفہرست مسیلمہ کذاب تھا۔ نجد اور یمامہ کا علاقہ مسیلمہ کذاب کے قبضے میں تھا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تاج وتختِ ختم نبوت پر مسیلمہ کذاب کی ڈاکا زنی کو برداشت نہ کیا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ صدیقؓ تو زندہ ہو اور اس کے آقا رسول اللہ ﷺ کی مسند نبوت پر کوئی بدطینت بیٹھنے کی ناپاک جسارت کرے۔ صحابۂ کرامؓ کا سب سے پہلا اجماع بھی اس موقع پر ہوا کہ "مدعی نبوت اور اس کے ساتھیوں کو جہنم واصل کرنا ہی منشائے خداوندی ہے۔" حضرت صدیق اکبرؓ نے پہلا لشکر عکرمہؓ بن ابی جہل کی قیادت میں روانہ کیا اور بعد میں شرحبیل بن حسنہؓ کو بھیجا۔ جب دونوں لشکروں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا تو صدیق اکبرؓ نے ان کی مدد کے لیے سیف اللہ خالدؓ بن ولید کے لشکر کو روانہ کیا۔ حضرت عمرؓ کے مشورے سے صحابۂ بدر کو بھی شریک کیا گیا حالانکہ صدیق اکبرؓ کی پالیسی تھی کہ جنگوں میں اہل بدر کو شامل نہ کیا جائے۔ نوجوانوں کی کثیر تعداد، حفاظ، قراء، مفسرین، محدثین اور بڑے بڑے صحابۂ کرامؓ کی کثیر تعداد بھی شامل ہوئی، زبردست جنگ ہوئی، بالآخر اللہ پاک نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ مسیلمہ کذاب کے چالیس ہزار لشکر میں سے 28 ہزار سپاہی میدان جنگ میں مارے گئے اور

ان کے ساتھ مسیلمہ کذاب بھی جہنم واصل ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ کے مبارک زمانہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توحید کو پھیلانے، شرک وکفر کو مٹانے اور اسلام کی تبلیغ کے لیے جتنی لڑائیاں اور جنگیں ہوئیں، ان سب میں شہید ہونے والے صحابۂ کرامؓ کی تعداد تقریباً دوسوانسٹھ (259) کے لگ بھگ ہے جبکہ زمانۂ خلافت سیدنا صدیق اکبرؓ نے جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب اور اس کے ہم خیال منکرینِ ختم نبوت کی سرکوبی اور عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے لڑی گئی، صرف ایک جنگ میں مرتبۂ شہادت سے سرفراز ہونے والے صحابۂ کرامؓ کی تعداد بارہ سو سے زیادہ ہے، جن میں سات سو شہداء حفاظ وقراء قرآن کریم اور بدری صحابۂ کرامؓ تھے۔ اس سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ صحابۂ کرامؓ کو پورے اسلام کے دفاع کے لیے اتنی قربانی نہیں دینی پڑی جتنی صرف عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے دینی پڑی۔

اس آیت کریمہ کا سب سے پہلا مصداق حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کی جماعت کے حضرات تھے جنھوں نے مسیلمہ کذاب اور اس کے ساتھیوں کا مقابلہ کیا اور اللہ پاک نے چھ کی چھ صفات ان کی ذات میں جمع کر دی تھیں۔ آئندہ زمانوں میں ارتداد کے فتنے ظاہر ہوتے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے اور اپنی اس پیشین گوئی کے مطابق ان مرتدین کے مقابلے میں ایک قوم کو لاتا رہے گا جن کے پیشوا اور امام حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی سرپرستی میں چلنے والی اس جماعت کے دور حاضر کے ممبران وہ ہیں جو ان منکرین ختم نبوت قادیانی مرتدوں اور زندیقوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔

قادیانیوں سے مقابلہ کرنا قرآن کریم کی اس آیت کی رو سے ان چھ انعامات کے ملنے کی سند اور ضمانت ہے۔ جو شخص چاہے افسر ہو یا عام آدمی ہو، تاجر ہو یا مزدور ہو، وکیل ہو یا مُلّا ہو، مولوی ہو یا مسٹر ہو، جو شخص بھی اس آیت کا مصداق بننا چاہتا ہے، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی معیت میں اور ان کی اقتدا میں اس آیت کے تحت میں داخل ہونا چاہتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ اس زمانے میں وہ مرزا قادیانی کی جھوٹی نبوت اور اس کے پیروکاروں (قادیانیوں) کا مقابلہ کرے۔ اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے کوشش کرنا ہر مسلمان کا اولین ایمانی فریضہ ہے اور نبی کریم ﷺ کی شفاعت کے حصول کا یقینی ذریعہ ہے۔"

(خطاب: ختم نبوت کانفرنس ایبٹ آباد منعقدہ 7 مئی 1996ء)

عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے کام کرنے والوں کے لیے خصوصی انعام

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے فرمایا:

""نبی آخر الزماں ﷺ سے وابستگی اور آپ ﷺ سے محبت و تعلق ہر مسلمان کے لیے ایک بنیادی اعزاز و اکرام کا باعث ہے اور جتنا نبی اکرم ﷺ سے تعلق اور شرف میں اضافہ ہوگا اتنا ہی انسان کا رتبہ اور شرف اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی اور دنیا میں بھی زیادہ ہوگا، نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اتنے بڑے انعامات عطا ہوئے، اس کی کئی ایک وجوہات تھیں، ایک نبی آخر الزماں ﷺ کی زیارت اور صحبت و رفاقت اور دوسری ﷺ سے خاص انس و تعلق، اسی بنا پر ان کو ""حزب اللہ"" (اللہ تعالیٰ کی جماعت) کا کہیں خطاب ملا، کہیں اولیاء اللہ کا خطاب عطا ہوا اور کہیں ""رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔"" (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے) اس تعلق اور انس کی برکت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے معمولی درجے کے عمل کو بھی اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ آج کے ولی کامل اس سے ہزار گنا زیادہ بھی عمل کرلیں تو اتنی مقبولیت حاصل نہیں ہوگی، اس لیے فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ ہزاروں اولیاء اللہ، مجدد اور قطب مل جائیں تو ایک ادنیٰ صحابی کے برابر نہیں ہوسکتے، ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ اگر کوئی شخص مماثلت کرنا چاہتا ہے اور اس کی خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اعمال کے بدلے وہ انعامات اور اعزازات عطا کریں جو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو حاصل تھے تو اس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین والا تعلق اپنے اندر پیدا کرنا ہوگا۔ محدث العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمتہ اللہ علیہ، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ، مولانا محمد علی جالندھری رحمتہ اللہ علیہ، قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمتہ اللہ علیہ، مفتی احمد الرحمٰن رحمتہ اللہ علیہ، حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف وغیرہ کی تصریحات اور تجربات کے نچوڑ سے میں یہ کہتا ہوں کہ اس دور میں اگر حضور ﷺ سے صحابہ کرامؓ والا تعلق کوئی قائم کرنا چاہتا ہے تو وہ حضور ﷺ کے عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے اپنے آپ کو وقف کردے کیونکہ موجودہ دور میں اسلام کو عیسائیت، یہودیت، ہندومت، بدھ مت، کمیونزم وغیرہ سے اتنا خطرہ نہیں کیونکہ یہ کھلے دشمن ہیں۔ اس وقت عیسائی پوری دنیا میں ہزاروں مشنریوں کے ذریعے مسلمانوں کو مرتد بنانے کے درپے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے

کہ وہ مسلمانوں کے ایمان کو متزلزل نہیں کر سکے، لیکن قادیانیت اسلام کے لیے بڑا خطرہ ہے جو اسلام کی آڑ میں، اسلام کے لبادے میں اسلامی طور وطریقہ اختیار کر کے مسلمانوں کے دلوں، دماغوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ مسیلمہ کذاب اور دیگر جھوٹے مدعیانِ نبوت کے نقش قدم پر چل کر مسلمانوں کو اسلام کے نام پر دھوکہ دے رہے ہیں، وہ مسلمانوں جیسی عبادت گاہیں قائم کرتے ہیں، وہ مسلمانوں کا کلمہ پڑھ کر اس سے مرزا غلام احمد قادیانی مراد لیتے ہیں، وہ اسلام کی آڑ میں حضور ﷺ اور انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین کے مرتکب ہوتے ہیں، وہ مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں، وہ ختم نبوت کا عقیدہ رکھنے والوں کے دشمن ہیں، اس لیے ان کا مکمل بائیکاٹ کر کے ان کی تبلیغی سرگرمیوں کو روک کر مسلمان نبی ﷺ سے وابستگی قائم رکھ سکتے ہیں۔"

تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ

نبی کریم ﷺ کی محبت تکمیلِ ایمان کی نشانی ہے۔ اگر اس میں خامی ہوگی، تو ایمان نامکمل ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے محبت، مومن کا گراں بہا سرمایہ ہے اور کسی مومن کا دل اس سے خالی نہیں ہو سکتا کیونکہ یہی محبت مقصود حقیقی کے قرب اور اس کی ذات وصفات کے صحیح تصور کا واحد ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں حضور نبی کریم ﷺ کا تعارف وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ کی سند جاری کرتے ہوئے کرواتا ہے۔ آپ ﷺ سراپا رحمت ہیں، محسن انسانیت ہیں۔ جو شخص آپ ﷺ سے ذرا سا بھی بغض وعناد رکھتا ہے، آپ ﷺ کی شان میں معمولی سی بھی گستاخی کرتا ہے، وہ از خود "رحمت" سے اپنا تعلق منقطع کر لیتا ہے۔ ایسا شخص کائنات کا بدترین اور بدقسمت ترین شخص ہے اور کسی رعایت اور ہمدردی کا مستحق نہیں۔ جو بدبخت حضور نبی کریم ﷺ کی شانِ اقدس میں توہین کا مرتکب ہوتا ہے، طعن وتشنیع کرتا ہے، تضحیک واستہزاء کرتا ہے، آپ ﷺ کی تعلیمات کا مذاق اڑاتا ہے، آپ ﷺ کے رتبہ کو گھٹاتا ہے...... اور پھر جب اسے اس جرم عظیم کی سزا ملتی ہے تو وہ اور اس کے حواری اس پر بڑی ڈھٹائی کے ساتھ آواز بلند کرتے ہیں کہ حضور ﷺ تو رحمت للعالمین ہیں، آپ ﷺ نے تو کبھی دشمنوں سے بھی بدلہ نہیں لیا۔ ایک عورت آپ ﷺ پر روزانہ کوڑا کرکٹ پھینکتی تھی مگر آپ ﷺ نے کبھی اس کا برا نہیں مانا۔ طائف کے میدان میں آپ ﷺ پر بے حد ظلم وتشدد ہوا مگر آپ ﷺ نے اس کے لیے بددعا تک نہ کی...... ان بدبختوں کو معلوم

ہونا چاہیے کہ وہ عزیمت، ابتلا، برداشت، صبر اور آزمائشوں کا دور تھا جسے مکی دور کا نام دیا جاتا ہے..... مگر مدنی دور میں اسلامی سلطنت قائم ہوتے ہی نئے قوانین نافذ ہو گئے۔

رواداری کے ہیضہ میں مبتلا اسلامی تاریخ سے نابلد دانش خوروں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایک دفعہ کچھ مرتدین کو حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیے۔ ان کی آنکھوں میں لوہے کی گرم سلائیاں پھروا دیں، انھیں گرم پتھریلی زمین پر ڈال دیا گیا۔ انھوں نے پینے کے لیے پانی مانگا، انھیں پانی نہ دیا گیا، وہ پیاس کے مارے زمین چاٹتے تھے۔ حتیٰ کہ اس جرم (مرتد ہونے) میں ذلت کی موت مر گئے۔

(صحیح بخاری، ص 423)

خلیفہ ہارون رشیدؒ نے امام مالکؒ سے نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کا حکم دریافت کیا اور یہ بھی کہا کہ بعض علماءؒ عراق نے جلد یعنی کوڑے مارنے کا فتویٰ دیا ہے جو شریعت میں قذف یعنی تہمت لگانے کی سزا ہے۔ امام مالکؒ اس خفیف سزا کو سنتے ہی برہم ہو گئے اور نہایت غصہ کے لہجہ میں یہ فرمایا۔

مابقاء الامة بعد شتم نبيها.

ترجمہ: اس امت کی کیا زندگی اور کیا جینا ہے کہ جس کے نبی کو گالیاں دی جائیں۔

من شتم الانبياء قتل ومن شتم اصحاب النبي جلد.

ترجمہ: جو شخص انبیاء کرام علیہم السلام کو گالیاں دے، اس کو قتل کیا جائے اور جو شخص صحابہ کرامؓ کو سب وشتم کرے، اس کے تعزیری کوڑے لگائے جائیں۔

علامہ خفاجی اس کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں۔

فلايحل لاحد سمعه الاقتل قائله اوبذل روحه في جهاده.

(نسیم الریاض 399 ج 4)

ترجمہ: پس کسی کے لیے روا نہیں کہ نبی کی شان میں گستاخی سے بجز اس کے کہ یا تو اس گستاخ کی جان لے لے یا اپنی جان خدا کی راہ میں دے دے۔

ایمان کے حقیقی اور واقعی ہونے کے لیے دو باتیں ضروری ہیں۔ محمد رسول ﷺ کی تعظیم اور محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت کو تمام جہان پر تقدیم۔ اس کی آزمائش کا آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ کو جن لوگوں سے کیسی ہی تعظیم، کیسی ہی عقیدت، کیسی ہی دوستی، کیسی ہی محبت ہو

جیسے تمھارے استاد، تمھارے پیر، تمھارے بھائی، تمہاری اولاد، تمھارے احباب، تمھارے بڑے، تمھارے دوست، تمھارے مولوی، تمھارے حافظ، تمھارے مفتی، تمھارے واعظ وغیرہ وغیرہ۔ اگر وہ محمد رسول ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کریں تو اصلاً تمھارے قلب میں ان کی عظمت اور ان کی محبت کا نام ونشان نہ رہے۔ (تمہید ایمان بآیات القرآن)

شفا شریف میں امام قاضی عیاض رحمتہ اللہ کا فتویٰ ہے کہ "اگر کسی نے حضور اقدس ﷺ کی نعلین شریف کی بھی توہین کی تو واجب القتل ہے" اگر کوئی مسلمان حضور ﷺ کی شان میں صراحۃً گستاخی کرنے کے بعد توبہ بھی کر لے، تب بھی واجب القتل ہے۔ حضرت سیدنا امام مالکؒ کے نزدیک یہ توبہ قبول نہیں۔ توبہ کرنے کے بعد بھی گستاخ رسولؐ واجب القتل ہے کیونکہ یہ سزا کفر کی وجہ سے نہیں بلکہ حد شرعی کے تحت ہوگی۔

کافروں کی ذلت ورسوائی پر خوش ہونا سنت نبوی ﷺ ہے

حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ "غزوۂ اُحد میں ایک کافر بڑھ چڑھ کر مسلمانوں پر حملہ کر رہا تھا اور اس نے کافی نقصان پہنچایا تھا، اس صورتحال کو دیکھ کر حضور اقدس ﷺ نے مجھے فرمایا "اے سعد! تیر چلاؤ! میرے ماں باپ تم پر قربان۔" چنانچہ میں نے اس کافر کو ایک تیر مارا جو اس کے پہلو میں لگا اور وہ مردار ہو کر ایسا گرا کہ اس کا ستر بھی کھل گیا۔ (اس کی بدحواسی اور ہلاکت کی خوشی میں) حضور ﷺ اتنا ہنسے کہ آپ کے دندان مبارک نظر آنے لگے۔" (بخاری ومسلم)

حضرات صحابۂ کرامؓ حضور نبی کریم ﷺ کی عزت وناموس کے بارے میں کس قدر حساس اور غیرت مند تھے، اس کا معمولی سا اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوسکتا ہے۔

صحابۂ کرامؓ اور اکابرین اُمت کی غیرتِ رسول ﷺ

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عروہ بن مسعود ثقفی

حدیبیہ کے دن قریش کا ایک ایلچی عروہ بن مسعود ثقفی نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور آکر کہنے لگا: میں نے قریش کو دیکھا ہے، وہ شیروں کی کھالیں پہنے آپ سے نبرد آزمائی کے لیے بالکل تیار بیٹھے ہیں اور آپؐ کو بیت اللہ سے روکنے کا تہیہ کیے ہوئے ہیں۔

اے محمدؐ خدا کی قسم! میں یہاں ایسے چہرے اور ایسے اوباش لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جو

اسی لائق ہیں کہ آپؐ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے موجود تھے، انھوں نے غصے میں آ کر اسے کہا: جا! لات کی شرمگاہ کو چوس! ہم حضور ﷺ کو چھوڑ کر کیوں بھاگیں گے؟ اس کے بعد عروہ دوبارہ نبی ﷺ سے گفتگو کرنے لگا جب وہ گفتگو کرتا تو آپ ﷺ کی ریش مبارک پکڑ لیتا۔ عروہ کے بھتیجے سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نبی ﷺ کے پاس ہی کھڑے تھے۔ ہاتھ میں تلوار تھی اور سر پر زرہ، عروہ جب نبی ﷺ کی ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھاتا تو وہ تلوار کا دستہ اس کے ہاتھ پر مارتے اور کہتے: کہ اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک سے پرے رکھو۔ آخر عروہ نے اپنا سر اٹھایا اور بولا یہ کون ہے؟ یہ تو بڑا تندخو اور سخت طبیعت کا مالک ہے۔ رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور فرمایا: یہ تمہارا بھتیجا مغیرہ بن شعبہ ہے۔ (اللہ اکبر) کوئی قرابتداری اور رشتہ داری نہیں۔ اس کے بعد عروہ، نبی اکرم ﷺ کے ساتھ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے تعلق خاطر کا منظر دیکھنے لگا۔ پھر سرداران قریش کے پاس واپس آیا اور بولا: اے برادران قریش! بخدا میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے پاس جا چکا ہوں، بخدا میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی اس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں، جتنی محمدؐ کے ساتھی محمدؐ کی تعظیم کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! وہ کھنکار بھی تھوکتے تھے تو کسی نہ کسی آدمی کے ہاتھ پر پڑتا تھا اور وہ شخص اسے اپنے جسم اور اپنے چہرے پر مل لیتا تھا اور جب وہ کوئی حکم دیتے تھے تو اس کی بجا آوری کے لیے سب دوڑ پڑتے تھے اور جب وضو کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ان کے وضو کے پانی کے لیے لوگ لڑ پڑیں گے اور جب کوئی بات بولتے تھے تو سب اپنی آوازیں پست کر لیتے تھے اور فرط تعظیم کے سبب انھیں بھرپور نظر سے نہ دیکھتے تھے اور انھوں نے تم پر ایک اچھی تجویز پیش کی ہے، لہٰذا اسے قبول کر لو۔

(الرحیق المختوم از مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوریؒ)

سیّدنا حضرت عمر فاروقؓ اور ایک منافق امام مسجد

حضرت عبداللہ ابن اُمِ مکتومؓ جو اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے خالو زاد بھائی تھے اور ان خوش نصیبوں میں سے تھے جن کا شمار ''السابقون الاوّلون'' میں ہوتا ہے، یہ نابینا تھے۔ ایک روز بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں شیبہ، عتبہ پسران ربیعہ، ابوجہل، امیہ ابن خلف، ولید ابن مغیرہ، عباس ابن عبدالمطلب اور دیگر روسائے قریش حاضر تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑی دلسوزی اور محویت سے انھیں کفر و شرک کے اندھیروں سے نکالنے کی سعی فرما رہے

تھے۔ "حریص علیکم" کی شان اپنے پورے جوبن پر تھی۔ دریں اثنا عبداللہ ابن اُمِ مکتومؓ حاضر ہوئے۔ نابینا ہونے کی وجہ سے محفل کا رنگ نہ دیکھ سکے۔ انھوں نے اپنے شوقِ فراواں سے مجبور ہوکر آتے ہی عرض کی: "یارسول اللہ علمنی مما علمک اللہ" (اے اللہ کے رسول جو اللہ نے آپ کو سکھایا، اس میں سے مجھے بھی سکھایئے)

یہ مداخلت بیجا حضور کو پسند نہ آئی۔ رخِ انور پر ناگواری کے آثار نمایاں ہوئے۔ آدابِ مجلس کا تقاضا بھی یہی تھا کہ جو سلسلہ کلام پہلے شروع ہے، وہ ختم ہو جائے تو نئی بات چھیڑی جائے۔ یہاں تو حضور ﷺ تبلیغ کا نہایت اہم ترین فریضہ ادا کرنے میں مصروف تھے۔ عبداللہ پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔ مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے ان کے پاس بے شمار مواقع تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ کی دلجوئی کرتے ہوئے سورہ عبس نازل فرمائی تاکہ دنیا کو پتا چل جائے کہ اس بارگاہ میں شکستہ دلوں اور سوختہ جگروں کی جو قدرو منزلت ہے وہ کسی اور کی نہیں۔

جو لوگ ان آیات سے سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مرتبۂ عالیہ کی تنقیص کرتے ہیں، وہ پرلے درجے کے کم فہم ہیں۔ پہلے بھی اہل نفاق کا یہ شیوہ تھا۔ علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں کہ حضرت فاروقِ اعظمؓ کو پتہ چلا کہ ایک امام ہمیشہ نماز میں اسی سورت کی قراءت کرتا ہے تو آپ نے ایک آدمی بھیجا جس نے اس کا سر قلم کر دیا چونکہ وہ حضور کے مرتبہ عالی کی تنقیص کے ارادے سے اس کی قراءت کیا کرتا تھا تاکہ مقتدیوں کے دل میں بھی حضور کی عظمت کم ہو جائے۔ اس لیے نگاہِ فاروق میں وہ مرتد تھا، اور مرتد واجب القتل ہوا کرتا ہے (روح البیان) ایسے مقامات پر انسان کو سنبھل کر قدم اٹھانا چاہیے مبادا ایمان کی شمع گل ہو جائے۔

(ضیاء القرآن از ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ)

سلطان نور الدین زنگیؒ

سلطان نور الدین ایک عابد شب بیدار تھا۔ وہ ایک عظیم الشان سلطنت کا فرمانروا ہونے کے باوجود ایسا مرد درویش تھا، جس کی راتیں مصلیٰ پر گزرتی تھیں اور دن میدان جہاد میں۔ وہ عظمت و کردار کا ایک عظیم پیکر تھا، جس نے اپنی نوکِ شمشیر سے تاریخ اسلام کا ایک روشن باب لکھا۔ سلطان نور الدینؒ رات کا بیشتر حصہ عبادات و مناجات میں گزارتا تھا۔ اس کا معمول تھا کہ نماز عشاء کے بعد بکثرت نوافل پڑھتا اور پھر رسول اکرم ﷺ پر سینکڑوں مرتبہ

درود بھیج کر تھوڑی دیر کے لیے بستر پر لیٹ جاتا۔ چند ساعتوں کے بعد پھر نمازِ تہجد کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا اور صبح تک نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ عبادات میں مشغول رہتا۔

ایک شب وہ اوراد و وظائف سے فارغ ہو کر بستر پر لیٹا تو خواب میں تین بار رسول کریم ﷺ کی زیارت ہوئی۔ بعض روایتوں میں سلطان نے متواتر تین رات حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ ہر مرتبہ دو آدمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا: ''نورالدین! یہ آدمی مجھے ستا رہے ہیں، ان کے شر کا استیصال کر'' نورالدین یہ خواب دیکھ کر سخت مضطرب ہوا۔ بار بار استغفار پڑھتا اور رو رو کر کہتا؟ میرے آقا و مولا کو میرے جیتے جی کوئی ستائے، یہ نہیں ہوسکتا۔ میری جان، مال، آل، اولاد سب آقائے مدنی پر نثار ہے۔ خدا اس دن کے لیے نورالدین کو زندہ نہ رکھے کہ حضور ﷺ غلام کو یاد فرمائیں اور وہ دمشق میں آرام سے بیٹھا رہے۔ سلطان نور الدین بے چین ہو گیا اور اسے یقین ہو گیا کہ مدینہ منورہ میں ضرور کوئی ایسا ناشدنی واقعہ ہوا ہے، جس سے سرورِ کونین کی روحِ اقدس کو تکلیف پہنچی ہے۔ خواب سے بیدار ہوتے ہی اس نے بیس اعیان دولت کو ساتھ لیا اور بہت سا خزانہ گھوڑوں پر لدوا کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اہل دمشق سلطان کے یکا یک عازم سفر ہونے سے بہت حیران ہوئے، لیکن کسی کو معلوم نہ تھا کہ اصل بات کیا ہے؟

دمشق سے مدینہ منورہ پہنچنے میں عام طور پر بیس پچیس دن لگتے تھے، لیکن سلطان نے یہ فاصلہ نہایت تیز رفتاری کے ساتھ طے کیا اور سولہویں دن مدینہ منورہ جا پہنچا۔ اہل مدینہ اس کی اچانک آمد پر حیران رہ گئے۔ سلطان نے آتے ہی شہر میں آنے جانے کے دروازے بند کرا دیے، پھر منادی کرا دی کہ آج تمام اہل مدینہ اس کے ساتھ کھانا کھائیں، تمام اہل مدینہ نے نہایت خوش دلی سے سلطان کی دعوت قبول کی۔ اس طرح مدینہ منورہ کے تمام لوگ سلطان کی نظر سے گزر گئے۔ لیکن ان میں وہ آدمی نہیں تھے، جن کی شکلیں اسے خواب میں دکھائی گئیں تھیں۔

سلطان نے اکابر شہر سے پوچھا کہ کوئی ایسا شخص تو باقی نہیں رہا، جو کسی وجہ سے دعوت میں شریک نہ ہوسکا ہو، انھوں نے عرض کی کہ اہل مدینہ میں تو کوئی شخص ایسا نہیں رہا، جو دعوت میں شریک نہ ہوا ہو۔ البتہ دو خدا رسیدہ مغربی زائر جو مدت سے یہاں مقیم ہیں، نہیں آئے۔ یہ دونوں بزرگ عبادت میں مشغول رہتے ہیں، اگر کچھ وقت بچتا ہے تو جنت البقیع میں

لوگوں کو پانی پلاتے ہیں۔ اس کے سوا وہ کسی سے ملتے ملاتے نہیں۔

سلطان نے حکم دیا، ان دونوں کو بھی ضرور یہاں لاؤ، جب وہ دونوں سلطان کے سامنے حاضر کیے گئے، تو اس نے ایک نظر میں پہچان لیا کہ یہ وہی دو آدمی ہیں، جو اسے خواب میں دکھائے گئے تھے۔ انھیں دیکھ کر سلطان کا خون کھول اٹھا، لیکن تحقیق حال ضروری تھی، کیونکہ ان کا لباس زاہدانہ اور شکل وصورت مومنوں کی سی تھی۔ سلطان نے ان دونوں سے پوچھا کہ تم دونوں کہاں رہتے ہو؟ انھوں نے بتایا کہ روضہ اقدس کے قریب ایک مکان کرایہ پر لے رکھا ہے اور اسی میں ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔

سلطان نے انھیں وہیں اپنے آدمیوں کی نگرانی میں چھوڑا اور خود اکابر شہر کے ہمراہ اس مکان میں جا پہنچا، یہ ایک چھوٹا سا مکان تھا، جس میں نہایت مختصر سامان مکینوں کی زاہدانہ زندگی کی شہادت دے رہا تھا۔ اہل شہر ان دونوں کی تعریف میں رطب اللسان تھے اور بظاہر کوئی چیز قابل اعتراض نظر نہیں آتی تھی، لیکن سلطان کا دل مطمئن نہیں تھا۔ اس نے مکان کا فرش ٹھونک بجا کر دیکھنا شروع کیا۔ یکا یک سلطان کو ایک چٹائی کے نیچے فرش ہلتا ہوا محسوس ہوا۔ چٹائی ہٹا کر دیکھا تو ایک چوڑی سل تھی، اسے سرکایا گیا تو ایک خوفناک انکشاف ہوا۔ یہ ایک سرنگ تھی، جو روضہ اقدس کی طرف جاتی تھی۔ سلطان سارا معاملہ آناً فاناً سمجھ گیا اور بے اختیار اس کے منہ سے **صدق اللہ و صدق رسولہ النبی الکریم** نکلا۔

سادہ مزاج اہل مدینہ بھی ان بھیڑ نما بھیڑیوں کی یہ حرکت دیکھ کر ششدر رہ گئے، سلطان اب قہر وجلال کی مجسم تصویر بن گیا اور اس نے دونوں ملعونوں کو پابہ زنجیر کر کے اپنے سامنے لانے کا حکم دیا، جب وہ سلطان کے سامنے پیش ہوئے، تو اس نے ان سے نہایت غضبناک لہجہ میں مخاطب ہو کر پوچھا...... سچ سچ بتاؤ تم کون ہو؟ اور اس ناپاک حرکت سے تمہارا کیا مقصد ہے؟ دونوں ملعونوں نے نہایت بے شرمی اور ڈھٹائی سے جواب دیا، اے بادشاہ! ہم نصرانی ہیں (بعض رواتیوں میں ہے کہ یہ دونوں یہودی تھے) اور اپنی قوم کی طرف سے تمھارے پیغمبر کی لاش چرانے پر مامور ہوئے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس سے بڑھ کر اور کوئی کار ثواب نہیں ہے، لیکن افسوس کہ عین اس وقت جب ہمارا کام بہت تھوڑا باقی رہ گیا تھا، تم نے ہمیں گرفتار کر لیا۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ یہ سرنگ حضرت عمر کے جسد مبارک تک پہنچ چکی تھی، یہاں تک کہ ان کا ایک پاؤں ننگا ہو گیا تھا۔

سلطان کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔ اس نے تلوار کھینچ کر ان دونوں بدبختوں کی گردنیں اڑا دیں اور ان کی لاشیں بھڑکتی ہوئی آگ کے الاؤ میں ڈلوا دیں۔ یہ کام انجام دے کر سلطان پر رقت طاری ہو گئی اور شدت گریہ سے اس کی گھگی بندھ گئی، وہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں روتا ہوا گھومتا تھا اور کہتا تھا ”زہے نصیب کہ اس خدمت کے لیے حضور ﷺ نے اس غلام کا انتخاب فرمایا“...... جب ذرا قرار آیا تو سلطان نے حکم دیا کہ روضہ نبوی ﷺ کے گرد ایک گہری خندق کھودی جائے اور اسے پگھلے ہوئے سیسے سے پاٹ دیا جائے۔

سلطان کے حکم کی تعمیل میں روضۂ اطہر کے چاروں طرف اتنی گہری خندق کھودی گئی کہ زمین سے پانی نکل آیا، اس کے بعد اس میں سیسہ بھر دیا گیا تاکہ زمانہ کی دستبرد سے ہر طرح محفوظ رہے۔ یہ سیسے کی دیوار روضۂ اقدس کے گرد آج تک موجود ہے اور ان شاء اللہ ابد تک قائم رہے گی۔ آج بھی اہل اسلام سلطان نور الدین کا نام نہایت محبت اور احترام سے لیتے ہیں اور ان کا شمار ان نفوس قدسی میں کرتے ہیں، جن پر سید البشر نے خود اعتماد کا اظہار فرمایا اور ان کے محب رسول ہونے کی تصدیق فرمائی۔

یہ منصب بلند ملا جس کو مل گیا

(”نور الدین محمود زنگی“ از طالب الہاشمیؒ)

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ اور پرنس ریجی نالڈ

ایک دفعہ شیطان صفت پرنس والی کرک ریجی نالڈ نے جزیرہ نمائے عرب پر لشکر کشی کا قصد کیا تاکہ مدینہ منورہ میں آنحضرت ﷺ کے روضہ مبارک کو منہدم اور مکہ معظمہ میں خانہ کعبہ کو مسمار کر دے (نعوذ باللہ)۔ جب وہ سمندری راستے سے حملہ آور ہوا تو مسلمان مقابلے کے لیے مدینہ پاک سے روانہ ہوئے۔ اس کی فوج، اسلامی لشکر کو دیکھ کر گھبرا گئی۔ وہ اپنے جہازوں کو چھوڑ کر پہاڑوں کی جانب بھاگی۔ مسلم سپاہ کے جیالوں نے ان کا تعاقب کیا اور ان کے ٹکڑے کر دیے۔ ریجی نالڈ جیسا شاتم رسول (ﷺ) خود بھاگ کر جان بچانے میں کامیاب ہو گیا لیکن ابلیس کا یہ فرزند اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا اور مسلمانوں کو دکھ پہنچانا اور حضور ﷺ کی توہین کا ارتکاب کرنا، اس کی فطرت کا جزو لاینفک بن گیا۔ لین پول کا بیان ہے کہ ریجی نالڈ نے 1179ء میں مسلمانوں کا ایک کارواں لوٹ لیا اور اس کے تمام آدمی گرفتار کر لیے۔ بادشاہ یروشلم نے اس پر اعتراض کیا اور کارواں کے لوگوں کی رہائی اور لوٹے

ہوئے مال کی واپسی کے لیے سفیر بھیجے۔ ریجی نالڈ نے ان کا مذاق اُڑایا۔ 1183ء میں اس نے پھر یہی حرکت کی۔ 1186ء میں مسلمان تاجروں کے ایک قافلے کو لوٹ کر اہل قافلہ کو گرفتار کیا۔ جب ان لوگوں نے اس سے رہائی کے لیے کہا تو اس نے یہ طعن آمیز جواب دیا ''تم محمد (ﷺ) پر ایمان رکھتے ہو، اس سے کیوں نہیں کہتے کہ وہ آ کر تم کو چھڑائے۔'' جس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی کو ریجی نالڈ کی اس گستاخانہ گفتگو کی خبر ملی تو اس نے قسم کھا کر کہا، اس صلح شکن کافر کو خدا نے چاہا تو میں اپنے ہاتھوں سے قتل کروں گا۔

صلیبی لڑائیوں کے سلسلے میں ایک موقع پر فرنگیوں کو شکست ہو گئی۔ فرنگی بادشاہ اور اس کے سربرآوردہ ساتھی مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔ ان سب کو سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے سامنے پیش کیا گیا۔ ان میں ریجی نالڈ بھی تھا۔ سلطان کو دیکھ کر اُسے اپنی بداعمالیاں یاد آ گئیں اور ساتھ ہی سلطان کی قسم بھی یاد آ گئی، جس نے ریجی نالڈ کا خون خشک کر دیا۔ پیاس سے اس کا برا حال تھا۔ اس نے سلطان سے پانی مانگا۔ سلطان نے اسے پانی دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ تم گستاخ رسول ہو، تمھیں پانی نہیں دیا جا سکتا۔ پھر سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے اس کو تمام بداعمالیوں گنائیں اور یہ بھی کہا کہ اس وقت میں محمد رسول اللہ ﷺ سے مدد چاہتا ہوں۔ اور یہ کہہ کر اپنے ہاتھوں سے اس موذی کا سر قلم کر دیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہم مسلمانوں کا یہ دستور نہیں ہے کہ لوگوں کو خواہ مخواہ قتل کرتے رہیں۔ ریجی نالڈ تو صرف حد سے بڑھی ہوئی بداعمالیوں اور حضور نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کی پاداش میں قتل کیا گیا ہے۔

قرآن مجید اور ولید بن مغیرہ

قرآن مجید بدنام زمانہ گستاخ رسول ولید بن مغیرہ کے عیوب بیان کرتے ہوئے اسے ''زنیم'' یعنی ''حرام زادہ'' قرار دیتا ہے۔ (القلم: 10 تا 13)

مولانا اشرف علی تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں: ''جس طرح حدیث شریف کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار درود شریف پڑھنے سے دس رحمتیں نازل ہوتی ہیں، اسی طرح قرآن مجید کے اشارہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کہ حضور نبی کریم ﷺ کی شانِ ارفع میں ایک گستاخی کرنے سے نعوذ باللہ منہا اس شخص پر منجانب اللہ دس لعنتیں نازل ہوتی ہیں۔ چنانچہ ولید بن مغیرہ کے حق میں اللہ تعالٰی نے بسواء استہزاء یہ دس کلمات ارشاد فرمائے۔

حلاف، مهین، هماز، مشاء بنمیم، مناع للخیر، معتد، اثیم، عتل، زنیم، مکذب للآیات.''(زادالسعید)

ان دس نشانیوں کا مطلب یہ ہوا:

1- بہت زیادہ جھوٹی قسمیں کھانے والا۔
2- بے وقعت اور بے حیثیت یعنی ذلیل
3- طعنے دینے والا اور چرب زبان۔
4- لوگوں کی چغلیاں کھانے والا۔
5- نیکی کے کاموں سے روکنے والا۔
6- ہر چیز میں حد سے بڑھ جانے والا۔
7- ناپاک اور پلید۔
8- بات بات پر جھگڑنے والا۔
9- زنیم یعنی حرام زادہ۔
10- اللہ کی نشانیوں کو جھٹلانے والا۔

امام قرطبیؒ نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے:

''جب ولید بن مغیرہ نے یہ آیات سنیں تو وہ اپنی والدہ کے پاس گیا اور تلوار ننگی کر کے ماں سے کہنے لگا کہ مسلمانوں کا نبی محمد (ﷺ) غلط بیانی نہیں کرتا اور مسلمانوں کے نبی (ﷺ) نے میرے بارے میں دس علامات بیان کی ہیں۔ 9 کا فیصلہ میں خود کر سکتا ہوں، دسویں کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ میں نے دیکھا ہے کہ وہ 9 کی 9 علامتیں میرے اندر موجود ہیں۔ اب دسویں کی تصدیق تُو کر کہ کیا میں ولد الزنا ہوں یا نہیں؟ اس کی ماں نے اسے جواب دیا: تیرا باپ اس قابل نہ تھا کہ اس کے نطفہ سے اولاد ہو سکے، چنانچہ میں نے ایک چرواہے سے زنا کروایا اور تیرا تولد ہوا۔ مسلمانوں کے رب نے سچ فرمایا ہے کہ تو ولد الزنا ہے۔''

(الجامع الاحکام القرآن 18/234)

گستاخانِ رسول ﷺ سے نفرت

نبی کریم ﷺ کے ایک چچا کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ قرآن مجید نے اس کا لقب ابولہب رکھا۔ خود آپ ﷺ نے جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کے لیے ''کذاب'' (بہت بڑا جھوٹا) کا

لفظ استعمال کیا جو نفرت وحقارت کا منہ بولتا ثبوت ہے اور اب وہ پوری دنیا میں مسیلمہ کذاب کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ مشہور گستاخ رسول اور کافر ابوجہل کا نام عمرو بن ہشام جبکہ لقب ابوالحکم (عقل کا باپ) تھا مگر رسالت مآب ﷺ نے اسے ''ابوجہل'' کا لقب دیا کہ وہ حق دیکھ کر بھی جہالت کا شکار رہا۔ یہ لقب ایسا مشہور ہوا کہ بہت سے لوگوں کو اس کا اصل نام بھی یاد نہ رہا۔ ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے اسے اپنی امت کا ''فرعون'' قرار دیا۔ جھوٹے مدعی نبوت طلیحہ اسدی کے نائب عیینہ بن حصن فزاری کو آپ ﷺ نے ''احمق مطاع'' کا خطاب دیا یعنی ''بے وقوف سردار۔'' اس طرح آپ ﷺ نے مشہور منافق عبداللہ بن ابی کو ''رئیس المنافقین'' کا خطاب دیا۔

؎ اسم مقدس جس کا محمدؐ وہ احمدؐ ، محمودؐ ہے
اللہ کی مخلوق میں بس وہؐ اللہ کا مقصود ہے
شک نہیں اس میں ذات ہی اسؐ کی وجہ ہست و بود ہے
اسؐ کا محب، محبوب ہے حق کا اور دشمن مردود ہے

مسیلمہ کذاب سے لے کر گوہر شاہی تک ایسے بدبختوں کی ایک لمبی فہرست ہے جو شانِ رسالت ﷺ میں توہین کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ان میں مرزا قادیانی اور اس کی ذریت سرفہرست ہے۔ ایسے لوگوں کا تذکرہ حقارت اور نفرت سے کرنا چاہیے تاکہ لوگوں کو اس سے عبرت ہو۔ یہ لوگ شیطان کی مجلسِ شوریٰ کے ممبر ہیں۔ اگر شیطان کے لیے ''رجیم'' یعنی ''مردود'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو ان گستاخان کے لیے ''زنیم'' کا لفظ استعمال ہونا چاہیے۔

مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے تذکرہ میں آتا ہے کہ حضرت کی عادت تھی کہ جب بھی گفتگو یا درس کے دوران میں مرزا قادیانی کا نام آتا تو طبیعت میں جلال آ جاتا۔ کذاب، لعین، مردود، شقی، بدبخت ازلی، محروم القسمت، دجال، کذاب اور شیطان کہہ کر مرزا قادیانی کا نام لیتے اور اس کے بعد بددعائیہ جملے ارشاد فرما کر اس کے قول کو نقل کرتے۔ کسی خادم نے پوچھا یا شیخ! آپ جیسا نفیس الطبع آدمی، جب مرزا قادیانی کا نام آتا ہے تو اس طرح غضب ناک ہو جاتا ہے؟ اس پر آپ نے فرمایا میاں! میرا ایمان ہے کہ جس طرح حضور علیہ السلام سے محبت رکھنی چاہیے، اس طرح آپ ﷺ کے دشمنوں سے بغض رکھنا بھی ایمان ہے۔ آپ ﷺ کا سب سے بڑا دشمن مرزا قادیانی بدبخت تھا۔ اس لیے اس مردود کو گالی دے

کر اس سے جتنا اظہار بغض ہوگا، اتنا ہی زیادہ حضور علیہ السلام کا قرب نصیب ہوگا۔ میں یہ اس لیے کرتا ہوں کہ تم اپنے باپ کے دشمن کو اور حکومت اپنے باغیوں کو برداشت نہیں کرتی تو میں حضور علیہ السلام کے دشمن کو کس طرح برداشت کرلوں؟ بعض عاشقان رسول ﷺ کا قول ہے کہ گستاخ رسول ﷺ سے بغض و عناد اور عداوت و نفرت رکھنے کا ثواب درود شریف کے اجر و ثواب کے برابر ہے۔ کیونکہ دونوں چیزیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت و عقیدت کی وجہ سے ہیں۔ اس لیے وہ مرزا قادیانی اور اس قبیل کے دیگر گستاخوں کو خنزیر ایسے ناپاک جانور سے تشبیہ دیتے ہیں۔

مگر المیہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں بعض ترقی پسند اور روشن خیال حضرات، مرزا قادیانی اور دیگر گستاخوں کے لیے صاحب، جناب اور ایسے ہی دیگر احترامیہ القابات استعمال کرتے ہیں جو انتہائی قابل مذمت اور قابل نفرین ہے۔ گستاخان رسول ﷺ کے لیے کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی زبان استعمال کرنا، لکھنؤ کا گلاب لہجہ اختیار کرنا، شاہی آداب بجالانا، اپنے دل میں مروت و مودت پیدا کرنا، بدذوقی ہی نہیں معصیت بھی ہے۔ اسے اخلاق اور رواداری کا نام دینے کا حوصلہ وہی شخص کرسکتا ہے جس کا دل غیرت و حمیت اور سینہ عشق رسول ﷺ سے خالی ہو۔ ابوجہل، ابولہب، ولید بن مغیرہ، مسیلمہ کذاب، راجپال، سلمان رشدی، مرزا قادیانی وغیرہ کیا حسن اخلاق یا پھول پیش کیے جانے کے مستحق ہیں؟ ان سے رواداری برتنا کس زمرے میں آتا ہے؟ ان کے لیے عزت و تکریم کا صیغہ استعمال کرنا کہاں کی دانشوری ہے؟ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی تقریر و تحریر میں گستاخان رسول ﷺ بالخصوص مرزا قادیانی اور اس کی ذریت کے لیے سخت سے سخت الفاظ استعمال کرے تاکہ وہ معاشرے میں ایک غلیظ ترین مخلوق کے طور پر پہچانے جائیں۔

رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں سے دوستی رکھنے والا رسول اللہ ﷺ کی ناراضی کا مستحق اور غضب الٰہی کا سزاوار ہے۔ قرآن کریم میں واضح اعلان ہے:

''اللہ اور روز آخرت پر ایمان لانے والوں کو تم نہ پاؤ گے کہ وہ ان لوگوں سے دوستی کریں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی ہے، اگرچہ وہ (مخالفین) اُن (اہل ایمان) کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے (ہی کیوں نہ) ہوں۔'' (مجادلہ:22)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد پاک ہے ''دنیا میں جو شخص جس کے ساتھ محبت کرتا ہوگا

قیامت کے روز اسی کے ساتھ (اس کا حشر) ہوگا۔"

عربی کہاوت ہے کہ دوست تین قسم کے ہوتے ہیں۔ (1) دوست (2) دوست کا دوست (3) دشمن کا دشمن۔ اسی طرح دشمن بھی تین طرح کے ہوتے ہیں۔ (1) دشمن (2) دوست کا دشمن (3) دشمن کا دوست۔

ظاہر بات ہے رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں کا دوست، رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا اور رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں کا دشمن، رسول اللہ ﷺ کے دوستوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

حضرت حسانؓ بن ثابت کی گستاخانِ رسولؐ کے خلاف شاعری

حضرت حسانؓ بن ثابت اسلام کی مذہبی شاعری کے بانی تھے۔ انھیں شاعرِ رسول اللہ ﷺ بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت حسانؓ نے دفاع اسلام اور شاعرِ رسول اللہ ﷺ ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی ادب و روایات کا بھی دفاع کیا۔ ان کے اشعار کی کاٹ کفار کے لیے تلوار کی دھار سے زیادہ کاری ثابت ہوئی۔ ابتدا میں کفار و مشرکین نے شعر و شاعری کے ذریعے نبی ﷺ اور اصحاب نبی ﷺ کا بھرپور مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ معاملہ روز بروز بڑھتا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے رسول اللہ کی اپنے ہتھیاروں سے مدد کی ہے (یعنی انصار) انھیں اب زبانوں سے ان کی مدد کرنے میں کونسی چیز مانع ہے؟ جواب میں شعرائے رسول ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کی حوصلہ افزائی کی اور اس طرح ذات اقدس ﷺ کے زیرِ نگرانی شعراء کی ایک جماعت قائم ہو گئی جس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کی تعمیل اس طرح کی کہ نہ صرف کفار کی بدزبانی اور گستاخیوں کے جواب دیے بلکہ رسول کریم ﷺ کی عزت و آبرو کی حفاظت و دفاع کی خاطر اپنی جان و مال اور عزت و آبرو سب کچھ داؤ پر لگا دیا۔ حضرت حسانؓ بن ثابت کے ایک شعر کا مفہوم ہے: "میرے باپ دادا اور خود میری عزت و آبرو محمد ﷺ کی عزت و ناموس کے لیے ڈھال ہے۔"

اغانی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے حسان بن ثابتؓ سے فرمایا کہ ہجو شروع کرنے سے پہلے ابوبکرؓ کے پاس جاؤ، وہ تمھیں مکہ والوں کے بارے پوری تفصیلات بتا دیں گے۔ ان کی جنگوں اور ان کے حسب و نسب کے بارے میں پوری معلومات فراہم کر دیں گے، پھر ان کی ہجو کرو، جبریل علیہ السلام تمھارے ساتھ ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے یہ بات

اس لیے کہی تھی کہ آپ ﷺ خود بھی مکی اور قریشی تھے جبکہ حسانؓ بن ثابت مدنی اور انصاری تھے اور مکہ والوں کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے تھے۔ اس لیے خطرہ تھا کہ کہیں ایسی بات ہجو میں نہ کہہ جائیں جس میں آنحضور ﷺ یا آپ ﷺ کے قریبی رشتہ داروں پر چوٹ پڑ جائے جس کا اظہار آپ ﷺ نے حسانؓ بن ثابت سے کر دیا تھا۔ چنانچہ حسانؓ بن ثابت جب ابوبکرؓ کے پاس آئے تو انھوں نے حسانؓ بن ثابت کو قریش کے حسب ونسب کے بارے میں جملہ معلومات دے کر ان کی ڈھکی چھپی برائیاں اور برے اور بھلے لوگوں کی نشاندہی کی۔ چنانچہ حسانؓ بن ثابت نے مکہ والوں اور قریشیوں کی اس طرح ہجو کی اور اس طرح ان کی بے عزتی کی کہ وہ سن کر تلملا اٹھتے تھے۔ لیکن حضور ﷺ پر چھینٹ نہیں پڑتی تھی، اس لیے وہ چیخ اٹھے کہ ہم سے چھوٹ کر ابن ابی قحافہ (ابوبکر صدیق ؓ) نے شعر کہنے شروع کیے۔ چنانچہ آپ ﷺ فرماتے تھے کہ یہ (اس قسم کے ہجویہ اشعار) مکہ والوں کے لیے تیروں سے زیادہ تکلیف دہ ہیں۔ یہ انداز ہجو قریش والوں کے لیے اتنا سخت تکلیف دہ ہے جیسے گھور اندھیری رات میں کسی پر تیز تلوار سے اچانک بھرپور وار کر دیا جائے۔

حضرت حسانؓ بن ثابت کے اشعار قرآنی معانی و مفاہیم سے مستفاد ہوتے۔ مدح رسول ﷺ کے ساتھ ساتھ کفار کی ہجو و قدح میں بھی دفتر کے دفتر کہہ ڈالے جس سے مشرک شعرا سر پیٹ کر رہ گئے۔ انھیں ہجو و قدح میں خاص ملکہ حاصل ہو گیا تھا۔ اس لیے ان کی ہجووں میں اس بلا کی تیزی، گرمی، شدت اور فصاحت و بلاغت ہوتی کہ کفار عرب پناہ مانگتے تھے۔

حضرت حسانؓ بن ثابت خاص طور سے اور کعب بن مالکؓ عام طور سے مکہ والوں کی جنگوں میں شکستوں، معرکہ کارزار سے فرار اور ان کی بزدلی اور بخل کے قصوں کو نمک مرچ لگا کر بیان کرتے تھے۔ ان کی بداخلاقیوں، بے حیائی اور حسب ونسب میں ملاوٹوں، کمزوریوں اور برائیوں کو اچھالتے تھے، جنھیں سن کر مکہ والے جل اٹھتے تھے اور بھنائے بھنائے پھرتے تھے مگر کچھ نہ بن پڑتی تھی۔

عہد رسالت ﷺ میں حضرت عبداللہؓ بن رواحہ، حضرت کعبؓ بن مالک انصاری اور حضرت حسانؓ بن ثابت شہرۂ آفاق خضرمی شعرا تھے، جنھوں نے مشرکین کی ہجووں کا جواب نہایت مؤثر اور دل نشیں انداز میں دیا، لیکن حضرت حسانؓ کی خدمت آنحضور ﷺ کے لیے اس وجہ سے بیش قیمت تھی کہ وہ کفار کی یاوہ گوئی کا مقابلہ بڑی دل جمعی کے ساتھ کیا کرتے

تھے۔ روح القدس اس سلسلے میں ان کی مدد فرمایا کرتے تھے۔ مسند احمد کی روایت ہے کہ شعرائے قریش کی ہجوؤں کا جواب دینے کا معاملہ طے ہوا تو حضور پاک ﷺ نے حضرت کعب بن مالکؓ کو کہلا بھیجا کہ قریش کی ہجو اور لغویات کا جواب دو۔ انھوں نے حکم کی تعمیل کی۔ لیکن حضور ﷺ کو ان کے جوابی اشعار پسند نہ آئے۔ کیونکہ آپ ﷺ اس سے بھی زیادہ بھرپور اور جارحانہ انداز میں جواب چاہتے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کو یہ کام تفویض کیا۔ انھوں نے بھی جوابی ہجو کہی۔ لیکن اس مرتبہ بھی حضور ﷺ کو پسند نہ آئی۔ اس کے بعد حضرت حسانؓ کو پیغام ارسال کیا کہ تم یہ کام کرو۔ لوگ ان کے پاس حاضر ہوئے اور حضور ﷺ کا پیغام سنایا تو انھوں نے بڑے پُرعزم لہجے میں کہا، ''یارسول اللہ ﷺ! میں اس کام کے لیے حاضر ہوں، اور اپنی زبان پکڑ کر کہا کہ خدا کی قسم! اب اس کے ذریعے بصریٰ اور صنعاء کے درمیان کسی دوسری بات سے مجھے خوشی نہ ہوگی یعنی اب یہ زبان صرف آپ ﷺ کی طرف سے مدافعت اور آپ ﷺ کی طرف سے زبانی جنگ کے لیے وقف ہے۔ میں گستاخان رسول ﷺ کو اپنی زبان سے ٹھیک کر دوں گا'' اور واقعی انھوں نے وہی کر دکھایا جو کہا تھا۔

سرور عالم ﷺ نے حضرت حسانؓ بن ثابت سے ارشاد فرمایا، ''تم ان لوگوں کی ہجو کیسے کرو گے جبکہ میں خود انہی کا ایک فرد ہوں؟ تو انھوں نے جواب دیا، ''**فقال: انی اسلک منهم کما تسل الشعرة العجين.**'' یعنی میں آپ ﷺ کو ان میں سے اس طرح نکال لوں گا جس طرح آٹے کی خمیر سے بال کھینچ لیا جاتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا، ''انصار کے تین اشخاص مشرکین کی ہجو کریں گے، حسان بن ثابت، کعب بن مالک اور عبداللہ بن رواحہ۔ حسان بن ثابت اور کعب بن مالک یہ دونوں حضرات مشرکین کے جواب میں جنگ و جدال اور موروثی عیوب کو ظاہر کریں گے اور حسب و نسب کے ذریعے عار دلائیں گے۔ دوسری طرف عبداللہ بن رواحہؓ انھیں بت پرستی اور کفر پر لعنت و ملامت کریں گے۔

معاصرین میں حسانؓ و کعبؓ کی زبان آوری مشرکین پر سخت گراں ہوا کرتی تھی اور عبداللہ بن رواحہؓ کا جواب قدرے سہل اور نرم ہوتا۔ لیکن اسلام لانے کے کچھ دنوں کے بعد جب ان کے اندر اسلام کی گہری بصیرت آ گئی تو ان کی ہجو بھی بڑی سخت ثابت ہوئی۔

ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا:

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: امرت عبداللّٰہ بن رواحۃ فقال و احسن وامرت کعب بن مالک فقال و احسن، وامرت حسان بن ثابت فشفی و اشفی.

''میں نے عبداللہ بن رواحہ کو قریش کی ہجو کا حکم دیا تو انھوں نے بہ حسن وخوبی انجام دیا، پھر کعب بن مالک کو حکم دیا تو انھوں نے بھی اچھے طریقے سے نبھایا، پھر جب حسان بن ثابت کو حکم دیا تو انھوں نے حجت پوری کردی۔''

حضرت حسانؓ کا کلام یہود ونصاریٰ پر زیادہ شاق اس وجہ سے تھا کہ وہ اوثان پرستی کے اعتقادی امراض ومصائب کا تذکرہ کرنے کے ساتھ ساتھ قریش کی ناکامیوں، موروثی و خاندانی کمزوریوں کو اجاگر کرتے تھے،جس سے قریش تکلیف وخفت سے پانی پانی ہو جاتے تھے۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت حسانؓ کو جو خدمت تفویض فرمائی، اسے انھوں نے بہ حسن وخوبی اور عقیدت کے ساتھ ادا کیا۔حضور پاک ﷺ اس مدافعت سے نہایت خوش ہوتے تھے۔ابن حجر عسقلانیؒ نے ''اصابہ'' میں ابوداؤد شریف کے حوالے سے حدیث نقل کی ہے جو حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے: ''نبی ﷺ حضرت حسانؓ کے لیے مسجد نبوی ﷺ میں منبر بچھواتے تھے جس پر کھڑے ہو کر وہ کفارِ عرب کی ہجوؤں کا جواب دیتے اور اپنے آقا مصطفیٰ ﷺ کی مدح میں نغمہ سرا ہوتے تھے۔آپ ﷺ فرمایا کرتے کہ حسانؓ کے یہ ہجو یہ اشعار کفار کے لیے اندھیرے میں چلنے والے تیروں سے بھی زیادہ کارگر ہیں۔

دوسری روایت کے مطابق ایک مرتبہ حضور پاک ﷺ نے حضرت حسانؓ سے ارشاد فرمایا:

یاحسان اجب عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اللھم ایدہ بروح القدس.

اے حسان میری طرف سے جواب دو، اے خدا! روح القدس کے ذریعے اس کی مدد کر۔

ایک دفعہ یوں ارشاد فرمایا:

یقول الحسان بن ثابت اھجھم اوطاجھم و جبرئیل معک.

اے حسان! مشرکین کی ہجو کر، جبرئیل امین تیرے ساتھ معاونت کریں گے۔

حضرت حسانؓ کی شاعری، واقعاتی اور حقیقت پر مبنی ہوا کرتی تھی۔ ان کی ہجو و قدح میں جہاں گستاخانِ رسول کی سرکوبی ہوتی، وہیں رسول پاک ﷺ اور صحابہؓ کرام کا دفاع بھی شامل ہوتا۔ واقعہ یہ ہے کہ جب بھی اسلامی حمیت و غیرت پر آنچ آتی تو ان کے جذبات اس طرح برانگیختہ اور موجزن ہوتے جس طرح دیگچی کا پانی جوش کھاتا ہے۔ دین حق کی راہ میں کوئی سنگین مسئلہ درپیش ہوتا تو اپنی صلاحیت کا مظاہرہ کرتے اور مشرکین پر بھرپور وار کرتے۔

حضرت حسان بن ثابتؓ کی زبان کی کاٹ کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے ایک مبلغ کو الحارث بن عوف المری کی امان میں قتل کر دیا گیا تو حسانؓ اس غداری کو معاف نہ کر سکے۔ اس کا ذکر اتنی تلخ ہجو سے کیا کہ الحارث اسے سن کر چیخ چیخ کر رونے لگے اور رسول ﷺ اللہ کی پناہ میں آ کر مزید ہجو کرنے سے حسانؓ کو منع کرنے کی درخواست پیش کی۔ دراصل مشرکین اور دشمنان رسولؐ کے جواب دیتے وقت حسانؓ بن ثابت کے کلام میں اتنی بلندی اور رفعت پیدا ہوتی تھی کہ ان کا کہا ہوا قصیدہ ادبی لحاظ سے ایک شہ پارہ بن جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضرت ﷺ نے انھیں اپنا شاعر منتخب فرمایا۔ حضور ﷺ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان کا کلام مکہ والوں کے دل میں برچھی کی طرح پار ہو جاتا ہے اور اس طرح حسانؓ اپنے دل کو اور میرے دل کو بڑا سکون پہنچاتے ہیں۔ ان کی انھیں خصوصیات کی وجہ سے نقادوں نے حسانؓ بن ثابت کو میدان شعر و شاعری کا استاد مانا ہے۔

معرکۂ بدر میں کفار کو ذلت آمیز شکست ہوئی اور ان کے بڑے بڑے سردار واصلِ جہنم ہوئے تو مکہ میں کہرام مچ گیا۔ کفار کے گھروں میں صف ماتم بچھ گئی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مشہور گستاخ رسول کعب بن اشرف یہودی جگہ جگہ مجمع لگا کر حضور نبی کریم ﷺ کے خلاف لوگوں کو ابھارنے اور اشتعال دلانے والے اشعار سناتا اور مقتول کفار کی شان میں مرثیے کہنے لگا۔ اس کے ردعمل میں حضرت حسانؓ بن ثابت نے اپنی دینی غیرت و حمیت کے پیش نظر کعب بن اشرف کے اشعار کا دندان شکن جواب دیا۔ آپ نے اپنے ایک شعر میں کہا:

فابکی فقد ابکیت عبدا راضعا　　　　شبه الكليب الى الكليبة يتبع

تو نے کمینے غلاموں کو تو (بہت کچھ) رلایا (اب) تو بھی رو جس طرح کم عمر کتا، کم عمر کتیا (سے مجامعت) کے بعد آواز نکالتا ہے۔ (سیرت ابن ہشام ص 31)

شعر کے بارے میں جب کعب بن مالکؓ نے آپ ﷺ سے دریافت کیا تو حضور

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''مومن اپنی تلوار سے جہاد کرتا ہے اور اپنی زبان سے بھی'' یہ فرما کر آپ ﷺ نے مسلمان شعراء و ادبا پر بہت بڑی ذمہ داری عائد کی ہے۔ آج ہمیں جس فکری اور ثقافتی یلغار کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، اب اگر ہمیں اس کو روکنا ہے اور اپنی تہذیب، اپنے نظریات اور اپنی قدروں کے ساتھ جینا ہے تو اس کے لیے جہاد بالسیف کے ساتھ ساتھ جہاد بالقلم کی بھی ضرورت ہے۔ اب یہ مسلمان اہل قلم کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس فکری اور ثقافتی یلغار کے آگے بند باندھ لیں اور حقِ قلم ادا کریں۔

کافروں سے دوستی یا دشمنی؟؟؟

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لاتجد قوما یؤمنون باللّٰہ والیوم الأخر یوآدون من حاد اللّٰہ ورسولہ ولو کانوا آباء ھم او ابناء ھم او اخوانھم او عشیرتھم. (المجادلۃ :22)

''اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت کرنے والے ہرگز نہ پائیں گے، اگرچہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے قبیلے کے عزیز ہی کیوں نہ ہوں۔''

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر و تشریح کے ضمن میں مفسرین کرام نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ:

- سیدنا ابوعبیدہ عامرؓ بن عبداللہ بن جراح کے بارے میں نازل ہوئی جب انھوں نے غزوۂ بدر کے روز میدانِ بدر میں اپنے باپ کو قتل کر دیا تھا۔
- نیز سیدنا صدیق اکبرؓ کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ انھوں نے بدر کے دن اپنے حقیقی بیٹے عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو قتل کرنے کا مصمم ارادہ کیا ہوا تھا۔
- سیدنا مصعب بن عمیرؓ کے متعلق بھی نازل ہوئی کیونکہ انھوں نے اپنے حقیقی بھائی عبید بن عمیر کو بدر کے دن ہی قتل کیا تھا۔
- اس آیت کا نزول سیدنا عمرؓ بن خطاب سے بھی تعلق رکھتا ہے کیونکہ انھوں نے اپنے ایک قریبی رشتہ دار (اپنے سگے ماموں عاص بن ہشام) کو قتل کر دیا تھا۔
- یہ آیت سیدنا حمزہؓ بن عبدالمطلبؓ، سیدنا علیؓ بن ابی طالب اور سیدنا ابوعبیدہ بن

حارثؓ کے بارے میں بھی نازل ہوئی کیونکہ انھوں نے اپنے قریبی رشتہ داروں عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ کو بدر کے دن قتل کر دیا تھا۔

۞ یہ واقعہ بھی مندرجہ بالا مضمون ہی سے تعلق رکھتا ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ نے مسلمانوں سے بدر کے قیدیوں کے بارے میں مشورہ طلب کیا تو سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے اس طرف اشارہ کیا کہ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ پھر اس حاصل کیے ہوئے فدیے (تاوانِ جنگ) سے مسلمانوں کی قوت و طاقت (اسلحہ وغیرہ) کا سامان بنایا جائے، آخر وہ ہمارے ہی چچیرے بھائی اور برادری والے ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان میں سے اللہ تعالیٰ کسی کو ہدایت کی دولت سے بھی نواز دے۔

جب رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمرؓ بن خطاب سے مشورہ طلب کیا تو سیدنا حضرت عمر فاروقؓ فرمانے لگے، اے اللہ کے رسول ﷺ! میری رائے اور مشورہ وہ نہیں ہے جو سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے دیا ہے۔ میں تو آپ سے عرض کروں گا کہ آپ مجھے اجازت دیں کہ قیدیوں میں جو فلاں شخص میرا قریبی رشتہ دار ہے، وہ مجھے دے دیا جائے اور مجھے اس کی گردن کاٹنے کا اختیار حاصل ہو تاکہ میں اس کی گردن کاٹ ڈالوں۔ سیدنا علیؓ بن ابی طالبؓ کو ان کا قیدی حقیقی بھائی عقیل بن ابی طالب سپرد کر دیا جائے تاکہ وہ اس کی گردن کاٹ ڈالیں۔ علیٰ ھذا القیاس جس جس کا کوئی عزیز اور رشتہ دار ان قیدیوں میں ہے، وہ اس کے حوالے کر دیا جائے اور اس کو اختیار دیا جائے کہ وہ اس کا گلا کاٹ ڈالے، تاکہ اللہ تعالیٰ کو ہماری طرف سے پتا چل جائے کہ ہمارے دلوں میں مشرکین کی کوئی محبت ومودت نہیں ہے۔ (دیکھیے تفسیر ابن کثیر: 330/4)

□ جب مدینہ منورہ میں یہود کے قبیلہ بنو قینقاع کی عہد شکنی کے بعد ان کے ساتھ جنگ کی صورت حال پیدا ہوگئی اور نبی اکرم ﷺ نے ان کے محاصرے کا اعلان کر دیا تو دو شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے، جن کے بنو قینقاع کے ساتھ دوستانہ تعلقات تھے۔ ایک حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ تھے، جن کے بنو قینقاع کے ساتھ گہرے دوستانہ تعلقات تھے اور بہت سے معاملات و مفادات بھی ان سے وابستہ تھے، مگر انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ جانتے ہیں کہ بنو قینقاع کے ساتھ تعلقات اور دوستی ترک کرنے میں مجھے کتنے معاشی اور معاشرتی نقصانات ہوں گے، مگر میں سب کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے لیے قربان کرتا ہوں، جبکہ عبداللہ بن ابی کی

صورت حال بھی اسی طرح کی تھی، مگر اس نے نبی اکرم ﷺ سے صاف کہہ دیا کہ مجھے یہ دوستی اور تعلقات ترک کرنے میں نقصان ہوگا، جس کا میں متحمل نہیں ہوں، چنانچہ سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یاایھا الذین امنوا لا تتخذوا الیھود والنصاریٰ اولیاء؁ بعضھم اولیاء بعض ط ومن یتولھم منکم فانه منھم ط ان اللّٰه لا یھدی القوم الظلمینo فتری الذین فی قلوبھم مرض یسارعون فیھم یقولون نخشی ان تصیبنا دائرۃ فعسی اللّٰه ان یاتی بالفتح او امر من عندہ فیصبحوا علی ما اسروا فی انفسھم ندمینo (المائدۃ، 51-52)

''اے اہل ایمان! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور جو شخص تم میں سے ان کو دوست بنائے گا وہ بھی انھیں میں سے ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ لیکن اس کے باوجود آپ دیکھیں گے کہ جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے، وہ ان کی طرف دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ کہیں ہم پر کوئی گردش نہ آ جائے۔ پس ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح دے دیں یا کوئی اور فیصلہ صادر فرمادیں تو ان منافقوں کے پاس ندامت کے سوا کچھ نہیں بچے گا۔''

تاریخ خود کو دہرا رہی ہے، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن ابی کا کردار آج بھی زندہ ہے، دونوں کردار نظر آ رہے ہیں۔ اب یہ مسلمان پر منحصر ہے کہ وہ کونسا کردار پسند کرتا ہے، عبادہ بن صامتؓ یا عبداللہ بن ابی کا۔

دل کی آزادی شہنشاہی، شکم سامانِ موت
فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے، دل یا شکم؟

قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت واضح اور اٹل انداز میں اپنا حکم بیان کر رہی ہے۔
اللہ تعالیٰ نے اس آیت قرآنیہ میں چند درج ذیل احکامات اور ہدایات ارشاد فرمائی ہیں:

جو شخص بھی یہود و نصاریٰ اور ان کے علاوہ دیگر کافروں (قادیانیوں) سے دوستی اور محبت کرے گا اور مومنوں کے خلاف ان کافروں کی مدد، سپورٹ اور حمایت کرے گا، وہ بالکل انہی جیسا کافر ہوگا۔ اس شخص کا انجام اور معاملہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بالکل وہی ہوگا جو ان کافروں کا ہوگا۔

اس آیت کریمہ میں یہ واضح راہنمائی بھی موجود ہے کہ کافر کبھی کسی مسلمان کا

دوست ہو ہی نہیں سکتا۔ علاوہ ازیں اس بات کی راہنمائی بھی موجود ہے کہ تمام کافروں سے بائیکاٹ اور عداوت واجب ہے۔ جب اللہ رب العزت نے ہمیں یہودیوں اور عیسائیوں سے ان کے کافر ہونے کی بنا پر دشمنی اور قطع تعلق کرنے کا حکم دیا ہے تو یہودیوں اور عیسائیوں کے علاوہ جو کافر (قادیانی) ہیں، ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ ہوگا جو یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ ہوگا۔ (بلکہ قادیانیوں سے ان سے بھی شدید تر کیونکہ وہ مرتد اور زندیق ہیں۔)

اس آیت کریمہ سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ **ان الکفر کلهٔ ملة واحدة** (ساری دنیا کا کفر ایک ملت اور ایک جماعت ہے) اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **بعضهم اولیاء بعض** (وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں)

امام ابن جریر طبریؒ تو یہاں تک فرماتے ہیں: ''زیر تفسیر آیت میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان (**ومن یتولهم منکم فانهٔ منهم ط**) کا مطلب ومفہوم یہ ہے کہ جو مومنوں کی بجائے یہودیوں، عیسائیوں (اور قادیانیوں) سے دوستی کرے گا، وہ انہی میں سے ہوگا۔ اللہ کے ہاں وہ یہودی اور عیسائی ہی شمار ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ جو اِن یہودیوں اور عیسائیوں سے دوستی رچائے گا اور مسلمانوں کے خلاف ان کی مدد کرے گا تو وہ ملت یہود اور ملت نصاریٰ کا ایک فرد ہوگا اور انہی کے مذہب پر کاربند سمجھا جائے گا۔ (ملت اسلامیہ اور دین اسلام سے وہ نکل جائے گا)

یہ بات بالکل واضح ہے کہ جب بھی کوئی شخص کسی سے محبت اور دوستی کے تعلقات قائم کرتا ہے تو آخر وہ اس شخص کو، اس کے دین کو اور اس کے نظریات اور مشن کو پسند کرتا ہے تو دوستانہ تعلقات قائم کرتا ہے۔ اگر کسی کو کسی شخص کے دین و مذہب، نظریہ اور مشن سے اختلاف ہوگا تو وہ کیونکر اس سے دوستی قائم کرے گا۔ اسی اصول کے تحت اگر کوئی شخص کسی یہودی اور عیسائی کافر کو پسند کرتے ہوئے اور اس کے مذہب و دین کو پسند کرتے ہوئے دوستی کرتا ہے تو گویا وہ اس کے مخالفین (مسلمانوں) سے لازماً دشمنی اختیار کرے گا اور ان سے ناراض ہوگا۔ نتیجتاً جو حکم اور انجام دنیا و آخرت میں ان یہودیوں، عیسائیوں (اور قادیانیوں) کا ہوگا، وہی حکم اور انجام یہودیوں، عیسائیوں (اور قادیانیوں) سے دوستیاں کرنے والے ان نام نہاد مسلمانوں کا بھی ہوگا۔''

شیخ جمال الدین قاسمیؒ اسی بناء پر فرماتے ہیں:

''اللہ رب العزت کے اس زیرِ تفسیر فرمان (**ومن یتولھم منکم فانہ منھم**) کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ان یہودیوں اور عیسائیوں سے دوستی کرے گا، وہ ان کے گروہ ہی میں شمار ہوگا۔ ان سے دوستی کرنے والے پر بھی وہی حکم اور قانون نافذ ہوگا جو ان یہودیوں اور عیسائیوں کے لیے ہوگا۔ باوجود اس کے کہ وہ زبانی دعوے کرتا رہے کہ میں تو ان یہودیوں اور عیسائیوں کا مخالف ہوں۔ اس لیے کہ ظاہری حالات و واقعات اور عمل و کردار کی شہادت ان کافروں کے ساتھ پوری پوری موافقت کی واضح دلیل ہے۔ (یہی قانون قادیانی اور قادیانی نوازوں پر لاگو ہوتا ہے۔)

فضیلۃ الشیخ سلیمان بن عبداللہؒ فرماتے ہیں:

''اللہ رب العزت نے یہود و نصاریٰ کو دوست بنانے سے منع فرمایا ہے اور خبردار کیا ہے کہ مسلمانو! یاد رکھو جو تم میں سے ان کو اپنا دوست اور حمایتی بنائے گا پھر وہ ان میں ہی شمار ہوگا۔ وہی معاملہ اس شخص کا بھی ہوگا اور جو یہود و نصاریٰ کے علاوہ کسی کافر (قادیانی) کو دوست بنائے گا یا کسی بتوں کے پجاری (ہندومت یا بدھ مت) کو دوست بنائے گا تو وہ ان مذہب والوں ہی میں شمار ہوگا۔''

لہٰذا یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ''دولتِ ایمان'' اور ''کافروں سے دوستی'' ایک دل میں اکٹھی ہو سکتی ہی نہیں۔ اگر دل میں دولتِ ایمان ہوگی تو کافروں سے دوستی نہیں ہوگی۔ اگر کافروں سے دوستی ہوگی تو دل میں دولت ایمان نہیں ہوگی۔ لہٰذا جو شخص کافروں کو دوست بنائے گا وہ ایمان کے ان لازمی تقاضوں کو کبھی پورا نہیں کر سکے گا جو اللہ پر، نبی ﷺ پر اور نبی پر نازل ہونے والی وحی یعنی قرآن و حدیث پر ایمان لانے کے بعد ایک بندۂ مسلم پر لاگو ہوتے ہیں۔ گستاخانِ رسولؐ قادیانیوں سے دوستی رکھنے والوں کو اس امر پر خوب غور کرنا چاہیے۔

- اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لایتخذ المؤمنون الکفرین اولیاء من دون المؤمنین ج ومن یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شیء الا ان تتقوا منھم تقٰۃ ط و یحذرکم اللہ نفسہ ط والی اللہ المصیرo (سورۂ آل عمران:28)

''مومنوں کو چاہیے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور

جو کوئی ایسا کرے گا وہ اللہ کی کسی حمایت میں نہیں، مگر یہ کہ ان کے شر سے کسی طرح بچاؤ مقصود ہو اور اللہ تعالیٰ خود تمھیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔"

مذکورۃ الصدر آیت کی تفسیر میں شیخ التفسیر والمفسرین امام ابن جریر طبریؒ رقمطراز ہیں:

"اس آیت کریمہ کا معنی ومفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو منع کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ کافروں کو اپنا حمایتی اور مددگار نہ بناؤ۔ وہ اس طرح کہ ان کے دین و مذہب کی بنیاد پر ان سے دوستیاں رچانے لگ جاؤ، مسلمانوں کو چھوڑ کر مسلمانوں کے خلاف کافروں کی مدد کرنے کے درپے ہو جاؤ اور کافروں کو مسلمانوں کے خفیہ راز اور معلومات فراہم کرنے لگ جاؤ۔ جو شخص ایسا رویہ اختیار کرے گا، **فلیس من اللّٰہ فی شیء** یعنی اس طرح کرنے سے وہ اللہ تعالیٰ سے اور اللہ تعالیٰ اس سے لاتعلق ہو جائے گا۔ اس وجہ سے کہ وہ اسلام سے مرتد ہو چکا ہے اور کفر میں داخل ہو چکا ہے۔

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حافظ ابن کثیرؒ یوں رقمطراز ہیں:

"اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو منع فرمایا ہے کہ وہ کافروں سے دوستی کریں۔ اس بات سے بھی منع فرمایا ہے کہ مومنوں کو چھوڑ کر ان سے چھپ چھپ کر دوستانہ مراسم قائم کریں۔ بعد ازاں اس بات پر ڈانٹتے ڈپٹتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **ومن یفعل ذلک فلیس من اللّٰہ فی شیء** (آل عمران: 28) یعنی جو کافروں سے دوستی کر کے اس جرم عظیم کا ارتکاب کرے گا اس کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہوگا۔"

اسی طرح **سورۃ الممتحنۃ** کی آیت: 1 میں بھی اللہ تعالیٰ کافروں سے دوستی کرنے سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

یاایھا الذین امنوا لا تتخذوا عدوی و عدوکم اولیاء تلقون الیھم بالمودۃ وقد کفروا بما جاء کم من الحق......

"اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ تم تو دوستی کی وجہ سے ان کی طرف خفیہ پیغام بھیجتے ہو، اور وہ اس حق کا انکار کرتے ہیں جو تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے آ چکا ہے......"

پھر اللہ تعالیٰ نے **سورۃ الممتحنۃ** کی آیت: 1 کے آخر میں سورۂ آل عمران کی

آیت:28 کے طرز کلام سے ملتا جلتا انداز اختیار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ومن یفعله منکم فقد ضل سواء السبیلo

''تم میں سے جو بھی یہ کام کرے گا، وہ یقیناً راہِ راست سے بھٹک جائے گاo''

اللہ رب العزت نے ان احکام کو یہاں تک سخت بتایا:

یاایها الذین آمنوا لا تتخذوا آباء کم و اخوانکم اولیاء ان استحبوا الکفر علی الایمان ؕ ومن یتولهم منکم فاولٰئک هم الظلمونo (التوبہ:23)

''اے ایمان والو! اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ، اگر وہ کفر کو ایمان سے زیادہ عزیز رکھیں۔ تم میں سے جو بھی ان سے محبت رکھے گا وہ پورا پورا گنہگار (ظالم) ہوگا۔''

علامہ قرطبیؒ مذکورہ آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''اس آیت کا ظاہری حکم اور معنی تو یہی معلوم ہوتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں تمام مومنوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ اس آیت کا حکم قیامت تک لیے باقی ہے (یعنی منسوخ نہیں ہوا) قیامت تک کے لیے یہ حکم ہے کہ مومنوں اور کافروں کے درمیان محبت و دوستی ہرگز جائز نہیں ہے۔

علامہ قرطبیؒ تو یہاں تک فرماتے ہیں:

''قرآن مجید کی مذکورہ آیت کے آخری حصہ **ومن یتولهم منکم فاولٰئک هم الظلمونo** کے بارے میں مفسر قرآن سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے:

هو مشرک مثلهم، لان من رضی بالشرک فهو مشرک.

''جو کسی کافر و مشرک سے دوستی کرے گا، وہ ان کی طرح ہی کا مشرک ہوگا، اس لیے کہ جو شرک کو پسند کرتا ہے، وہ بھی مشرک ہوتا ہے۔''

دلیل ثانی میں جو بات گزری تھی کہ بعض لوگوں نے غلطی کی بنا پر یہ سمجھا ہے کہ ''کوئی نام نہاد مسلمان اس وقت کافر ہوگا جب وہ دل سے کافروں کے دین و مذہب کو پسند کرنے لگ جائے۔ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کے خلاف کسی کافر کی مدد و معاونت کرتا ہے اور کافر کے ساتھ مل کر مسلمان کے خلاف لڑائی کرتا ہے تو وہ کافر نہیں ہوگا، جب تک دل سے اس

کافر کے دین کو پسند نہ کرے۔

امام طبریؒ کے حوالے سے پیش کردہ اس کلام اور گفتگو کی مزید کچھ وضاحت سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے کلام سے واضح ہوتی ہے کہ یہ سمجھنا مبنی برخطا ہے کہ کافروں سے دوستی کرنے والے کسی شخص کو کافر قرار دینے کے لیے "رضائے قلبی" (دلی خوشنودی) کی شرط عائد کی جائے، بلکہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے مذکورہ بالا قول سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے موقف کے مطابق بھی مسئلہ یوں ہی ہے کہ جو کسی کافر کے ساتھ دوستانہ مراسم قائم کرے گا، تو وہ اسی کی طرح کافر ہوگا۔ کسی کافر سے دوستی کے ظاہری مراسم ہی اس کے دل کے اندر کی رضا و رغبت کی دلیل سمجھے جائیں گے۔"

اس حقیقت میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ قادیانی، یہود و نصاریٰ سے زیادہ خطرناک اور آستین کے سانپ ہیں۔ ان سے دوستانہ تعلقات اور مراسم رکھنے والے اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک انہی میں شمار ہوں گے۔ لہٰذا ہر مسلمان کو اپنی آخرت کی فکر کرتے ہوئے قادیانیوں کا مکمل سماجی ومعاشی بائیکاٹ کرنا چاہیے۔

☐ کافروں سے دشمنی اور نفرت کے واجب ہونے کے بارے میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ یوں حکم دیتا ہے:

یاایھا الذین آمنوا لا تتخذوا الکفرین اولیاء من دون المؤمنین ط اتریدون ان تجعلوا للہ علیکم سلطنا مبینا o (النساء:144)

"اے اہلِ ایمان! مومنوں کے علاوہ کافروں (یہودیوں، عیسائیوں، قادیانیوں وغیرہ) کو اپنے دوست نہ بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا صریح الزام لو۔"

مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے مومن بندوں کو واضح طور پر منع کیا گیا ہے کہ وہ منافقوں والی عادات و اطوار اور اخلاق و کردار اختیار نہ کریں۔ وہ منافق جو مومنوں کی بجائے کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں وہ پھر انھیں کی طرح کفر کی حالت میں چلے جاتے ہیں، کیونکہ وہ اس کردار کا عملی مظاہرہ کرتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو منع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بات سے منع کرتا ہے کہ میرے دشمنوں سے محبت کی پینگیں بڑھاؤ اور ان کافروں سے دوستیاں کرو۔ ملت اسلامیہ کو چھوڑ کر ان کافروں کو کسی طرح کا تعاون اور سہارے مت فراہم کرو۔ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے اہل ایمان! اگر تم نے یہ رویہ

اور کردار اختیار کیا تو تم ان منافقوں کی طرح ہو جاؤ گے جن پر اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ کو لازم قرار دے دیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھیں کافروں کی دوستی سے منع فرمایا ہے۔ اب اگر تم ان سے دوستی کرو گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو خود یہ دلیل مہیا کر رہے ہو کہ وہ تمھیں بھی سزا دے (یعنی معصیتِ الٰہی اور حکم عدولی کرنے کی وجہ سے)

ارشاد خداوندی ہے:

لن تنفعکم ارحامکم ولا اولادکم یوم القیمة یفصل بینکم ط واللّٰہ بما تعملون بصیر o (الممتحنہ:3)

ترجمہ: "تمھارے خاندان والے (رشتہ دار) اور تمہاری اولاد روز قیامت کام نہیں آئیں گے (روز حساب تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکیں گے) فیصلہ تو اللہ کرے گا۔ تم جو کرتے ہو، اللہ دیکھ رہا ہے۔"

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا کہ ان کفار کا مقصد کیا ہے۔ غور کیجئے:

ولن ترضی عنک الیھود ولا النصری حتی تتبع ملتھم قل ان ھدی اللہ ھو الھدی ولئن اتبعت اھواء ھم بعد الذی جاء ک من العلم مالک من اللہ من ولی ولا نصیر o (البقرہ:120)

"اور یہود ونصاریٰ اس وقت تک تم سے راضی نہیں ہوں گے، جب تک تم ان کے مذہب کے پیروکار نہیں بن جاتے۔ کہہ دو کہ سیدھا اور صاف راستہ تو وہ ہے جو اللہ نے دکھایا ہے اور (اے اہل اسلام) اگر اس علم کے بعد بھی جو تم تک پہنچا دیا گیا ہے، تم ان (یہود و نصاریٰ) کی خواہشات اور مذموم (عزائم) کی پیروی کرو گے تو تمھیں کوئی ایسا دوست اور ایسا مددگار نہیں ملے گا، جو تمھیں اللہ کی گرفت سے بچا سکے۔"

اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے حوالے سے کہ جو کفار کو دوست بنائے گا، وہ انہی میں سے ہوگا، ایک حدیث پیش ہے:

"عبداللہ بن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "انسان کو اسی کا ساتھ نصیب ہوگا جس سے اس نے محبت کی۔"

مطلب واضح ہے کہ وہ روز حساب ان ہی روسیاہ کفار کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

ایک اور حدیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیں۔

''عبداللہ بن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، محبت، نرم گفتگو اور شفقت کے اظہار میں تمہارا ان (کفار) کی طرف جھکاؤ نہ ہو۔''

غور کیجیے کہ کفار کو دوست نہ بنانے کے متعلق اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کس قدر سخت ہیں۔ یہ اس لیے نہیں کہ کفار نے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ اس لیے کہ یہ اسلام کے بدترین دشمن ہیں۔ یہ مسلمانوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہیں تو بھی ان کے دلوں میں اسلام دشمنی ہوتی ہے اور وہ اس دوستی کو اسلام کی بیخ کنی میں اور مسلمانوں میں نفاق پیدا کرنے میں استعمال کرتے ہیں۔

ان الکافرین کانو لکم عدوا مبینا. (النساء:101)

''بے شک کافر تمھارے کھلے دشمن ہیں۔''

والذین کفروا اولیٰۂ ھم الطاغوت. (البقرہ:257)

''کفار کی دوستی شیاطین کے ساتھ ہوتی ہے۔''

صرف یہ نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کفار کے ساتھ دوستانہ تعلقات سے منع کیا ہے بلکہ یہ حکم بھی دیا ہے:

یاایھا النبی جاھدا الکفار والمنفقین واغلظ علیھم ومارھم جھنم و بئس المصیر. (التوبہ:73)

''اے نبی! کفار اور منافقین دونوں کے خلاف جہاد کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بدترین جگہ ہے۔''

یاایھا اللذین امنوا لا تتخذوا بطانۃ من دونکم لا یالونکم خبالا ودوا ما عنتم قد بدت البغضاء من افواھھم وما تخفی صدورھم اکبر قدبینا لکم الایت ان کنتم تعقلون. (آل عمران:118)

''اے ایمان والو! غیر مسلموں کو اپنا ہمراز نہ بناؤ (کیونکہ) وہ تمہاری بربادی میں کوئی کسر نہیں رہنے دیتے۔ تمھیں جس قدر تکلیف پہنچتی ہے، وہ اتنا ہی خوش ہوتے ہیں۔ (اسلام کی) دشمنی ان کی زبان پر آ جاتی ہے (لیکن) ان کے دلوں میں جو دشمنی چھپی ہوئی ہے، وہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔ ہم نے تمھیں پتے کی بات بتا دی ہے، اگر تم میں عقل ہے (تو اس بات کو سمجھو)

ہمراز بنانے کا مطلب ہوتا ہے کسی دوست کو اپنے دکھ درد سنانا۔ عموماً توقع یہ رکھی جاتی ہے کہ دوست ہمدردی کا اظہار کرے اور امداد بھی دے۔

پھر اس کا سدباب کیا ہو؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سوال کا جواب بھی دے دیا ہے:

فلا تطع الكفرين وجاهدهم به جهادا كبيرا. (الفرقان:52)

''کفار کی باتوں میں نہ آؤ، ان کے خلاف جہاد کبیرا کرو۔''

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں میں سے ایک نبی پر وحی بھیجی کہ فلاں شخص جو تمہاری امت میں بڑا عابد ہے۔ اس سے کہہ دو کہ تو نے دنیا سے بے رغبتی اختیار کر کے اپنی جان کو راحت اور اطمینان تو دیا ہے اور غیروں سے تعلق قطع کر کے مجھ سے جو تعلق پیدا کیا تو، تُو نے میری وجہ سے عزت حاصل کی لیکن کیا جو میرا حق تیرے اوپر تھا، اس میں سے بھی تو نے کچھ ادا کیا؟ ان نبی علیہ السلام نے جب اس زاہد کو اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام پہنچایا تو اس نے کہا کہ اے میرے رب! تیرا کون سا حق میرے ذمہ ہے؟ ارشاد ہوا تو نے کسی شخص سے میری وجہ سے دشمنی یا کسی سے میرے لیے دوستی بھی کی۔ (ابونعیم، خطیب)

یعنی دنیا کو چھوڑ دینے اور لوگوں سے لاتعلق ہو جانے سے تجھے کچھ قلبی سکون تو ہوا ہوگا اور میرا قرب اور میری عزت بھی حاصل ہوئی لیکن ہمارے تعلق کی جو اصل چیز تھی، اس میں کیا کیا؟ اور وہ یہ تھی کہ مخلوقِ خدا میں سے اگر کسی سے دشمنی ہو تو وہ بھی ہماری وجہ سے ہو اور دوستی ہو تو وہ بھی ہماری وجہ سے ہو۔ الحب اللّٰہ و البغض اللّٰہ

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس (کسی بندۂ مومن) نے اللہ ہی کے واسطے محبت کی، اللہ ہی کے واسطے کسی سے بغض رکھا اور اللہ تعالیٰ ہی کی خوشنودی کے لیے کسی کو کچھ عطا کر دیا اور اللہ ہی کی خوشنودی کی خاطر کسی سے کچھ لے لیا تو اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔

حضرت عبداللہؓ اور ان کا والد عبداللہ بن اُبی منافق

5ھ میں بنوالمصطلق کی مشہور جنگ ہوئی، اس میں ایک مہاجر اور ایک انصاری کی باہم لڑائی ہوگئی، معمولی بات تھی مگر بڑھ گئی۔ ہر ایک نے اپنی اپنی قوم سے دوسرے کے خلاف مدد چاہی اور دو فریق ہو گئے۔ قریب تھا کہ آپس میں لڑائی ہو جائے مگر بعض لوگوں نے درمیان میں پڑ کر صلح کرا دی۔ عبداللہ بن اُبی منافقوں کا سردار اور مسلمانوں کا سخت مخالف تھا مگر چونکہ اسلام ظاہر کرتا تھا، اس لیے اس کے ساتھ سخت برتاؤ نہ کیا جاتا تھا، اس کو جب اس

قصے کی خبر ہوئی تو اس نے حضور اقدس ﷺ کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہے اور اپنے دوستوں سے خطاب کر کے کہا کہ یہ سب کچھ تمہارا اپنا ہی کیا دھرا ہے۔ تم نے ان لوگوں کو اپنے شہروں میں ٹھکانا دیا، اپنے مالوں کو ان کے درمیان آدھوں آدھ بانٹ دیا، اگر تم ان لوگوں کی مدد کرنا چھوڑ دو تو ابھی سب چلے جائیں۔ اور یہ بھی کہا کہ خدا کی قسم اگر ہم مدینہ پہنچ گئے تو ہم عزت والے مل کر ان ذلیلوں کو وہاں سے نکال دیں گے۔ حضرت زیدؓ بن ارقم نوعمر بچے تھے، وہاں موجود تھے، یہ سن کر تاب نہ لا سکے، کہنے لگے خدا کی قسم تُو ذلیل ہے تُو اپنی قوم میں بھی ترچھی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ تیرا کوئی حمایتی نہیں اور محمد ﷺ عزت والے ہیں۔ رحمٰن کی طرف سے بھی عزت دیے گئے ہیں اور اپنی قوم میں بھی عزت والے ہیں۔ عبداللہ بن اُبی نے کہا، اچھا میں تو ویسے ہی مذاق میں کہہ رہا تھا مگر حضرت زیدؓ نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں جا کر عرض کیا کہ عبداللہ بن ابی نے یہ بکواس کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ اگر اجازت ہو تو اس کافر کی گردن اڑا دی جائے مگر حضور نے اجازت مرحمت نہ فرمائی۔ عبداللہ بن اُبی کو جب اس کی خبر ہوئی کہ حضور تک یہ قصہ پہنچ گیا ہے تو حاضر خدمت ہو کر جھوٹی قسمیں کھانے لگا کہ میں نے کوئی ایسا لفظ نہیں کہا ہے۔ زید نے جھوٹ نقل کر دیا ہے۔ انصار کے بھی کچھ لوگ حاضر خدمت تھے، انھوں نے بھی سفارش کی کہ یارسول اللہ ﷺ عبداللہ قوم کا سردار ہے، بڑا آدمی شمار ہوتا ہے۔ ایک بچہ کی بات اس کے مقابلے میں قابل قبول نہیں، ممکن ہے کہ سننے میں کچھ غلطی ہوئی ہو یا سمجھنے میں۔ حضور ﷺ نے اس کا عذر قبول فرما لیا۔ حضرت زیدؓ کو جب اس کی خبر ہوئی کہ اس نے جھوٹی قسموں سے اپنے کو سچ ثابت کر دیا اور زید کو جھٹلا دیا تو شرم کی وجہ سے باہر نکلنا چھوڑ دیا۔ بالآخر سورۂ منافقون نازل ہوئی جس سے حضرت زیدؓ کی سچائی اور عبداللہ بن ابی کی جھوٹی قسموں کا راز کھل گیا۔ حضرت زیدؓ کی وقعت موافق و مخالف سب کی نظروں میں بڑھ گئی اور عبداللہ بن اُبی کا قصہ بھی سب پر ظاہر ہو گیا۔ عبداللہ بن ابی کے بیٹے کا نام بھی عبداللہ تھا۔ وہ بڑے پکے مسلمان اور سچے عاشق رسول تھے، دیکھنے والوں کی نگاہوں پر خیرہ کن بجلی کوند گئی، منہ حیرت سے کھلے کے کھلے رہ گئے جب عبداللہؓ جنگ سے واپسی کے وقت مدینہ منورہ سے باہر تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے اور باپ سے کہنے لگے: اس وقت تک مدینہ میں داخل ہونے نہیں دوں گا جب تک تُو اس کا اقرار نہ کرے کہ تُو ذلیل ہے اور محمد ﷺ عزیز ہیں۔ اس کو بڑا تعجب ہوا کیونکہ یہ ہمیشہ سے باپ کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنے والے تھے مگر حضور ﷺ کے مقابلے میں باپ کی کوئی عزت و محبت دل میں

نہ رہی۔ آخر اس نے مجبور ہو کر اقرار کیا کہ واللہ میں ذلیل ہوں اور محمد ﷺ عزیز ہیں، اس کے بعد وہ مدینہ میں داخل ہو سکا۔ (تاریخ خمیس ص 172)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ایک منافق

حضور ﷺ کے زمانہ میں ایک یہودی اور ایک منافق میں کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ یہودی چاہتا تھا کہ جس طرح بھی ہو، میں اسے حضرت محمد مصطفیٰ کی خدمت میں لے چلوں۔ چنانچہ وہ کوشش کر کے اسے حضور ﷺ کی بارگاہ عدالت میں لے آیا، اور حضور نے واقعات سن کر فیصلہ یہودی کے حق میں دے دیا۔ وہ منافق یہودی سے کہنے لگا کہ میں تو عمرؓ کے پاس چلوں گا اور ان کا فیصلہ منظور کروں گا۔ یہودی بولا! عجب اُلٹے آدمی ہو، کوئی بڑی عدالت سے ہو کر چھوٹی عدالت میں بھی جاتا ہے، جب تمھارے پیغمبر ﷺ فیصلہ دے چکے تو اب عمرؓ کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے؟ مگر وہ منافق نہ مانا اور اس یہودی کو لے کر حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور حضرت عمرؓ سے فیصلہ طلب کرنے لگا۔ یہودی بولا! جناب پہلے یہ بات سن لیجئے کہ ہم اس سے قبل محمد ﷺ سے فیصلہ لے آئے ہیں اور انھوں نے فیصلہ میرے حق میں فرما دیا ہے مگر یہ شخص اس فیصلہ پر مطمئن نہیں اور اب یہاں آپ کے پاس آ پہنچا ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ بات سنی تو منافق سے پوچھا، کیا یہودی جو کچھ بیان کر رہا ہے، درست ہے؟ منافق نے کہا ہاں سرکار ﷺ اس کے حق میں فیصلہ کر چکے ہیں۔ فاروق اعظمؓ نے فرمایا، اچھا ٹھہرو میں ابھی آیا اور ابھی تمہارا فیصلہ کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ اندر تشریف لے گئے، پھر ایک تلوار لے کر نکلے اور اس منافق کی گردن یہ کہتے ہوئے اڑا دی کہ جو حضور کا فیصلہ نہ مانے، اس کا فیصلہ یہ ہے۔

حضور ﷺ تک یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا واقعی عمرؓ کی تلوار کسی مومن پر نہیں اٹھتی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت بھی نازل فرما دی۔ فلا وربک لایؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم (النساء:65) تیرے رب کی قسم! یہ لوگ کبھی مومن نہیں ہو سکتے، جب تک تمھیں اے اللہ کے رسول اپنا حکم نہ مانیں اور تمہارا فیصلہ تسلیم نہ کریں۔

(تاریخ الخلفاء ص 88)

حضرت عبداللہ ابن اُمِ مکتومؓ اور ان کی لونڈی

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ ابن اُمِ مکتوم کی بڑی چہیتی اور خدمت گزار لونڈی تھی جو رسول اللہ ﷺ کی شان میں بے ہودہ اور

گستاخانہ باتیں کیا کرتی تھی۔ وہ نابینا منع کیا کرتے، وہ باز نہ آتی۔ وہ اس کو ڈانٹتے مگر وہ نہ مانتی۔ ایک شب اس طرح اس نے کچھ بکواس شروع کی۔ حضرت ابن اُمِ مکتومؓ نے چھرا لے کر اس کے پیٹ میں گھونپ دیا اور ام ولد کو ہلاک کر ڈالا۔ صبح کو اس کی تحقیقات ہوئی۔ حضرت ابن اُمِ مکتومؓ نے حضور نبی کریم ﷺ کے سامنے اپنے فعل کا اقرار کیا اور پورا واقعہ بیان کر دیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب گواہ رہو کہ ام ولد کا خون رائیگاں ہے (یعنی کوئی قصاص وغیرہ نہیں۔) اس واقعہ سے حضرت ابن اُمِ مکتومؓ کا حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ والہانہ محبت اور پاس ادب ثابت ہوتا ہے۔

حضرت عمیر بن عدیؓ اور عصماء بنت مروان

جب ایک اور گستاخ ملعونہ عصماء بنت مروان کو اس کے ایک قریبی رشتے دار اور غیرت مند صحابی حضرت عمیر بن عدیؓ نے قتل کیا تو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''لوگو! اگر تم کسی ایسے شخص کی زیارت کرنا چاہتے ہو جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نصرت و امداد کرنے والا ہے تو میرے اس جاں نثار کو دیکھ لو۔'' جب حضرت عمر فاروقؓ نے گستاخ رسول ﷺ کے نابینا قاتل کے بارے میں پیار سے کہا کہ دیکھو اس نابینا نے کتنا بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے اعمٰی (نابینا) نہ کہو بلکہ بصیر و بینا کہو کیونکہ اس کی بصیرت و غیرت ایمانی زندہ و تابندہ ہے۔'' حضرت عمیرؓ نور بصارت سے محروم تھے۔ اس لیے آپ ﷺ نے تمام صحابۂ کرام کو انھیں اندھا کہنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا: اب اسے عمیر البصیر کہا کرو (یعنی وہ عمیر جو نور بصیرت والا ہے)

حضرت عمیر بن عدیؓ جب دربار رسالت ﷺ سے واپس اپنے گھر کی طرف لوٹے تو دیکھا کہ عصماء ملعونہ کو اس کے خاندان کے لوگ دفن کر رہے ہیں۔ ان کے قبیلہ کے بعض سرکردہ افراد نے ان سے پوچھا: کیا تم نے یہ قتل کیا ہے؟ انھوں نے بلا تامل کہا: ہاں! کیا ہے اور تم سے بھی کہتا ہوں کہ اگر تم سب گستاخی کا وہ جرم کرو جو اس نے کیا تھا تو میں اکیلا تم سب کو بھی قتل کر دوں گا یا خود شہید ہو جاؤں گا۔ اس پر انھیں جرأت نہ ہو سکی کہ وہ حضرت عمیرؓ کا بال تک بھی بیکا کریں۔ اس واقعہ کے بعد اس خاندان میں اسلام کی خوب اشاعت ہوئی۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ اور ان کا مشرک باپ

حضرت ابوعبیدہ بن جراح متہورانہ شجاعت کے مالک اور تلوار کے دھنی تھے۔حتیٰ کہ رات کو سوتے وقت بھی تلوار کو کبھی نیام میں نہ کیا۔سوتے وقت بھی شمشیر عریاں اپنے سرہانے رکھ کر سوتے تھے۔غزوۂ بدر کے موقع پر شمشیر زنی اور جانبازی کا وہ ثبوت دیا کہ جس کی مثال تاریخ عالم میں مشکل سے ملے گی۔مشرکین قریش کی ایک ہزار غرقِ آہن فوج کے سامنے لوہے کی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے۔جب آپ نے اپنے مشرک باپ کو دیکھا تو محمد ﷺ کے غلام کو جلال آ گیا۔آپ غیظ وغضب کے عالم میں مشرک باپ پر جھپٹے اور جونہی باپ بیٹے کی زد میں آیا،تلوار کے ایک کاری وار میں مشرک باپ کا سر زمین پر خاک وخون میں لوٹ رہا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کا فرزند

حضرت ابوبکرؓ کے فرزند عبدالرحمٰن جنگ بدر سے پہلے حالت کفر میں تھے۔جنگ بدر میں وہ مسلمانوں کے خلاف لڑے تھے۔عین جنگ میں حضرت ابوبکرؓ اپنے فرزند کی زد میں آ گئے،تو محبت فرزندی نے جوش مارا اور انھوں نے اپنا رخ دوسری طرف پھیر لیا۔

اصحابِ رسول کی مجلس گرم تھی۔جنگ بدر کا تذکرہ چھڑا تو حضرت عبدالرحمٰن نے جو اس وقت مسلمان ہو چکے تھے،اپنے جلیل القدر والد حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اس واقعے کا ذکر کیا اور کہنے لگے،ابا جان! غزوہ بدر کے موقع پر آپ کتنی مرتبہ میرے سامنے آئے مگر میں نے باپ سمجھ کر آپ کو چھوڑ دیا،حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا! بیٹا اگر تم میرے سامنے ایک مرتبہ بھی آ جاتے تو میں محبت پدری کی پروا نہ کرتا اور تمھیں ہرگز نہ چھوڑتا بلکہ تمہارا کام تمام کر دیتا کیونکہ اس وقت تم میرے محبوب ﷺ کے دشمن بن کر آئے تھے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے ایک دفعہ یہ دعا مانگی ''اے اللہ! ابو بکر کو قیامت کے دن میرے ساتھ درجہ میں رکھنا۔'' یعنی اعزاز واکرام کے اعتبار سے میرے ساتھ رکھنا۔حضور ﷺ نے نہایت شفقت کے طور پر ایسا فرمایا۔معلوم ہوا کہ کوئی مسلمان دنیاوی تعلقات میں پھنس کر دین حق سے اعراض نہیں کر سکتا۔سوچنا چاہیے! کیا آج ہم میں یہ جذبہ موجود ہے۔

؎ زمانہ ظلمت گستاخ کی لپیٹ میں ہے
اٹھو! کہ عشق رسالت ﷺ کا اہتمام کریں

حضرت زینبؓ اور ہبار بن اسود

امام بخاریؒ نے سیدنا ابو ہریرہؓ سے حدیث بیان کی ہے۔سیدنا ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک گروپ میں روانہ کیا اور فرمایا:

ان وجدتم فلانا وفلانا فاحرقوھما بالنار......

''اگر فلاں اور فلاں شخص تمھیں مل جائے تو ان کو آگ کے ساتھ جلا دینا......''

''ابن اسحاق کی روایت میں ان لوگوں کے بارے میں کچھ وضاحت بھی آئی ہے جن کو جلانے کا حکم آپ ﷺ نے دیا تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

''اگر تم ہبار بن اسود کو اور اس شخص کو پالو جس نے سیدہ زینبؓ سے شرارت کی تھی، آپ ﷺ نے ان دونوں کے بارے میں ارشاد فرمایا، ان کو جلا کر خاکستر بنا دینا۔''

مذکورہ روایت میں سیدہ زینبؓ کا جو تذکرہ ہوا ہے۔ان سے رسول اللہ ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی سیدہ زینب بنت رسول ﷺ مراد ہیں۔ ان کے خاوند کا نام ابوالعاص بن ربیع تھا۔غزوۂ بدر کے موقع پر صحابہ کرامؓ نے اس کو گرفتار کر لیا تھا۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے اس کو مدینہ سے اس شرط پر آزاد کر دیا تھا کہ وہ مکہ جا کر میری بیٹی زینب کو تیار کر کے میری طرف روانہ کر دے۔اس نے اپنی بات کو پورا کیا اور جا کر سیدہ زینبؓ کو مدینہ روانہ کر دیا۔سیدہ زینبؓ جب مکہ سے مدینہ کی طرف سفر کر رہی تھیں، ہبار بن اسود اور اس کا ایک ساتھی ان کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ان دونوں افراد نے عداوت رسول اور عداوت اسلام کی بناء پر سیدہ زینبؓ کے اونٹ کو ایک لکڑی چبھو کر بھگا دیا۔سیدہ زینب بنت رسول ﷺ اونٹ سے گر پڑیں اور اس وجہ سے بیمار ہو گئیں (اسی جرم اور شرارت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے روز ہبار بن اسود اور اس کے ساتھی کا خون رائیگاں قرار دیا تھا اور فرمایا تھا کہ یہ لوگ جہاں بھی نظر آئیں، ان کو قتل کر دیا جائے۔

فتح مکہ کے روز جن اشخاص کو مباح الدم (واجب القتل) قرار دیا گیا

۸ ہجری میں نبی اکرم ﷺ نے جب مکہ مکرمہ پر پرچم اسلام بلند کیا تو آپ ﷺ نے تمام اہل مکہ کے لیے عفو عام کا اعلان کر دیا، سوائے ان معدودے چند لوگوں کے جنھوں نے اس سے پہلے مسلمانوں کو بہت اذیتیں دی تھیں۔خواہ اپنے عمل اور کردار سے یا اپنے قول اور گفتار سے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ نے اپنی مایہ ناز تصنیف فتح الباری شرح صحیح البخاری میں، مشہور مؤرخ اسلام علامہ ابن ہشامؒ نے اپنی معروف تالیف ''سیرت النبی ﷺ کامل'' میں اور مشہور مصنف الشیخ صفی الرحمٰن مبارکپوریؒ نے سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر اپنی عالمی شہرت یافتہ کتاب ''الرحیق المختوم'' میں ان افراد کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ مختلف کتب تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکہ کے روز عام معافی کے اعلان کے باوجود جن کو مباح الدم (واجب القتل) دیا گیا تھا، وہ کل تیرہ افراد تھے، جن میں سے 9 مرد اور 4 عورتیں تھیں۔ اور وہ درج ذیل تھے:

1- عبدالعزیٰ بن خطل
2- حارث بن نفیل: تاریخ میں شاید اسی کا دوسرا نام ''حویرث بن نقید بن وہب بن عبد بن قصی'' مذکور ہے۔ کیونکہ دونوں قسم کے ناموں کے تحت ذکر کردہ جرم اور کیفیت وسزا ایک جیسی مذکور ہے۔
3- مقیس بن صبابہ کنانی
4- حارث بن طلاطل (طلاطلہ) خزاعی
5- عبدالعزی بن خطل کی دو لونڈیوں میں سے ایک، جس کا نام ارنب اور غالباً اس کی کنیت ام سعد تھی۔
6- قریبہ، یہ بھی ابن خطل کی لونڈی تھی
7- عبداللہ بن سعد بن ابی سرح ؓ
8- عکرمہ ؓ بن ابی جہل
9- ہبار بن اسود
10- کعب بن زہیر
11- ہند بنت عتبہ
12- قرتنا عبدالعزی بن خطل کی لونڈیوں میں سے ایک، یہ مسلمان ہو گئی تھی۔
13- بنی عبدالمطلب میں سے کسی شخص کی ایک لونڈی جس کا نام ''سارۃ'' یا ''ام سارۃ'' تھا۔

مذکورہ بالا فہرست میں سے اوّل الذکر پہلے چھ تو اس اعلان کے مطابق قتل کر دیے گئے۔ چاہے ان میں سے کوئی کعبہ کے پردوں کے ساتھ بھی لٹکا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو

اور مسلمانوں کو انھوں نے بہت زیادہ پریشان کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں گستاخیاں اور آپ ﷺ کو اذیتیں ان کی طرف سے انتہا کو پہنچی ہوئی تھیں۔ گویا اپنے قول اور فعل سے پریشان کرتے تھے جبکہ پہلے چھ کے بعد بقیہ سات افراد کا جرم قدرے کم تھا۔ انھوں نے اپنے جرائم سے سچی توبہ کی، معافی کے خواستگار ہوئے، اسلام قبول کیا اور اسلام میں رہتے ہوئے اچھا کردار اور رویہ پیش کیا۔ لہٰذا ان کو معاف کر دیا گیا۔

گستاخانِ رسول کی سرکوبی

ایک مسلمان کو حلقہ بگوش اسلام سے زیادہ حلقہ بگوش محمد مصطفیٰ ﷺ ہونا چاہیے۔ تا کہ اس کا نام آپ ﷺ کے سچے امتیوں میں آسکے۔ حضرت حسان بن ثابتؓ فرماتے ہیں: ''تحفظ ناموس رسالت کے سلسلہ میں میری زبان تلوار کی طرح تیز ہے۔'' تحفظ ناموسِ رسالت ﷺ ہر صاحب ایمان کے دل کی آواز اور اس کی عقیدت کا اعزاز ہے۔ ہر مسلمان اپنے آقا و مولا کی عزت و توقیر پر فدا ہونا حاصل ایمان سمجھتا ہے۔ یہی تعلیمات قرآنی کی تاثیر اور یہی احکامات ربانی کی تفسیر ہے۔ عزت رسول ﷺ پر کٹ مرنا اور ناموسِ رسالت ﷺ پر جان لٹا دینا، ابدی کامرانی کی دلیل ہے۔

حفیظ جالندھری کے الفاظ میں:

محمد ﷺ کی محبت دین حق کی شرط اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے
محمد ﷺ کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی
خدا کے دامن توحید میں آباد ہونے کی

سیّدنا عبداللہ بن عتیکؓ اور گستاخ رسول ابورافع یہودی

امام بخاریؒ نے ''الجامع الصحیح'' میں درج ذیل واقعہ نقل کیا ہے۔ یہ واقعہ ایک بہت بڑے اسلام دشمن اور رسول دشمن ابورافع یہودی کے بارے میں ہے۔ وہ رسول اکرم ﷺ سے سخت دشمنی رکھتا تھا اور دوسرے لوگوں کو بھی رسول اللہ ﷺ سے دشمنی کرنے پر ابھارتا تھا۔ صحیح بخاری میں اس بارے میں جو واقعہ ہے، سیدنا براءؓ بن عازب اس کو یوں بیان فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے ابو رافع یہودی (کے قتل) کے لیے چند انصاری صحابہؓ کو بھیجا اور سیدنا عبداللہ بن عتیکؓ کو ان کا امیر مقرر کیا۔ ابو رافع یہودی رسول اکرم ﷺ کو تنگ کیا کرتا تھا اور آپ ﷺ کے دشمنوں کی مدد کیا کرتا تھا۔ سرزمین حجاز میں اس کا ایک قلعہ تھا اور وہیں وہ سکونت پذیر تھا۔ جب وہ اس کے قلعہ کے قریب پہنچے تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ لوگ اپنے مویشی لے کر (اپنے گھروں کو) واپس ہو چکے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عتیکؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: تم لوگ یہیں ٹھہرے رہو! میں (اس قلعہ پر) جا رہا ہوں اور دربان پر کوئی تدبیر کروں گا تا کہ میں اندر جانے میں کامیاب ہو جاؤں۔ چنانچہ وہ (قلعہ کے پاس) آئے اور دروازے کے قریب پہنچ کر انھوں نے خود کو اپنے کپڑوں میں اس طرح چھپا لیا جیسے کوئی قضائے حاجت کر رہا ہو۔ قلعہ کے تمام آدمی اندر داخل ہو چکے تھے۔ دربان نے آواز دی۔ اے اللہ کے بندے! اگر اندر آنا ہے تو جلدی آ جا، میں اب دروازہ بند کر دوں گا۔ (سیدنا عبداللہ بن عتیکؓ نے کہا:) چنانچہ میں بھی اندر چلا گیا اور چھپ کر اس کی حرکات وسکنات دیکھنے لگا۔

جب سب لوگ اندر آ گئے تو اس نے دروازہ بند کیا اور کنجیوں کا گچھا ایک کھونٹی پر لٹکا دیا۔ سیدنا عبداللہ بن عتیکؓ فرماتے ہیں: اب میں ان کنجیوں کی طرف بڑھا اور انھیں اٹھا لیا۔ پھر میں نے قلعہ کا دروازہ کھول لیا۔ ابو رافع کے پاس رات کے وقت داستانیں بیان کی جا رہی تھیں، اور وہ اپنے خاص بالا خانے میں تھا۔ جب رات کے وقت قصہ گوئی کرنے والے (داستان گو) اس کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے تو میں اس کے مخصوص کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔ اس تک پہنچنے کے لیے اس دوران میں، مَیں جتنے دروازے کھولتا تھا، انھیں اندر سے بند کرتا جاتا تھا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ اگر قلعہ والوں کو میرے متعلق علم ہو بھی جائے تو اس وقت تک یہ لوگ میرے پاس نہ پہنچ سکیں جب تک میں اسے قتل نہ کر لوں۔ آخر میں اس کے قریب پہنچ ہی گیا۔ اس وقت وہ ایک تاریک کمرے میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ (سو رہا) تھا۔ مجھے کچھ اندازہ نہ ہو سکا کہ وہ کہاں ہے؟ اس لیے میں نے آواز دی: ابو رافع! وہ بولا: کون ہے؟ اب میں نے آواز کی طرف بڑھ کر تلوار کی ایک ضرب لگائی۔ اس وقت میرا دل دھک دھک کر رہا تھا، یہی وجہ ہوئی کہ میں اس کا کام تمام نہیں کر سکا۔ جب وہ چیخا تو میں کمرے سے باہر نکل آیا اور تھوڑی دیر تک باہر ہی ٹھہرا رہا۔ پھر دوسری مرتبہ اندر گیا۔ میں نے پھر آواز بدل کر پوچھا: ابو رافع! یہ آواز کیسی تھی؟ وہ بولا: تیری ماں غارت ہو۔ ابھی ابھی مجھ پر

کسی نے تلوار سے حملہ کیا ہے۔ (سیدنا عبداللہ بن عتیکؓ فرماتے ہیں:) میں نے پھر (آواز کی طرف بڑھ کر) تلوار کی ایک ضرب لگائی۔ اگرچہ میں اس کو خوب لہولہان تو کر چکا تھا مگر وہ ابھی مرا نہیں تھا۔ اس لیے میں نے تلوار کی نوک اس کے پیٹ پر رکھ کر دبائی جو اس کی پیٹھ تک پہنچ گئی۔ مجھے اب یقین ہو گیا کہ میں اسے قتل کر چکا ہوں۔

چنانچہ میں نے ایک ایک کر کے دروازے کھولنے شروع کیے۔ بالآخر ایک زینے پر پہنچا۔ میں یہ سمجھا کہ میں زمین پر پہنچ چکا ہوں۔ (لیکن ابھی میں پہنچا نہ تھا) اس لیے میں نے اس پر پاؤں رکھ دیا اور نیچے گر پڑا۔ چاندنی رات تھی۔ اس طرح گر پڑنے سے میرے پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی اور میں دروازے پر بیٹھ گیا۔ میں نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک یہ نہ معلوم کر لوں کہ آیا میں اسے قتل کر چکا ہوں یا نہیں؟ جب مرغ نے اذان دی تو اسی وقت قلعہ کی فصیل (دیوار) پر ایک آواز دینے والے نے کھڑے ہو کر آواز دی: لوگو! میں اہل حجاز کے تاجر ابو رافع کی موت کا اعلان کرتا ہوں۔ تب میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ چلنے کی جلدی کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ابو رافع کو (میرے ہاتھوں) قتل کرا دیا ہے (آپ نے اپنے عمامہ سے پاؤں کی ہڈی کو باندھا اور ایک پاؤں پر اچھلتے ہوئے قلعہ سے باہر آ گئے)

پھر میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ کو ابو رافع کے قتل کی اطلاع دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اپنا پاؤں آگے کرو۔" میں نے اپنا پاؤں آگے کیا تو آپ ﷺ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیرا، میرا پاؤں فوراً ایسا اچھا ہو گیا جیسے کبھی اس میں مجھ کو کوئی تکلیف ہوئی ہی نہ تھی۔"

سیّدنا محمدؓ بن مسلمہ انصاری اور گستاخِ رسول کعب بن اشرف یہودی

کعب بن اشرف ایک مالدار یہودی سردار تھا۔ یہ بدطینت اور شیطان صفت انسان لوگوں کو خاص طور پر قریشِ مکہ کو نبی اکرم ﷺ کے خلاف جنگ کرنے پر ابھارتا اور برانگیختہ کیا کرتا تھا۔ ہمیشہ اس ٹوہ میں لگا رہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح دھوکے سے پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کو قتل کرا دے۔ فتح الباری میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ اس نے اس غرضِ فاسد کے تحت رسول اکرم ﷺ کو ایک دعوت پر بھی مدعو کیا تھا مگر رسول کریم ﷺ کو اللہ رب العزت

نے جبریل علیہ السلام کے ذریعہ بروقت آگاہ کردیا اور آپ بال بال بچ گئے۔

اس پر مسلمانوں کی طرف سے قاتلانہ کارروائی کی مفصل روداد سیدنا جابر بن عبداللہؓ یوں بیان کرتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا: ''کعب بن اشرف کا کام کون تمام کرے گا؟ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو بہت زیادہ ستا رہا ہے۔'' اس پر سیدنا محمد بن مسلمہ انصاری کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ پسند کرتے ہیں کہ میں اس کو قتل کر ڈالوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں مجھے یہ پسند ہے۔ انھوں نے عرض کیا: کیا آپ مجھے اجازت مرحمت فرمائیں گے کہ بقدرِ ضرورت اس سے جو مناسب سمجھوں، بات کر لوں؟ (خواہ ظاہراً وہ بری اور ناجائز ہی ہو) آپ ﷺ نے فرمایا: اجازت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس چیز کی اجازت مرحمت فرمائی۔ رات کے وقت جب یہ لوگ مدینہ منورہ سے کارروائی کرنے کے لیے روانہ ہوئے تو سید الاوّلین والآخرین، امام الانبیاء والمرسلین ﷺ نے بنفس نفیس ان کو جنت البقیع (اصل نام الغرقد) تک آ کر الوداع کیا۔ یہ سن 3 ہجری تھا، ربیع الاوّل کا مہینہ تھا۔ چاندنی رات تھی۔ مجاہدین کی اس مختصر چھاپہ مار گوریلا ٹیم کو رخصت کرتے وقت آپ ﷺ نے فرمایا: ''جاؤ! اللہ تمہاری مدد کرے۔''

محمدؓ بن مسلمہ کعب بن اشرف کے پاس آئے اور اس سے کہا: یہ شخص (اشارہ رسول اکرم ﷺ کی جانب تھا) ہم سے صدقہ مانگتا رہتا ہے اور اس نے ہمیں مشقت میں مبتلا کر رکھا ہے، اس لیے میں تم سے قرض لینے آیا ہوں۔ اس پر کعب بن اشرف بولا اور کہنے لگا: ابھی آگے آگے دیکھنا ہوتا ہے کیا، اللہ کی قسم! تم بالکل اکتا جاؤ گے۔ سیدنا محمدؓ بن مسلمہ نے کہا: چونکہ ہم نے اب اس کی اطاعت کر لی ہے۔ اس لیے جب تک یہ معاملہ نہ کھل جائے کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے، انھیں چھوڑنا بھی مناسب نہیں، میں تم سے ایک وسق (ایک وسق ساٹھ صاع کے برابر ہوتا ہے جو تقریباً ایک سو تیس کلو کے برابر بنتا ہے) غلہ بطور قرض لینے آیا ہوں۔

کعب بن اشرف نے کہا: ہاں! میرے پاس کوئی چیز گروی رکھ دو۔ محمدؓ بن مسلمہ نے کہا: کونسی چیز تم گروی میں چاہتے ہو؟ کعب بن اشرف نے کہا: اپنی عورتوں کو گروی رکھ دو۔ سیدنا محمدؓ بن مسلمہ نے کہا: تم عرب کے نہایت خوبصورت مرد ہو، ہم تمھارے پاس اپنی عورتیں کس طرح گروی رکھ سکتے ہیں؟ کعب بن اشرف نے کہا: پھر اپنے بچوں کو گروی رکھ دو۔ محمدؓ

بن مسلمہ نے جواب دیا: ہم اپنے بچوں کو کس طرح گروی رکھ سکتے ہیں؟ کل کلاں انھیں اسی بات پر گالیاں اور طعنے دیے جائیں گے کہ یہ تو وہی ہے، جسے ایک وسق یا دو وسق غلے کے بدلے گروی رکھا گیا تھا۔ یہ تو ہمارے لیے بہت بڑی ذلت ہوگی۔ البتہ ہم تمھارے پاس اپنے ''لائمہ'' گروی رکھ دیتے ہیں (حدیث کے ایک راوی سفیان کہتے ہیں: لائمہ سے مراد ہتھیار اور اسلحہ تھا۔)

محمدؓ بن مسلمہ نے دوبارہ ملاقات کرنے کا وعدہ کیا۔ (کچھ دنوں کے بعد) وہ رات کے وقت کعب بن اشرف کے پاس آئے۔ ان کے ساتھ ابو نائلہ بھی تھے اور وہ کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی تھے۔ پھر اس کے قلعہ کے پاس جا کر انھوں نے آواز دی۔ وہ باہر آنے لگا تو اس کی بیوی نے کہا: اس وقت (اتنی رات گئے) باہر کہاں جا رہے ہو؟ کعب بن اشرف نے کہا: باہر محمد بن مسلمہ اور میرا (رضاعی) بھائی ابو نائلہ (مجھ سے ملنے آئے ہیں)...... حدیث کے ایک راوی عمرو بن دینار کے سوا دوسرے راوی سفیان بن عیینہ نے بیان کیا کہ اس کی بیوی نے اس سے کہا تھا: مجھے تو یہ آواز ایسی لگتی ہے جیسے اس سے خون ٹپک رہا ہو۔ کعب نے جواب دیا: (نہیں ایسی کوئی بات نہیں بلکہ وہ) میرے بھائی محمد بن مسلمہ اور میرے رضاعی بھائی ابو نائلہ ہیں۔

عمرو بن دینار نے بیان کیا کہ جب سیدنا محمدؓ بن مسلمہ اندر گئے تو ان کے ساتھ دو آدمی اور تھے۔ سفیان سے پوچھا گیا: کیا عمرو بن دینار نے ان کے نام بھی لیے تھے؟ انھوں نے بتایا کہ عمرو بن دینار نے بعض کا نام لیا تھا۔ عمرو بن دینار کے علاوہ دوسرے راوی سفیان بن عیینہ نے ابوعبس بن جبر، حارث بن اوس اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہم کے نام بتائے تھے۔ تاہم عمرو بن دینار نے بیان کیا کہ محمدؓ بن مسلمہ اپنے ساتھ دو آدمی اور لائے تھے۔ اور انھیں یہ ہدایت کی تھی کہ جب کعب ہماری طرف آئے گا تو میں اس کے بال اپنے ہاتھوں میں لے لوں گا اور انھیں سونگھوں گا۔ جب تمھیں اندازہ ہو جائے کہ میں نے اس کا سر پوری طرح اپنے قبضہ میں لے لیا ہے تو پھر تم تیار ہو جانا اور اسے قتل کر ڈالنا...... عمرو بن دینار نے ایک دفعہ یہ بیان کیا کہ محمدؓ بن مسلمہ نے فرمایا، پھر میں اس کا سر تمھیں بھی سنگھاؤں گا......

بالآخر کعب بن اشرف چادر لپیٹے ہوئے باہر آیا۔ اس کے سر سے خوشبو پھوٹ رہی تھی۔ محمدؓ بن مسلمہ نے کہا: اس سے زیادہ عمدہ خوشبو میں نے پہلے کبھی نہیں سونگھی۔ عمرو کے سوا

دوسرے راوی سفیان بن عیینہ نے بیان کیا: کعب بن اشرف اس بات پر بولا: میرے پاس عرب کی وہ عورت ہے جو ہر وقت عطر میں بسی رہتی ہے اور حسن و جمال میں بھی اس کی کوئی نظیر نہیں۔ عمرو بن دینار کہتے ہیں: محمدؓ بن مسلمہ نے کہا: کیا تمھارے سر کو سونگھنے کی مجھے اجازت ہے؟ اس نے کہا: سونگھ سکتے ہو۔ محمدؓ بن مسلمہ نے کعب بن اشرف کا سر سونگھا اور ان کے بعد ان کے ساتھیوں نے بھی سونگھا۔ پھر دوسری دفعہ محمدؓ بن مسلمہ نے سر کو سونگھنے کی اجازت مانگی۔ اس نے دوسری دفعہ بھی اجازت دے دی۔ پھر جب محمد بن مسلمہ نے پوری طرح اسے اپنے قبضہ میں کر لیا تو اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا کہ تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ انھوں نے اسے قتل کر دیا پھر نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اس کامیاب قاتلانہ کارروائی کی اطلاع دی۔

اس معرکہ میں حضرت حارث بن اوسؓ شدید زخمی ہوئے۔ صحابۂ کرامؓ ان کو اٹھا کر حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں لائے تو آپ ﷺ نے ان کے زخم پر اپنا لعاب مبارک لگایا، جس سے زخم فوراً مندمل ہو گیا۔

امام نوویؒ نے قاضی عیاضؒ کے حوالے سے نقل فرمایا ہے:

''کسی شخص کے لیے ہرگز جائز نہیں ہے کہ کعب بن اشرف کے قتل کے واقعہ کو دھوکہ دہی قرار دے۔ سیدنا علی بن ابی طالبؓ کی مجلس میں کسی انسان نے ایسی بات کہہ ڈالی تھی تو سیدنا علیؓ بن ابی طالب نے فوراً اس کا سر قلم کرنے کا حکم دے دیا تھا۔''

پہلے مجاہد ختم نبوت حضرت فیروز دیلمیؓ اور مدعی نبوت اسود عنسی

جب اسود عنسی نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر ڈالا تو اہل یمن کی ایک بہت بڑی جماعت دین اسلام سے پھر گئی اور مرتد ہو گئی۔ اس مرتد جماعت کے افراد نے اسود عنسی کی پیروی اختیار کر لی۔ نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ اسود عنسی ''صنعاء'' شہر پر غالب آ گیا۔ اس وقت صحابی رسول سیدنا فیروز دیلمیؓ نے اسود عنسی کے سامنے ظاہر کیا کہ گویا وہ اس کے خاص لوگوں میں شامل ہے اور بہترین معاونین میں سے ہے۔ لیکن دل کے اندر ایک پروگرام تھا کہ میں نے اسے قتل کرنا ہے۔ امام بخاریؒ نے سیدنا فیروز دیلمیؓ کے واقعہ کو اپنی ''الجامع الصحیح'' میں بیان فرمایا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: کسی بیان کرنے والے نے مجھے وہ خواب یوں بیان کیا ہے (دوسری روایت میں اس بیان کرنے والے کا نام سیدنا

ابو ہریرہؓ سے منقول ہے) کہ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

(ترجمہ) ''مجھے خواب میں دکھایا گیا تھا کہ میرے ہاتھوں پر سونے کے دو کنگن رکھ دیے گئے ہیں۔ میں ان سے بہت گھبرایا اور میں نے دونوں کنگنوں کو ناپسند کیا۔ پھر مجھے حکم ہوا اور میں نے انھیں پھونک مار دی تو وہ دونوں کنگن اُڑ گئے۔ میں نے اس خواب کی یہ تعبیر کی ہے کہ نبوت کے دو جھوٹے دعویدار عنقریب نکلنے والے ہیں۔'' روایت بیان کرنے والے تابعی جناب عبید اللہ بن عبداللہؒ فرماتے ہیں۔ نبوت کے ان دو جھوٹے دعویداروں میں سے ایک اسود عنسی تھا جسے سیدنا فیروز دیلمیؓ نے یمن میں قتل کیا تھا۔ اور دوسرا مسیلمہ کذاب تھا۔''

امام ابن جریر طبریؒ نے سیدنا فیروز کے واقعہ میں اپنی سند کے ساتھ ضحاک بن فیروز دیلمیؓ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میرے والد فیروز نے ہمیں بتایا کہ:

''سیدنا وبر بن یحنسؓ رسول اللہ ﷺ کا نامۂ گرامی (خط) لے کر ہمارے پاس آئے۔ اس خط میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہمارے لیے یہ حکم تھا کہ (1) تم نے اپنے دین ''اسلام'' پر قائم اور ڈٹے رہنا ہے۔ (2) دشمنانِ اسلام کے خلاف جنگ میں برسرپیکار رہنا ہے۔ (3) اسود عنسی کذاب کا کام تمام کرنا ہے، چاہے کسی خفیہ پلاننگ سے وہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچے یا پھر دو بدو جنگ سے اور (4) ہر وہ شخص جس کے پاس جرأت و بہادری اور پرہیزگاری اور دینداری کے جذبات ہیں، اس تک میرا یہ پیغام پہنچا دیں۔ (سیدنا فیروزؓ فرماتے ہیں) ہم نے آپ ﷺ کے حکم نامہ پر پورا پورا عمل کیا۔

اسود عنسی ملعون نے آنحضرت ﷺ کی حیات ہی میں مرتد ہو کر نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر دیا تھا، جو دراصل اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف کھلی بغاوت تھی، لہٰذا اس پر آنحضرت ﷺ کا بے چین و مضطرب ہونا بالکل فطری تھا، کیونکہ اسود عنسی کا دعویٰ نبوت دراصل منصب نبوت و رسالت اور تاج ختم نبوت پر ڈاکا ڈالنے کے مترادف تھا، جس سے آپ ﷺ کو ذہنی، قلبی اور شدید روحانی اذیت پہنچی تھی۔ جب حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ نے اسود عنسی کو کیفر کردار تک پہنچا کر آپ ﷺ کی راحت رسانی کا انتظام کیا تو انھیں لسانِ نبوت سے: ''فاز فیروز''...... فیروز کامیاب ہو گیا...... کی بشارت سے نوازا گیا۔

''عن ابن عمر قال اتى النبى ﷺ الخبر من السماء الليلة التى قتل فيها الاسود العنسى، فخرج علينا فقال: قتل الاسود البارحة قتله رجل مبارك

من اهل بيت مباركين، فقيل من هو؟ قال: فيروز الديلمی۔"

(کنزالعمال ص 572 ج 13، اتحاف السادہ ص 18 ج 7)

ترجمہ:......"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس رات اسود عنسی کو قتل کیا گیا، آنحضرت ﷺ کو بذریعہ وحی اس کی اطلاع دے دی گئی تھی، آپ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: گزشتہ رات اسود عنسی کو قتل کر دیا گیا، اس کو مبارک گھر والوں میں سے ایک مبارک شخص نے قتل کیا ہے، آپ ﷺ سے پوچھا گیا: یارسول اللہ! وہ کون شخص ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ فیروز دیلمی ہے۔"

حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور مدعی نبوت طلیحہ اسدی

عہد صدیقی میں صحابۂ کرامؓ کا اس پر اجماع اور اتفاق ہو چکا تھا کہ مرتدین میں سے بڑے بڑے اماموں اور سرداروں کا جو حکم ہے وہی ان کے معاونین اور حامیوں کا ہے۔ مثلاً نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے مسیلمہ کذاب اور طلیحہ اسدی کے پیروکاروں اور مددگاروں کو اسی سزا کا مستحق سمجھا گیا جس کا مستحق جھوٹے نبیوں کو سمجھا گیا تھا۔ صحابۂ کرامؓ کے اجماع سے بھی گویا اس موقف کو تقویت ملتی ہے کہ جو حکم کفار اور مرتدین کا ہے وہی ان کے انصار و معاونین کا ہے۔

"طلیحہ اسدی کذاب کی اطاعت قبول کرنے والے اور اس کا ساتھ دینے والے "خاندانِ بزاخہ" کے لوگ پہلے اسلام میں داخل ہوئے۔ بعدازاں مرتد ہو گئے۔ جب سیدنا خالدؓ بن ولید نے ان سے جنگ کی اور ان کو بدترین شکست سے دوچار کیا تو ان لوگوں نے اپنا ایک وفد تشکیل دے کر خلیفہ اوّل سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کی جانب روانہ کیا، تاکہ وہ اسلام لانے کے بعد اپنی بدعہدی کرنے اور ایک جھوٹے نبی کا ساتھ دینے پر معذرت اور معافی کی درخواست پیش کریں۔ چنانچہ بزاخہ خاندان کی دو ذیلی شاخوں بنو اسد اور بنو غطفان کا ایک مشترکہ وفد خلیفہ اوّل سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد کے افراد نے آپؓ سے نقضِ عہد کے بعد تجدید صلح کی درخواست کی۔ سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے انھیں دو باتوں میں سے کسی ایک کا اختیار دیا: جلاوطنی پر مبنی جنگ چاہتے ہو یا ذلت آمیز صلح؟ وفد کے ارکان کہنے لگے: جلاوطنی پر مبنی جنگ کی تو ہمیں سمجھ آ گئی ہے البتہ ذلت آمیز صلح کی سمجھ نہیں

آئی۔ یہ کیا چیز ہے؟ سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے ذلت آمیز صلح کی یہ وضاحت فرمائی:

1- ہم تمام اسلحہ اور تمام گھوڑے تم سے چھین لیں گے۔

2- جو کچھ ہم نے تم سے حالت جنگ میں مال حاصل کیا ہوا ہے، وہ ہمارے پاس مال غنیمت کے طور پر رہے گا۔ جبکہ تم نے جو مال ہم سے حاصل کیا ہوا ہے، وہ تم ہمیں واپس کرو گے۔

3- تم لوگ ہمیں مقتولین (اور شہداء) کا فدیہ دو گے جبکہ ہم تمھارے مقتولین (اور مرداروں) کا فدیہ ادا نہیں کریں گے۔ بلکہ تمھارے مقتولین جہنم کی آگ کا ایندھن بنیں گے۔

4- ہم تمھیں ایسی حالت میں زندہ رہنے کی اجازت دیں گے کہ تم (غریب رعیت کی طرح) اونٹوں کی دموں کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے فقط اونٹ چراتے رہو۔ (تاکہ تم معاشرے میں باوقار، خودمختار اور سرکردہ افراد کی حیثیت اختیار نہ کرسکو) تمھیں اس حالت میں اس وقت تک باقی رکھا جائے گا جب تک اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے خلیفہ اور مہاجرین کو کوئی ایسی صورت حال واضح نہ کردے جس سے وہ تمہارا (بدعہدی، غداری اور بغاوت والا) جرم معاف نہ کردیں۔

دنیا اور موت کی حقیقت

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا نہایت بے حقیقت چیز ہے، اس لیے اللہ والے اسے کبھی پسند نہیں کرتے۔ ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''اللہ کے نزدیک دنیا کی حقیقت اگر مچھر کے پَر کے برابر ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی دنیا میں نہ ملتا۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے دنیا کی حقیقت پوچھی تو آپ نے فرمایا: دنیا کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص جنگل میں چلا جاتا ہے۔ ان نے دیکھا کہ اس کے پیچھے شیر چلا آرہا ہے، وہ بھاگتا ہے۔ بھاگتا ہوا جب تھک جاتا ہے تو دیکھتا ہے کہ سامنے ایک گڑھا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ گڑھے میں گر کر جان بچائے مگر گڑھے میں اژدھا نظر آتا ہے۔ اتنے میں درخت کی ایک ٹہنی پہ نظر پڑتی ہے، وہ اسے پکڑ کر درخت پر چڑھ جاتا ہے۔ مگر چڑھنے کے بعد پتا چلا

کہ دو چوہے ایک سفید اور ایک سیاہ، درخت کی جڑ کو کاٹ رہے ہیں۔ وہ بہت پریشان ہوتا ہے کہ کچھ دیر میں درخت گر جائے گا اور میں، شیر اور اژدھے کا شکار ہو جاؤں گا۔ اتنے میں اس کو اوپر کی جانب ایک شہد کا چھتہ نظر آیا اور وہ شہد پینے اور حاصل کرنے میں اتنا مشغول ہو گیا کہ نہ شیر کی فکر رہی نہ اژدھے کا ڈر نہ چوہوں کا غم۔ اتنے میں درخت کی جڑ کٹ گئی، وہ گر پڑا، شیر نے اسے پھاڑ کر گڑھے میں گرا دیا جہاں اژدھے نے اس کو نگل لیا۔

مولانا رومؒ تشریح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جنگل سے مراد یہ دنیا ہے، شیر سے مراد موت ہے جو پیچھے لگی ہوئی ہے۔ گڑھا قبر ہے جو انسان کے آگے ہے، اژدھا برے اعمال ہیں جو قبر میں عذاب دیں گے۔ چوہے دن اور رات ہیں۔ درخت عمر ہے جو ہر گزرنے والے دن کم ہو رہی ہے اور شہد کا چھتہ دنیا کی غافل کر دینے والی لذتیں ہیں کہ انسان اعمال کی جواب دہی، موت اور قبر سب بھول جاتا ہے اور موت اسے اچانک آن لیتی ہے۔

قارئین کرام! حدیث مبارکہ میں ہے کہ عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کا حساب لے اور مرنے کے بعد کی تیاری کرے۔ کون نہیں جانتا کہ یہ دنیا ایک عارضی مسافر خانہ ہے، جہاں سے ہر کسی کو کوچ کرنا ہے۔ مسافر کو حالتِ سفر میں کسی چیز اور کسی جگہ سے دلبستگی نہیں ہوتی۔ جو شخص اس سے دل لگا بیٹھتا ہے، ہمیشہ پچھتاتا ہے۔ شاہی محلات میں دم توڑتے ہوئے بادشاہوں کے الفاظ ہمیں درس عبرت دیتے ہیں کہ اس دنیا کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ دنیا کس قدر بے ثبات، اس کی ثروت کس درجہ عارضی، اس میں قیام کس قدر مختصر اور اس کا انجام کتنا حسرت ناک، عبرتناک، تاسف خیز اور یاس و حرماں سے لبریز ہے۔

مولانا محمد یوسف اصلاحی فرماتے ہیں:

''کچے دھاگے میں بندھی ہوئی موت کی تلوار ہر وقت آپ کے سر پر لٹک رہی ہے، کچھ نہیں معلوم کہ زندگی کا یہ کچا دھاگا کب ٹوٹ جائے اور موت کی تلوار آپ کا کام تمام کر دے۔ اس نازک ترین صورت حال میں آپ زندگی کی گھڑیاں گزار رہے ہیں اور کسی وقت یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ کی زندگی کے کتنے لمحے باقی ہیں۔ کسی بھی وقت آپ دوسری دنیا کی طرف منتقل ہو سکتے ہیں۔ آپ چاہیں، جب بھی منتقل ہونا ہے، نہ چاہیں، جب بھی منتقل ہونا ہے۔ آپ کو دوسری دنیا کا یقین ہو، جب بھی منتقل ہونا ہے اور آپ دوسری دنیا پر یقین نہ رکھتے ہوں، تب بھی منتقل ہونا ہے۔ یہ انتقال بہرحال ایک دن ہونا ہے۔ ہر متنفس

جس نے زندگی پائی ہے ایک دن اسے موت کا مزہ چکھنا ہے۔

کل نفس ذائقہ الموت (آل عمران:185)

ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔

موت سے بچنے کے لیے کوئی پناہ گاہ نہیں، آدمی کہیں ہو، کسی حال میں موت سے بچ نہیں سکتا۔ موت سے بچنا ممکن نہیں۔

اَین ماتکونو یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدۃ (النساء:78)

(ترجمہ): "تم جہاں کہیں بھی ہو گے، تمھیں موت آ لے گی، خواہ تم مضبوط ترین قلعوں میں (پناہ گزیں) ہو۔"

موت کی دستک سنتے ہی زندگی سارے نقاب پھاڑ ڈالتی ہے اور بے حجاب ہو کر دنیا کے سامنے جاتی ہے۔ واقعہ یہی ہے کہ آدمی کی بے نقاب شخصیت زندگی کے آخری لمحات ہی میں سامنے آتی ہے اور یہی لمحات بتاتے ہیں کہ آدمی دنیا سے کامیاب جا رہا ہے یا ناکام...... اسی لیے ہر مومن زندگی بھر یہ دعا کرتا ہے کہ خدایا میرا خاتمہ ایمان پر ہو۔ یہی اس کی سب سے بڑی تمنا ہوتی ہے اور اسلام نے اسے یہی تعلیم دی ہے۔ جنازے کی نماز پڑھتے ہوئے جب موت کے شکار انسان کا لاشہ اس کے سامنے ہوتا ہے، وہ سوز و غم میں ڈوبی ہوئی دل گیر آواز میں اپنے پروردگار سے یہی کہتا ہے:

ومن توفیتہ منا فتوفہ علی الایمان.

پروردگار ہم میں سے جس کو بھی تُو موت دے، اس حال میں موت دے کہ وہ ایمان پر قائم ہو۔

جنازے کی نماز میں پڑھی جانے والی دعا کے یہ الفاظ اس لائق ہیں کہ آدمی کبھی ان کو ذہن سے اوجھل نہ ہونے دے۔ اور یاد رکھے کہ آخر کار ایک دن اسے بھی اسی طرح دنیا سے رخصت ہونا ہے...... فکر کی بات یہ نہیں ہے کہ رخصت ہونا ہے، رخصت تو ایک دن ہونا ہی ہے، فکر کی بات اگر کچھ ہے تو صرف یہ ہے کہ پروردگار اس حال میں اس دنیا سے اٹھائے کہ سینہ ایمان کے نور سے منور ہو۔ زندگی کا کچا دھاگا کب ٹوٹے گا۔ موت کا دروازہ کب کھلے گا اور کس چپہ زمین پر کھلے گا، اور کب آپ اس میں چار و ناچار داخل ہو جائیں گے، یہ کسی کو معلوم نہیں۔ یہ راز صرف عالم الغیب ہی کو معلوم ہے۔

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا ط وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ o (لقمان: 34)

کوئی متنفس نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کمائی کرنے والا ہے اور نہ کسی کو یہ معلوم ہے کہ کس سرزمین پر اس کو موت آنی ہے۔ اللہ ہی سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔

ہر لمحہ آپ اس اندیشے کے ساتھ گزار رہے ہیں کہ ممکن ہے، یہی زندگی کا آخری لمحہ ہو، ہر دوسرا لمحہ موت کا لمحہ ہوسکتا ہے، اور آپ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر دوسری دنیا میں منتقل ہوسکتے ہیں۔ جب واقعہ یہ ہے..... اور کون کہہ سکتا ہے کہ یہ واقعہ نہیں ہے..... تو پھر خود ہی اپنے ضمیر سے پوچھئے کہ خاتمہ بالخیر کی تمنا میں آپ کس قدر صادق ہیں، ایمان پر خاتمے کی دعا آپ کتنے اخلاص کے ساتھ کر رہے ہیں۔ ہر دوسرا لمحہ جو یکا یک آپ کو دوسری دنیا میں منتقل کرسکتا ہے، کیا واقعی آپ اس کیفیت، شعور، احساس اور بیداری کے ساتھ گزار رہے ہیں کہ اگر یہی لمحہ زندگی کا آخری لمحہ ہو..... تو یہ ایمان کا لمحہ ثابت ہو، خدا کی اطاعت کا لمحہ ثابت ہو، معصیت اور نافرمانی کا لمحہ نہ ہو۔

یہ خالص آپ کا ذاتی مسئلہ ہے۔ آپ کی اور صرف آپ کی کامیابی اور ناکامی کا مسئلہ ہے۔ کوئی دوسرا اس مسئلہ میں آپ کی مدد نہیں کرسکتا، نہ یہ دوسروں کو مطمئن کرنے کا مسئلہ ہے، یہ صرف اپنی ذات کو مطمئن کرنے کا مسئلہ ہے، اپنے ضمیر سے جواب لینے اور اسے مطمئن کرنے کا مسئلہ ہے۔ سامنے آنے والے نتائج صرف آپ ہی کو بھگتنے ہیں، کوئی دوسرا قطعاً آپ کا شریکِ حال نہ ہوگا..... کس قدر قابلِ رشک ہے وہ موت جو اس حال میں آئے کہ آدمی کو ایمان کی دولت حاصل ہو، اور وہ ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو..... موت کے اس پار کیا ہے اور انسان کو کن حالات سے دوچار ہوتا ہے..... کچھ نہیں معلوم۔ حیرت انگیز دریافت اور ایجاد کے باوجود انسانی معلومات کے ذرائع اس معاملے میں ذرا کام نہیں دے سکتے۔ البتہ وہ لمحات جب آدمی موت کے دروازے پر ہوتا ہے، ضرور کچھ کچھ بتا دیتے ہیں کہ رخصت ہونے والا کیسا ہے اور اس کا کیا انجام ہونے کی توقع ہے۔"

(شعورِ حیات از مولانا محمد یوسف اصلاحی)

کہتے ہیں کہ سلطان قزل ارسلان ایک ایسے مضبوط قلعے میں رہتا تھا جسے طاقتور سے طاقتور فوج بھی فتح نہ کرسکتی تھی۔ اس کی بلندی کوہِ الوند سے ہمسری کا دعویٰ کرتی تھی۔

علاوہ مضبوطی کے یہ قلعہ خوش منظر بھی ایسا تھا کہ روئے زمین پر اس کی نظیر کہیں مشکل ہی سے ہوگی۔ پیش منظر اور پس منظر کے مرغزاروں میں وہ یوں نظر آتا تھا جیسے سبز طباق میں انڈا رکھا ہو۔ اتفاق سے ایک مردِ درویش سیاحی کرتا ہوا اس قلعے میں بھی آ نکلا، اور جب اسے سلطان کے حضور باریابی حاصل ہوئی تو سلطان نے از راہِ غرور درویش سے سوال کیا کہ حضرت نے بہت دنیا دیکھی ہے، گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے، یہ تو فرمایئے، ایسا مضبوط اور خوش نما قلعہ بھی کہیں دیکھا؟ نیز یہ کہ اس کے بارے میں کیا رائے ہے؟ کیا کوئی دشمن اسے فتح کر سکتا ہے؟ سلطان کی یہ بات سن کر مردِ خود آگاہ ہنسا اور پھر سلطان کی طرف دیکھ کر بولا، قلعہ واقعی اچھا ہے لیکن میں یہ بات ہرگز نہیں مان سکتا کہ یہ مضبوط بھی ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ تیرے جو بزرگ تجھ سے پہلے اس میں رہتے تھے، یہ موت سے ان کی حفاظت نہ کر سکا۔ بالکل اسی طرح یہ تیری حفاظت بھی نہ کر سکے گا۔ تیرے بعد لازمی طور پر اس میں اور لوگ آباد ہوں گے۔ اے سلطان! تجھے چاہیے کہ اپنے باپ کے عہدِ حکومت کو یاد کرے اور اس خیال کو دل سے نکال دے کہ تو ہی سدا اس قلعے میں رہے گا۔

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کے ہیں کل کی خبر نہیں

یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا کی خواہشیں اکاس بیل کی طرح انسانی درخت کو اپنے جال میں پھنسائے رکھتی ہیں جس سے اس کا بڑھنا پھولنا پھلنا بند ہو کر اس کی زندگی کی جڑ کاٹ دیتی ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک دن حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کی عمر سب پیغمبروں سے زیادہ ہوئی، آپ نے دنیا کو کیسا پایا؟ فرمایا: مجھے ایسا معلوم ہوا کہ ایک مکان کے دو دروازے ہیں۔ ایک میں سے میں اندر گیا اور دوسرے میں سے باہر نکل آیا۔

ایک نیک دل بادشاہ نے اپنے محل خاص میں ایک تابوت اس خیال سے رکھ چھوڑا تھا کہ اس کو دیکھ دیکھ کر موت کی یاد تازہ رہ سکے۔ ایک روز آئینے میں ایک سفید بال اپنی داڑھی میں نظر آیا، حکم دیا کہ اب تابوت اٹھا دیا جائے۔ موت کو یاد کرنے کے لیے اب اس کی ضرورت نہیں جبکہ نشانِ مرگ یعنی سفید بال ہر وقت میرے سامنے موجود ہے۔

حضرت عثمان غنی ؓ جب کسی قبر پر جاتے تو اتنا روتے کہ ریش مبارک بھیگ جاتی۔ کسی نے کہا کہ آپ جنت اور دوزخ کے بیان پر اتنا نہیں روتے جتنا آپ قبروں پر روتے ہیں۔آپ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ قبرآخرت کی منزلوں میں سے منزل اوّل ہے۔ اگراس سے مردہ بچ گیا تو اور منزلیں بھی اس پر آسان ہو جاتی ہیں۔ اگر اس منزل سے نجات نہ پائی تو دوسری منزلیں بھی کڑی ہو جاتی ہیں۔حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر حیوانات اپنی موت کو ایسا جانیں جیسا کہ تم جانتے ہو تو کوئی جانور بھی تم کو موٹا نہ نظر آئے۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ ایسے جلیل القدر صحابی رسول ﷺ کے خوف آخرت کا یہ عالم تھا کہ کوئی سرسبز درخت دیکھتے تو کہتے کاش میں درخت ہوتا کہ عاقبت کے جھگڑوں سے آزاد رہتا۔ چڑیوں کو دیکھتے تو سرد آہ کھینچ کر فرماتے، کاش میں چڑیا ہوتا تا کہ جہنم کے عذاب سے محفوظ رہتا، سڑک کے کنارے سے گزرتے تو کہتے کاش میں جھاڑی کا ایک پودا ہوتا۔

حضرت سیدنا عمر فاروق ؓ کے بارے میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتے۔آپ ﷺ نے عمر فاروق کی شان میں یہ بھی فرمایا کہ عمرؓ جس گلی سے گزرتے ہیں، شیطان راستہ چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے۔ان کے خوف آخرت کا یہ حال تھا کہ ایک بار آپ کہیں جارہے تھے، راستے میں سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا کاش میں تنکا ہوتا۔ کاش میں پیدا ہی نہ ہوتا۔

حضرت سیدنا علیؓ سب سے کم عمر میں اسلام قبول کرنے والے تھے، حضور ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے۔حضور ﷺ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کے شوہر تھے۔ مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ تھے۔ دنیا ہی میں جنت کی خوش خبری مل چکی تھی۔ لیکن آخرت کا خوف اتنا تھا کہ جب رات ختم ہونے کو آتی تو اپنی داڑھی ہاتھ میں لے کر اس طرح بے قرار ہو جاتے جیسے سانپ کا کاٹا ہوا بے قرار ہوتا ہے اور بڑی دردناک آواز میں روتے اور کہتے اے دنیا! جا کسی اور کو دھوکہ دے۔ ایک دن قبرستان میں بیٹھے تھے، کسی نے پوچھا آپ یہاں کیوں بیٹھے ہیں؟ فرمایا ''میں اِن لوگوں کو بہت اچھا ہمنشیں پاتا ہوں۔ یہ کسی کی بدگمانی نہیں کرتے۔کسی کی غیبت نہیں کرتے اور آخرت کی یاد دلاتے ہیں''۔

موت سے کسی کو مفر نہیں۔ دنیا میں آنے والے ہر شخص نے ایک نہ ایک دن اس دنیائے فانی سے کوچ کرنا ہے۔قرآن مجید میں واضح الفاظ میں کہا گیا:

قل ان الموت الذی تفرون منہ فانہ ملقیکم۔ (جمعہ:8)

''آپ کہہ دیجئے کہ جس موت سے بھاگتے ہو وہ یقیناً تم کو پہنچ کر رہے گی۔''

موت ایک ایسی حقیقت ہے جس کو یاد کرنے سے دنیا کی لذتوں اور اس کی دلچسپیوں میں کمی آتی ہے۔ قلب انسانی مالکِ حقیقی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ عطاء خراسانیؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کا ایک مجلس سے گزر ہوا جہاں سے ہنسنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اپنی مجالس میں لذتوں کو مکدر کرنے والی چیز کا تذکرہ شامل کر لیا کرو، صحابہؓ نے عرض کیا آقا ﷺ لذتوں کو مکدر کرنے والی چیز کیا ہے؟ فرمایا یہ موت ہے جو گناہوں کو زائل کرتی ہے اور دنیا سے بے رغبتی پیدا کرتی ہے، اس لیے موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔ ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اگر تم کو یہ معلوم ہو جائے کہ مرنے کے بعد تم پر کیا گزرے گی تو تم کبھی رغبت سے نہ کھانا کھاؤ اور نہ ہی کبھی لذت سے پانی پیو۔

ایک بار ایک صحابیؓ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! مجھے موت سے محبت نہیں ہے کیا علاج کروں؟ فرمایا، تمہارے پاس کچھ مال ہے؟ عرض کی ہاں کچھ ہے۔ فخر دو عالم ﷺ نے فرمایا اس مال کو آگے پہنچاؤ۔ انسان کا دل مال سے لگا رہتا ہے جب اس کو آگے بھیج دیا جاتا ہے تو پھر خود بھی اسی کے پاس جانے کو چاہتا ہے اور جب پیچھے چھوڑ جاتا ہے تو پھر خود بھی اس کے پاس رہنے کو جی چاہتا ہے۔

ایک عورت نے حضرت عائشہؓ سے اپنے دل کی قساوت کی شکایت کی۔ آپؓ نے فرمایا اپنی موت کو کثرت سے یاد کرو، انشاء اللہ دل نرم ہو جائے گا۔ اس عورت نے ایسا ہی کیا۔ کچھ عرصہ بعد واپس آئی اور بتایا کہ موت کی کثرتِ یاد نے میرے دل کو روئی کے گالے کی طرح نرم کر دیا ہے۔

حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ موت کا سختی سے ذکر فرمایا کہ موت سے اتنی تکلیف ہوتی ہے جتنی کہ تین سو جگہ تلوار کی کاٹ سے ہوتی ہے۔ ایک روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جب وصال ہو تو حق تعالیٰ نے دریافت فرمایا کہ موت کو کیسا پایا؟ انھوں نے عرض کی! مولا اپنی جان کو ایسا دیکھ رہا تھا جیسے زندہ چڑیا کو اس طرح آگ پر بھونا جا رہا ہو کہ نہ اس کی جان نکلتی ہو اور نہ ہی اڑنے کی کوئی صورت ہو۔ ایک

اور روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: موت کے وقت میری حالت ایسی تھی جیسے زندہ بکری کی کھال اتاری جارہی ہو۔ حضرت عمرؓ نے حضرت کعبؓ سے دریافت کیا کہ موت کی کیفیت بیان کریں۔ انھوں نے عرض کی، یاامیرالمومنینؓ! جس طرح ایک کانٹے دار ٹہنی کو آدمی کے اندر داخل کردیا جائے جس کے ساتھ بدن کا ہر جز دلپٹ جائے، پھر اسے ایک دم کھینچ لیا جائے۔ اسی طرح جان کھینچی جاتی ہے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ کو نزع کے عالم میں پوچھا گیا، کیا حال ہے؟ فرمایا پگھل رہا ہوں، بگڑتا زیادہ ہوں بنتا کم ہوں۔ ایک اور روایت یہ بھی ہے کہ ان کے بیٹے نے سوال کیا تو حضرت عمرو بن العاصؓ نے ٹھنڈی سانس لی اور کہا! جان من موت کی صفت بیان نہیں ہوسکتی۔ موت نا قابلِ بیان ہے۔ لیکن اس وقت ایسا محسوس ہوتا ہے گویا آسماں زمین پر ٹوٹ پڑا ہے اور میں دونوں کے درمیان پڑ گیا ہوں۔

میرے بھائیو! ہم موت سے غافل ہیں۔ لیکن موت ہم سے غافل نہیں ہے۔ ہم موت کو بھولے بیٹھے ہیں۔ لیکن موت ہمیں یاد کرتی ہے۔ موت اعلان کرتی ہے:

''میں ہی وہ موت ہوں جو ماؤں اور بیٹیوں میں جدائی ڈال دیتی ہوں۔ میں ہی وہ موت ہوں جو بھائیوں اور بہنوں کو جدا کردیتی ہوں۔ میں ہی وہ موت ہوں جو خاوند بیوی کو ایک دوسرے سے جدا کردیتی ہوں۔ میں ہی وہ موت ہوں جو دو پیار کرنے والے دوستوں کو جدا کردیتی ہوں۔ میں ہی وہ موت ہوں جو محلات کو ویران اور گھروں کو اجاڑ دیتی ہوں۔ میں وہ موت ہوں جو قبرستانوں کو آباد کرتی ہوں۔ میں وہ موت ہوں جو تمھیں تلاش کرتی رہتی ہوں اور تمھیں مضبوط قلعوں میں بھی پالیتی ہوں اور کوئی مخلوق بھی میرا ذائقہ چکھے بغیر نہیں رہتی۔''

موت ہر دم یہی پیغام دیتی ہے کہ مجھے بھولنے والو۔ میں تمھیں نہیں بھولتی۔ ایک روایت میں آیا کہ ہر انسان کی قبر دن میں 70 دفعہ اسے یاد کرتی ہے۔ بار بار اعادہ کرتی ہے۔ مجھے بھولنے والے انسان "انا بیت الوحدہ" میں تنہائی کا گھر ہوں۔ "انا بیت الظلمات" میں اندھیرے کا گھر ہوں۔ "انا بیت الحیۃ و العقارب" میں سانپوں اور بچھوؤں کا گھر ہوں۔ ہائے افسوس ہم اپنی قبر کی پکار کو نہیں سنتے۔ وہ دہائی دے دے کر کہہ رہی ہے:

- اے جگمگاتی کوٹھی میں رہنے والے
- اے روشن گھر میں رہنے والے
- اے قالینوں پر چلنے والے

- اے A.C میں سونے والے
- اے نرم گداز بستر پر مزہ لینے والے
- اے لگژری گاڑیوں میں گھومنے والے

میں تنہائی کا، اندھیرے کا، تاریکی کا، سانپوں کا، بچھوؤں کا اور وحشت کا گھر ہوں۔ اے میرے پاس آنے والے یہاں بہترین بستر نہیں ہوگا۔ بلب، ٹیوب لائٹ، چراغ نہیں ہوگا۔ کیڑے تیرے جسم کا گوشت کھائیں گے۔ مٹی تیری ہڈیوں کو کھا جائے گی۔ آنے والے ذرا تیاری سے آنا۔ آنے والے خالی ہاتھ نہ آنا لیکن یاد رکھنا یہاں تیری دولت کام نہ آئے گی۔ تیری جاگیر، تیرا کارخانہ، تیری جوانی، تیرا حسن، تیری حکومت، تیرا اقتدار، تیرا منصب، تیرا عہدہ، تیری ذات، تیری برادری کام نہ آئے گی۔

ایک دفعہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ جب سے میں نے آپ سے منکر نکیر کی سخت آواز اور قبر کے بھینچنے کا ذکر سنا ہے، دھیان قبر کی طرف سے ہٹتا ہی نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا منکر نکیر کی آواز مومن کے کانوں کو اتنی اچھی لگے گی جیسے آنکھوں میں سرمہ اچھا لگتا ہے اور قبر کا دبوچنا اتنا اچھا لگتا ہے جیسے شفیق ماں سے بیٹا سر درد کی شکایت کرے اور وہ آہستہ آہستہ دبائے لیکن گنہگاروں کا معاملہ بالکل جدا ہے۔ وہ لوگ قبر میں اس طرح دبوچے جائیں گے جس طرح ایک بڑا پتھر انڈے کو کچل ڈالے۔

حضرت یحییٰ بن ابی کثیر جب کسی جنازے کے ساتھ جاتے تو واپسی پر لوگ انھیں چارپائی پر لاتے، ان کو چلنے یا سواری کی طاقت نہ رہتی۔ اسی حالت میں کئی دن شدتِ خوف کی وجہ سے کام تو درکنار کلام بھی نہ کر سکتے۔ موت کے لیے کوئی خاص وقت مقرر نہیں۔ نہ صبح و شام نہ شب و روز نہ گرمی سردی۔ وقت جب آ جاتا ہے۔ ذرا سی دیر کا بھی پس و پیش نہیں ہوتا۔ بقول شخصے: ''جب وقت اجل آ جاتا ہے، تو نہ ایک ساعت پیچھے ہوتا ہے۔ اور نہ ایک ساعت آگے۔ خواہ کوئی دولت میں قارون، تکبر میں فرعون، ظلم میں ضحاک، تمرد میں نمرود، شہ زوری میں رستم، روئیں تنی میں اسفندیار، خوبصورتی میں یوسفؑ، صبر میں ایوبؑ، درازیٔ عمر میں نوحؑ، بسالت میں موسیٰؑ، مصوری میں مانی، عشق میں مجنوں، عدل و سیاست میں عمرؓ، ملک گیری میں سکندر، دبدبہ میں جمشید، عیاشی میں شاہ رنگیلا، اقبال میں اکبر، فصاحت میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، انصاف میں نوشیرواں، حکمت میں لقمان، دانش میں ارسطو، سخاوت میں حاتم،

موسیقی میں تان سین، شاعری میں انوری، فردوسی و سعدی، مردانگی میں محمد فاتح، خاموشی میں زکریا، گریہ میں یعقوبؑ، رضا جوئی میں ابراہیمؑ، غزا میں محمود، جہالت میں ابوجہل، حیاداری میں عثمانؓ، غربت میں یحییٰؑ، ذہانت میں فیضی، شقاوت میں یزید، تصوف میں بایزیدؒ، حکومت میں سلیمانؑ، نازک دماغی میں تانا شاہ، شجاعت میں علیؓ، خونریزی میں چنگیز، فلسفۂ اسلام میں امام غزالیؒ، رفاہِ عام میں شیر شاہ سوری، محسن کشی میں روہیلہ، فقہ میں امام اعظمؒ، تیراندازی میں بہرام گور، کسب حلال میں سلطان ناصر الدین، صدق میں ابوبکرؓ، خوش الحانی میں داؤدؑ، کثیر الازدواجی میں واجد علی شاہ، جہاد میں سلطان صلاح الدین، سیاحت میں ابن بطوطہ اور پختگی ارادہ میں علاؤ الدین خلجی ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن موت سے کسی کو رستگاری نہیں۔ کہتے ہیں ارسطالیس مرض سل سے، افلاطون فالج سے، لقمان سرسام سے اور جالینوس اسہال سے فوت ہوئے۔ حالانکہ انہی امراض کے علاج میں ان حکماء کو ید طولیٰ اور رتبۂ کمال حاصل تھا۔

جب ہم اس دنیا سے آخرت کی طرف جائیں گے تو مکان، دکان، روپے پیسے سب کچھ یہیں رہ جائے گا۔ جو کچھ بھی کمایا، سو فیصد یہاں چھوڑ کر جانا پڑے گا۔ عینک، گھڑی، موبائل، گاڑی، بینک بیلنس، زیورات، بانڈز حتیٰ کہ بدن کے کپڑے تک چھوڑ کر جانے پڑیں گے۔

ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ مرنے والا جب مرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں کہ اس نے آگے کیا بھیجا؟ اور لوگ پوچھتے ہیں کہ اس نے پیچھے کیا چھوڑا۔ (مشکوٰۃ ص 445)

بقول مولانا محمد زکریاؒ، لوگ یہ سوچتے ہیں کہ ان کے مرنے کے بعد ان کی اولاد کا کیا بنے گا؟ جبکہ وہ یہ نہیں سوچتے کہ ان کی اولاد کے مرنے کے بعد اولاد کا کیا بنے گا؟

بس اک سخن رہے بندۂ عاجز کا یاد
اپنے آپ کو اور اللہ کو نہ بھولو

کہتے ہیں کہ ایک شخص نے سونے کی ایک اینٹ پڑی پائی۔ یہ اینٹ ہاتھ آنے سے پہلے یہ غریب آدمی نماز روزے کا پابند اور خدا کے ذکر میں محو رہا کرتا تھا اور اپنے ان اشغال میں بڑی حلاوت محسوس کرتا تھا۔ لیکن سونے کی اینٹ ہاتھ آتے ہی اس کے قلب کی کیفیت بدل گئی۔ خدا کی یاد سے غافل ہو کر اب وہ ہر وقت دنیاوی آسائشیں حاصل کرنے کے منصوبے بناتا رہتا تھا۔ کبھی سوچتا کہ مجھے ایک ایسا شاندار مکان تعمیر کرانا چاہیے جس کے ساتھ ایک باغیچہ بھی ہو۔ کبھی اعلیٰ درجے کے لباس اور بہترین بستر بنوانے کے منصوبے بناتا۔

اس کے دماغ کا کچھ ایسا حال ہو گیا گویا کھوپڑی میں کوئی کیڑا گھس گیا ہو۔ اس پریشان خیالی سے تنگ آ کر ایک دن وہ جنگل کی طرف نکل گیا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ ایک شخص ایک قبر کی مٹی سے اینٹیں پاتھ رہا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر اس کا قلب کچھ بیدار ہوا۔ اس نے سوچا کہ میں بھی کیسا احمق ہوں۔ سونے کی ایک اینٹ کو دل میں بسا لیا ہے جبکہ سچائی تو یہ ہے کہ ایک دن میری قبر کی مٹی سے بھی اسی طرح اینٹیں پاتھی جائیں گی۔ میں سونے کی اینٹ پا کر دنیاوی خیالات میں الجھ گیا ہوں۔ مجھے یہ خیال ہی نہیں کہ عمر کا قیمتی سرمایہ یونہی برباد ہو رہا ہے۔

کس لیے آئے تھے ہم کیا کر چلے

کہتے ہیں کہ ملک الموت ہی تمام جانداروں کی روح قبض کرتے ہیں اور وہ ہر گھر پر روزانہ پانچ مرتبہ اور جاندار پر ہر گھنٹے کھڑے ہوتے ہیں اور بندوں کے چہروں پر روزانہ ستر مرتبہ نگاہ ڈالتے ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ ملک الموت جب مومن کی روح قبض کرتے ہیں تو گھر کی چوکھٹ پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور گھر والوں میں ایک شور ہوتا ہے۔ بعض عورتیں چہرے پر تھپڑ مارتی ہوتی ہیں، بعض بال نوچتی ہیں، بعض تباہی و بربادی کی بددعائیں دیتی ہوتی ہیں۔ اس پر ملک الموت فرماتے ہیں، یہ جزع فزع کیوں کر رہے ہیں؟ بخدا میں نے نہ تم میں سے کسی کی عمر میں کمی کی، نہ کسی کا رزق ختم کیا، نہ تم میں سے کسی پر کوئی ظلم کیا، میرا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اس لیے کہ میں حکم ربانی کا بندہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہوں، اور تم اپنے رب کے حکم سے شاکی ہو تو یہ تمہارے کافر ہونے کا ذریعہ ہے اور میں پھر تمہارے پاس لوٹ کر آؤں گا اور پھر لوٹ کر آؤں گا تاکہ تم میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑوں۔

ایک دفعہ ایک انصاری صحابی بیمار تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ملک الموت، انصاری صحابی کے سرہانے حاضر ہو گئے اور کہا کہ ان کی قبر کی تشکیل ہو گئی ہے اور میں ان کی جان قبض کرنے کے لیے آیا ہوں۔ حضور رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ میرا صحابی ہے اور میری ختم نبوت پر ایمان رکھنے والا ہے۔ اس کی جان نہایت احتیاط اور آرام سے نکالنا تاکہ اسے کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہو۔ ملک الموت نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے جس امتی کا، عقیدۂ ختم نبوت پر پختہ ایمان ہوگا، میں اس کی جان بغیر کوئی تکلیف دیے نہایت آسانی اور آرام

سے قبض کروں گا۔ آپ اس سلسلہ میں اپنی آنکھوں اور دل کو راحت بخشیں اور اطمینان رکھیں۔

قبر اور دوزخ کا حال

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جب میت کو قبر میں اُتار دیا جاتا ہے تو قبر اُس سے خطاب کرتی ہے۔ ''اے آدمی تیرا ناس ہو! تُو نے کس لیے مجھے فراموش کر رکھا تھا؟ کیا تجھے اتنا بھی پتا نہ تھا کہ میں فتنوں کا گھر ہوں، تاریکی کا گھر ہوں، پھر تُو کس بات پر مجھ پر اکڑا اکڑا پھرتا تھا؟'' اگر وہ نیک آدمی ہو تو ایک غیبی آواز قبر سے کہتی ہے، ''اے قبر! اگر یہ ان میں سے ہو جو نیکی کا حکم کرتے رہے اور برائی سے منع کرتے رہے تو پھر؟'' (تیرا سلوک کیا ہوگا؟) قبر کہتی ہے، ''اگر یہ بات ہو تو میں اس کے لیے گلزار بن جاتی ہوں۔'' چنانچہ پھر اس شخص کا بدن نور میں تبدیل ہو جاتا ہے اور اس کی روح رب العالمین عزوجل کی بارگاہ کی طرف پرواز کر جاتی ہے۔''

حضرت علیؓ صفین سے واپس آ رہے تھے، راستے میں کوفے کے باہر قبرستان پر پہنچے تو فرمایا!

''اے ڈراؤنے شہر، اے ویران مکان، اے تاریک قبرو، اور اے خاک کے رہنے والو، اے مسافرو، اے وحشت کے مقامات کے باشندو، تم پہلے پہنچ گئے، اور ہم تمہارے بعد آنے والے ہیں۔ وہ تمہارے مکان آباد ہو گئے، تمہاری بیویاں بیاہ دی گئیں، مال تقسیم ہو گئے' یہ خبر تو ہم نے تمہیں سنا دی، تم بتاؤ! یہاں تمہاری کیا خبر ہے؟'' (نہج البلاغہ از حضرت علیؓ)

رات کے اندھیرے میں ڈر جانے والوں، بلی کی میاؤں پر چونک پڑنے والوں، کتے کے بھونکنے پر راستہ بدل دینے والوں، سانپ اور بچھو کا صرف نام سن کر تھر تھر کانپ اُٹھنے والوں، سُلگتی ہوئی آگ کو دُور سے دیکھ کر گھبرانے والوں، بلکہ فقط دھوئیں سے بے چین ہو جانے والوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ حضرت سیدنا علامہ جلال الدین سیوطی الشافعیؒ ''شرح الصدور'' میں نقل فرماتے ہیں، ''جب انسان قبر میں داخل ہوتا ہے تو وہ تمام چیزیں اس کو ڈرانے کے لیے آ جاتی ہیں جن سے وہ دنیا میں ڈرتا تھا اور اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرتا تھا۔''

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (کہ ان کا حال یہ تھا) کہ جب وہ کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو بہت روتے، یہاں تک کہ آنسوؤں سے ان کی ڈاڑھی تر ہو

جاتی، ان سے پوچھا گیا (یہ کیا بات ہے) کہ آپ جنت و دوزخ کو یاد کرتے ہیں تو نہیں روتے، اور قبر کی وجہ سے اس قدر روتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا، کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے: ''قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔ پس اگر بندہ اس سے نجات پا گیا، تو آگے کی منزلیں اس سے زیادہ آسان ہیں، اور اگر قبر کی منزل سے بندہ نجات نہ پا سکا، تو اس کے بعد کی منزلیں اس سے اور زیادہ سخت اور کٹھن ہیں۔'' اس منزل کی دو صورتیں ہیں۔ جناب رسالت مآب ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا ''قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔''

میرے بھائیو! اپنا عقیدہ اور ایمان اس بات پر پختہ رکھو کہ مومن کا اصل جہاں یہ نہیں بلکہ وہ ہے جو آنکھیں بند ہونے کے بعد شروع ہوگا۔ آمنہ کے لال، محبوبِ رب ذوالجلال، پیکر جمال، صاحب کمال، حضور خاتم النبیین ﷺ کا فرمان ہے:

الدنیا سجن المومن و جنة الکافر.

''دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔'' (الحدیث)

مزید ارشاد فرمایا! ''اے ابوذرؓ دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے، قبر امن کی جگہ ہے اور جنت اس کا ٹھکانہ ہے۔ دنیا کافر کی جنت ہے اور قبر اس کا عذاب ہے اور جہنم اس کا ٹھکانہ ہے۔''

نیز رسول اللہ ﷺ یہ بھی فرماتے تھے: ''نہیں دیکھا میں نے کوئی منظر مگر یہ کہ قبر کا منظر اس سے زیادہ خوفناک اور شدید ہے۔'' (ترمذی، ابن ماجہ)

حضرت عثمان غنیؓ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ تھا، جب میت کے دفن سے فارغ ہو جاتے، تو قبر کے پاس کھڑے ہوتے اور فرماتے: اپنے اس بھائی کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دُعا کرو اور یہ بھی استدعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کو سوالوں کے جواب میں ثابت قدم رکھے، کیونکہ اس وقت اس سے پوچھ گچھ ہوگی۔ (ابوداؤد)

حضرت جابر سے روایت ہے کہ جب (مشہور انصاری صحابی) سعد بن معاذ کی وفات ہوئی، تو ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کے جنازے پر گئے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے نمازِ جنازہ پڑھائی، اور ان کو قبر میں اُتار کر جب قبر برابر کر دی گئی، تو رسول اللہ ﷺ نے سبحان اللہ، سبحان اللہ کہا، (آپ کو دیکھ کر آپ کے اتباع میں) ہم بھی دیر تک

سبحان اللہ، سبحان اللہ کہتے رہے، پھر آپ نے اللہ اکبر، اللہ اکبر کہنا شروع کیا، تو ہم بھی آپ کے اتباع میں اللہ اکبر، اللہ اکبر کہنے لگے...... پھر آپ سے پوچھا گیا، کہ: یارسول اللہ ﷺ اس وقت آپ کی اس تسبیح اور تکبیر کا کیا خاص سبب تھا؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ کے اس نیک بندے پر اس کی قبر تنگ ہوگئی تھی (جس سے اس کو تکلیف تھی) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے تنگی کی اس کیفیت کو دُور فرما کر کشادگی پیدا فرمادی، اور اس کی تکلیف دور کر دی۔ (مسند احمد)

یہ سعد بن معاذ انصاریؓ رسول اللہ ﷺ کے مشہور اور ممتاز اصحاب کرام میں سے تھے، غزوۂ بدر کی شرکت کی فضیلت اور سعادت بھی انھیں حاصل تھی، 5 ھ میں ان کی شہادت ہوئی اور ان کی شہادت پر اللہ تعالیٰ کا عرش کانپ گیا اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ ستر ہزار فرشتوں نے ان کے جنازے میں شرکت کی، اور آسمان کے دروازے ان کے لیے کھولے گئے۔ باوجود اس کے کہ قبر کی تنگی کی تکلیف سے ان کو بھی واسطہ پڑا (اگرچہ فوراً ہی وہ اُٹھالی گئی)...... اس میں ہم جیسوں کے لیے بڑا انتباہ اور سبق ہے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا، اور اس میں اُس آزمائش کا ذکر فرمایا جس میں مرنے والا آدمی مبتلا ہوتا ہے، تو جب آپ نے اس کا ذکر فرمایا، تو خوف و دہشت سے سب مسلمان چیخ اُٹھے، اور ایک کہرام مچ گیا۔ (بخاری)

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ میں نے بعض نمازوں میں رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا کرتے سنا۔

اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِیْ حِسَابًا يَّسِيْرًا.

(اے اللہ! میرا حساب آسان فرما)

میں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! آسان حساب کا کیا مطلب ہے؟'' آپ نے فرمایا۔ ''آسان حساب یہ ہے کہ بندہ کے اعمال نامہ پر نظر ڈالی جائے اور اُس سے درگزر کی جائے (یعنی کوئی پوچھ گچھ اور جرح نہ کی جائے) بات یہ ہے کہ جس کے حساب میں اُس دن جرح کی جائے گی، اے عائشہ (اُس کی خیر نہیں) وہ ہلاک ہو جائے گا۔ (مسند احمد)

مرنے کے بعد جب بندہ کا واسطہ اُس زمین (قبر) سے پڑتا ہے، اور وہ اس کے

سپرد ہوتا ہے، تو ایمان وعمل کے فرق کے لحاظ سے زمین کا برتاؤ اس کے ساتھ کتنا مختلف ہوتا ہے، اس کا اندازہ اس حدیث مبارکہ سے ہوتا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب وہ بندہ زمین کے سپرد کیا جاتا ہے جو حقیقی مومن ومسلم ہو تو زمین (کسی عزیز اور محترم مہمان کی طرح اس کا استقبال کرتی ہے، اور) کہتی ہے مرحبا! (میرا دیدۂ ودل فرشِ راہ) خوب آئے، اور اپنے ہی گھر آئے، تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ جتنے لوگ میرے اوپر چلتے تھے، ان میں سب سے زیادہ محبوب اور چہیتے مجھے تم ہی تھے، اور آج جب تم میرے سپرد کر دیے گئے ہو، اور میرے پاس آ گئے ہو، تو تم دیکھو گے کہ (تمہاری خدمت اور راحت رسانی کے لیے) میں تمھارے ساتھ کیا معاملہ کرتی ہوں، پھر وہ زمین اُس بندۂ مومن کے لیے حد نگاہ تک وسیع ہو جاتی ہے، اور اُس کے واسطے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے...... اور جب کوئی سخت بدکار قسم کا آدمی، یا ایمان نہ لانے والا آدمی زمین کے سپرد کیا جاتا ہے، تو زمین اُس سے کہتی ہے کہ جتنے آدمی میرے اوپر چلتے پھرتے تھے تُو مجھے ان سب سے زیادہ مبغوض تھا، اور آج جب تُو میرے حوالہ کر دیا گیا ہے، اور میرے قبضے میں آ گیا ہے، تو ابھی تُو دیکھے گا کہ میں تیرے ساتھ کیا کرتی ہوں...... آپ ﷺ نے فرمایا کہ...... پھر وہ زمین ہر طرف سے اُس کو بھینچتی اور دباتی ہے، یہاں تک کہ اس دباؤ سے اس کی پسلیاں اِدھر سے اُدھر ہو جاتی ہیں...... ابو سعید خدری کا بیان ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں میں دوسرے ہاتھ کی انگلیاں ڈال کر ہم کو اس کا نقشہ دکھایا...... اس کے بعد فرمایا...... پھر اُس پر ستر اژدھے مسلط کر دیے جاتے ہیں، جن میں سے ایک اگر زمین میں پھنکار مارے، تو رہتی دنیا تک وہ زمین کوئی سبزہ نہ اُگا سکے، پھر یہ اژدھے اُسے برابر کاٹتے نوچتے رہیں گے، یہاں تک کہ قیامت اور حشر کے بعد وہ حساب کے مقام تک پہنچا دیا جائے......

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، سیدنا ابو القاسم ﷺ نے فرمایا: ''قسم اُس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر (اللہ کے قہر وجلال اور قیامت وآخرت کے لرزہ خیز ہولناک احوال کے متعلق) تمھیں وہ سب معلوم ہو جائے جو مجھے معلوم ہے، تو تمہارا ہنسنا بہت کم ہو جائے، اور رونا بہت بڑھ جائے''۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شانِ بے نیازی، اور اس کے قہر وجلال اور قیامت وآخرت کے ہولناک لرزہ خیز احوال کے متعلق جو کچھ مجھے معلوم ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مجھ پر منکشف کر دیا ہے، اگر تم کو بھی اس کا پورا علم ہو

جائے، اور تمہاری آنکھوں کو بھی وہ سب نظر آنے لگے جو میں دیکھتا ہوں، اور تمھارے کان بھی وہ سب کچھ سننے لگیں جو میں سنتا ہوں، تو تمہارا چین وسکون ختم ہو جائے، تم بہت کم ہنسو، اور بہت زیادہ روؤ...... اس کی مزید تفصیل حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت کردہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوگی:

حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں عالمِ غیب کی وہ چیزیں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے، اور وہ آوازیں سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے، آسمان چر چرا رہا ہے، اور حق ہے کہ وہ چر چرائے...... قسم ہے اُس رب ذوالجلال کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، آسمان میں چار انگل جگہ بھی نہیں ہے، جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ اللہ کے حضور میں اپنا ماتھا رکھے سجدے میں نہ پڑا ہو، اگر تم وہ باتیں جانتے، جو میں جانتا ہوں، تو تم بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے، اور بستروں پر بیویوں سے بھی لطف اندوز نہ ہو سکتے، اور اللہ سے نالہ و فریاد اور گریہ وزاری کرتے ہوئے بیابانوں اور جنگلوں کی طرف نکل جاتے...... (اس حدیث کو نقل کر کے) ابوذرؓ فرماتے ہیں۔ کاش! میں ایک درخت ہوتا، جو کاٹ دیا جاتا۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے بتایئے کہ قیامت کے دن جس کے متعلق فرمایا گیا ہے ''اُس دن لوگ کھڑے ہوں گے، رب العالمین کے حضور میں' تو اس دن کس کو کھڑے رہنے کی طاقت اور قدرت ہوگی (اور کون اُس پورے دن کھڑا رہ سکے گا، جس کے متعلق قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا)۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سچے ایمان والوں کے حق میں یہ کھڑا ہونا بہت ہلکا اور خفیف کر دیا جائے گا، یہاں تک کہ ان کے لیے بس ایک فرض نماز کی طرح ہو جائے گا۔ (البعث والنشور للبیهقی)

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری اس دنیا کی آگ دوزخ کی آگ کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے...... عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ! یہی (دنیا کی آگ) کافی تھی؟ آپ نے فرمایا کہ ''دوزخ کی آگ دنیا کی آگ کے مقابلہ میں انہتر درجہ بڑھا دی گئی ہے، اور ہر درجہ کی حرارت، آتش دنیا کی حرارت کے برابر ہے۔'' (صحیح بخاری ومسلم)

نعمان بن بشیر سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ دوزخیوں میں سب سے ہلکے عذاب والا وہ شخص ہوگا، جس کی چپلیں اوران چپلوں کے تسمے آگ کے ہوں گے، اُن کی گرمی سے اُس کا دماغ اِس طرح کھولے گا اور جوش مارے گا کہ جس طرح چولھے پر دیگچی کھولتی ہے، اوراُس میں جوش آتا ہے۔ وہ نہیں خیال کرے گا، کہ کوئی شخص اس سے زیادہ سخت عذاب میں بھی ہے (یعنی وہ اپنے ہی کو سب سے زیادہ سخت عذاب میں سمجھے گا) حالانکہ وہ دوزخیوں میں سب سے ہلکے عذاب والا ہوگا...... (بخاری ومسلم)

عبداللہ بن الحارث سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ جہنم میں سانپ ہیں، جو اپنی جسامت میں بختی اونٹوں کے برابر ہیں (جو جثہ میں عام اونٹوں سے بھی بڑے ہوتے ہیں) اور وہ اس قدر زہریلے ہیں کہ ان میں کا کوئی سانپ جس دوزخی کو ایک دفعہ ڈسے گا تو چالیس سال کی مدت تک وہ اس کے زہر کا اثر پائے گا (اور تڑپے گا)، اور اسی طرح دوزخ میں بچھو ہیں، جو (اپنی جسامت میں) پالان بندھے خچروں کی مانند ہیں (وہ بھی ایسے ہی زہریلے ہیں کہ) ان میں سے کوئی کسی دوزخی کو ایک دفعہ ڈنک مارے گا، تو چالیس سال تک وہ اس کے زہر کی تکلیف پاوے گا۔ (مسند احمد)

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ غساق (یعنی وہ سڑی ہوئی پیپ جو جہنمیوں کے زخموں سے نکلے گی، اور جس کے متعلق قرآن مجید میں بتلایا گیا ہے کہ وہی انتہائی بھوک میں اُن کی غذا ہوگی۔ وہ اس قدر بدبودار ہوگی کہ) اگر اس کا ایک ڈول اس دُنیا میں بہا دیا جائے، تو ساری دُنیا (اس کی سڑاہند سے) بدبودار ہو جائے...... (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اِتَّقُو اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ." (اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے، اور فیصلہ کرلو کہ ہرگز نہ مرو گے، مگر اس حال میں کہ تم مسلم (اللہ کے فرمانبردار بندے) ہو گے)...... (اور اللہ سے اور اس کے عذاب سے ڈرنے کے سلسلے میں) آپ نے بیان فرمایا کہ "زَقُّوْم" (جس کے متعلق قرآن مجید میں ہے کہ وہ جہنم میں پیدا ہونے والا ایک درخت ہے، اور وہ دوزخیوں کی خوراک بنے گا) اگر اس کا ایک قطرہ اس دُنیا میں ٹپک جائے، تو زمین پر بسنے والوں کے سارے سامانِ زندگی کو خراب کر دے، پس کیا

گزرے گی اُس شخص پر جس کا کھانا وہی زقوم ہوگا۔ (ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ زقوم اس قدر گندی اور زہریلی چیز ہے، کہ اگر اس کا ایک قطرہ ہماری اِس دنیا میں ٹپک جائے تو یہاں کی تمام چیزیں اس کی بدبو، گندگی اور زہریلے پن سے متاثر ہو جائیں، اور ہمارے کھانے پینے کی ساری چیزیں خراب ہو جائیں، پس سوچنے کی بات ہے کہ یہ زقوم جس کو کھانا پڑے گا اُس پر کیا گزرے گی۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اپنے ایک خطاب میں) فرمایا کہ اے لوگو! (اللہ اور اس کے عذاب کے خوف سے) خوب روؤ، اور اگر تم یہ نہ کرسکو، یعنی اگر حقیقی گریہ کی کیفیت تم پر طاری نہ ہو (کیونکہ وہ ایسی اختیاری چیز نہیں ہے کہ آدمی جب چاہے اُس کو اپنے اندر پیدا کر سکے) تو پھر (اللہ کے قہر اور اُس کے عذاب کا خیال کر کے) تکلف سے روؤ، اور رونے کی شکل بناؤ، کیونکہ دوزخی دوزخ میں اتنا روئیں گے، اتنا روئیں گے کہ اُن کے چہروں پر اُن کے آنسو ایسے بہیں گے کہ گویا وہ (بہتی ہوئی) نالیاں ہیں، یہاں تک کہ آنسو ختم ہو جائیں گے، اور پھر (آنسوؤں کی جگہ) خون بہے گا، اور پھر (اُس خون بہنے سے) آنکھوں میں زخم پڑ جائیں گے (اور پھر اُن زخموں سے اور زیادہ خون جاری ہوگا، اور ان دوزخیوں کے ان آنسوؤں اور خونوں کی مجموعی مقدار اتنی ہوگی کہ) اگر کشتیاں اُس میں چلائی جائیں تو خوب چلیں۔ (شرح السنہ)

امام بخاری حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب انسان کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس کے پاس سے چلے جاتے ہیں، وہ مردہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔ اس کے پاس دو فرشتے آ کر اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ تم ان صاحب (حضرت محمد ﷺ) کے بارے میں کیا کہتے تھے، مومن کہے گا میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور آخری رسول تھے۔ وہ فرشتہ کہے گا، اپنے دوزخ کے ٹھکانے کو دیکھو، اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کے بدلے جنت میں ٹھکانا عطا فرما دیا ہے۔ وہ ان دونوں کو دیکھے گا۔ فرمایا منافق یا کافر سے کہا جائے گا تم ان صاحب (حضرت محمد ﷺ) کے بارے میں کیا کہتے تھے؟ وہ کہے گا مجھ کو پتا نہیں، میں وہی بات کہتا تھا جو لوگ کہا کرتے تھے۔ اس سے کہا جائے گا کہ تجھے نہ کچھ پتا چلا اور نہ تو نے کچھ پڑھا، اس کو لوہے کے ہتھوڑے سے مارا جائے گا جس کی وجہ سے وہ اتنی زور سے چیخے گا کہ جسے انسانوں اور

جنوں کے علاوہ وہاں اطراف کی سب مخلوق سنے گی۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے استشہاد کے لیے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

وکل انسان الزمناه طائره فی عنقه. (بنی اسرائیل:13)

(ترجمہ) اور ہر انسان کا عمل ہم نے اس کے گلے کا ہار کر رکھا ہے۔

یعنی اس کے اعمال نامہ کو اس کے گلے میں لٹکا دیا جائے گا، جب وہ اس سے فارغ ہوگا تو اس کے پاس امتحان لینے والے دو فرشتے آ جائیں گے۔ یہ سیاہ رنگ کے دو فرشتے ہوں گے جو اپنی داڑھوں سے زمین کو پھاڑ دیں گے، ان کے بال لٹکے ہوئے ہوں گے، وہ انھیں زمین پر گھسیٹتے ہوں گے، ان کی شکل گرجنے والے بادل اور آنکھیں چمکنے والی بجلی کی طرح ہوں گی، ان کی سانس تیز آندھی کی طرح ہوگی۔ ان دونوں میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں لوہے کا ایسا ہتھوڑا ہوگا کہ اگر ساری مخلوق مل کر اسے اٹھانا چاہے تو نہ اٹھا سکے، اگر بڑے سے بڑے پہاڑ کو بھی مارا جائے تو ریزہ ریزہ ہو جائے، روح جب اسے دیکھے گی تو کانپنے لگے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے گی اور مردے کے نتھنے میں گھس جائے گی، اور میت کو سینے کی جانب سے زندگی ملے گی اور اس کی وہ کیفیت ہو جائے گی جیسی روح قبض ہونے کے وقت تھی، وہ حرکت بھی نہ کر سکے گا البتہ وہ دیکھ اور سن سکے گا۔ وہ دونوں فرشتے اس سے بڑی ترش روئی سے بات کریں گے، بڑی سختی سے جھڑکیں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ.

(ابراہیم:27)

''اللہ ایمان والوں کو (اس) مضبوط بات (کی برکت) سے دنیوی زندگی میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں (بھی)۔''

اس آیت کریمہ میں قولِ ثابت سے مراد وہ کلام ہے جو قبر میں ہر مسلمان قبر میں پوچھے گئے سوالات کے جواب میں کہے گا۔ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ ہر مومن شخص قبر میں شہادت دے گا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ کو پہچاننے کے بعد کہے گا کہ یہ میرے نبی ﷺ ہیں اور ایک روایت کے مطابق وہ کہے گا کہ یہ میرے نبی محمد ﷺ ہیں جو خاتم النبیین ہیں۔ یہی قول ثابت ہے۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قبر میں حضور سرور کائنات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہی تشریف لائیں گے اور ہر شخص سے سوال بھی آپ ﷺ کے بارے میں کیا جائے گا۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر بالحدیث ولآثار سے یہی ثابت ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی ختم نبوت ہر مومن کے لیے دنیا سے لے کر قبر تک ایمان کا حصہ ہے اور وہاں سے حشر تک جاری وساری ہے۔

اگر حضور ﷺ کے بعد کسی بھی قسم کا کوئی نبی مبعوث کیا جانا ہوتا اور اہلِ اسلام پر اس کی اتباع کو لازم ٹھہرایا جاتا تو لازمی طور قبر میں اس کی بھی پہچان کرائی جاتی اور امتی اس کا بھی نام لیتا لیکن اس کے برعکس ہر مسلمان قبر میں نہ صرف اپنے آقا ومولا سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو نام لے کر پہچانتا ہے بلکہ خاتم النبیین کے الفاظ سے مرزائی تاویلات کا رد بھی ہوتا ہے۔

حضرت تمیم داریؓ ایک طویل حدیث کے ذیل میں سوال قبر کے بارے میں روایت فرماتے ہیں کہ قبر کے اندر ہر مسلمان سے یہ سوال ہوگا کہ تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ تمہارا نبی کون ہے؟ اور پھر حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت کروا کر پوچھا جائے گا کہ ان کے بارے میں اپنا عقیدہ بتاؤ۔ جس آدمی کا عقیدۂ ختم نبوت پر مضبوط ایمان ہوگا! وہ فرشتوں سے کہے گا کہ میرا رب اللہ ہے، میرا دین اسلام ہے اور میرے نبی حضرت محمد ﷺ ہیں جو خاتم النبیین ہیں، میں آپ ﷺ کو قیامت تک اللہ تعالیٰ کا آخری نبی مانتا ہوں اور ختم نبوت پر میرا کامل ایمان ہے۔ منکر ونکیر یہ سن کر کہیں گے کہ تو نے سچ کہا۔ (درمنثور) اس پر اس شخص کی نجات ہو جائے گی اور اگر وہ شک میں پڑا اور اس نے یہ نہ کہا کہ اللہ تعالیٰ میرے پروردگار، نبی کریم ﷺ میرے آخری نبی، اور اسلام میرا دین ہے تو وہ فرشتے دوزخ کی جانب ایک دروازہ کھول دیں گے، وہ اس سے اس کی زنجیروں، سانپوں، بچھوؤں، طوقوں اور دوسری وہ چیزیں جو وہاں ہیں، دیکھے گا جیسے پیپ اور زقوم وغیرہ اور یہ دیکھ کر وہ سخت گھبرا جائے گا۔ فرشتے دوزخ کا دروازہ اس کی طرف کھول دیں گے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ مسئلہ ختم نبوت ایمان کا اس قدر اہم جزو ہے کہ قبر کے مختصر سے سوال و جواب میں بھی اس کی شہادت دی جاتی ہے۔

جنت کا حال

اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کو نوازنے کے لیے کتنی بڑی جنت کا اہتمام کیا ہے، اس کا کامل تصور ہمارے ذہن میں نہیں آ سکتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جنت کی وسعت اور

کشادگی صرف ایک آسمان کو نہیں بلکہ تمام آسمانوں اور زمین کو قرار دیا۔ جنت کے مختلف درجے ہیں، ہر دو درجوں کا فاصلہ زمین و آسمان کے درمیانی فاصلے کے برابر ہے۔ جنت الفردوس تمام جنتوں میں اعلیٰ ترین مقام ہے۔ یہ جنت کا درمیانی اور اعلیٰ ترین حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عرش، جنت الفردوس کے اوپر ہے اور یہیں سے جنت کی نہریں جاری ہوتی ہیں۔ جنت کے سو درجات صرف اور صرف ''مجاہدین فی سبیل اللہ'' کے لیے مخصوص ہیں۔ جنت کے کل آٹھ دروازے ہیں، جب اہل جنت وہاں پہنچیں گے تو انھیں کھلا پائیں گے اور جنت کے منتظمین فرشتے انھیں سلامی دیں گے اور مرحبا و خوش آمدید کہیں گے۔ جنت میں بہت خوبصورت باغات اور چشمے ہوں گے، جن میں کافور کی آمیزش ہوگی۔ جنتی بڑے مزے میں ہوں گے۔ اونچی مسندوں میں بیٹھے نظارے کر رہے ہوں گے۔ ان کے چہروں پر نورانیت اور خوشی کی رونق ہوگی۔ انھیں نفیس ترین شراب پلائی جائے گی جس میں تسنیم کی آمیزش ہوگی۔ عنبر و کستوری کی خوشبو سے بھرپور دو چشمے اہل جنت کے گھروں پر اس طرح برسیں گے جس طرح اہل دنیا کے گھروں پر بارش برستی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ''تم جب اللہ تعالیٰ سے دعا کرو تو فردوس کی درخواست کرو۔ وہ سب سے بہترین جنت ہے اور سب سے اعلیٰ جنت ہے۔ اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور جنت کی تمام نہریں بھی وہیں سے جاری ہوتی ہیں۔'' جنت کی نہروں میں صرف پانی ہی نہیں بہے گا بلکہ دودھ، شراب اور شہد بھی رواں دواں ہوگا۔ جنت میں ہر قسم کے تازہ اور بہترین پھل ہوں گے جن سے جنتی لطف اندوز ہوں گے۔''

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ہمیں جنت کے بارے میں کچھ بتائیں، وہ کیسی ہوگی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک اینٹ سونے کی اور ایک اینٹ چاندی کی ہوگی۔ اس کا گارا کستوری کی خوشبو والا، اس کے کنکر موتی اور یاقوت کے اور اس کی مٹی زعفران جیسی ہوگی۔ جنت کے درخت بھی بے شمار خوبیوں سے مزین ہوں گے۔ ان کی جڑیں، ان کے تنے، ان کی شاخیں، ان کے پتے، ان کے پھل اور پھول ہر اعتبار سے دنیوی درختوں سے اعلیٰ و اشرف اور ممتاز ہوں گے۔ جنت میں ایک درخت ایسا ہے کہ سوار اپنی سواری پر سو سال تک اس کی چھاؤں میں چلتا رہے، اسے عبور نہ کر سکے گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ ''جنت کے ہر درخت کا تنا سونے کا ہوگا۔''

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں: جنت کا پھل بڑے بڑے مٹکوں کی مانند

ہوگا، جو دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھا اور مکھن سے زیادہ ملائم ہوگا۔" حدیث میں آتا ہے کہ "مومن کے لیے جنت میں ایک خیمہ ایسا ہوگا جو ہیرے کو اندر سے کھرچ کر بنایا گیا ہوگا۔ اس کی لمبائی ساٹھ میل ہوگی۔ اس خیمے میں مومن کی متعدد بیویاں ہوں گی، وہ ہر ایک کے پاس جائے گا، لیکن اس کے اہل خانہ آپس میں ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکیں گے۔"

جنت کی بلند و بالا رہائش گاہیں ایسی ہوں گی کہ اندر سے باہر نظر آئے گا اور باہر سے اندر نظر آئے گا۔ ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ جنت میں اللہ تعالیٰ نے مرغوبات نفس کی ہر شکل کسی نہ کسی صورت میں مہیا کی ہے، حتیٰ کہ اس میں بازار بھی ہوں گے۔ اہل جنت ہر جمعہ وہاں تشریف لائیں گے۔

دنیا کے پھل جس طرح موسموں کے ساتھ مخصوص ہیں، جنت کے پھل اس قید سے آزاد ہوں گے، چنانچہ وہ ہر وقت دستیاب ہوں گے۔ یہ پھل ہمہ قسم کے اور وافر مقدار میں ہوں گے اور سدابہار ہوں گے۔ جنت میں آدمی جب کوئی پھل توڑے گا تو فوراً اس کی جگہ دوسرا پھل آ جائے گا۔ جنت کی ہر شے باکمال اور لاجواب بلکہ بے مثال ہے تو پھر خوشبو بھی بے نظیر اور بے مثل ہوگی۔ جنت کی زندگی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہوگی۔ وہاں پر جنتی موت کا مزہ کبھی نہ چکھیں گے، بس دنیا میں جو موت آ چکی، سو آ چکی۔ جنتی کبھی پریشان نہ ہوگا، اس کے کپڑے پرانے ہوں گے اور نہ اس کی جوانی پر زوال آئے گا۔ نہ بیمار ہوگا بلکہ مستقل صحت مند رہے گا۔ وہ ان نعمتوں سے ہمیشہ ہمکنار ہوگا۔

اہل جنت کا داخلہ شاہی مہمان کی طرح ہوگا اور پھر مہمان کی حیثیت کا اعتبار کر کے نہیں بلکہ میزبان کے کرم و عطا کے لحاظ سے استقبال ہوگا اور منتظمین جنت سلامیاں دیتے ہوئے ان کا استقبال کریں گے۔ اور کہیں گے کہ سلام ہو تم پر، بہت اچھے رہے، داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ کے لیے۔ اہل جنت کے چہرے چاند ستاروں کی طرح روشن و منور ہوں گے۔ اہل جنت جب جنت میں داخل ہوں گے تو ان کے جسم بالوں سے صاف ہوں گے، مسیں بھیگ رہی ہوں گی مگر داڑھی نہ نکلی ہوگی، گورے چٹے ہوں گے، گھٹے ہوئے بدن ہوں گے، آنکھیں سرگیں ہوں گی، سب کی عمریں 33 سال ہوں گی، حضرت آدم علیہ السلام کی مانند ساٹھ ہاتھ لمبے اور سات ہاتھ چوڑے جسم والے ہوں گے۔ مزید براں پاکیزہ دلوں والے ہوں گے۔ جنتی آپس میں بھائی بھائی ہوں گے۔ صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے رہیں

گے۔ سدابہار اور حاضر نعمتوں کے علاوہ عام خور و نوش کا معاملہ اہل جنت کی مرضی پر منحصر ہوگا کہ چاہے کھانے میں عام گوشت پسند کریں یا پرندوں کا گوشت، ہر خواہش حسب منشا پوری کی جائے گی۔ یہ نعمتیں اور آسائشیں سدابہار اور لامتناہی ہوں گی۔ حسب منشا پھلوں اور من بھاتے کھانوں کے علاوہ وافر مقدار میں پاکیزہ شراب بھی پیش کی جائے گی اور اس خوبی کے ساتھ کہ نہ تو اس شراب میں سڑاند ہوگی اور نہ یہ نشہ پیدا کرنے والی ہوگی، کہ اسے پی کر وہ بدمست ہو جائیں اور بیہودہ بکواس کرنے لگیں یا گالم گلوچ یا فحش حرکات پر اتر آئیں۔ کھانے پینے، جماع اور شہوت میں ہر جنتی کو سو آدمی جتنی طاقت دی جائے گی۔ اتنا وافر کھانے کے باوجود کسی کو پیشاب، پاخانے یا گندی ہوا سے واسطہ نہیں پڑے گا بلکہ کستوری کی خوشبو میں بسا ہوا ڈکار آئے گا یا کستوری جیسا پسینہ آئے گا۔ جنت کے برتن قیمتی ترین دھاتوں یعنی سونے اور چاندی کے ہوں گے۔ ان کی چمک دمک اور شفافیت شیشے جیسی ہوگی۔ ان کی کنگھیاں تک سونے کی ہوں گی۔ جنتی باریک ریشم اور اطلس و دیبا کے سبز کپڑے پہنیں گے اور اونچی مسندوں پر تکیہ لگا کر بیٹھیں گے۔ اہل جنت کے لباس دنیا کے حکمرانوں اور بادشاہوں کے لباس سے کہیں زیادہ نفیس، ملائم اور خوبصورت ہوں گے۔ انھیں سونے اور چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ ان کے بستر دبیز ریشم کے ہوں گے۔ اہل جنت جن تختوں یا مسہریوں پر جلوہ افروز ہوں گے، وہ ہیرے جواہرات سے سجی ہوں گی اور خوبصورت نقش و نگار ان کی خوبی میں اضافہ کر رہے ہوں گے۔

غلمان اہل جنت کے خدمت گار ہوں گے جو ہمہ وقت حاضر باش ہوں گے، اور پوری تندہی و سرعت کے ساتھ حکم بجا لائیں گے۔ وہ انتہائی خوبصورت اور دلربا ہوں گے جیسے موتی اور ہیرے بکھرے پڑے ہوں۔ سب سے کم درجے والے جنتی کے 80 ہزار خادم ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی اہل جنت پر عظیم ترین مہربانیوں میں سے ایک مہربانی یہ ہوگی کہ انھیں اپنے خاندان کے ساتھ جنت میں اکٹھا فرما دیں گے۔ اگر کسی جنتی کی بیوی نیک اور پارسا ہوئی تو اسے جنت میں اپنے خاوند کے ساتھ رکھا جائے گا۔ جنت میں جانے والی ہر خاتون خواہ مرنے سے پہلے شادی شدہ اور بوڑھی ہو کر مری ہو، جب جنت میں جائے گی تو کنواری ہوگی، عاشق مزاج ہوگی، خاوند کی ہم عمر ہوگی۔ اگر جنت کی کوئی خاتون زمین کی طرف جھانک کر بھی دیکھ لے تو جنت سے زمین تک روشنی ہی روشنی پھیل جائے اور خوشبو کی بہار آ جائے۔ ایسی بے مثل اور بے مثال ظاہری خوبصورتی کے ساتھ ساتھ جنتی خواتین خوب سیرت اور پاک طینت بھی

ہوں گی۔ وہ شرمیلی نگاہوں والی ہوں گی جنھیں ان جنتیوں سے پہلے کسی انسان یا جن نے چھوا نہ ہوگا۔ ایسی خوب سیرت اور اوصاف حمیدہ کی مالک بیویاں انسان کو جنت میں عطا ہوں گی۔ ان ظاہری و باطنی خوبیوں کے ساتھ ساتھ جنت کی عورتیں نجاستوں سے پاک ہوں گی۔

حضرت محمد بن کعب القرظیؒ فرمایا کرتے تھے قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اگر موٹی آنکھوں والی حوروں میں سے کوئی حور اوپر سے اپنا کنگن ظاہر کر دے تو اس کا نور چاند سورج کے نور پر غالب آ جائے، پھر اس حور کا کیا حال ہوگا جو سرتاپا آراستہ و منور ہو! اسی طرح ان کپڑوں اور زیورات سب کا حال ہوگا کہ ان کا نور اور چمک دمک سورج کی روشنی پر غالب ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرمایا کرتے تھے کہ جنت میں ایسی حور ہوگی جسے عیناء کہا جاتا ہوگا، وہ جب چلے گی تو اس کے دائیں بائیں ستر ستر ہزار غلام چلیں گے اور وہ یہ کہتی ہوگی کہاں ہیں اچھی باتوں کا حکم دینے اور بری باتوں سے روکنے والے۔ یعنی ختم نبوت کا تحفظ اور منکرین ختم نبوت کی سرکوبی کرنے والے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرمایا کرتے تھے جنت میں ایک حور ہوگی جسے ''لائبہ'' کہا جاتا ہوگا، اگر وہ کھاری سمندر میں تھوک دے تو اس کا تمام پانی شیریں ہو جائے، اس کے سینے پر لکھا ہوگا جس کو یہ پسند ہو کہ اسے مجھ جیسی حور ملے تو اسے میرے پروردگار عزوجل کی عبادت کرنا چاہیے۔ اسراء و معراج کی حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسراء والی رات ایک حور کی تعریف فرمائی، فرمایا میں نے اس کی پیشانی کو چاند کی طرح روشن دیکھا، اس کی لمبائی ایک ہزار تیس گز تھی، اس کے سر میں سولٹیں بندھی تھیں، ہر لٹ کے درمیان ستر ہزار گیسو تھے جو چودھویں رات کے چاند سے زیادہ روشن تھے، اس کی پازیب موتیوں اور مختلف قسم کے جواہرات سے جڑی ہوئی تھی، اس کی پیشانی پر دو سطریں موتیوں اور جواہرات سے لکھی ہوئی تھیں۔ پہلی سطر میں لکھا تھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور دوسری میں لکھا تھا کہ جو مجھ جیسی حسینہ کو حاصل کرنا چاہے اسے میرے پروردگار کی اطاعت کرنا چاہیے۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: اے محمد ﷺ یہ اور اس جیسی حوریں، آپ ﷺ کی امت کے لیے ہیں، آپ ﷺ کو مبارک ہو اور اپنی امت کو بھی یہ خوش خبری دے دیجئے اور انھیں حکم دیجئے کہ وہ پروردگار جل شانہ کی اطاعت کی خوب کوشش کریں۔

جنت میں نقل و حرکت کے لیے انسان کسی مادی وسیلے کا محتاج نہ ہوگا بلکہ جہاں

چاہے گا، آنکھ جھپکتے ہی پہنچ جائے گا۔ لیکن اگر گھوڑے یا کسی اور سواری کی طلب کرے گا تو فوراً حاضر ہوگی۔ جنت میں جانے والے وہاں مستقل اور دائمی رہائشی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوں گے۔ جنت میں اعلان کرنے والا، بآواز بلند پکارے گا۔ اے جنت والو! اب تم یہاں ہمیشہ صحت مند رہو گے۔ کبھی بیمار نہیں ہو گے۔ ہمیشہ زندہ رہو گے۔ ہمیشہ نعمتوں سے لطف اندوز ہو گے۔ کبھی محرومی نہیں دیکھو گے۔ یہ جنت جس کے تم وارث بنائے گئے ہو، تمھیں ان اعمال کے بدلے میں ملی ہے جو تم کرتے رہے تھے۔ قیامت کے دن موت کو لایا جائے گا گویا کہ وہ سفید و سیاہ مینڈھا ہے۔ اسے جنت اور دوزخ کے عین درمیان لا کھڑا کیا جائے گا۔ بلند آواز سے پوچھا جائے گا۔ اے جنت والو، کیا تم اسے جانتے ہو؟ وہ گردنیں لمبی کر کے دیکھتے ہوئے کہیں گے۔ ہاں! یہ موت ہے۔ پھر جہنم والوں کو پکار کر پوچھا جائے گا۔ وہ بھی گردنیں اونچی کر کے دیکھیں گے اور کہیں گے۔ ہاں یہ موت ہے۔ پھر اس کے ذبح کا حکم جاری ہوگا، تو اسے ذبح کر دیا جائے گا۔ پھر آواز آنے لگے گی: اے جنت والو! یہیں ہمیشہ رہنا ہے، اب کسی کو موت نہیں آئے گی اور اے جہنم والو! تمھیں بھی یہیں ہمیشہ کے لیے رہنا ہے۔ اب کسی کو موت نصیب نہیں ہوگی۔

جس طرح دنیا میں ایک عام آدمی کے لیے انتہائی خوشی بلکہ خوش قسمتی کا مقام ہوتا ہے کہ بادشاہِ وقت اسے شرفِ ملاقات بخش دے اور اس سے گفتگو کرے، اسی طرح بلکہ اس سے ہزاروں درجے بڑی خوشی ہوگی ان اہل جنت کو جنھیں رب العالمین اور مالک الملک ہستی شرفِ دیدار اور شرفِ ہم کلامی سے نواز دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جس طرح تم چودھویں کے اس چاند کو دیکھ رہے ہو اسی طرح تم اپنے رب کو دیکھو گے، اسے دیکھنے میں کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔''

دوسرے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائیں گے: اے جنت والو! وہ جواب دیں گے: حاضر مولا اور ہر بھلائی آپ کے پاس ہے۔ اللہ تعالیٰ دریافت کریں گے: کیا تم راضی ہو؟ وہ عرض کریں گے: ہم کیوں نہ راضی ہوں اے رب! جبکہ آپ نے ہمیں اتنی نعمتیں عطا کر رکھی ہیں کہ کسی دوسرے کو نہیں دیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: کیا میں تم کو ان سے بہتر چیز نہ دے دوں؟ وہ کہیں گے: اے رب اس سے بہتر کونسی چیز ہو سکتی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے: میں اپنی

رضامندی تم کو عطا کرتا ہوں، چنانچہ آج کے بعد میں کبھی بھی تم پر ناراض نہیں ہوں گا۔“

حق تعالیٰ کا دیدار وہ سب سے بڑی نعمت ہے جس سے اہل جنت کو نوازا جائے گا، اور اللہ تعالیٰ نے جن کو عقلِ صحیح اور ذوقِ سلیم عطا کیا ہے، وہ اگر خود اپنے وجدان میں غور کریں، تو اس نعمت کی خواہش اور تمنا وہ ضرور اپنے دل میں پائیں گے، اور کیوں نہ ہو جو بندہ اپنے خالق اور رب کی بے شمار نعمتیں اس دنیا میں پا رہا ہے، اور پھر جنت میں پہنچ کر اس سے لاکھوں گنا زیادہ نعمتیں پائے گا، لازماً اُس کے دل میں یہ تمنا اور تڑپ پیدا ہوگی کہ کسی طرح میں اپنے اُس محسن اور کریم رب کو دیکھ پاتا، جس نے مجھے وجود بخشا، اور جو اس طرح مجھ پر اپنی نعمتیں اُنڈیل رہا ہے، پس اگر اُسے کبھی بھی یہ نظارہ نصیب نہ ہو، تو یقیناً اس کی لذت و مسرت اور اس کے عیش میں بڑی کمی، اور بڑی تشنگی رہے گی، اور اللہ تعالیٰ جس بندہ سے راضی ہوکر اُس کو جنت میں پہنچائیں گے، اُس کو ہرگز اس سے تشنہ اور محروم نہیں رکھیں گے۔

جب اہلِ جنت جنت میں پہنچ جائیں گے،“ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ دریافت فرمائیں گے: تم کچھ اور چاہتے ہو جس کا میں اضافہ کردوں؟ جنتی جواب دیں گے: کیا آپ نے ہمیں سرخ رو نہیں کیا؟ کیا آپ نے ہمیں آگ سے محفوظ فرما کر جنت میں داخل نہیں کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس موقع پر اللہ تعالیٰ اپنے رخِ اقدس سے حجاب اتار دیں گے تو اللہ عزوجل کے دیدار سے زیادہ محبوب ان جنتیوں کو کوئی دوسری چیز نہیں ملی ہوگی۔“

حضور نبی کریم ﷺ کی اپنی امت سے بے پناہ محبت اور شفقت

حضور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ اپنی امت سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ امت کو درپیش آنے والی ہر تکلیف اور مشکل پر آپ ﷺ بے حد فکر مند ہو جاتے۔ آپ ﷺ اپنی امت کی فلاح و کامیابی کے لیے ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں یوں فرماتا ہے:

لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ
عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ الرَّحِيْمٌo (توبه : 128)

ترجمہ: ”بے شک تشریف لایا ہے تمہارے پاس ایک برگزیدہ رسول تم میں سے، گراں گزرتا ہے اس پر تمہارا مشقت میں پڑنا، بہت ہی خواہش مند ہے، تمہاری بھلائی کا،

مومنوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا، بہت رحم فرمانے والا ہے"۔

اوپر درج کردہ آیت میں امت اور حضور ﷺ کے درمیان کارفرما خصوصی ربط اور تعلق کا ذکر کیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا اپنی امت کے ساتھ اس قدر گہرا تعلق قائم ہوا کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی کا اپنی امت کے ساتھ ایسا گہرا تعلق نہ تھا۔ آیتِ مذکورہ میں آپ ﷺ کے اسی تعلق بالامۃ کو بیان کیا گیا ہے۔

آیت کریمہ میں تین چیزیں بیان کی گئی ہیں:

1- امتی کا دکھ اور پریشانی قلب مصطفوی ﷺ پر ناگوار اور گراں گزرتی ہے۔

2- حضور نبی اکرم ﷺ اپنی امت کے لیے بھلائی اور رحمت و خیر کی فراوانی کے طلبگار اور حریص ہیں۔

3- حضور نبی اکرم ﷺ اہل ایمان پر نہایت شفقت فرمانے والے اور مہربان ہیں۔

مذکورہ آیت کریمہ کی توضیح میں حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں:

ان النبی ﷺ قال: ما من مومن الا وانا اولی بہ فی الدنیا والآخرۃ. (بخاری)

"حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کوئی مومن ایسا نہیں مگر یہ کہ دنیا و آخرت میں سب سے زیادہ میں اس کے قریب ہوں۔"

صحیح مسلم کی روایت ہے:

انا اولی بکل مؤمن من نفسہ. (صحیح مسلم)

"میں ہر مومن کی جان سے بھی زیادہ قریب ہوں۔"

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ جو شخص مومن ہے، اسے دنیا و آخرت میں حضور نبی اکرم ﷺ کی قربت نصیب ہوگی۔ اب کوئی بدنصیب شخص ہی ہوسکتا ہے جو قربت مصطفوی ﷺ سے بیگانہ ہوکر کسی کذاب مدعی نبوت یا اس کے کسی ماننے والے سے ایسا قریبی تعلق استوار کرنے کی کوشش کرے۔

جب حضور نبی اکرم ﷺ کے اپنے غلاموں کے ساتھ اتنا گہرا تعلق آج بھی قائم ہے تو پھر حضور ﷺ کے ہوتے ہوئے کسی اور نبی کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے؟

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کے اوصاف حمیدہ میں ذکر کر دیا کہ امت کی تکلیف ان پر شاق گزرتی ہے۔ ان کو شب و روز یہی خواہش دامنگیر ہے کہ

امت راہ راست پر آ جائے۔ آپ نے امت کی ہدایت و بہبودی کے لیے بے شمار مصیبتیں جھیلیں۔ سخت سے سخت مصیبت میں بھی آپ نے بددعا نہ فرمائی بلکہ ہدایت کی دعا کی۔ ایمان والوں پر آپ کی شفقت و رحمت ظاہر ہے۔ اسی واسطے آپ نے کسی مقام پر امت کو فراموش نہیں فرمایا۔ جس روز آندھی یا آسمان پر بادل ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر غم وفکر کے آثار نمایاں ہوتے، اور آپ کبھی آگے بڑھتے اور کبھی پیچھے ہٹتے۔ جب بارش ہو جاتی، تو آپ خوش ہوتے اور حالتِ غم جاتی رہتی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آپ سے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ میں ڈرتا ہوں کہ مبادا (قومِ عاد کی طرح) یہ عذاب ہو جو میری امت پر مسلط کیا گیا ہو۔ (صحیح مسلم)

حضور نبی اکرم ﷺ کی کرم نوازی اور امت کی غم گساری کا سلسلہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد بھی جاری و ساری ہے۔ اس حوالے سے ایک واقعہ منقول ہے جسے امام ابن قدامہ المقدسی (م 620ھ)، امام نووی (م 677ھ)، امام ابن کثیر (م 774ھ) اور دیگر ائمہ نے اپنی کتب میں درج کیا ہے۔ واقعہ درج ذیل ہے:

عن العتبی قال: کنت جالسا عند قبر النبی فجاء اعرابی، فقال: السلام علیک یارسول اللہ ﷺ! سمعت اللہ یقول: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَاءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا٥﴾ (النساء: 64) وقد جئتک مستغفرا لذنبی مستشفعاً بک الی ربی.

ثم أنشاء یقول:

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اَعْظُمُهُ
فَطَابَ مِنْ طِيْبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْاَكَمُ
نَفْسِيْ الْفِدَآءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاكِنُهُ
فِيْهِ الْعَفَافُ وَفِيْهِ الْجُوْدُ وَالْكَرَمُ

ثم انصرف الأعرابی، فغلبتنی عینی، فرأیت النبی ﷺ فی النوم، فقال: یا عتبی! الحق الأعرابی، فبشرہُ ان اللّٰہ قد غفرلہٗ.

عتبی کہتے ہیں کہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کے نزدیک بیٹھا ہوا تھا کہ

ایک دیہاتی آیا اور عرض کیا: السلام علیک یارسول اللہ! میں نے یہ فرمان الٰہی سنا ہے: (اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے، آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول (ﷺ) بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے۔ چنانچہ میں آپ کی خدمت میں اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور اس کے حضور آپ کی شفاعت طلب کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔

''پھر وہ یہ اشعار پڑھنے لگا:

(اے ان تمام لوگوں سے بہترین ہستی جن کے اجساد میدانوں میں دفن کیے گئے ہیں اور ان کی خوشبو سے وہ میدان اور ٹیلے مہک اٹھے ہیں، میری جان اس قبر انور پر قربان جس میں آپ تشریف فرما ہیں، اس میں پارسائی ہے، سخاوت ہے اور کرم ہے۔ میری بدقسمتی کہ میرے پہنچنے سے پہلے آپ وصال فرما گئے۔ اب میں مایوسی کی حالت میں واپس جا رہا ہوں) یہ کہہ کر وہ چل دیا کہ اتنے میں میری آنکھ لگ گئی اور میں نے حالت خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عتبی! (میرے عاشق اُٹھ) اس دیہاتی (میرے گنہگار امتی) کو خوش خبری دے (کہ اس کا آنا قبول کرلیا گیا ہے اور) اللہ تعالیٰ نے اس کی بخشش فرما دی ہے۔''

علامہ قرطبی نے ایک واقعہ سیدنا حضرت علی شیر خداؓ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا:

قدم علینا اعرابی بعد ما دفنا رسول اللّٰہ ﷺ بثلاثۃ ایام فرمی بنفسہ علی قبر رسول اللّٰہ ﷺ وحثا علی راسہ من ترابہ. فقال: قلت: یارسول اللّٰہ! فسمعنا قولک، ووعیت عن اللّٰہ فوعینا عنک، وکان فیما انزل اللّٰہ علیک، (وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْکَ) وقد ظلمت نفسی، و جئتک تستغفرلی. فنودی من القبر انہ قد غفرلک.

(قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، 3، جزو 5:265,266)

''حضور ﷺ کے وصال مبارک کے تین دن بعد ایک دیہاتی ہمارے پاس آیا وہ آتے ہی حضور ﷺ کے مزار اقدس پر گر پڑا اور آپ ﷺ کی تربت مبارکہ کی مٹی اپنے سر میں ڈالنا شروع ہوگیا اور (رو رو کر) عرض کرنے لگا یارسول اللہ! ہم نے سنا جو آپ نے فرمایا

اور جو آپ نے اللہ سے سیکھا، ہم نے وہ آپ سے سیکھا۔ یارسول اللہ! جو قرآن، اللہ نے آپ پر نازل فرمایا، اس میں یہ آیت مبارکہ ہے (اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے، آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے ......) اے میرے آقا! میں نے اپنے آپ پر بڑے ظلم کیے، اب میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔ آپ میری بخشش و مغفرت کی دعا کیجئے اور میری شفاعت فرمایئے۔ (حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ) حضور ﷺ کی قبر انور سے آواز آئی: (اے میرے گنہگار اور دکھی دل امتی! خوش ہو جا) تجھے بخش دیا گیا ہے۔"

اس روایت سے یہ بات اَلَمْ نَشْرَح ہو گئی کہ حضور نبی اکرم کے وصال مبارک سے آپ ﷺ کی نبوت اور اس کے فیوضات ختم نہیں ہوئے۔ آپ ﷺ آج بھی اپنی امت کے گنہگاروں کی شفاعت فرماتے ہیں۔ آپ ﷺ کی نبوت آج بھی جاری و ساری ہے اور قیامت تک رہے گی بلکہ قیامت کے بعد جنت میں بھی اسی طرح جاری و ساری ہے اور قیامت تک رہے گی بلکہ قیامت کے بعد جنت میں بھی اسی طرح جاری رہے گی۔ آپ جس نبوت کا زمانہ آخرت تک محیط اور جنت تک پھیلا ہوا ہو، وہ نبوت بھلا کس طرح ختم ہو سکتی ہے۔

حضرت امی عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ یوں دعا مانگی:

(ترجمہ) "خدایا جو شخص میری امت کے کسی کام کا والی (حکمران یا افسر وغیرہ) بنایا جائے پس وہ ان کو مشقت میں ڈالے تو اس والی کو مشقت میں ڈال اور جو شخص میری امت کے کسی کام کا والی بنایا جائے۔ پس وہ ان کے ساتھ نرمی کرے تو اس والی کے ساتھ نرمی کر۔"

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ جناب پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا "جو مومن مر جائے اور مال چھوڑ جائے، تو وہ اس کے وارثوں کو خواہ کوئی ہوں، ملنا چاہیے۔ اور جو مومن قرض یا (محتاج) عیال چھوڑ جائے تو چاہیے کہ قرض خواہ یا عیال میرے پاس آئے کیونکہ میں اس کا ولی و متکفل ہوں۔" (صحیح بخاری)

حضور نبی کریم ﷺ کی اپنی امت سے محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ عیدالاضحیٰ کے موقع پر ہر سال دو جانوروں کی قربانی دیتے۔ ایک اپنی طرف سے اور دوسری امت کے ان افراد کی طرف سے جو اس کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔

آنحضرت ﷺ نے تین رات نماز تراویح اپنے اصحاب کرام کو پڑھائی۔ چوتھی رات صحابۂ کرامؓ بکثرت مسجد میں جمع ہوئے اور انتظار کرتے رہے مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

تشریف نہ لائے۔ صبح کی نماز کے بعد آپ نے یوں تقریر فرمائی:

''تمہارا مسجد میں جمع ہونا مجھ پر پوشیدہ نہ تھا۔ لیکن میں ڈر گیا کہ کہیں تم پر یہ نماز فرض نہ ہو جائے اور تم اس کے ادا کرنے سے عاجز آ جاؤ۔'' (صحیح بخاری)

نماز تراویح کی طرح بعض اور افعال کو آپ نے صرف اس ڈر سے ترک کر دیا کہ کہیں امت پر فرض نہ ہو جائیں۔ ہر نماز کے لیے مسواک کا ترک کرنا، تاخیر عشاء کا ترک کرنا اور صوم وصال سے منع فرمانا اسی قبیل سے ہیں۔

حضور نبی کریم ﷺ اپنی امت پر اس قدر شفیق تھے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ کے سامنے ایک چور لایا گیا۔ آپ ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا۔ جس وقت اس کا ہاتھ کاٹا جا رہا تھا، آپ ﷺ کا چہرہ زرد ہو گیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ﷺ کو تو اس کے ہاتھ کٹنے کا بہت رنج ہوا۔ اگر ایسا تھا تو آپ اس کا حکم نہ فرماتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ بدترین امیر ہے جو حد کو جاری نہ کرے۔ تم اپنے بھائی کو میرے پاس تک لائے، کیوں نہ سمجھا بجھا کر توبہ کرا دیتے۔ اب میرے ایک امتی کا ہاتھ تم سب کے سامنے کاٹا جا رہا ہے۔ اس پر مجھے کیوں رنج نہ ہو۔ آپ ﷺ اپنی امت کے چور تک کے لیے اس قدر شفیق ہیں کہ آپ ﷺ کے آنسو اس کے لیے جاری ہو گئے۔

حضرت ہندؓ بن ابی ہالہ نے رسول اللہ ﷺ کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ ﷺ (امت کے بارے میں) مسلسل غمگین اور ہمیشہ فکر مند رہتے تھے، کسی گھڑی آپ کو چین نہیں آتا تھا۔ اکثر اوقات خاموش رہتے، بلا ضرورت گفتگو نہ فرماتے تھے۔ (شمائل ترمذی) آپ ﷺ کو اپنی امت کا کس قدر درد و غم تھا اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ جب آپ امت کی فکر میں روتے تو ہنڈیا کے ابلنے کی آواز آپ کے سینہ اطہر سے آتی تھی۔

حدیث مبارکہ میں ہے کہ ایک دفعہ اچانک ایک اعرابی نے آواز دی ''السلام علیکم یا اہل بیت رسول اللہ ﷺ! حکم ہو تو اندر آؤں۔'' جناب سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ''رسول اللہ ﷺ کی طبیعت ناساز ہے، ملاقات نہیں ہو سکے گی۔'' اس اعرابی نے دوبارہ وہی آواز دی۔ جناب سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ''جناب رسول اللہ ﷺ کی طبیعت اس وقت سخت خراب ہے، ملاقات کا امکان نہیں ہے۔'' اس اعرابی نے تیسری بار اتنے زور سے آواز دی کہ سارا گھر ہل گیا۔ سرکار دو عالم ﷺ کی آنکھ کھل گئی۔

آپ ﷺ نے پوچھا ''کیا بات ہے؟'' بنتِ رسول ﷺ نے بتایا ''ابا جان! ایک اعرابی آپ ﷺ سے ملاقات چاہتا ہے اور منع کرنے کے باوجود آوازیں لگائے جا رہا ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا ''اے جان پدر! یہ اعرابی نہیں ہے، یہ عورتوں کو بیوہ اور فرزندوں کو یتیم کرنے والا فرشتۂ اجل ہے، اسے اندر بلا لو'' ملک الموت اعرابی کی صورت میں حاضر ہوا اور فرمایا ''السلام علیکم یا حبیب اللہ ﷺ! رب کریم نے آپ ﷺ کو سلام بھیجا ہے۔'' آپ ﷺ نے پوچھا ''جبرئیل کہاں ہیں؟'' اعرابی نے بتایا کہ وہ آسمان پر ہیں اور آپ ﷺ کی عیادت کے لیے آنے والے فرشتوں کو تسلی دے رہے ہیں۔

اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی حاضر خدمت ہوئے اور رب رحمان و رحیم کا سلام پہنچایا، ساتھ ہی یہ بتایا کہ آج جنت کو آراستہ کیا گیا ہے اور دوزخ کو بجھا دیا گیا ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا ''رب تعالیٰ آپ ﷺ سے پوچھ رہا ہے کہ کچھ طلب کرنا ہو تو کیجئے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا ''اے جبرئیل! تم میری یہ خواہش رب کریم سے عرض کرو کہ اللہ تعالیٰ گناہوں کی وجہ سے اگلی امتوں کی طرح میری امت کی صورت مسخ نہ کرے۔ میرا مالک امت کے معاملہ میں مجھے آزردہ نہ کرے اور قیامت کے دن سب سے پہلے میں اپنی امت کی شفاعت کروں۔'' جبرئیل علیہ السلام تشریف لے گئے اور خلعت قبولیت کے ساتھ واپس آئے۔

پھر فرشتۂ اجل نے عرض کی ''یارسول اللہ ﷺ! میرے لیے کیا حکم ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''جب تک میں اپنی امت کے متعلق کوئی انتہائی خوشی کی بات نہ سن لوں گا تجھے اجازت نہ دوں گا۔'' یہ سن کر جبرئیل علیہ السلام رب العزت کے پاس دوبارہ تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد واپس آئے تو فرمایا ''اے محمد ﷺ! رب رحمان و رحیم سلام کہتے ہیں اور ارشاد ہوا ہے کہ اگر آپ ﷺ کا کوئی امتی مرنے سے ایک برس پہلے توبہ کرے گا تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔''

آپ ﷺ نے فرمایا ''ایک سال تو بہت ہے۔'' حضرت جبرئیل علیہ السلام پھر تشریف لے گئے اور ایک مہینہ کی خبر لائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''ایک مہینہ بھی بہت ہے۔'' حضرت جبرئیل علیہ السلام پھر تشریف لے گئے اور ایک ہفتہ کی خبر لائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''ایک ہفتہ بھی بہت ہے۔'' حضرت جبرئیل علیہ السلام پھر تشریف لے گئے اور موت سے ایک دن پہلے کی گئی توبہ کی قبولیت کی نوید لائے۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ''ایک دن بھی بہت

ہے۔'' حضرت جبرئیل علیہ السلام پھر تشریف لے گئے اور ایک ساعت کی خبر لائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''ایک ساعت بھی زیادہ ہے۔'' حضرت جبرئیل علیہ السلام پھر تشریف لے گئے اور واپس آ کر فرمایا ''اے محبوبِ خدا ﷺ! رب تعالیٰ آپ ﷺ کو سلام بھیجتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر آپ ﷺ کے نزدیک ایک ساعت بھی زیادہ ہے تو جس وقت آپ ﷺ کا کوئی امتی حلق میں روح پہنچنے پر بھی توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی کیونکہ رب العالمین کی ذات بے نیاز بھی ہے اور غفور الرحیم بھی۔'' اس خوشخبری کو سن کر سرور کائنات ﷺ بہت خوش ہوئے اور عزرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ اب وہ اپنا کام شروع کرے۔

جب رحمۃ للعالمین ﷺ کو اپنی امت کی اتنی فکر ہو تو امت کو آپ ﷺ کا امتی ہونے پر فخر اور شکر ادا کرنا چاہیے، مگر بغیر حق ادا کیے محض امتی ہونا بھی ہمارے شایانِ شان نہیں۔ یہ کہاں کی وفاداری ہے کہ پیارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہماری دنیا و آخرت کے لیے ہمہ وقت فکر مند رہیں اور ہم اپنے نبی کے گستاخوں اور دشمنوں سے نفرت اور بائیکاٹ کی بجائے دوستانہ مراسم رکھیں اور شان رسالت ﷺ میں ہونے والی گستاخیوں پر اپنا کوئی ردعمل ظاہر نہ کریں۔ صد حیف..... صد حیف!

آپ ﷺ کے وصالِ مبارک کے وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آ کر کہا ''فاطمہ کی جان آپ ﷺ پر قربان! میرے پیارے ابا جان! آنکھیں کھولیے، آپ ﷺ کی لاڈلی حاضر ہے، اس پر نظرِ شفقت کون کرے گا! آپ ﷺ کے لاڈلے حسنؓ اور حسینؓ ہیں ان سے پیار کون کرے گا، ان کے ناز کون اٹھائے گا!''

رحمۃ للعالمین حضرت محمد ﷺ نے آنکھیں کھولیں اور اپنا دست مبارک حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سر پر رکھ کر دعا فرمائی ''یارب العالمین! میری فاطمہ کو صبر عطا فرما۔'' حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، سردار دو جہاں ﷺ سے لپٹ کر رونے لگیں اور پوچھا ''پیارے ابا جان! آپ ﷺ سے کہاں ملاقات ہوگی؟'' ہادیٔ کون و مکاں ﷺ نے فرمایا ''اب قیامت کے دن ملاقات ہوگی۔'' حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا ''ابا جان! کس جگہ آپ ﷺ سے ملاقات ہوگی؟'' خاتم الانبیاء ﷺ نے فرمایا ''جب سورج سوا نیزے پر آ جائے گا اور زمین تپے گی تو میری امت سایہ تلاش کرے گی۔ اس وقت میں لوائے حمد بلند کروں گا۔ بیٹا! تم وہیں آ جانا۔''

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا ''ابا جان! اگر آپ ﷺ سے وہاں ملاقات نہ ہوئی تو پھر میں آپ ﷺ کو کہاں تلاش کروں؟'' سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا ''بیٹا! تم حوض کوثر پر مجھ سے ملاقات فرمانا۔'' حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا ''ابا جان! اگر وہاں بھی ملاقات نہ ہوئی تو پھر آپ ﷺ کو کہاں ڈھونڈوں؟'' ختم المرسلین ﷺ نے فرمایا ''بیٹا اگر میں حوض کوثر پر نہ ملوں تو میزان پر آ جانا، میں وہاں اپنی امت کی بخشش کے لیے ان کے اعمال تلوا رہا ہوں گا۔''

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا ''ابا جان اگر وہاں بھی آپ ﷺ نہ مل سکے تو میں آپ ﷺ کو کس جگہ تلاش کروں؟'' محبوب خدا ﷺ نے فرمایا ''بیٹا! اگر تم مجھے وہاں نہ پاؤ تو پھر پل صراط پر آ جانا۔ میں اپنی امت کو پل صراط سے پار اُتار رہا ہوں گا۔''

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پھر پوچھا۔ ''اگر پل صراط پر بھی ملاقات نہ ہوئی تو پھر آپ ﷺ کہاں ہوں گے؟'' رحمتِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ''جان پدر! تو بس پھر تم دوزخ کے دروازہ پر آ جانا۔'' یہ سنتے ہی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا گھبرا سی گئیں اور تعجب سے پوچھا ''ابا جان! آپ ﷺ دوزخ کے دروازہ پر کیوں تشریف لے جائیں گے؟'' رحمت مجسم حضرت محمد ﷺ نے فرمایا ''میں رب رحمٰن ورحیم سے اجازت طلب کروں گا کہ میں درِ دوزخ پر جا کر دیکھوں کہ میرا کوئی امتی دوزخ میں تو نہیں گیا۔ اگر شامت اعمال سے دوزخ میں جائے گا تو میں اس کی شفاعت کروں گا اور جب تک میرا ایک امتی بھی باقی رہے گا، میں جنت میں نہیں جاؤں گا۔''

یہ ہے رحمت و شفقت کے بحر بے کراں کا اپنی امت سے محبت کا عالم کہ وقت وصال بھی امت کے ایک ایک فرد کی فکر ہے لیکن ہم ہیں کہ کہلاتے تو سرکار دو جہان ﷺ کے امتی ہیں مگر کیا ہم نے کبھی سوچا کہ چوبیس گھنٹوں میں ہم شافع محشر ﷺ کی ختم نبوت کے تحفظ کے لیے کتنے گھنٹے کام کرتے ہیں! اور ہم میں عشق مصطفیٰ ﷺ کا خمار کس قدر ہے! وہ بھی زبانی کلامی ہے یا عملی اور فعلی؟ ہائے افسوس، ہمارے عاشقان مصطفیٰ ﷺ اور غلامانِ محمد ﷺ کہلوانے پر!

حضور سرور کائنات ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے کہ ''جو شخص میری

امت کی بھلائی اور خیر وفلاح کے لیے صبح و شام اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا، اس کا درجہ وقت کے ابدال کے برابر ہوگا۔" لیکن اس سے بھی بڑھ کر اگر کوئی شخص حضور اقدس ﷺ کی امت کے افراد کو کسی فتنہ سے بچاتا ہے، انھیں گمراہی کی طرف جانے سے روکتا ہے، ان کے ایمان کی حفاظت کرتا ہے، ان کی آخرت کے بارے میں فکر کرتا ہے، ایسا شخص وقت کے ابدال سے بھی بڑا درجہ رکھتا ہے۔ اور یقیناً تحفظِ ختم نبوت کا کام کرنے والا ہر شخص اس کا مصداق ہے۔

ان ﷺ کے در سے تو سب کچھ ملے گا مگر
اپنا کردار بھی دیکھنا چاہیے!

شفاعتِ رسولِ کریم ﷺ

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق ؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ایک روز ارشاد فرمایا۔ "میرے رب نے میری امت میں سے مجھے ستر ہزار مسلمان ایسے دیے ہیں جو جنت میں بغیر حساب کتاب کے داخل ہو جائیں گے۔" حضرت عمرؓ نے عرض کی "یارسول اللہ ﷺ! کیا اچھا ہوتا اگر حضور اس تعداد سے زیادہ کے متعلق سوال کرتے۔" حضور ﷺ نے فرمایا "میں نے زیادہ کے لیے استدعا کی اور میرے رب نے اس قدر عطا فرمایا۔" اس قدر کی وضاحت کرتے ہوئے حضور نے اپنے ہاتھوں کو کھولا، دونوں بازوؤں کو پھیلا دیا اور کلاوہ بھرا۔ ہشام کہتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے جو اس نے اپنے محبوب کو دیا اور اس کی تعداد معلوم نہیں ہوسکتی۔

عمرو بن حزم انصاریؓ سے مروی ہے کہ تین دن تک رسولِ کریم ﷺ کا یہ معمول رہا کہ صرف نماز پنجگانہ کے لیے مسجد میں تشریف لاتے اور نماز سے فراغت کے بعد پھر خلوت نشین ہو جاتے۔ چوتھے دن حضور پرنور حسب معمول تشریف لائے۔ ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ تین دن تک ہم سے الگ تھلگ رہے یہاں تک کہ ہمیں اندیشہ لاحق ہو گیا کہ کوئی حادثہ وقوع پذیر ہوگیا ہے۔ آقا و مولا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اے میرے صحابہ! فکر و اندیشہ کی کوئی بات نہیں۔ بڑا دل خوش کن واقعہ رُو پذیر ہوا ہے۔ میرے رب نے میرے ساتھ یہ وعدہ فرمایا کہ میری امت سے ستر ہزار کو بلاحساب جنت میں داخل فرمائے گا۔ میں اپنے رب سے تین دن تک اس تعداد میں اضافے کی التجا کرتا رہا۔ پس میں نے اپنے پروردگار کو بڑا عظیم کریم پایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان ستر ہزار کے علاوہ ان

میں سے ہر ہر شخص کے ساتھ ستر ستر ہزار عطا فرمائے، جنھیں حساب لیے بغیر جنت میں داخل کیا جائے گا۔"

سبحان اللہ! کیا شان کریمی ہے کہ اللہ تعالیٰ امت محمدیہ ﷺ کے 70 ہزار افراد کو بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل فرمائیں گے اور پھر ان میں سے ہر ایک خوش نصیب اپنے ساتھ 70 ہزار افراد کو بغیر حساب کتاب کے جنت میں لے کر جائے گا۔ یوں حضور نبی کریم ﷺ کی مبارک دعا سے اللہ تعالیٰ، امت محمدیہ ﷺ کے 4 ارب 90 کروڑ 70 ہزار افراد کو بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل فرمائیں گے۔ یقین کیجیے کہ یہ سب کچھ حضور خاتم النبیین ﷺ کی مقدس ذات گرامی کی بدولت ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا شمار بھی ان 70 ہزار خوش نصیبوں میں ہو تو آپ کو چاہیے کہ تحفظِ ختم نبوت کے لیے دن رات ایک کر دیں اور منکرین ختم نبوت قادیانیوں کے مذموم عقائد و عزائم کی سرکوبی کے لیے بھرپور کوشش کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس کام کی بدولت آپ پر اپنی خاص رحمتوں اور برکتوں کی بارش فرمائے گا۔

علامہ قرطبیؒ نے حضرت سعید بن مسیبؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہر صبح و شام حضور کی امت پیش کی جاتی ہے۔ حضور ﷺ اپنے ہر امتی کا چہرہ اور اس کے اعمال کو پہچانتے ہیں۔ اس علم کامل کے باعث حضور قیامت کے روز سب کے گواہ ہوں گے۔" (تفسیر قرطبی، جلد 5، ص 198)

"حضرت سیدنا علیؓ سے مروی ہے کہ حضور کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں اپنی امت کے لیے شفاعت کرتا رہوں گا، یہاں تک کہ میرا رب مجھے ندا کرے گا اور پوچھے گا یا محمد! کیا آپ راضی ہو گئے؟ میں عرض کروں گا، ہاں میرے پروردگار میں راضی ہو گیا۔"

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا کہ قیامت کے روز خواہ میں اپنی نصف امت کو (بلا حساب و کتاب) جنت میں داخل کرا لوں یا شفاعت کروں تو میں نے شفاعت کو پسند کیا کیونکہ شفاعت کا فیضان عام ہے (اگر نصف امت کو جنت میں داخل کرنے پر میں قناعت کرتا تو باقی نصف امت کا کون پرسان حال ہوتا) چنانچہ میں نے شفاعت کو پسند کیا تاکہ جب تک میری امت کا آخری فرد بھی جنت میں پہنچ نہ جائے، اس وقت تک میں شفاعت کا حق استعمال کرتا رہوں۔ پھر فرمایا یہ شفاعت متقین کے لیے نہیں ہو گی بلکہ میری شفاعت گناہ گاروں اور

خطا کاروں کے لیے ہوگی۔" (ابن ماجہ)

ڈرتا ہوں عمر بھر کے گناہوں کو دیکھ کر
پھر سوچتا ہوں شافعِ محشر حضور ﷺ ہیں

"حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم جانتے ہو رات میرے رب نے مجھے کیا اختیار دیا ہے؟ ہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول سب سے بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس نے مجھے یہ اختیار دیا کہ اگر میں چاہوں تو میری نصف امت کو (بلا حساب و کتاب) جنت میں داخل کر دیا جائے یا یہ کہ میں شفاعت کروں، میں نے شفاعت کو پسند کیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ ہم کو (بھی) شفاعت کے حقداروں میں کر دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ہر مسلمان کے لیے ہے۔"

ظاہر ہے مسلمان وہ ہے جو اپنے ماں باپ، بہن بھائی، بیوی بچوں، دولت، کاروبار حتیٰ کہ اپنی جان سے بھی بڑھ کر نبی کریم ﷺ سے محبت کرتا ہے اور ان کے دشمنوں سے نفرت کرتا ہے۔

"حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے دو آیتیں تلاوت فرمائیں (ترجمہ) "اے میرے پروردگار ان بتوں نے تو گمراہ کر دیا بہت سے لوگوں کو۔ پس جو کوئی میرے پیچھے چلا تو وہ میرا ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی تو اس کا معاملہ تیرے سپرد ہے بیشک تُو غفور و رحیم ہے۔" (ابراہیم:36) "اگر تُو عذاب دے انھیں تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تُو بخش دے ان کو تو بلاشبہ تو ہی سب پر غالب ہے اور بڑا دانا ہے۔" (المائدہ:118) حضور یہ آیتیں پڑھتے رہے اور بارگاہ رب العزت میں دست سوال دراز کر کے زار و قطار روتے رہے اور بار بار عرض کرتے رہے اے اللہ! میری امت میری امت! اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امین کو حکم دیا، فرمایا: فوراً میرے حبیب ﷺ کے پاس جاؤ۔ اگرچہ تیرا رب سب کچھ جانتا ہے لیکن میرے حبیب سے پوچھو کیوں رو رہے ہیں۔ جبرئیل امین خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور رونے کی وجہ دریافت کی۔ حضور ﷺ نے عرض کی میں اپنی امت کی بخشش کے لیے رو رہا ہوں۔ جبرئیل نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ جواب پیش کیا اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو حکم دیا فوراً میرے محبوب کی بارگاہ میں جاؤ اور میری طرف سے انھیں یہ پیغام دو

اے حبیب! آپ کی امت کے بارے میں ہم آپ کو راضی کریں گے اور اس بارے میں آپ کو غمگین نہیں کریں گے۔"

بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام سن کر فرمایا کہ "میں تو تب مطمئن اور خوش ہوں گا جب میرا کوئی امتی بھی دوزخ میں نہ رہے۔"

حضرت سعدؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میں نے اپنے رب کریم سے سوال کیا اور اپنی امت کی شفاعت کی۔ اللہ تعالیٰ نے میری امت کا تیسرا حصہ مجھے عطا فرمایا۔ میں اس احسان عظیم کا شکریہ ادا کرنے کے لیے سربسجود ہو گیا۔ پھر کچھ دیر کے بعد میں نے سجدہ سے سر اٹھایا اور پھر رب کریم کی بارگاہ میں اپنی امت کی بخشش کے لیے التجا اور شفاعت کی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی امت کا دوسرا تہائی حصہ عطا فرمایا۔ اپنے کریم رب کے لطفِ عمیم کا شکریہ ادا کرتے ہوئے پھر سجدہ ریز ہو گیا۔ پھر کچھ دیر کے لیے سر کو اٹھایا، پھر اپنی امت کی بخشش کے لیے التجا کی۔ اللہ تعالیٰ نے احسان فرماتے ہوئے وہ آخری تہائی بھی مجھے عطا فرمائی۔ میں اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو گیا۔"

امام بخاری اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیحین میں حدیث شفاعت کو حضرت ابو ہریرہؓ کے واسطہ سے بالتفصیل بیان کیا ہے جس کا مطالعہ ہم جیسے خطا کاروں اور گناہگاروں کے لیے باعث صد طمانیت ہے:

"جب لوگ میدانِ حشر میں جمع ہوں گے تو سورج ان کے سروں کے بالکل نزدیک ہوگا۔ لوگ ناقابلِ برداشت غم واندوہ میں مبتلا ہوں گے۔ طویل انتظار کے بعد ان کو یارائے صبر نہ رہے گا۔ وہ آپس میں مشورہ کریں گے اور کہیں گے کہ کیا تم کسی ایسی ہستی کے پاس نہیں چلتے جو تمھارے لیے خداوند ذوالجلال کی بارگاہ میں شفاعت کرے۔ چنانچہ وہ سب ابوالانبیاء آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور یوں عرض گزار ہوں گے۔

"آپ آدم ہیں، ساری نوع انسانی کے باپ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست قدرت سے تخلیق فرمایا اور آپ میں اپنی روح پھونکی۔ پھر آپ کو جنت میں بسایا۔ تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آپ کو سجدہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام اشیا کے نام سکھائے۔ اے بڑی شان والے ہمارے پدر بزرگوار! از راہ عنایت ہمارے لیے بارگاہ رب العزت میں

شفاعت کیجئے تا کہ اس تکلیف دہ حالت سے ہمیں رہائی نصیب ہو۔ کیا آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہم کس کرب وغم میں مبتلا ہیں۔

آدم علیہ السلام فرمائیں گے میرا رب آج بہت غضبناک ہے۔ وہ اس سے پہلے اتنا غضبناک کبھی نہیں ہوا تھا اور نہ آج کے بعد وہ کبھی اتنا غضبناک ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے درخت کا پھل کھانے سے منع کیا تھا، میں لغزش کر بیٹھا۔ **نفسی نفسی اذھبوا الی غیری** یعنی مجھے تو آج اپنی فکر ہے، مجھے تو آج اپنی فکر ہے، شفاعت کی التجا کرنے کے لیے کسی اور کے پاس جاؤ۔''

پھر ساری مخلوق نوح علیہ السلام کے پاس حاضر ہوگی اور عرض کرے گی۔

''اے نوح (علیہ السلام)! آپ اہل زمین کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عبداً شکوراً (شکر گزار بندہ) کا لقب ارزانی فرمایا ہے۔ کیا آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں؟ کیا آپ اپنے رب کی بارگاہ میں ہمارے لیے شفاعت نہیں کریں گے؟''

حضرت نوح علیہ السلام جواب دیں گے۔

''آج میرا پروردگار از حد غضبناک ہے، اتنا غضبناک نہ وہ کبھی پہلے ہوا تھا اور نہ کبھی آئندہ ہوگا۔ **نفسی نفسی**: مجھے تو آج اپنی ذات کی فکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک دعا مانگنے کا حق دیا تھا جو وہ ضرور قبول فرمائے گا۔ میں نے اپنا یہ حق استعمال کر لیا ہے اور اپنی قوم کی بربادی کی دعا مانگی ہے۔ اب میں اللہ کی بارگاہ میں شفاعت کے لیے لب کشائی کی جرأت نہیں کر سکتا، کسی اور کے پاس جاؤ۔ حضرت ابراہیم کے پاس جاؤ، وہ اللہ کے خلیل ہیں۔''

پھر ساری مخلوق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوگی۔ اور بڑے ادب سے عرض کریں گے۔ ''**اَنْتَ نَبِی اللّٰہ و خلیلہ من اھل الارض اشفع لنا الی ربک الا تری مانحن فیہ** آپ اللہ کے نبی ہیں اور تمام اہل زمین میں سے اللہ کے خلیل ہیں۔ از راہ نوازش اپنے خداوند کریم کی بارگاہ میں ہمارے لیے شفاعت کریں۔ کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں۔''

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام بھی وہی جواب دیں گے کہ ''آج میرا رب از حد

غضبناک ہے۔ میں تمھارے لیے شفاعت نہیں کرسکتا۔ مجھے تو آج اپنی جان کی فکر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ کلیم اللہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے تورات جیسی کتاب مرحمت فرمائی ہے اور اس کو قریب بلا کر اس سے سرگوشی کی ہے۔" ساری مخلوق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی عرضداشت بصد ادب پیش کرے گی۔ آپ بھی معذرت کریں گے کہ تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ وہ اللہ کا کلمہ اور روح ہیں۔

پس سب لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی حالت زار بیان کریں گے اور ان سے درخواست کریں گے کہ بارگاہ الٰہی میں وہ ان کی شفاعت کریں۔

آپ بھی معذرت فرمائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کی پریشان حال اور غم و اندوہ سے نڈھال مخلوق کو ایک ایسے کریم اور محبوب کا پتہ بتائیں گے جس کے دروازے پر آنے والا کوئی سائل کبھی محروم نہیں لوٹتا۔ آپ انھیں کہیں گے کہ محمد عربی کی بارگاہ بیکس پناہ میں حاضر ہوکر یہ فریاد کرو۔ چنانچہ ساری مخلوق خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگی اور اپنی عرضداشت پیش کرے گی۔

اب کیا ہوا۔ آنحضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ساری مخلوق در در کی ٹھوکریں کھانے اور ہر دروازہ سے مایوس ہونے کے بعد میرے پاس آ کر فریاد کرے گی، تو میں انھیں جواب دوں گا۔

اَنَا لَهَا اَنَا لَهَا ہاں مجھے یہ حق پہنچتا ہے کہ میں اپنے رب کی بارگاہ میں شفاعت کروں یعنی اب تمھیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

رحمت عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں وہاں سے چل کر عرشِ الٰہی کے پاس حاضر ہوں گا اور اپنے رب سے شفاعت کرنے کی اجازت طلب کروں گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اجازت مرحمت فرمائیں گے۔ جب میں اپنے کریم پروردگار کو عرش عظیم پر جلوہ فرما دیکھوں گا تو سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ مجھے شرح صدر کی نعمت مرحمت فرمائے گا اور میں اس کے ایسے محامد بیان کروں گا اور اس کی ایسی ثنا و ستائش کروں گا کہ آج تک اس طرح میں حمد و ثنا نہیں کرسکا تھا۔ میں دیر تک سجدہ ریز رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آئے گی:

يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ قُلْ تُسْمَعْ اِسْئَلْ تُعْطَ اِشْفَعْ تُشَفَّعْ.

"اے میرے محبوب! اپنا سر مبارک سجدہ سے اٹھاؤ اور مانگو جو تم مانگو گے، میں عطا

کروں گا۔ آپ شفاعت کریں جس کی آپ شفاعت کریں گے، اس کے بارے میں آپ کی شفاعت قبول ہوگی۔"

یہ مژدہ جانفزا سن کر میں سجدہ سے سر اٹھاؤں گا اور عرض کروں گا۔

یَا رَبِّ اُمَّتِیْ یَا رَبِّ اُمَّتِیْ. اے میرے پروردگار، میری امت پر رحم فرما اور اس کو نجات دے۔ اے میرے پروردگار میری امت پر رحم فرما اور اس کو نجات دے۔ میرا پروردگار مجھے فرمائے گا۔

"جنت کے دروازوں سے دائیں جانب کے دروازے سے اپنے ان امتیوں کو داخل کرو جن سے کوئی حساب نہیں لیا جائے گا۔ اور جنت کے دوسرے دروازوں سے بھی آپ کی امت جنت میں داخل ہوگی۔"

حضرت انسؓ سے اس سلسلے میں یہ الفاظ مروی ہیں:

"میں پھر اللہ تعالیٰ کی جناب میں سربسجود ہو جاؤں گا۔ مجھے کہا جائے گا اے میرے حبیب اپنا سر مبارک اٹھائیے تم جو عرض کرو گے، میں سنوں گا۔ تم جس کی شفاعت کرو گے، میں شفاعت قبول کروں گا۔ آپ جو مانگیں گے، وہ ضرور آپ کو دیا جائے گا۔ اس اذن عام کے بعد میں عرض کروں گا۔ اے میرے پروردگار میری امت کو بخش دے۔"

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ رحمت سے یہ جواب ملے گا:

آپ تشریف لے جایئے اور آپ کے جس امتی کے دل میں گندم یا جو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے، اس کو دوزخ سے نکال کر جنت میں لے جایئے۔

حسب ارشاد میں جاؤں گا اور ایسے تمام لوگوں کو جن کے دل میں گندم یا جو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا، ان کو بھڑکتے ہوئے جہنم سے نکال کر فردوس بریں کی بہاروں میں داخل کرا دوں گا۔

پھر لوٹ کر میں اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سجدہ ریز ہوں گا۔ پھر اس کی حمد و ثنا میں مصروف رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ پھر مجھے فرمائیں گے۔ اے حبیب! اب عجز و نیاز کی انتہا ہو چکی، اب سجدہ سے سر مبارک اٹھایئے، تم مانگتے جاؤ، میں دیتا جاؤں گا۔ تم کہتے جاؤ، میں سنتا جاؤں گا۔ تم سفارش کرتے جاؤ، میں شفاعت قبول کرتا جاؤں گا۔

پھر ارشاد ہوگا ہر وہ شخص جس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہے، اس کو نکال

کر جنت میں پہنچاؤ۔ چنانچہ میں اپنے تمام امتیوں کو جن کے دلوں میں رائی کے برابر بھی ایمان ہوگا، ان کو فردوس بریں میں پہنچا دوں گا۔

تیسری مرتبہ پھر یہی صورت حال ہوگی تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔

اے میرے محبوب! جس تیرے غلام کے دل میں رائی کے دانے سے بھی کم بہت کم بہت کم ایمان ہے، اس کو بھی جہنم سے نکال کر جنت میں پہنچاویں، چنانچہ میں ایسا ہی کروں گا۔''

چوتھی مرتبہ پھر **عزیز علیہ ماعنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رّحیم** کی شان رفیع کا مالک اللہ کا رسول اور ہمارا آقا پھر سجدہ ریز ہوگا۔ اپنی عاجزانہ التجاؤں سے رحمت الٰہی کو پھر اپنی طرف ملتفت کرے گا۔ پھر ارشاد ربانی یوں سامع نواز ہوگا:

''اے میرے حبیب! اپنا سر مبارک اٹھاؤ: تم کہتے جاؤ، میں سنتا جاؤں گا۔ تم شفاعت کرتے جاؤ، میں شفاعت قبول کرتا جاؤں گا۔ تم مانگتے جاؤ، میں دیتا جاؤں گا۔''

حضور فرماتے ہیں میں چوتھی بار یہ عرض کروں گا:

یَا رَبِّ ائْذَنْ لِیْ فِیْ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ.

''اے میرے پروردگار مجھے اجازت عطا فرمائیں کہ ہر اس شخص کو
جنت میں پہنچاؤں جس نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا ہے۔''

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے حبیب! یہ میرا کام ہے مجھے اپنی عزت کی قسم، اپنی کبریائی کی قسم، اپنی عظمت کی قسم، اپنے جبر وقہر کی قسم! میں ہر اس شخص کو آتش جہنم سے نکال لوں گا جس نے کلمہ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھا. (صحیح بخاری ومسلم)

حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ جب لوگ بارگاہ مصطفوی ﷺ میں حاضر ہوں گے اور شفاعت کے لیے التجا کریں گے تو پل صراط کو بچھا دیا جائے گا۔ حضور ﷺ کی شفاعت سے جن کو نجات مل جائے گی، وہ اس پل سے گزر کر جنت میں جائیں گے۔ بعض لوگ بجلی کی تیزی سے گزریں گے۔ بعض ہوا کی رفتار سے گزریں گے اور بعض پرندوں کی طرح پرواز کرتے گزریں گے۔ حضرت حذیفہؓ آخر میں فرماتے ہیں۔

جب حضور ﷺ کی شفاعت سے نجات پانے والے لوگ اس پل صراط سے گزر رہے ہوں گے تو سرور عالم ﷺ اس پل کے قریب کھڑے ہوئے التجا کر رہے ہوں گے، ''اے میرے اللہ! میرے امتیوں کو اس نازک مرحلہ سے سلامتی سے گزارنا۔''

یہ شان رحمۃ للعالمینی ہے، اس محبوبِ ربّ العالمین کی کہ دنیا میں بھی اپنے امتیوں کی بخشش اور نجات کے لیے آنسوؤں کے دریا بہاتے رہے اور قیامت کے دن بھی کبھی مقامِ محمود پر سرفراز ہو کر اور کبھی پل صراط کے قریب کھڑے ہو کر ان کی سلامتی کی دعائیں مانگ رہے ہوں گے۔

رحمت عالم ﷺ اور ہم

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔

''ہر نبی کو ایک دعا مانگنے کی اجازت دی گئی جس کی قبولیت کا رب العالمین نے وعدہ کیا۔ سب انبیاء نے اپنی اس مخصوص دعا کو اس دنیا میں مانگ لیا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے اس مقبول دعا کو چھپا رکھا ہے تا کہ قیامت کے دن میں اس دعا کو امت کی شفاعت کے لیے مانگوں۔''

حضور نبی کریم ﷺ کی اپنی امت کے ساتھ محبت کا کیا عالم ہے کہ وہ خاص دعا جسے اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت بخشنے کا وعدہ کیا ہوا ہے، آپ ﷺ نے اسے مؤخر کر رکھا ہے تا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کی مغفرت اور بخشش کے وقت کام آ سکے۔ یہ آپ ﷺ کی اپنی امت کے ساتھ لطف و کرم کی انتہا ہے۔ کیا ہم اس احسان کے بدلے حضور نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت کے تحفظ کے لیے جان تو دور کی بات ہے، کیا اس مقدس مشن کے لیے تھوڑا سا وقت بھی نہیں دے سکتے؟ کیا ہم آپ ﷺ کے دشمنوں کا راستہ نہیں روک سکتے، کیا ہم منکرین ختم نبوت قادیانیوں کی شر انگیزیوں کے خلاف آواز نہیں اٹھا سکتے؟ کیا ہم گستاخان رسول قادیانیوں کا مکمل بائیکاٹ نہیں کر سکتے؟ یقین مانیے کہ آخرت میں حضور نبی کریم ﷺ کی شفاعت کے بدلے میں یہ چیزیں کچھ بھی اہمیت نہیں رکھتیں، کاش ہم اس پر غور و فکر کریں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جب تک عقیدہ و نیت درست نہ ہو تو عمل کبھی درست نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جہالت بہت سارے فاسد اعتقادات اور مخالفِ اسلام نظریات کا سبب ہے۔ افسوس کہ مسلمانوں کی اکثریت تحفظِ ختم نبوت کی اہمیت و افادیت سے غافل ہے۔ یہ چیز ان کے ایمان کے لیے خطرناک ہے۔ اگر ایک مسلمان کے سامنے حضور نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت کے خلاف تبلیغ ہو رہی ہو، لٹریچر تقسیم ہو رہا ہو اور وہ مسلمان یہ سب کچھ دیکھ کر چپ

سادہ لے تو یقین کیجئے اس کی اس حالت پر اللہ اور اس کا رسول ﷺ سخت ناراض ہیں۔

آج دنیا میں لاکھوں لوگ ایسے ہیں جنھیں اس بات کا علم نہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ آخری نبی ہیں، اسلام آخری دین ہے، قرآن آخری کتاب ہے۔ لہٰذا ایسے لوگ بڑی سادگی سے منکرینِ ختم نبوت کے جال میں پھنس جاتے ہیں اور جھوٹے مدعی نبوت مرزا قادیانی کے پیروکار بن جاتے ہیں جبکہ اس کے ذمہ دار ہم ہیں۔ اگر ایسے لوگوں نے قیامت کے دن ہمارا گریبان پکڑ لیا کہ آپ نے ہمیں مرزا قادیانی کے بارے میں نہیں بتایا تھا، تو ہم کیا جواب دیں گے؟ اب ہر شخص یہ کہتا ہے کہ یہ کام میرا نہیں۔ یا وہ یہ کہنے سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی عدالت اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضگی سے بچ جائے گا؟

تحفظِ ختمِ نبوت کا کام...... امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر امت مسلمہ کے ساتھ خاص درجہ رکھتا ہے اور یہ اس کے لیے تمغۂ امتیاز ہے۔ یہ تمام کامیابیوں کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ امت میں ایک جماعت اس کام کے لیے مخصوص ہو کہ وہ لوگوں کو اچھے اعمال کی تبلیغ کرے اور برے کاموں سے روکے۔ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (آل عمران:104)

(ترجمہ) اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ جو خیر کی طرف بلائے اور نیک کاموں کے کرنے کو کہا کرے اور برے کاموں سے روکا کرے اور ایسے لوگ پورے کامیاب ہوں گے۔

مزید ارشاد فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ. (آل عمران:110)

(ترجمہ) تم بہترین امت ہو کہ لوگوں (کی نفع رسانی) کے لیے نکالے گئے ہو۔ تم لوگ نیک کام کا حکم کرتے ہو، اور برے کام سے منع کرتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ دولت کدہ پر

تشریف لائے۔ میں نے چہرۂ انور پر ایک خاص اثر دیکھ کر محسوس کیا کہ کوئی اہم بات پیش آئی ہے۔ حضور ﷺ نے کسی سے کچھ بات چیت نہیں فرمائی اور وضو فرما کر مسجد میں تشریف لے گئے۔ میں حجرہ کی دیوار سے لگ کر سننے کھڑی ہوگئی کہ کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا: ''لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، مبادا وہ وقت آ جائے کہ تم دعا مانگو اور قبول نہ ہو۔ تم سوال کرو اور سوال پورا نہ کیا جائے۔ تم اپنے دشمنوں کے خلاف مجھ سے مدد چاہو اور میں تمہاری مدد نہ کروں۔'' یہ کلماتِ طیبات حضور ﷺ نے ارشاد فرمائے اور منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔

تحفظِ ختم نبوت کے محاذ پر گرانقدر خدمات سرانجام دینے والے جناب عامر خورشید صاحب عالمی مجلس تحفظِ ختم نبوت کے امیر حضرت خواجہ خان محمد دامت برکاتہم سے باقاعدہ بیعت ہیں۔ حضرت کے روحانی فیض نے جنید جمشید کی طرح ان کی زندگی بدل کر رکھ دی۔ عامر بھائی تحفظِ ختم نبوت کے کام میں ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں۔ ایک دفعہ انھیں خیال گزرا کہ تبلیغی جماعت والے تبلیغ کے کام کی فضیلت اور اہمیت بیان کرتے ہوئے اس کا بے شمار ثواب بیان کرتے ہیں تو کیا تحفظِ ختم نبوت کا کام کرنے کا بھی اتنا ہی ثواب ہے یا نہیں؟ لہٰذا انھوں نے اپنے شیخ حضرت خواجہ خان محمد دامت برکاتہم العالیہ سے اس بارے میں پوچھا تو حضرت نے جواب دیا کہ تبلیغ کا کام کرنے کی اہمیت و افادیت اور ثواب اپنی جگہ پر، اس سے انکار نہیں لیکن تحفظِ ختم نبوت کا کام کرنے والے کو تبلیغ کا کام کرنے والوں سے کئی گنا زیادہ ثواب ملتا ہے کیونکہ تحفظِ ختم نبوت کا کام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر 100 فیصد پورا اترتا ہے۔ یہ کام نہ صرف دین کی بہترین تبلیغ ہے بلکہ اس میں مرتدین اسلام کی سرکوبی بھی شامل ہے۔ منکرین ختم نبوت کی خلاف اسلام مذموم سرگرمیوں اور سازشوں کو روکنا وقت کا سب سے بڑا جہاد اور تبلیغ ہے۔ لہٰذا اس کا ثواب تمام عبادات سے بڑھ کر ہے۔

بلاشبہ موجودہ دور میں تحفظِ ختم نبوت کا کام اعلیٰ ترین درجے پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تقاضے پورا کرتا ہے۔ بعض بزرگوں کا کہنا ہے کہ جس نے تحفظِ ختم نبوت کے کام سے انکار کیا، گویا اس نے نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت کا انکار کیا۔

حضور نبی رحمت ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

''تم میں سے ہر ایک نگران اور ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا۔ ہر شخص اپنے گھر والوں کا نگران ہے۔ اس سے ان کے بارے میں سوال ہوگا......'' (بخاری و مسلم)

ایک دوسری جگہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ جو مسلمانوں کے امور کا خیال نہ رکھے (یعنی مسلمانوں کے دین کی فکر نہ رکھے) وہ مسلمانوں میں سے نہیں ہے۔ قیامت کے دن ایک شخص اپنے پڑوسی کے خلاف بارگاہ خداوندی میں دعویٰ کرے گا، ''اے اللہ! دنیا میں یہ میرا پڑوسی تھا مگر اس نے مجھے گناہوں میں مبتلا دیکھنے کے باوجود میری اصلاح کی کوشش نہ کی'' اتنا فرما کر آپ ﷺ نے فرمایا ''اسی جرم کی سزا میں اللہ تعالیٰ اس مُدّعا علیہ (جس پر دعویٰ کیا گیا) کے لیے دوزخ کا فیصلہ فرما دے گا۔''

اللہ نہ کرے، یہ فیصلہ ہمارے خلاف ہو۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے پڑوس میں گہری نظر رکھیں کہ کوئی قادیانی یا کوئی تنظیم انھیں اپنے فاسد نظریات کی بنیاد پر گمراہ تو نہیں کر رہی، اگر ہمیں پتہ چلے کہ ہمارا کوئی پڑوسی غلط نظریات اختیار کر رہا ہے یا وہ قادیانی عقائد سے متاثر ہے یا وہ گستاخانِ رسول کے لیے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ اسے قرآن وسنت سے سمجھائیں، اس کے شکوک وشبہات دور کریں اور اس کی اصلاح کریں تاکہ وہ اپنے فاسد خیالات ونظریات سے تائب ہو۔ یاد رکھئے! اس فرض سے کوتاہی آپ کو شفاعت رسول ﷺ سے محروم کر سکتی ہے کیونکہ نبی رحمت ﷺ کا فرمان ہے: ''جسے میری امت کی فکر نہیں، اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔''

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے بے شمار آیتوں میں نیک بندوں کے بنیادی اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا: **تامرون بالمعروف و تنهون عن المنكر** (آل عمران:110) یعنی وہ نیک بندے دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے لوگوں کو منع کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر مسلمان کے ذمے فرضِ عین ہے۔

آج ہم لوگ اس کی فرضیت ہی سے غافل ہیں۔ اپنی آنکھوں سے اپنی اولاد کو مختلف فتنوں کی طرف راغب ہوتے دیکھ رہے ہیں، اپنے ملنے جلنے والوں کو گستاخان رسول قادیانیوں سے میل ملاپ کرتے دیکھتے ہیں۔ لیکن پھر بھی اس برائی پر ان کو متنبہ کرنے کا کوئی

جذبہ اور کوئی داعیہ ہمارے دلوں میں پیدا نہیں ہوتا۔ حالانکہ یہ ایک مستقل فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی ہے۔ جس طرح ہر مسلمان پر پانچ وقت کی نماز فرض ہے۔ جس طرح رمضان کے روزے ہر مسلمان پر فرض ہیں۔ زکوٰۃ اور حج فرض ہے، بالکل اسی طرح تحفظِ ختم نبوت کے لیے کوشش کرنا اور منکرین ختم نبوت کے منفی ہتھکنڈوں سے لوگوں کو آگاہ کرنا اور بچانا بھی فرض ہے۔ اس لیے سب سے پہلے اس کام کی اہمیت کو سمجھنا چاہیے۔ اگر کسی نے ساری عمر نیکیوں میں گزار دی۔ ایک نماز بھی نہیں چھوڑی، روزہ ایک بھی نہیں چھوڑا، زکوٰۃ اور حج ادا کرتا رہا، اور اپنی طرف سے کسی گناہ کبیرہ کا ارتکاب بھی نہیں کیا، لیکن اس شخص نے تحفظِ ختم نبوت کا کام انجام نہیں دیا، اور دوسروں کو قادیانی عقائد وعزائم سے بچانے کی فکر بھی نہیں کی تو یاد رکھئے! اپنی ذاتی نیکیوں کے باوجود آخرت میں اس شخص کی پکڑ ہوگی کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے قادیانیت کی تبلیغ ہو رہی تھی، کفریہ عقائد کی تشہیر ہو رہی تھی، اور سادہ لوح مسلمانوں کا ایمان لٹ رہا تھا، تم نے اس کو روکنے کا کیا اقدام کیا؟ کیا اس سوال کا جواب ہمارے پاس ہے؟

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو وحی فرمائی: میں تمہارے علاقے میں چالیس ہزار نیک اور ساٹھ ہزار برے آدمیوں کو ہلاک کرنے لگا ہوں۔ انھوں نے عرض کیا اے رب تعالیٰ یہ برے تو ٹھیک (قابل ہلاکت ہیں) مگر نیک لوگوں کو آپ کیوں ہلاک کرتے ہیں؟ فرمایا: وہ برے لوگوں کے ساتھ کھانا پینا رکھتے تھے۔ (مکاشفۃ القلوب واحیاء العلوم)

یہ واقعہ ان لوگوں کے لیے باعث عبرت ہے جو گستاخانِ رسول قادیانیوں کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں، انھیں اپنی شادیوں میں مدعو کرتے ہیں یا خود ان کی تقریبات میں جاتے ہیں یا ان کی مصنوعات بالخصوص شیزان وغیرہ کا استعمال کرتے ہیں۔

ایک حدیث مبارکہ میں آتا ہے:

اللہ نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا:

کہ جایئے فلاں بستی کو تباہ کر دیجئے، الٹ دیجئے۔ کہا اے رب! اس میں تیرا ایک فلاں بندہ بھی ہے جس نے پلک جھپکنے کے برابر تیری نافرمانی نہیں کی۔ اللہ فرمائے گا، جاؤ پوری بستی کو تباہ کر دو، اُس نیک ولی کو بھی تباہ کر دو۔ اس لیے کہ وہ اللہ کی نافرمانی دیکھتا تھا اور سنتا تھا مگر اس کے چہرے کا رنگ بھی نہیں بدلتا تھا، اس لیے جاؤ اس کو بھی تباہ کر دو۔

(تسہیل المواعظ ص 111 ج 1)

محترم پیرانِ کرام، مشائخ عظام اور سجادہ نشین حضرات کو اس حدیث مبارکہ پر خوب غور کرنا چاہیے کہ ان کے سامنے قادیان کے ایک مخبوط الحواس شخص مرزا قادیانی کو نبی کہا جارہا ہے، اس کی باتوں کو احادیث کا درجہ دیا جاتا ہے، اس کے خاندان کو اہل بیت کا درجہ دیا جاتا ہے، اس کے ساتھیوں کو صحابہؓ کرام کہا جاتا ہے، اس کی نام نہاد وحی کو قرآن کا درجہ دیا جاتا ہے، مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکا زنی کر کے انھیں مرتد بنایا جارہا ہے لیکن اس کے باوجود آپ فتنۂ قادیانیت کی سرکوبی کے لیے کوئی کام نہیں کرتے، ان کی مرتدانہ سرگرمیوں کو نہیں روکتے۔ لہٰذا اس غفلت اور کوتاہی پر اللہ تعالیٰ، اس کے پیارے حبیب مکرم ﷺ کی ناراضگی ہو سکتی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا کہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو اور ظالموں کو ظلم سے روکتے رہو اور حق بات کی طرف کھینچ کر لاتے رہو ورنہ تمھارے قلوب بھی اسی طرح سیاہ کر دیے جائیں گے جس طرح ان لوگوں کے کر دیے گئے اور اسی طرح تم پر بھی لعنت ہو گی جس طرح ان پر یعنی بنی اسرائیل پر لعنت ہوئی۔ قرآن پاک کی آیات تائید میں اس لیے پڑھیں کہ ان آیاتِ شریفہ میں ان لوگوں پر لعنت کی گئی ہے اور سبب لعنت منجملہ اور اسباب کے یہ بھی ہے کہ وہ منکرات سے ایک دوسرے کو نہیں روکتے تھے۔

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ جو لوگ منکرات سے ایک دوسرے کو نہیں روکتے، قادیانیت ایسے فتنوں کا راستہ نہیں روکتے، گستاخانِ رسول کی سرکوبی نہیں کرتے، ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے خود لعنت فرمائی ہے۔

آج کل یہ خوبی سمجھی جاتی ہے کہ آدمی صلح کل رہے جس جگہ جائے، ویسی ہی کہنے لگے۔ اسی کو کمال اور وسعت اخلاق سمجھا جاتا ہے حالانکہ یہ علی الاطلاق غلط ہے، جہاں قادیانی اپنے جھوٹے مذہب کی تبلیغ کریں، وہاں کسی طرح بھی یہ سکوت کامل اخلاق نہیں بلکہ سکوت کرنے والا شرعاً و عرفاً خود مجرم ہے۔

حضور پرُنور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ بندے سے قیامت کے روز (مختلف) سوالات کیے جائیں گے...... حتیٰ کہ ایک سوال یہ بھی کیا جائے گا کہ تُو نے فلاں کو برا کام کرتے دیکھا تو، تُو نے اسے کیوں نہ روکا؟

یقیناً ہم سے پوچھا جائے گا کہ آپ کے سامنے قادیانی اپنے کفریہ عقائد کی تبلیغ و تشہیر کرتے تھے، کفریہ لٹریچر تقسیم کرتے تھے، اجتماعات منعقد کرتے تھے، آپ نے انھیں کیوں نہ روکا، ان کی مرتدانہ سرگرمیوں کے آگے بند کیوں نہ باندھا؟ کیا ہمارے پاس اس سوال کا جواب ہے؟

ایک اور موقع پر برائی کو روکنے کے بارے میں حضور نبی کریم ﷺ نے بڑی خوبصورت اور فکر انگیز تمثیل کے ساتھ ارشاد فرمایا:

''کچھ لوگ ایک کشتی میں بیٹھے اور سب نے مل کر کشتی میں اپنی اپنی جگہ بانٹ لی۔ چنانچہ ہر ایک کے حصہ میں کشتی کا ایک حصہ آ گیا۔ ان میں سے ایک آدمی نے کلہاڑی سے اپنی جگہ پر سوراخ کرنا شروع کر دیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ اس پر وہ بولا، یہ میری جگہ ہے، میرا جو جی چاہے کروں گا۔ اب اگر لوگ اس کا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں تو وہ آدمی اور سب لوگ بچ جائیں گے اور اگر چھوڑ دیتے ہیں تو وہ آدمی اور سب لوگ (ڈوب کر) ہلاک ہو جائیں گے۔'' (صحیح بخاری شریف)

قادیانی، مسلمانوں میں رہ کر کشتیٔ اسلام کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ ان کی مذموم سرگرمیوں اور تخریبی کارروائیوں کو روکنا سب مسلمانوں کا فرض اوّلین ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول مکرم ﷺ نے فرمایا:

من رای منکم منکرا فلیغیره بیده وان لم یستطع فبلسانه وان لم یستطع فبقلبه و ذلک اضعف الایمان.

یعنی تم میں سے جو کوئی برائی کو دیکھے، اسے چاہیے کہ وہ اسے ہاتھ سے روکنے کی کوشش کرے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو (کم از کم) دل سے تو اسے برا ضرور جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

(رواہ مسلم و ترمذی و ابن ماجہ و نسائی)

قارئین کرام! سوچیے، ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو قادیانیوں کی خلاف اسلام سازشوں اور مذموم سرگرمیوں کو دیکھ کر انھیں ہاتھ سے روکتے ہیں یا صرف زبان سے ان کے خلاف بولتے ہیں، یا کم از کم دل سے ان کو برا سمجھتے ہیں اور رنجیدہ ہو جاتے ہیں۔ تنہائی میں

بیٹھ کر اس حدیث پر ضرور غور فرمائیں کہ ہمارے سینے میں ایمان نامی کوئی چیز ہے؟

صحابۂ کرامؓ نے حضور اقدس ﷺ سے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ ہم لوگ ایسی حالت میں بھی تباہ و برباد ہو سکتے ہیں جبکہ ہم میں صلحاء اور متقی لوگ موجود ہوں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''ہاں جب خباثت غالب ہو جائے۔''

اور کون نہیں جانتا کہ فتنۂ قادیانیت سب سے بڑی خباثت ہے جو اسلام دشمن طاقتوں کی سرپرستی میں دیمک کی طرح پھیلتی جا رہی ہے اور اس کے خلاف بند باندھنے والے لوگ بہت کم ہیں۔

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ''جو لوگ منکر (برائی) کو دیکھیں اور اس کو ختم کرنے کی کوشش نہ کریں تو بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ برائی کرنے والے اور اس کے دیکھنے والوں کو ایک ہی عذاب میں لپیٹ لے۔''

اس وقت روئے زمین پر فتنہ قادیانیت سے بڑھ کر اور کوئی برائی نہیں اور اس برائی کو دیکھ کر خاموش تماشائی کا کردار ادا کرنے والے بڑے مجرم ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اگر کسی جماعت اور قوم میں کوئی شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور وہ جماعت اور قوم باوجود قدرت کے اس شخص کو اس گناہ سے نہیں روکتی تو ان پر مرنے سے پہلے دنیا ہی میں اللہ تعالیٰ کا عذاب مسلط ہو جاتا ہے۔

قارئین کرام! یہ ہیں مسلمانوں کی تباہی کے اسباب، ان کے گھروں میں بے سکونی اور پریشانیوں کی وجوہات، قادیانی سرعام شعائر اسلامی کی توہین کرتے ہیں اور ہم باوجود قدرت رکھنے کے انھیں نہیں روکتے، لہٰذا اس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ہم پر کئی ایک عذاب مسلط کر رکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تحفظِ ختم نبوت کا کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت حذیفہ بن یمانؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم ضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ اللہ تعالیٰ عنقریب تم پر اپنا عذاب بھیج دیں گے، پھر تم دعا بھی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول نہ کریں گے۔ (ترمذی)

آج ہماری دعاؤں سے اثر ختم ہو گیا ہے، ہماری کوئی دعا قبول نہیں ہو رہی، اس

لیے کہ ہم ختم نبوت کے تحفظ کے لیے کوئی کام نہیں کر رہے بلکہ قادیانیوں کے ساتھ دوستانہ مراسم رکھتے ہیں اور ان کی خلاف اسلام سرگرمیوں پر کوئی ردعمل ظاہر نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔

آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص لوگوں کو ہدایت (والے راستے) کی طرف بلاتا ہے۔ اس کو ان لوگوں کے ثواب کے برابر حصہ ملتا ہے جو اس کا اتباع کرتے ہیں اور ان کے ثواب میں بھی کچھ کمی نہیں ہوتی۔ (ریاض الصالحین)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک دفعہ اللہ سے پوچھا کہ اے اللہ! آپ داعی کو کیا دیں گے؟ تو فرمایا کہ اے موسیٰ میں داعی کو اس کے ایک ایک بول پر ایک سال کی عبادت کا ثواب دوں گا۔ (احیاء العلوم و کیمیائے سعادت و مکاشفۃ القلوب)

وہ تمام لوگ بڑے خوش نصیب ہیں جو تحفظِ ختم نبوت کا کام کرتے ہیں، لوگوں کو اس کی رغبت دلاتے ہیں، عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہیں۔ قادیانیوں کی ناپاک سازشوں کا سدباب کرنے کے ساتھ ساتھ انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں، تحفظِ ختم نبوت پر مبنی لٹریچر تقسیم کرتے ہیں، تقاریر کرتے ہیں یا قادیانیوں سے مناظرہ وغیرہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یقیناً اس کا ثواب بہت زیادہ ہے۔ ان کے ایک ایک بول کا ثواب یقیناً ایک ایک سال کی عبادت کے برابر ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ایک گھڑی گزارنا، 70 سال کی عبادت سے افضل ہے۔ اس حدیث کی روشنی میں بعض بزرگوں کا کہنا ہے کہ جو شخص حضور نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت کے تحفظ کے لیے کام کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا ایک ایک لمحہ ہزار ہا سال کی مقبول عبادت پر بھاری ہے۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کے جسم پر مکھی کے پر کے برابر بھی گناہ باقی نہیں رہتا، جو شخص اس کام کے لیے ایک رات جاگتا ہے، اسے ایک ہزار راتوں کی عبادت کا ثواب ملتا ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے کام کرنے والے کو قدم قدم پر اَن گنت ثواب ملتا ہے۔

مختلف احادیث میں آتا ہے کہ جنت کی حوروں کو اللہ تعالیٰ اتنا حسن عطا فرمائیں گے کہ ان کے چہرے کا نور سورج کی طرح چمکتا ہوگا۔ ان کے دانتوں کی چمک کی وجہ سے

ساری جنت روشن ہو جایا کرے گی۔ اگر کوئی حور اپنی کلائی کو سورج کے سامنے کر دے تو اس کے نور کی وجہ سے سورج بے نور نظر آئے گا۔ اگر اُس کا ایک بال آسمانِ دنیا پر آ جائے تو ساری دنیا اس کے بال کی چمک و نور کی وجہ سے روشن ہو جائے گی۔ اگر وہ اپنا دوپٹہ آسمانِ دنیا پر لہرا دے تو ساری دنیا خوشبو سے معطر ہو جائے گی۔ جنتی اس کے چہرے کی طرف دیکھے گا تو اسے اپنا چہرہ نظر آئے گا، کیونکہ اس کا جسم شیشے کی طرح شفاف ہوگا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اتنی خوبصورت حور کو اللہ نے کس شخص کے لیے بنایا ہے۔ تو اس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ حور اعلان کرتی ہے:

بھلائیوں کے پھیلانے والے اور برائیوں کے مٹانے والے کہاں ہیں۔ اللہ نے میرا نکاح اس کے ساتھ کر دیا جو دنیا میں بھلائیوں کو پھیلاتا ہے اور برائیوں کو مٹاتا ہے۔

بلاشبہ آج کے دور میں اس کا مصداق وہ خوش نصیب ہیں جو تحفظِ ختم نبوت کا کام کرتے ہوئے لوگوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آخری نبی ہونے کی تبلیغ کرتے اور گستاخانِ رسول ﷺ قادیانیوں کی مرتدانہ سرگرمیوں کو روکتے ہیں۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں وہ قوم نہ بتاؤں جس کے افراد میں نہ تو کوئی نبی ہوگا نہ شہداء ہوں گے لیکن قیامت کے دن انبیاء اور شہداء ان کے مرتبہ پر رشک کریں گے۔ یہ لوگ نور کے منبروں پر ہوں گے۔ صحابۂ کرامؓ نے پوچھا، یہ کون لوگ ہوں گے (یعنی کس وصف کی وجہ سے ان کو اتنا اعلیٰ مقام ملا ہوگا) آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے بندوں کو اللہ کا دوست بنائیں گے اور زمین پر امر بالمعروف کرتے ہوئے چلتے ہوں گے۔ (احیاء العلوم و حیاۃ الصحابہ)

قادیانی اللہ تعالیٰ کی شان میں بدترین توہین کرتے ہوئے لوگوں کا تعلق اللہ تعالیٰ سے کمزور کرتے بلکہ توڑتے ہیں، اس طرح زمین پر فساد پھیلاتے ہیں جبکہ اس کے مقابلہ میں ختم نبوت کا تحفظ کرنے والے خوش نصیب چلتے پھرتے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحیمی، کریمی اور عظمت و کبریائی بیان کرتے ہوئے ان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے جوڑتے ہیں اور لوگوں میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت تقسیم کرتے ہیں۔ آج کے دور میں یہی امر بالمعروف ہے۔

حضور انور ﷺ کا ارشاد ہے جو اللہ کے راستے میں کچھ خرچ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس

کے واسطے 700 گنا ثواب اس کے بدلے میں لکھتے ہیں۔(ترمذی، نسائی)

یقیناً جو شخص گستاخان رسول ﷺ اور منکرین ختم نبوت کے خلاف کام کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جتنا خرچ کرتا ہے، اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ اسے سات سو گنا زیادہ ثواب عطا فرماتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی عزت و ناموس کے تحفظ کے لیے کام کرتا ہے، ان کی توہین کرنے والوں کے خلاف بھرپور جدوجہد کرتا ہے تو کائنات کی ہر چیز ایسے شخص کی قسمت پر رشک کرتی اور سلام بھیجتی ہے۔ اس سلسلہ میں حضور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ وَاَهْلَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَتّٰى النَّمْلَةَ فِیْ جُحْرِهَا حَتّٰى الْحُوْتَ لَیُصَلُّوْنَ عَلٰى مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَیْرَ.

بے شک اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے، آسمانوں اور زمین کے بسنے والے یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں سمندر میں بھلائی کا سبق دینے والے پر سلام بھیجتے ہیں۔ (مشکوٰۃ ص 32)

حضور خاتم النبیین ﷺ کی ختم نبوت کے تحفظ کے لیے کام کرنے والے اس موضوع پر کبھی لٹریچر تقسیم کرتے ہیں، کبھی تقریریں کرتے ہیں، کبھی کانفرنسیں منعقد کرواتے ہیں، کبھی قادیانیوں کی شر انگیزیوں کے خلاف عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں، کبھی صاحبان اقتدار کی توجہ اس طرف دلاتے ہیں، الغرض یہ لوگ اس مقدس کام کے لیے در در پھرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک جنتی اپنی جنت سے سیر کے لیے نکلے گا تو اس کے چہرے کا نور سورج کی طرح چمک رہا ہوگا تو ایک دوسرا جنتی اللہ سے پوچھے گا کہ اے اللہ یہ نور کیسا ہے؟ اس سے کہا جائے گا کہ یہ فلاں جنتی کے چہرے کا نور ہے۔ وہ کہے گا کہ اے اللہ اس کو ایسا (یہ) نور کیسے ملا؟ اس سے کہا جائے گا تو اپنے گھر میں آرام سے بیٹھتا تھا اور یہ میرے راستے میں در در پھرتا تھا۔ (صبح کا ستارہ مؤلفہ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ)

حضرت سیدنا ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا ابوبکرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا، یارسول اللہ ﷺ! کیا مشرکین سے جنگ کے بغیر بھی جہاد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں اے ابوبکر اللہ تعالیٰ کے ایسے مجاہدین بھی زمین پر ہیں جو ان شہداء سے افضل

ہیں جو زندہ ہیں، انھیں روزی ملتی ہے، یہ زمین پر چل رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ آسمان پر فرشتوں کے سامنے فخر فرماتے ہیں۔ ان کے لیے جنت سجائی جاتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ وہ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، نیکی کا حکم کرنے والے، برائی سے روکنے والے، اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر دشمنی رکھنے والے۔

پھر ارشاد فرمایا، اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ بندہ بلند ترین مکان میں ہوگا جو شہداء کے مکانات سے بلند ہوگا۔ ہر مکان کے تین سو (300) دروازے ہوں گے یاقوت اور سبز زمرد کے، ہر دروازے پر روشنی ہوگی۔ ایسا آدمی اُن حوروں سے نکاح کرے گا، جو انتہائی پاک اور خوبصورت ہوں گی۔ جب بھی وہ کسی ایک کی طرف دیکھے گا، تو وہ کہے گی، آپ نے فلاں دن اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا اور آپ نے اس طرح نیکی کا حکم دیا اور برائی سے منع کیا، الغرض جب بھی کسی حور کی طرف دیکھے گا تو وہ نیکی کا حکم کرنے اور برائی سے روکنے کی وجہ سے اس کا ایک اعلیٰ مقام بتائے گی۔ (احیاء العلوم و مکاشفۃ القلوب)

تحفظِ ختم نبوت کا کام کرنے والے خوش نصیبوں کا شمار ایسے لوگوں میں ہوتا ہے جو نیکی کا حکم دیتے، برائیوں سے روکتے، اللہ تعالیٰ کی خاطر لوگوں سے محبت کرتے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر لوگوں سے دشمنی رکھتے ہیں۔ قادیانیوں کے ساتھ ہماری کوئی ذاتی دشمنی نہیں۔ محض ان کے گستاخانہ اور کفریہ عقائد کی وجہ سے ہم ان سے نفرت کرتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب مکرم ﷺ سے محبت کی وجہ سے ہے۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کی وجہ سے گستاخانِ رسول ﷺ سے نفرت اور عداوت رکھتا ہے، ایسے لوگوں کا مقام اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت اہم ہے۔

تحفظِ ختم نبوت کا کام کرنے والا ہر قدم جنت کے کتنے درجوں کو طے کرتا ہے، ایک ایک قدم پر جنت کے کتنے درجات ہوتے ہیں، یہ وہ راستہ ہے کہ اس کے گرد وغبار کو بھی جنت کی خوشبو بنایا جائے گا تو غور کیجئے اس کے اعمال کی کیا قیمت لگے گی، اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

تحفظِ ختم نبوت کا کام کرنے والے مجاہدین پوری دنیا میں دن رات اس بات کی تبلیغ

کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں۔ اب قیامت تک ہر مرحلہ زندگی میں جس شخص نے بھی ہدایت و راہنمائی حاصل کرنا ہو، اسے حضور سرور کائنات ﷺ کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈالنا ہوگا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کے مطابق قرب قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے اور شریعت محمدیہ ﷺ پر عمل کریں گے، دجال کو قتل کریں گے اور پھر پوری دنیا میں اسلام پھیل جائے گا۔ یہ عقائد ضروریات دین میں سے ہیں۔ ان کا انکار کفر ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے بعض مسلمان بھائی اپنی کم علمی اور سادگی کی وجہ سے ان ضروری اور بنیادی عقائد سے ناآشنا اور بے خبر ہیں جس کی وجہ سے وہ قادیانیوں کی دھوکہ دہی اور فریب کاری سے متاثر ہو کر گمراہ ہو جاتے ہیں۔ تحفظِ ختم نبوت کے محاذ پر کام کرنے والے حضرات دن رات مسلمانوں کو ان عقائد سے آگاہ کرتے ہیں تاکہ کسی کی متاع ایمان نہ لٹ سکے۔ ایسے خوش نصیبوں کے بارے میں سرکار دو عالم ﷺ کا بڑا خوبصورت ارشاد گرامی ملاحظہ فرمائیں:

ایک دوسری حدیث پاک میں حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنی زبان سے کوئی حق بات کہے، جس پر اس کے بعد عمل کیا جاتا رہے تو قیامت تک کے لیے اللہ تعالیٰ اس کا اجر جاری فرما دیتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا پورا پورا ثواب عطا فرمائیں گے۔ (مسند احمد)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ سَنَّ فِيْ الاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهٗ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِيْ الاِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَنْقُصَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ. (صحیح مسلم)

ترجمہ: ”جس نے اسلام میں اچھا طریقہ جاری کیا تو اس کے لیے اپنے عمل کا بھی اجر ہوگا اور اس کے بعد جو اس پر عمل پیرا ہوں گے، ان کا اجر بھی اس کو ملے گا اور ان کے اجور میں کسی چیز کی کمی نہیں ہوگی اور جس نے اسلام میں بُرا طریقہ جاری کیا تو اس کو اس کے عمل کا گناہ بھی ملے گا اور اس کے بعد جو اس بُرے طریقے سے عمل پیرا ہوں گے، ان

اس کو ملیں گے اوران کے گناہوں میں کسی چیز کی کمی نہیں ہوگی۔“

حضرت سعدؓ کو ایک فضیلت اور خصوصیت یہ بھی حاصل تھی کہ اللہ کی راہ میں سب سے پہلا تیر دشمن پر انہوں نے ہی چلایا، مدینہ طیبہ میں آنے کے بعد 1 ھ میں حضور ﷺ نے ساٹھ آدمیوں کی ایک جماعت حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں قریش کا ایک قافلہ روکنے کے لیے مقام رابغ کی طرف روانہ کی، اس جماعت میں حضرت سعدؓ بھی شامل تھے، ان کی مشرکین سے مڈبھیڑ ہوئی، اس وقت حضرت سعدؓ نے مشرکین پر سب سے پہلا تیر چلا کر دشمن اسلام کا خون بہایا۔ حضرت سعدؓ نے خدا کے راستہ میں قتال کا سب سے پہلے آغاز کیا، اس لیے قیامت تک جہاد کرنے والوں کا اجر وثواب حضرت سعدؓ کے اعمال نامہ میں بھی لکھا جاتا رہے گا۔

یعنی مسلمان جو بھی نیک کام کرتے ہیں، اس کا ایک ثواب تو کرنے والے کو اور دو اس کی ترغیب دینے والے کو اور چار اس کو ترغیب دینے والے کو اور آٹھ اس شخص کو جس نے اسے سب سے پہلے ترغیب دی، اسی طرح جس قدر اوپر جاؤ، سلسلہ بڑھتا جائے۔ حدیث پاک میں ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَہٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِہٖ (مشکوٰۃ کتاب العلم) یعنی جو شخص نیکی پر رہبری کرے، اس کو کرنے والے کی طرح ثواب ملتا ہے۔

حکایت ہے کہ شطرنج کا ایجاد کرنے والا شطرنج کو لے کر اپنے بادشاہ کے پاس گیا، بادشاہ نے کہا کچھ انعام مانگو، اس نے کہا میرے شطرنج کے خانوں کو چاولوں سے اس طرح بھر دیجئے کہ ہر اگلے خانہ میں پچھلے خانہ سے دوگنے ہوں، یعنی پہلے خانہ میں ایک چاول، دوسرے میں دو، تیسرے میں چار، چوتھے میں آٹھ، پانچویں میں سولہ، بادشاہ سمجھا نہیں، اس نے کہا جاؤ یہ حساب کون لگائے۔ دو بورے چاول، ہمارے باورچی خانے سے لے لو، اس نے کہا سرکار! مجھے تو اسی حساب سے دو، جب حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ ساری روئے زمین پر اس قدر چاول پیدا نہیں ہوتا جتنا کہ حساب سے اس نے مانگا ہے، وجہ یہ ہے کہ شطرنج کے 64 خانے ہوتے ہیں، اور 8 چاول کی ایک رتی، اور 8 رتی کا ایک ماشہ ا۔ 12 ماشہ کا ایک تولہ اور 5 تولہ کی ایک چھٹانک اور 16 چھٹانک کا ایک سیر اور 40 سیر کا ایک من ہے، تو حساب لگایا کہ

چھبیسویں خانے میں ایک من بنا۔اب جو نئی خانہ دوگنا کیا گیا تو آخر میں اتنا چاول ہوا کہ اگر اس چاول کی قیمت میں سونا دیا جائے تو کروڑوں من بنتا ہے۔چاولوں کا تو حساب ہی نہیں لگتا۔

یہ تو چونسٹھ خانہ کا حساب تھا جو بادشاہ وقت ادا نہ کرسکا،مگر حضور خاتم النبیین ﷺ کی ختم نبوت کی حفاظت کا اجر وثواب دوگنا، چارگنا، آٹھ گنا ہوتا ہوا تو اتنا ہو جاتا ہے، جہاں عدد بھی کام نہیں کرتا، مگر حساب بڑھ جائے تو کیا ہے، دینے والا بھی تو رب ہے۔اس کے خزانے میں کیا کمی ہے، یہ بھی عزت رسول ﷺ کی ایک شق ہے فرمایا گیا وَاِنَّ لَکَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ تمہارے لیے غیر منقطع ثواب ہے۔

پہرہ دینے کی فضیلت اور تحفظِ ختم نبوت

قرآن وحدیث میں جہاد فی سبیل اللہ کے ضمن میں جہاد میں پہرہ دینے کے بے شمار فضائل بیان ہوئے ہیں۔ احادیث مبارکہ میں پہرہ کے متعلق دو الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ایک تو لفظ ''رباط'' ہے جس کو قرآن واحادیث دونوں نے استعمال کیا ہے۔ دوسرا لفظ ''حراسہ'' ہے جس کو احادیث نے بکثرت استعمال کیا ہے۔ان دونوں لفظوں پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لفظ ''رباط'' کا تعلق اسلامی سرحدات کی حفاظت سے ہے اور حراسہ کا تعلق چوکیداری وحفاظت سے ہے۔خواہ وہ اسلامی افواج کی حفاظت کے لیے ہو یا کسی اعلیٰ مذہبی ومقدس شخصیت کی حفاظت کا معاملہ ہو یا دینی مراکز کی حفاظت کے لیے ہو۔ جہاں اہل باطل سے حملہ آور ہونے کا خطرہ ہو، وہاں بطور حفاظت چوکیداری کا نام حراسہ ہے۔

چنانچہ مسجد نبوی میں ایک ستون ہے جس کا نام اسطوانہ حرس ہے۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں پر صحابۂ کرام حضور خاتم النبیین ﷺ کی چوکیداری اور حفاظت کے لیے رات کو پہرہ دیا کرتے تھے۔اس قسم کے پہرہ کی اہمیت وفضائل کے سلسلہ میں کئی احادیث مبارکہ بیان ہوئی ہیں۔ان میں سے چند ایک ملاحظہ فرمائیں:

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے میں نے سنا، آپ نے فرمایا کہ دو قسم کی آنکھیں ایسی ہیں کہ ان کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی۔ایک وہ آنکھ ہے جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے روئی ہے اور دوسری وہ آنکھ ہے جس نے اللہ کے راستے میں چوکیداری میں رات گزار دی ہو۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ کے راستہ میں ایک رات کی چوکیداری

ایک ہزار دنوں کے روزوں سے زیادہ محبوب ہے جس میں رات بھر مسجد حرام میں تہجد کی نماز ہو اور نبی کریم ﷺ کے روضہ کے پاس مسجد میں عبادت ہو۔

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں اگر تین راتیں مسلمانوں کے مرکز کی چوکیداری میں گزاروں، یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے کہ مجھے مسجد نبوی یا بیت المقدس میں لیلۃ القدر کی رات مل جائے۔ اسی طرح ایک اور روایت میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے منبر نبوی ﷺ پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ میں آج تمہیں ایک ایسی حدیث سنانا چاہتا ہوں جو میں نے نبی کریم ﷺ سے سنی تھی لیکن آپ لوگوں کے چلے جانے کے خوف سے اب تک بیان نہیں کی، میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ ایک رات کی چوکیداری، راہ جہاد میں ایک ہزار ایسی راتوں سے افضل ہے جس کی رات میں تہجد ہو اور دن میں روزہ ہو۔

حضرت ابوریحانہؓ سے روایت ہے، فرمایا کہ ہم ایک غزوہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، ایک دن ہم ایک بلند مقام پر جا پہنچے اور ہم نے رات گزارنے کا وہیں پر ارادہ کیا۔ رات کو ہمیں شدید سردی پہنچی یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ بعض مجاہدین زمین میں گڑھا کھود کر اس میں داخل ہو جاتے تھے اور ڈھال وغیرہ اپنے اوپر ڈالتے رہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے سردی کی اس تکلیف کو لوگوں پر دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ آج رات کون ہماری چوکیداری کرے گا؟ میں اس کو ایسی دعا دوں گا جس میں اس کی فضیلت ہوگی۔ اس پر ایک انصاری نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! میں چوکیداری کے لیے تیار ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے اس کو فرمایا کہ قریب ہو جاؤ۔ وہ قریب ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کون ہو؟ انصاری نے اپنا نام بتا کر تعارف کرایا، پھر رسول اللہ ﷺ نے دعا شروع کی اور بہت زیادہ دعا فرمائی۔

حضرت ابوریحانہؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نے نبی کریم ﷺ کی دعائیں سنیں تو میں بھی قریب ہو گیا اور میں نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! میں ایک دوسرا آدمی ہوں (میں بھی چوکیداری کے لیے تیار ہوں)۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم بھی قریب ہو جاؤ تو میں بھی قریب ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ میں نے کہا میں ابوریحانہ ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے مجھے بھی دعائیں دیں، پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس آنکھ پر دوزخ کی

آگ حرام ہے جو خوف خدا سے روئی نیز دوزخ کی آگ حرام ہے اس آنکھ پر جو اللہ کے راستے میں (چوکیداری کر کے) بیدار رہی۔ (طبرانی)

حضرت ابن عائذؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ ایک شخص کی نماز جنازہ میں تشریف لائے۔ جب جنازہ پڑھانے کے لیے رکھا گیا تو حضرت عمرؓ بن خطاب نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ان کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں کیونکہ یہ ایک فاسق و فاجر آدمی تھا۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر پوچھنے لگے کہ کسی نے اس شخص کو اسلام کے کسی عمل پر دیکھا ہے؟ اس پر ایک شخص نے جواب دیا کہ ہاں یارسول اللہ ﷺ! اس شخص نے ایک رات جہاد فی سبیل اللہ میں چوکیداری کی تھی۔ پس رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھادی اور خود اپنے دست مبارک سے اس کی قبر پر مٹی ڈال دی اور پھر (اس کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ تیرے ساتھی خیال کرتے ہیں کہ تو دوزخیوں میں سے ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تو اہل جنت میں سے ہے۔ (بیہقی)

حضرت سہل بن حنظلیہؓ حکایت کرتے ہیں کہ ہم جنگ حنین میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک لمبے سفر میں چلتے رہے یہاں تک کہ شام کا وقت ہو گیا اور نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں نماز کا وقت آ گیا کہ اتنے میں ایک شہسوار حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ یارسول اللہ! میں آپ حضرات سے پہلے نکل آیا، یہاں تک کہ فلاں پہاڑ تک پہنچ گیا۔ وہاں اچانک میں نے دیکھا کہ قبیلہ ہوازن کے لوگ سب کے سب اپنی عورتوں، بکریوں اور مال مویشی سمیت میدانِ حنین میں اکٹھے ہو گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ مسکرا کر فرمانے لگے کہ ان شاء اللہ کل یہ سب کچھ مسلمانوں کے لیے مال غنیمت بنے گا۔ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آج رات کون ہماری چوکیداری کرے گا؟ حضرت انس بن ابی مرثد غنویؓ نے فرمایا کہ یارسول اللہ ﷺ! میں چوکیداری کروں گا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اپنی سواری پر سوار ہو جاؤ، چنانچہ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہو گئے۔ نبی کریم نے ان کو حکم دیا کہ اُس وادی کی طرف چلے جاؤ، یہاں تک کہ اس کے پرلے حصہ پر جا کر ٹھہرو، خبردار! ہم پر رات میں تیری طرف سے کہیں اچانک حملہ نہ ہو جائے۔ جب رات گزر کر صبح ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نماز پڑھانے کے لیے تشریف لائے، دو رکعت سنت آپ نے پڑھ لی اور پھر پوچھا کہ کیا تم نے اپنے شہسوار کو دیکھا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یارسول اللہ ﷺ! ہم

نے نہیں دیکھا۔ اتنے میں جماعت کے لیے تکبیر پڑھی گئی اور حضور اکرم ﷺ نماز پڑھانے لگے۔ جب آپ نماز پڑھا کر فارغ ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: مبارک ہو، تمہارا شہسوار آ گیا۔ اس پر ہم سب نے وادی کے درختوں میں دیکھنا شروع کیا کہ اتنے میں وہ شہسوار آ کر نبی کریم ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں اس درہ کے اوپر اس حصہ تک گیا جہاں مجھے نبی کریم ﷺ نے حکم دیا تھا۔ جب میں نے وہاں پر صبح کی تو میں نے دونوں پہاڑوں کے درمیان جھانک کر دیکھا۔ میں نے خوب غور سے دیکھا لیکن مجھے کوئی شخص وہاں پر نظر نہیں آیا۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا کہ کیا تُو اس پوری رات میں اپنی سواری سے نیچے اترا ہے؟ انھوں نے کہا کہ سوائے نماز یا قضائے حاجت کے میں نہیں اترا ہوں۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اپنے لیے جنت واجب کر دی، اب اگر تم کوئی عمل نہ بھی کرو تو تمہارا کوئی نقصان نہیں۔ (ابوداؤد)

اللہ کے راستہ میں پہرہ دینے کا اس قدر ثواب ہے اور جو لوگ حضور سرور کائنات ﷺ کی ختم نبوت کا پہرہ دیتے ہیں، آپ ﷺ کی عزت و ناموس کی چوکیداری کرتے ہیں، سارقانِ ختم نبوت کی مذموم سرگرمیوں کا مقابلہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا کیا درجہ ہوگا، یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

قادیانیوں کی کم از کم سزا...... مکمل سماجی اور معاشی بائیکاٹ

قادیانی اسلامی شعائر کو مسخ کر کے اسلام کا مذاق اڑاتے اور مار آستین بن کر مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو منتشر کرنے کے درپے ہیں۔ وہ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکا ڈالتے اور تمام عالم اسلام اور ملت اسلامیہ کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتے ہیں۔ وہ ہر سطح پر مسلمانوں کو جانی و مالی ہر طرح کا نقصان پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتے۔ ان وجوہات کی بناء پر اسلام ان کے ساتھ سخت سے سخت معاملہ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ رواداری کی اجازت ان کافروں سے ہے جو محارب اور موذی نہ ہوں۔ قادیانی اپنی شرانگیزیوں کے باعث اس زمرے میں نہیں آتے۔ اسلامی حکومت کو چاہیے کہ وہ اس فتنہ کا مکمل قلع قمع کرے اور اگر حکومت یہ فریضہ سرانجام نہ دے تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ان کا مکمل سماجی و معاشی مقاطعہ اور بائیکاٹ کریں۔ اگر وہ اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے ان کے بائیکاٹ ایسے ہلکے سے اقدام سے بھی کوتاہی کرتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کے

مجرم ہوں گے۔ بائیکاٹ کے سلسلہ میں سیرت کی کتابوں سے ہمیں ایک ایسا اہم واقعہ ملتا ہے کہ خود حضور نبی کریم ﷺ نے تین کبار صحابہؓ کی لغزش کی پاداش میں ان کے بائیکاٹ کا حکم دیا۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے ان کی براءت کا اعلان کیا گیا۔ اگر صحابۂ کرامؓ کا بائیکاٹ ہوسکتا ہے تو مرتدین اور گستاخانِ رسول قادیانیوں کا بائیکاٹ کیوں نہیں؟

صحابۂ کرامؓ کی لغزش پر ان کا بائیکاٹ

تین صحابی حضرت کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم بغیر کسی قوی عذر کے محض سستی کے باعث جنگ تبوک میں شریک نہ ہو سکے۔ حضرت کعب بن مالکؓ اپنی سرگذشت بڑی تفصیل کے ساتھ خود ہی بیان فرماتے ہیں کہ میں جنگ تبوک سے پہلے کسی لڑائی میں بھی اتنا مالدار نہیں تھا جتنا کہ تبوک کے وقت تھا۔ اس وقت میرے پاس خود ذاتی دو اونٹنیاں تھیں، اس سے پہلے کبھی میرے پاس دو اونٹنیاں نہ ہوئی تھیں۔ جنگِ تبوک کے موقع پر چونکہ سفر دور کا تھا اور گرمی بھی شدید تھی، اس لیے حضور ﷺ نے صاف اعلان فرما دیا کہ مسلمان اس طویل اور مشکل سفر کے لیے تیار ہو جائیں، چنانچہ مسلمانوں کی اتنی بڑی جماعت حضور ﷺ کے ساتھ ہوگئی کہ رجسٹر میں ان کا نام بھی لکھنا دشوار تھا اور مجمع کی کثرت کی وجہ سے کوئی شخص اگر چھپنا چاہتا کہ میں نہ جاؤں اور پتہ نہ چلے تو ہو سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی پھل بالکل پک رہے تھے، میں بھی سامانِ سفر کی تیاری کا ارادہ صبح ہی سے کرتا مگر شام ہو جاتی اور کسی قسم کی تیاری کی نوبت نہ آتی...... میں اپنے دل میں خیال کرتا کہ مجھے وسعت حاصل ہے، جب پختہ ارادہ کروں گا، تیاری فوراً ہو جائے گی۔ اسی طرح کئی دن گزرتے گئے حتیٰ کہ حضور ﷺ روانہ بھی ہو گئے اور مسلمان آپ کے ساتھ ساتھ تھے مگر میرا سامان سفر تیار نہ ہوا۔ پھر مجھے یہ خیال رہا کہ ایک دو روز میں تیار ہو کر لشکر سے جا ملوں گا۔ اسی طرح آج کل پر ٹالتا رہا، حتیٰ کہ حضور ﷺ کے تبوک پہنچنے کا زمانہ آ گیا۔ اس وقت میں نے کوشش بھی کی مگر سامان نہ ہو سکا۔ اب جب مدینہ منورہ میں اِدھر اُدھر دیکھتا ہوں تو صرف وہی لوگ ملتے ہیں جن کے اوپر نفاق کا بدنما داغ لگا ہوا تھا یا معذور تھے۔ ادھر حضور ﷺ نے تبوک پہنچ کر دریافت فرمایا کہ کعب نظر نہیں پڑتے، کیا بات ہوئی؟ ایک صاحب نے کہا یارسول اللہ ﷺ! اس کو مال و جمال کے فخر نے روکا۔ حضرت معاذؓ بن جبل نے فرمایا: نہیں، ہم جہاں تک سمجھتے

ہیں، وہ بھلے آدمی ہیں۔ مگر حضور ﷺ نے بالکل سکوت فرمایا، اور کچھ ارشاد نہ فرمایا، حتیٰ کہ چند روز میں حضور ﷺ کی واپسی کی خبر سنی تو مجھے رنج وغم ہوا، اور فکر پیدا ہوئی۔ دل میں جھوٹے جھوٹے عذر آتے تھے کہ اس وقت کسی فرضی عذر سے جان بچالوں۔ پھر کسی وقت معافی کی درخواست کرلوں گا اور اس بارے میں اپنے گھرانے کے ہر سمجھدار سے مشورہ کرتا رہا مگر جب مجھے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ تشریف لے ہی آئے تو میرے دل نے فیصلہ کیا کہ بغیر سچ کے کوئی چیز نجات نہ دے گی اور میں نے سچ سچ عرض کرنے کی ٹھان لی۔ حضور ﷺ کی عادت تھی کہ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو اوّل مسجد میں تشریف لے جاتے اور دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھتے اور وہاں تھوڑی دیر تشریف رکھتے کہ لوگوں سے ملاقات فرمائیں۔ چنانچہ حسب معمول حضور ﷺ تشریف لائے تو مسجد میں تشریف لے گئے اور وہاں تشریف فرما رہے اور منافق لوگ آ کر جھوٹے جھوٹے عذر کرتے اور قسمیں کھاتے رہے۔ حضور ﷺ ان کے ظاہر حال کو قبول فرماتے رہے کہ اتنے میں مَیں بھی حاضر ہوا اور سلام کیا، حضور ﷺ نے ناراضی کے انداز میں تبسم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہاں آؤ، میں قریب ہو کر بیٹھ گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا تجھے کس چیز نے غزوہ میں جانے سے روکا؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اگر میں کسی دنیادار کے پاس اس وقت ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ میں اس کے غصے سے کوئی نہ کوئی بات بنا کر خلاصی پالیتا کہ مجھے بات کرنے کا سلیقہ اللہ نے عطا فرمایا ہے۔ لیکن یارسول اللہ ﷺ! آپ کے متعلق مجھے علم ہے کہ آپ کے سامنے جھوٹ نہیں چل سکتا۔ یارسول اللہ ﷺ! بے شک آپ کو غصہ آ رہا ہے۔ لیکن قریب ہے خدا کی ذات پاک آپ کے عتاب کو زائل کردے گی۔ حضور! میں سچ ہی عرض کرتا ہوں کہ واللہ! مجھے کوئی عذر نہ تھا۔ اور جیسا فارغ اور وسعت والا میں اس زمانہ میں تھا، کسی زمانہ میں بھی اس سے پہلے نہ ہوا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس نے سچ کہا۔ پھر فرمایا کہ اچھا اٹھ جاؤ، تمہارا فیصلہ حق تعالیٰ خود فرمائے گا۔ میں وہاں سے اٹھا تو میری قوم کے بہت سے لوگوں نے مجھے ملامت کی کہ تو نے اس سے پہلے کبھی کوئی گناہ نہ کیا تھا۔ اگر تو کوئی عذر کر کے حضور سے استغفار کی درخواست کرتا تو حضور ﷺ کا استغفار تیرے لیے کافی تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کوئی اور بھی ایسا شخص ہے جس کے ساتھ یہ معاملہ ہوا ہو۔ لوگوں نے بتایا کہ دو شخصوں کے ساتھ اور بھی یہی معاملہ ہوا کہ انھوں نے بھی یہی گفتگو کی جو تُو نے کی اور یہی جواب ان کو بھی ملا ہے، جو تجھ کو ملا۔ ایک

ہلال بن امیہ دوسرے مرارہ بن ربیع۔ میں نے دیکھا کہ دو صالح شخص جو دونوں بدری ہیں، وہ بھی میرے شریک حال ہیں۔ حضور ﷺ نے ہم تینوں سے بولنے کی بھی ممانعت فرمادی کہ کوئی شخص ہم سے کلام نہ کرے۔ اب اس ارشاد کی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے تعمیل اس طرح کر کے دکھادی کہ کعبؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی ممانعت پر لوگوں نے ہم سے بولنا چھوڑ دیا اور ہم سے اجتناب کیا۔ گویا دنیا ہی بدل گئی، حتیٰ کہ زمین باوجود اپنی وسعت کے ہمیں تنگ معلوم ہونے لگی، سارے لوگ اجنبی معلوم ہونے لگے، در و دیوار بیگانے ہو گئے۔ مجھے سب سے زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ میں اس حال میں مر گیا تو حضور ﷺ جنازہ کی نماز بھی نہ پڑھیں گے اور خدانخواستہ حضور ﷺ کا وصال شریف ہو گیا تو میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایسا ہی رہوں گا، نہ مجھ سے کوئی کلام کرے گا نہ میری نماز جنازہ پڑھے گا کہ حضور ﷺ کے ارشاد کے خلاف کون کر سکتا ہے۔ غرض ہم تینوں نے پچاس دن اسی حال میں گزارے۔ میرے دونوں ساتھی شروع ہی سے گھروں میں چھپ کر بیٹھ گئے تھے۔ میں سب میں قوی تھا۔ چلتا پھرتا بازار میں جاتا، نماز میں شریک ہوتا مگر مجھ سے بات کوئی نہ کرتا۔ حضور ﷺ کی مجلس میں حاضر ہو کر سلام کرتا۔ اور بہت غور سے خیال کرتا کہ حضور ﷺ کے لب مبارک جواب کے لیے ہلے یا نہیں؟ نماز کے بعد حضور ﷺ کے قریب ہی کھڑے ہو کر نماز پوری کرتا اور آنکھ چرا کر دیکھتا کہ حضور ﷺ مجھے دیکھتے بھی ہیں یا نہیں۔ جب میں مشغول ہوتا تو حضور ﷺ مجھے دیکھتے اور جب میں ادھر متوجہ ہوتا تو حضور ﷺ منہ پھیر لیتے۔ اور میری جانب سے اعراض فرما لیتے۔ غرض یہی حالات گزرتے رہے اور مسلمانوں کا بات چیت بند کر دینا مجھ پر بہت ہی بھاری ہو گیا تو میں ابوقتادہ کی دیوار پر چڑھا، وہ میرے رشتہ کے چچازاد بھائی تھے اور مجھ سے تعلقات بھی بہت ہی زیادہ تھے۔ میں نے اوپر چڑھ کر سلام کیا، تو انھوں نے سلام کا جواب نہ دیا، میں نے ان کو قسم دے کر پوچھا کہ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ مجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ہے؟ انھوں نے اس کا جواب بھی نہ دیا۔ میں نے دوبارہ قسم دی اور دریافت کیا۔ وہ پھر بھی چپ ہی رہے۔ میں نے تیسری مرتبہ قسم دے کر پوچھا تو انھوں نے صرف اتنا کہا۔ ''اللہ جانے اور اس کا رسول۔'' یہ کلمہ سن کر میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور میں وہاں سے لوٹ آیا۔ اسی دوران میں ایک مرتبہ مدینہ کے بازار میں جا رہا تھا کہ ایک نبطی کو جو نصرانی تھا اور شام سے مدینہ منورہ اپنا غلہ فروخت کرنے آیا تھا، یہ کہتے ہوئے سنا کہ

کوئی کعبؓ بن مالک کا پتہ بتائے۔ لوگوں نے اس کو میری طرف اشارہ کر کے بتایا۔ وہ نصرانی میرے پاس آیا اور غسان کے کافر بادشاہ کا خط مجھے لا کر دیا۔ اس میں لکھا ہوا تھا ''ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمھارے آقا نے تجھ پر ظلم کر رکھا ہے، تجھے اللہ ذلت کی جگہ نہ رکھے اور ضائع نہ کرے، تم ہمارے پاس آ جاؤ ہم تمہاری مدد کریں گے۔'' حضرت کعبؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ میں نے یہ خط پڑھ کر اناللّٰه پڑھا کہ میری حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ کافر بھی مجھ میں طمع کرنے لگے ہیں اور مجھے اسلام تک سے ہٹانے کی تدبیریں ہونے لگی ہیں۔ یہ ایک مصیبت اور آئی، اور اس خط کو میں نے ایک تنور میں پھونک دیا اور حضور ﷺ سے جا کر عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! اب تو آپ کے اعراض کی وجہ سے کافر بھی مجھ میں طمع کرنے لگے۔ اسی حالت میں ہم پر چالیس روز گزرے تھے کہ حضور ﷺ کا قاصد میرے پاس حضور کا یہ ارشادِ والا لے کر آیا کہ اپنی بیوی کو بھی چھوڑ دو۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا منشا ہے اس کو طلاق دے دوں؟ کہا نہیں بلکہ اس سے علیحدگی اختیار کر لو اور میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی انہی قاصد کی معرفت یہی حکم پہنچا۔ میں نے اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ تو اپنے میکے میں چلی جا، جب تک اللہ تعالیٰ اس امر کا فیصلہ نہ فرمائے، وہیں رہنا۔ ہلال بن امیہ کی بیوی، حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! ہلال بالکل بوڑھے شخص ہیں، کوئی خبر گیری کرنے والا نہ ہوگا تو ہلاک ہو جائیں گے، اگر آپ اجازت دیں تو میں کچھ کام کاج ان کا کر دیا کروں؟ حضور ﷺ نے فرمایا، اچھا اس بات کی تجھے اجازت ہے مگر قربت نہ ہو۔ انھوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! اس بات کی طرف تو ان کو میلان بھی نہیں۔ جس روز سے یہ واقعہ پیش آیا ہے، آج تک ان کا وقت روتے ہی گزر رہا ہے۔ حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ اس حال میں دس روز اور گزرے کہ ہم سے بات چیت، میل جول چھوٹے ہوئے پورے پچاس دن ہو گئے۔ پچاسویں دن صبح کی نماز اپنے گھر کی چھت پر پڑھ کر میں نہایت غمگین بیٹھا ہوا تھا کہ زمین مجھ پر بالکل تنگ تھی اور زندگی دوبھر ہو رہی تھی کہ سلع پہاڑ کی چوٹی پر ایک زور سے چلانے والے نے آواز دی کہ ''کعب خوشخبری ہو تم کو۔'' میں اتنا ہی سن کر سجدہ میں گر گیا اور خوشی کے مارے رونے لگا اور سمجھا کہ تنگی دور ہو گئی۔ حضور ﷺ نے صبح کی نماز کے بعد ہماری معافی کا اعلان فرمایا جس پر ایک شخص نے پہاڑ پر چڑھ کر زور سے آواز دی جو سب سے پہلے پہنچ گئی۔ اس کے بعد ایک صاحب گھوڑے پر سوار بھاگے ہوئے آئے۔ میں

نے اپنے پہننے کے کپڑے اس بشارت دینے والے کی نذر کیے اور پھر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اسی طرح میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی خوشخبری لے کر لوگ گئے۔ میں جب مسجد نبوی ﷺ میں گیا تو وہ لوگ جو خدمتِ اقدس میں حاضر تھے، مبارکباد دینے کے لیے دوڑے اور سب سے پہلے ابوطلحہ نے بڑھ کر مبارکباد دی اور مصافحہ کیا جو ہمیشہ ہی یادگار رہے گا۔ میں نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں جا کر سلام کیا تو چہرۂ انور کھل رہا تھا اور خوشی کے انوار چہرۂ مبارک سے ظاہر ہو رہے تھے۔ حضور ﷺ کا چہرۂ مبارک خوشی کے وقت چاند کی طرح چمکنے لگتا تھا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میری توبہ کی تکمیل یہ ہے کہ میری جتنی جائداد ہے، وہ سب اللہ کے راستہ میں صدقہ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس میں تنگی ہوگی، کچھ حصہ اپنے پاس بھی رہنے دو۔ میں نے عرض کیا بہتر ہے کچھ حصہ میرے پاس بھی رہنے دیا جائے۔ مجھے سچ ہی نے نجات دی، اس لیے میں نے عہد کرلیا کہ ہمیشہ سچ ہی بولوں گا۔"

(بخاری شریف ص 675 ج 2، درمنثور، فتح الباری۔ روح البیان)

اُم المومنین حضرت اُمِّ حبیبہؓ اور ان کے والد حضرت ابوسفیانؓ

کافروں سے بائیکاٹ کے سلسلہ میں سیرت کی کتابوں میں ہمیں کئی ایک واقعات ملتے ہیں لیکن ذیل کے ایک اہم واقعہ سے ہمیں نہ صرف اسلامی غیرت وحمیت کا سبق ملتا ہے بلکہ ان کافروں سے جو ہمارے نہایت قریبی رشتہ دار ہیں، مکمل بائیکاٹ کا طریقہ بھی۔

قرآنِ پاک کی رُو سے حضور ﷺ کی ازواج مطہراتؓ درجہ میں امت کی جملہ خواتین سے بلندتر ہیں۔ آیۂ تطہیر انہی کی شان میں ہے، اسی نسبت سے انھیں حضور ﷺ کی ازواجِ مطہرات کہا جاتا ہے۔ قرآن پاک ہی کی رُو سے وہ امت کی مائیں ہیں۔ ماؤں کی طرح نہیں فرمایا، بلکہ مائیں فرمایا:

حضرت اُم حبیبہؓ امہات المومنین میں سے تھیں۔ آپؓ کا نام رملہ تھا۔ ابوسفیان کی بیٹی تھیں۔ آپؓ کا پہلا نکاح عبیداللہ بن جحش سے ہوا۔ دونوں نے بعثت کے ابتدائی دور میں اکٹھے اسلام قبول کیا۔ پھر حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ وہاں جا کر خاوند مرتد ہوگیا اور اسی حالت ارتداد میں انتقال کیا۔ حضرت اُم حبیبہؓ نے بیوگی کا زمانہ حبشہ ہی میں گزارا۔ حضور ﷺ نے وہیں نکاح کا پیام بھیجا اور حبشہ کے بادشاہ کی معرفت نکاح ہوا۔ نکاح کے بعد مدینہ طیبہ

تشریف لائیں۔ صلح کے زمانہ میں ان کے باپ ابوسفیان مدینہ طیبہ آئے کہ حضور ﷺ سے صلح کی مضبوطی کے لیے گفتگو کرنا تھی۔ بیٹی سے ملنے گئے، وہاں بستر بچھا ہوا تھا، اس پر بیٹھنے لگے تو حضرت اُمّ حبیبہؓ نے نہ صرف ناگواری کا اظہار کیا بلکہ وہ بستر الٹ دیا۔ باپ کو تعجب ہوا کہ بجائے بستر بچھانے کے اس بچھے ہوئے کو بھی الٹ دیا۔ پوچھا کہ یہ بستر میرے قابل نہیں تھا، اس لیے لپیٹ دیا یا میں بستر کے قابل نہیں تھا؟ حضرت ام حبیبہؓ نے فرمایا کہ یہ اللہ کے پاک اور پیارے رسول کا بستر ہے اور تم بوجہ مشرک ہونے کے ناپاک ہو۔ اس پر کیسے بٹھا سکتی ہوں؟ باپ کو اس بات سے بہت رنج ہوا اور کہا کہ تم مجھ سے جدا ہونے کے بعد بری عادتوں میں مبتلا ہوگئیں۔ مگر اُمّ حبیبہؓ کے دل میں حضور ﷺ کی جو عظمت تھی، اس کے لحاظ سے وہ کب اس کو ر سکتی تھیں کہ کوئی ناپاک مشرک باپ ہو یا غیر ہو، حضور ﷺ کے بستر پر بیٹھ سکے۔

ہمیں تنہائی میں بیٹھ کر اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچنا چاہیے کہ کیا ہم بھی گستاخانِ رسول قادیانیوں کے ساتھ یہی رویہ اختیار کرتے ہیں یا اس کے برعکس؟ جو لوگ قادیانیوں سے بائیکاٹ کو ظلم کہتے ہیں، ان کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنے اور ہمیں رواداری اور برداشت کا درس دیتے ہیں، انہیں سوچنا چاہئے کہ کیا وہ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ سے زیادہ خوش اخلاق، رحم دل اور اسلام دوست ہیں۔ اگر ہم قادیانیوں کا مکمل بائیکاٹ کرتے ہیں تو یہ عین اسلام کے مطابق ہے اور اگر خدانخواستہ ہم قادیانیوں کو اپنے بستروں، صوفوں یا کرسیوں پر بٹھاتے ہیں تو یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ہمارے دل و دماغ اسلامی غیرت وحمیت سے خالی ہو چکے ہیں، ذلت اور بے غیرتی پوری طرح ہماری روح میں اتر چکی ہے۔ صاحبزادہ فیض الحسن شاہؒ نے کیا خوب فرمایا تھا: ''جو شخص حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت و ناموس کی حفاظت نہیں کرتا، وہ اپنی ماں اور بہن کی عزت و آبرو کی بھی حفاظت نہیں کرسکتا۔'' غور کیجئے کہ کہیں ہمارا شمار ایسے لوگوں میں سے تو نہیں؟

حضرت ربیعؓ بنت معوذؓ کی غیرت دینی

حضرت ربیع بنتؓ معوذؓ ایک انصاری صحابیہؓ ہیں۔ اکثر لڑائیوں میں حضور اقدس ﷺ کے ساتھ شریک ہوئی ہیں۔ زخمیوں کی تیمارداری فرمایا کرتی تھیں اور مقتولین اور شہدا کی نعشیں اٹھا کر لایا کرتی تھیں۔ حضور ﷺ کی ہجرت سے پہلے مسلمان ہوگئی تھیں۔ ہجرت کے بعد شادی ہوئی۔ حضور اکرم ﷺ بھی شادی کے دن ان کے گھر تشریف لے گئے

تھے۔ وہاں چند لڑکیاں خوشی میں شعر پڑھ رہی تھیں۔ جن میں انصار کے اسلامی کارنامے اور ان کے بڑوں کا ذکر تھا جو بدر کی لڑائی میں شہید ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے یہ مصرع بھی پڑھا وَفِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ (ہم میں ایسا نبی ہے جو آئندہ کی باتوں کو جانتا ہے) حضرت ربیع کے والد حضرت معوذؓ، ابوجہل کے قتل کرنے والوں میں ہیں۔ ایک قریشی عورت جس کا نام اسما بنت مخربہ تھا، عطر بیچا کرتی تھی۔ وہ ایک مرتبہ چند عورتوں کے ساتھ حضرت ربیع کے گھر بھی گئی اور ان سے نام حال خاندان وغیرہ جیسا کہ عورتوں کی عادت ہوتی ہے، دریافت کیا۔ انھوں نے بتا دیا۔ ان کے والد کا نام سن کر وہ کہنے لگی کہ تُو ہمارے سردار کے قاتل کی بیٹی ہے۔ یہ سن کر حضرت ربیع کو غصہ آ گیا۔ کہنے لگیں کہ میں تو غلام کے قاتل کی بیٹی ہوں۔ اسماءؓ کو ابوجہل کے متعلق غلام کا لفظ سن کر غصہ آیا اور کہنے لگی کہ مجھ پر حرام ہے کہ تیرے ہاتھ عطر فروخت کروں۔ حضرت ربیع نے کہا کہ مجھ پر بھی حرام ہے کہ تجھ سے عطر خریدوں۔ میں نے تیرے عطر کے سوا کسی عطر میں گندگی اور بدبو نہیں دیکھی۔ ربیع کہتی ہیں کہ میں نے بدبو کا لفظ اس کے جلانے کو کہا تھا۔ یہ حمیت اور دینی غیرت تھی کہ دین کے اس سخت دشمن کے متعلق وہ سرداری کا لفظ نہ سن سکیں۔ آج کل دین کے بڑے سے بڑے دشمن کے لیے بھی، اس سے اونچے اونچے القابات بولے جاتے ہیں اور کوئی شخص اگر منع کرے تو اس کو تنگ نظر کہا جاتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے کہ ”منافق کو سردار مت کہو، اگر وہ تمہارا سردار ہوگیا تو تم نے اپنے رب کو ناراض کیا۔“

مسجد ضرار

مسجد کا لفظ مسلمانوں کی عبادت گاہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مسجد کو مسلمانوں کی عبادت گاہ قرار دیا ہے۔ (الحج:40) مسجد کی تعمیر ایک اعلیٰ ترین اسلامی عبادت ہے اور کافر اس کا اہل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو یہ حق نہیں دیا کہ وہ مسجد کی تعمیر کریں اور اگر وہ ایسی جرأت کریں تو ان کو روک دینا مسلمانوں پر فرض ہے۔ حضور خاتم النبیین ﷺ کے دورِ مبارک میں منافق ہمیشہ اس امر کے درپے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں میں پھوٹ ڈال دیں۔ اس غرض سے انھوں نے اپنی علیحدہ مسجد بنانے کا ارادہ کیا۔ ابو عامر فاسق جو انصار میں سے تھا، عیسائی ہوگیا تھا، وہ غزوۂ خندق تک آنحضرت ﷺ سے لڑتا رہا۔ جب کفار کو شکست ہوئی تو وہ شام چلا گیا تھا۔ اس نے وہاں سے ان منافقین کو کہلا بھیجا کہ تم

مسجد قباء کے متصل اپنی مسجد بنالو اور سامانِ حرب تیار کرلو، میں قیصر روم کے پاس جاتا ہوں اور رومیوں کی فوجیں لاتا ہوں تاکہ محمد اور اس کے اصحاب کو ملک سے نکال دیں۔ (نعوذ باللہ) چنانچہ منافقوں نے مسجد قباء کے پاس ایک مسجد بنائی۔ اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ کر درخواست کی کہ ہم نے بیماروں اور معذوروں کے لیے ایک مسجد بنائی ہے، آپ قدم رنجہ فرما کر اس میں نماز پڑھائیں اور دعائے برکت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اب غزوۂ تبوک پر جا رہا ہوں۔ واپس آ کر ان شاء اللہ تعالیٰ آؤں گا۔ چنانچہ جب آپ تبوک سے واپس ہو کر موضع ذواوان میں پہنچے جو مدینہ طیبہ سے ایک گھنٹہ کی راہ ہے، تو یہ آیتیں نازل ہوئیں:

(ترجمہ) ''اور وہ لوگ جنھوں نے ایک مسجد بنائی (حق کو) ضرر پہنچانے اور کفر کرنے اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لیے اور کمین گاہ بنانے کے لیے اس شخص کے واسطے جو پہلے سے خدا اور رسول سے لڑ رہا ہے۔ اور البتہ وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو بھلائی ہی چاہی تھی۔ اللہ گواہ ہے کہ وہ لوگ جھوٹے ہیں آپ اس مسجد میں ہرگز کھڑے نہ ہوں۔ البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے، اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو دوست رکھتے ہیں اور اللہ پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔'' (توبہ:107، 108)

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت مالک بن دخشمؓ اور معن بن عدی عجلانیؓ کو حکم دیا کہ جا کر اس مسجد ضرار کو گرا دو اور جلا دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ بقول حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، ''مرزائی منافقوں کی تعمیر کردہ نام نہاد مسجدیں بھی ''مسجد ضرار'' ہیں اور وہ بھی اسی سلوک کی مستحق ہیں جو آنحضرت ﷺ نے ''مسجد ضرار'' سے روا رکھا تھا۔''

سوشل بائیکاٹ کی شرعی حیثیت

حضرت مولانا مفتی محمد امین مدظلہ لکھتے ہیں:

''حدود و قصاص کا قائم کرنا حکومت کا کام ہے، رعایا کا کام نہیں لیکن اگر معاشرہ ں بگاڑ پیدا ہو جائے اور کچھ افراد جرائم و معاصی کا ارتکاب کرنے لگ جائیں تو ان کو درست اور سیدھا کرنے کے لیے اور معاشرہ کو برائیوں سے پاک و صاف رکھنے کے لیے جرائم پیشہ

افراد سے قطع تعلقی (بائیکاٹ) کرنا، ان کے ساتھ میل جول، لین دین ترک کر دینا، ان سے رشتہ ناتا نہ کرنا، ان کی تقریباتِ شادی غمی میں شریک نہ ہونا، ان کو اپنی تقریبات میں شامل نہ کرنا نہایت ہی پُر امن، بے ضرر اور موثر طرزِ عمل ہے۔ آج سے تقریباً نصف صدی پہلے تک ہر زمانہ کے مسلمان اسی بائیکاٹ کے ذریعہ اصلاح معاشرہ کرتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ صحابۂ کرامؓ اور ان کے بعد والے ہر زمانہ کے ایمان والوں کی یہ عادت رہی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے مخالفوں، دشمنوں کے ساتھ بائیکاٹ کرتے رہے حالانکہ ان ایمانداروں کو دنیاوی طور پر ان مخالفین کی احتیاج بھی ہوتی تھی لیکن وہ مسلمان خدا تعالیٰ کی رضا کو اس پر ترجیح دیتے ہوئے بائیکاٹ کرتے تھے۔ (شرح مشکوٰۃ، جلد 10 ص 290)

یہ بائیکاٹ قرآن و حدیث کے عین مطابق ہے بلکہ سید عالم ﷺ نے عملی طور پر بھی اس کو نافذ فرمایا۔ جب غزوۂ خیبر میں آپ ﷺ نے یہودیوں کا محاصرہ کیا اور یہودی قلعہ میں محصور ہو گئے اور کئی دن گزر گئے تو ایک یہودی آیا اور اس نے کہا اے ابوالقاسم! اگر آپ مہینہ بھر ان کا محاصرہ رکھیں تو ان کو پروا نہیں کیونکہ ان کے قلعہ کے نیچے پانی ہے، وہ رات کے وقت قلعہ سے اترتے ہیں اور پانی پی کر واپس چلے جاتے ہیں، اگر آپ ان کا پانی بند کر دیں تو جلد کامیابی ہوگی۔ اس پر سید دو عالم ﷺ نے ان کا پانی بند کر دیا تو وہ مجبور ہو کر قلعہ سے اتر آئے۔ (زادالمعاد علی الزرقانی، ج نمبر 4 ص 205)

قطع تعلقی (بائیکاٹ) کے متعلق قرآن پاک میں ہے:

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار (ھود:113)

(ترجمہ): ظالموں کی طرف میلان نہ کرو ورنہ تمہیں نارِ جہنم پہنچے گی۔

نیز قرآنِ پاک میں ہے:

فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظلمین (الانعام:68)

(ترجمہ): یاد آنے کے بعد ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔

مذکورہ بالا بائیکاٹ کا حکم ایسے لوگوں کے متعلق ہے جو عملی طور پر جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں لیکن جو دین کے ساتھ دشمنی کریں اور خدا تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول ﷺ کی شان و عظمت پر حملے کریں، ایسے بدبختوں کے لیے سخت حکم ہے۔ ان کے ساتھ بائیکاٹ نہ کرنا، میل ملاپ، محبت، دوستی کرنا سخت حرام ہے اگرچہ وہ ماں باپ ہوں یا بیٹے بیٹیاں ہوں،

بہن بھائی کنبہ برادری ہو۔

قرآن پاک میں ہے:

(ترجمہ): ''اے ایمان والو! اگر تمھارے باپ دادا اور تمھارے بھائی، ایمان پر کفر کو ترجیح دیں تو ان سے محبت و دوستی نہ کرو اور جو تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا، وہ ظالموں میں سے ہوگا۔'' (التوبہ:23)

نیز قرآن پاک میں ہے:

(ترجمہ): ''تم نہ پاؤ گے کسی ایسی قوم کو جو خدا تعالیٰ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہوں، وہ دوستی کریں ایسے لوگوں سے جو دشمنی اور مخالفت کریں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے، اگرچہ وہ دشمنی کرنے والے ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں، بھائی ہوں یا کنبہ برادری ہو۔ ایسے ایمان والوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان نقش فرما دیا ہے اور ان کی روح سے مدد فرماتا ہے وہ انھیں ایسی بہشتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ ان بہشتوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ خدا تعالیٰ ان سے راضی وہ خدا سے راضی۔ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی جماعت ہیں اور خدا تعالیٰ کی جماعت ہی دونوں جہان کامیاب ہے۔'' (المجادلہ:22)

آیت مذکورہ کا مفہوم یہ ہے کہ خدا تعالیٰ پر ایمان اور خدا کے رسول کے دشمنوں کے ساتھ دوستی، یہ دونوں چیزیں اکٹھی ہو ہی نہیں سکتیں۔

چنانچہ تفسیر روح المعانی میں ہے:

''آیت مبارکہ میں یہ تصور دلایا گیا ہے کہ کوئی قوم مومن بھی ہو اور کفار و مشرکین کے ساتھ اس کی محبت و دوستی بھی ہو، یہ محال و ممتنع ہے۔''

نیز اسی میں ہے:

''آیت مذکورہ میں خدا تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول ﷺ کے دشمنوں کے ساتھ محبت و دوستی کرنے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا گیا ہے اور ایسا کرنے والوں کے لیے زجر و توبیخ ہے اور خدا تعالیٰ کے دشمنوں سے الگ رہنے کی پختگی بیان کی گئی ہے۔''

خدا تعالیٰ جل مجدہ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کے صحابۂ کرامؓ کے دلوں میں ایسا

ایمان نقش کر دیا تھا کہ ان کی نظروں میں حبیب خدا ﷺ کے مقابلہ میں کسی کی کوئی وقعت ہی نہ تھی، خواہ وہ باپ ہو کہ بیٹا، بھائی ہو کہ بہن۔ چنانچہ سیدنا امیر المومنین ابوبکر صدیق ؓ نے اپنے باپ ابو قحافہ کی زبان سے سید دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں گستاخی سنی تو اس کو ایسا مکا رسید کیا کہ وہ گر گیا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا، **افعلت یا ابابکر** اے ابوبکر تو نے ایسا کیا ہے؟ عرض کی ہاں یارسول اللہ۔ **قال لا تعد قال واللّٰہ لوکان السیف قریبا منی لضربتہ یارسول اللہ** ﷺ! خدا تعالیٰ کی قسم، اگر میرے قریب تلوار ہوتی تو میں اس کو مار دیتا۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ (روح المعانی)

اور سیدنا ابو عبیدہ بن جراحؓ نے غزوۂ بدر میں اپنے کافر باپ کو مسلمانوں پر حملہ کرتے دیکھا تو آگے بڑھ کر اس کو قتل کر دیا۔ اسی طرح حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو بدر کے دن اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا اور حضرت مصعب بن عمیرؓ نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا۔

خدا تعالیٰ ان پاک روحوں پر لاکھوں، کروڑوں، اربوں، کھربوں رحمتیں نازل فرمائے جنھوں نے امت کو عشق مصطفیٰ ﷺ کا درس دیا اور یہ ثابت کر دیا کہ ناموس مصطفیٰ ﷺ کے سامنے سب رشتے ہیچ ہیں۔ حضور رحمت دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت و عظمت کے سامنے نہ کسی استاد کی عزت ہے نہ کسی پیر کا تقدس رہ جاتا ہے، نہ ماں باپ کا وقار، نہ بیوی بچوں کی محبت آڑے آتی ہے، نہ مال و دولت ہی رکاوٹ بن سکتی ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی باہمی محبت اور کافروں سے نفرت کی بنا پر خدا تعالیٰ نے ان کے جذبات کی تعریف فرمائی ہے۔ **اشداء علی الکفار رحماء بینھم** یعنی وہ کافروں اور دشمنوں پر بڑے ہی سخت ہیں لیکن آپس میں رحم دل ہیں، بلکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ خدا اور رسول ﷺ کے دشمنوں کے ساتھ دشمنی اور شدت کی مقدار ہی سے اللہ اور رسول ﷺ سے محبت وعقیدت کا اندازہ ہوتا ہے۔ جو شخص محبت کا دعویٰ تو کرے لیکن محبوب کے دشمنوں کے ساتھ بغض وعداوت نہ رکھے، وہ محبت میں سچا نہیں ہے، وہ محبت، محبت ہی نہیں ہے بلکہ وہ دھوکہ ہے، فریب ہے۔ الحاصل خدا تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول ﷺ کے دوستوں کے ساتھ دوستی اور ان کے دشمنوں کے ساتھ دشمنی افضل الاعمال ہیں۔

حدیث پاک میں ہے۔

افضل الاعمال الحب فی اللہ و البغض فی اللہ. (مشکوٰۃ شریف)

(ترجمہ): "اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنا اور اللہ کے لیے دشمنی کرنا، بہترین عمل ہے۔"

یقیناً تحفظ ختم نبوت ایک بہترین عمل ہے کیونکہ جو شخص تحفظ ختم نبوت کا کام کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں قادیانی عقائد و نظریات سے نفرت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق قادیانی عقائد و نظریات نہایت بھیانک اور روح فرسا ہیں۔ (کتاب کے شروع میں قارئین کرام اسے ملاحظہ کر سکتے ہیں)

رسول اکرم ﷺ دربار الٰہی میں یوں دعا کرتے ہیں:

"یا اللہ! ہم کو ہدایت دہندہ، ہدایت یافتہ کر۔ یا اللہ ہم کو گمراہ اور گمراہ کرنے والا نہ کر، یا اللہ ہم کو اپنے دوستوں کے ساتھ محبت و دوستی کرنے والا اور اپنے دشمنوں کے ساتھ دشمنی و عداوت رکھنے والا بنا۔ یا اللہ ہم تیری محبت کی وجہ سے، تیرے دوستوں سے محبت کرتے ہیں اور تیرے ساتھ ان کی عداوت کی وجہ سے، ہم ان سے عداوت رکھتے ہیں۔ یا اللہ یہ ہماری دعا ہے، اسے قبول فرما۔"

ان ارشادات عالیہ کو وہ صلح کل حضرات آنکھیں کھول کر دیکھیں جو بے سوچے سمجھے جھٹ کہہ دیتے ہیں کہ حضور تو کافروں کو بھی گلے لگاتے تھے۔ ان حضرات سے سوال ہے کہ رسول اکرم ﷺ، خدا تعالیٰ کے ارشاد مبارک **یاایھا النبی جاھد الکفار و المنافقین واغلظ علیھم** (توبہ:73) کے مطابق حکم الٰہی کی تعمیل کرتے تھے یا نہیں۔ ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ احکام خداوندی کی تعمیل سید دو عالم ﷺ سے بڑھ کر کوئی نہیں کر سکتا اور نہ کسی نے کی ہے۔

بنابریں رسول اکرم ﷺ نے مسجد نبوی شریف سے منافقوں کا نام لے کر مسجد سے نکال دیا۔ سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا:

"رسول اکرم ﷺ جمعہ کے دن جب خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے تو فرمایا، اے فلاں تُو منافق ہے، لہٰذا مسجد سے نکل جا۔ اے فلاں تو بھی منافق ہے، مسجد سے نکل جا۔ حضور ﷺ نے کئی منافقوں کے نام لے کر نکالا اور ان کو سب کے سامنے رسوا کیا۔"

(تفسیر روح المعانی ج 11، ص 11)

اور سیرت ابن ہشام میں عنوان قائم کیا ہے **طرد المنافقین من مسجد رسول**

اللہ ﷺ اور اس کے تحت فرمایا کہ منافق لوگ مسجد نبوی میں آتے اور مسلمانوں کی باتیں سن کر ٹھٹھے کرتے، دین کا مذاق اڑاتے تھے۔ ایک دن کچھ منافق مسجد نبوی ﷺ میں اکٹھے بیٹھے تھے اور آہستہ آہستہ آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے دیکھ کر فرمایا: **فاخرجوا من المسجد اخراجا عنیفا**. یعنی ان منافقوں کو سختی سے نکال دیا جائے۔ اس ارشاد پر حضرت ابوایوب خالدؓ بن زید اٹھ کھڑے ہوئے اور عمر بن قیس کو ٹانگ سے پکڑ کر گھسیٹتے گھسیٹتے مسجد سے باہر پھینک دیا، پھر حضرت ابو ایوب نے رافع بن ودیعہ کو پکڑا، اس کے گلے میں چادر ڈال کر خوب بھینچا اور اس کے منہ پر طمانچہ مارا اور اس کو مسجد سے نکال دیا اور ساتھ ساتھ حضرت ابوایوب فرماتے جاتے **اف لک منافقا خبیثا** ارے خبیث منافق تجھ پر افسوس ہے۔ اے منافق، رسول اکرم ﷺ کی مسجد سے نکل جا اور اُدھر حضرت عمارۃؓ بن حزم نے زید بن عمرو کی داڑھی کو پکڑ کر زور سے کھینچا اور کھینچتے کھینچتے مسجد سے نکال دیا اور پھر اس کے سینے پر دونوں ہاتھوں سے ایسا مُکا مارا کہ وہ گر گیا۔ اس منافق نے کہا اے عمارہ تو نے مجھے بہت عذاب دیا ہے۔ تو صحابی عمارہؓ نے فرمایا، خدا تجھے دفع کرے جو خدا تعالیٰ نے تیرے لیے عذاب تیار کیا ہے وہ اس سے بھی سخت تر ہے۔ **فلا تقربن مسجد رسول اللہ** ﷺ آئندہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد مبارک کے قریب بھی نہ آنا۔

اسی طرح بنونجار قبیلہ کے دو صحابی ابو محمد جو کہ بدری صحابی تھے اور ابو محمد مسعود نے قیس بن عمرو کو جو کہ منافقین میں سے نوجوان تھا، گدی پر مارنا شروع کیا حتیٰ کہ مسجد سے باہر نکال دیا اور حضرت عبداللہ بن حارث نے جب سنا کہ حضور ﷺ نے منافقوں کے نکال دینے کا حکم فرمایا ہے، حارث بن عمرو کو سر کے بالوں سے پکڑ کر زمین پر گھسیٹتے گھسیٹتے مسجد سے باہر نکال دیا۔ وہ منافق کہتا تھا، اے ابن حارث تُو نے مجھ پر بہت سختی کی ہے تو انھوں نے جواب میں فرمایا، اے خدا کے دشمن تُو اسی لائق ہے تُو نجس ہے پلید ہے۔ آئندہ مسجد کے قریب نہ آنا۔ ادھر ایک صحابی نے اپنے بھائی زری بن حارث کو سختی سے نکال کر فرمایا افسوس کہ تجھ پر شیطان کا تسلط ہے۔ (سیرت ابن ہشام ص 528 / 1)

نیز خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو ارشاد فرمایا کہ تم ابراہیم علیہ السلام کی پیروی میں خدا تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کے دشمنوں سے ہمیشہ نفرت اور بیزاری رکھو۔ ارشاد خداوندی ہے:

”(اے ایمان والو) تمھارے لیے ابراہیم اور ان کے ماننے والوں میں اچھی

پیروی ہے جبکہ انھوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ ہم تم سے اور تمھارے بُتوں سے بیزار ہیں۔ ہم انکاری ہیں اور ہمارے تمھارے درمیان جب تک تم خدا وحدہ پر ایمان نہ لاؤ، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دشمنی ٹھن گئی ہے۔" (الممتحنۃ:4)

اور تفسیر روح المعانی میں حدیث قدسی منقول ہے:

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، مجھے میری عزت کی قسم جو شخص میرے دوستوں کے ساتھ دوستی نہیں کرتا اور میرے دشمنوں کے ساتھ دشمنی نہیں کرتا، وہ میری رحمت حاصل نہیں کرسکتا۔"

اور درۃ الناصحین میں علامہ خوبوی نے یہ حدیث پاک بیان کی ہے:

"رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی۔ فرمایا، اے موسیٰ! تُو نے میرے لیے بھی کوئی عمل کیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یااللہ! میں نے تیرے لیے نماز پڑھی۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا، نماز تو تیرے ہی لیے برہان بنے گی۔ عرض کی یااللہ میں نے تیرے لیے روزے رکھے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ روزہ تو تیرے لیے ہی ڈھال بنے گا۔ پھر عرض کی میں نے تیرے لیے صدقہ دیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا صدقہ تو تیرے ہی لیے سایہ بنے گا۔ عرض کی میرے خدا میں نے تیرے لیے ذکر کیا ہے۔ فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام ذکر تو تیرے لیے ہی نور ہوگا۔ بتا تُو نے میرے لیے کون سا عمل کیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی میرے پروردگار تُو ہی بتا دے کہ وہ کون سا عمل ہے جو تیرے لیے ہو۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے موسیٰ کیا تُو نے میرے دوستوں کے ساتھ محبت و دوستی کی ہے اور کیا تُو نے میرے دشمنوں کے ساتھ دشمنی کی ہے؟"

(درۃ الناصحین، ص 210)

اسی طرح کا ایک واقعہ ایک ولی اللہ کے ساتھ پیش آیا جیسا کہ تفسیر روح البیان صفحہ 378/4 پر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کے دربار میں خدا تعالیٰ کے دوستوں کے ساتھ محبت کرنا جتنا مقبول و محبوب عمل ہے، اتنا ہی خدا تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ دشمنی و عداوت رکھنا بھی مقبول و محبوب عمل ہے۔ نیز خدا تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب ﷺ کی محبت اور ان کے دشمنوں، گستاخوں سے محبت آپس میں ضدیں ہیں، یہ دونوں بیک وقت ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتیں۔

مخدوم الاولیاء سیدنا امام ربانی خواجہ مجدد الف ثانی سرہندی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے:

- ''دو محبتیں جو ایک دوسرے کی ضد ہوں، ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتیں کیونکہ اجتماع ضدین محال ہے۔ اگر خدا تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول ﷺ کی دل میں محبت ہوگی تو خدا اور رسول کے دشمنوں کی محبت دل میں نہیں آ سکتی اور خدا تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول ﷺ کے دشمنوں کی جتنی محبت و دوستی دل میں آئے گی تو خدا اور رسول (جل جلالہ و ﷺ) کی محبت اتنی ہی کم ہو جائے گی۔ (مکتوبات امام ربانی مکتوب نمبر 165 جلد اوّل)
- ''تاجدار مدینہ ﷺ کے ساتھ کمال محبت کی یہ علامت ہے کہ سید دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمنوں کے ساتھ کمال بغض و عداوت ہو۔'' (مکتوب 165 / 1)
- ''کافروں کے ساتھ جو کہ خدا تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب ﷺ کے دشمن ہیں، دشمنی رکھنی چاہیے اور ان کو ذلیل و خوار کرنے میں کوشش کرنی چاہیے اور کسی طرح ان کی عزت نہیں کرنی چاہیے اور ان بدبختوں کو اپنی مجلس میں نہیں آنے دینا چاہیے۔'' (مکتوب نمبر 165)
- ''خدا اور رسول کے دشمنوں کو کتوں کی طرح دُور رکھنا چاہیے۔''
- ''اسلام کی عزت اسی میں ہے کہ کفر و کفار کو خوار و ذلیل کیا جائے جو شخص کفر والوں کی عزت کرتا ہے، وہ حقیقت میں مسلمانوں کو ذلیل کرتا ہے۔ (مکتوب نمبر 163 / 1)
- ''رسول اکرم شفیع معظم ﷺ کی بارگاہ تک لے جانے والا یہی ایک راستہ ہے (کہ ان کے دشمنوں کے ساتھ دشمنی، عداوت رکھی جائے) اگر اس راستہ کو چھوڑ دیا جائے تو اس دربار تک رسائی مشکل ہے۔'' (مکتوب نمبر 165 / 1)

اور یہ بھی مسلّم کہ سید اکرم نورِ مجسم فخرِ آدم و بنی آدم ﷺ تک رسائی ہی دین ہے۔ ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم نے کیا خوب فرمایا ہے:

بمصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بُولہبی است

یعنی تُو اپنے آپ کو مصطفٰے ﷺ کے مبارک قدموں تک پہنچا دے اور اگر تُو ان تک نہ پہنچ سکا تو تیرا سب کچھ ہی ابولہب ہے۔

قادیانیوں کے ساتھ بائیکاٹ کے متعلق چند احادیث مبارکہ بیان کی جاتی ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا آخری زمانہ میں

کذاب، دجال اور بہت جھوٹے دھوکہ باز (مسیلمہ کذاب اور مرزا قادیانی جیسے) آئیں گے، وہ تم سے ایسی باتیں بیان کریں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی نہ تمھارے باپ دادا نے سنی ہوں گی لہٰذا اے میری امت! تم ان کو اپنے سے بچاؤ اور اپنے آپ کو ان سے بچاؤ۔ کہیں وہ تمھیں گمراہ نہ کر دیں۔ کہیں وہ تمھیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔'' (مسلم شریف)

سبحان اللہ! کیا شان ہے تاجدار مدینہ ﷺ کی۔ آپ نے نور نبوت سے پہلے ہی دیکھ لیا کہ دین کے ڈاکو آئیں گے۔ بھولے بھالے مسلمانوں کو اَن سنی اور بناوٹی باتیں سنا کر اپنے دجل وفریب سے ان کے ایمان لوٹیں گے۔ لہٰذا اس شفیقِ امت ﷺ نے پہلے ہی سے امت کو بچنے کی تدبیر بتائی کہ اے میری اُمت! ان کے قریب مت پھٹکنا اور نہ ان کو اپنے قریب آنے دینا ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔

سیدنا محمد بن سیرینؒ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن آپؒ بیٹھے تھے کہ دو بدمذہب آئے اور انھوں نے عرض کی کہ حضرت اجازت ہوتو ہم آپ کو ایک حدیث پاک سنائیں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ پھر انھوں نے عرض کیا کہ اجازت ہوتو ہم قرآن پاک کی ایک آیت پاک بیان کریں۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں یا تو تم یہاں سے چلے جاؤ یا میں اٹھ کر چلا جاتا ہوں۔ اس پر وہ دونوں خائب وخاسر ہو کر چلے گئے، تو کسی نے عرض کیا حضور، اس میں کیا حرج تھا کہ وہ دو آدمی قرآن پاک کی کوئی آیت پاک سناتے۔ اس پر حضرت سیدنا محمد بن سیرین قدس سرہ نے فرمایا کہ یہ دونوں بدمذہب (منکرین ختم نبوت) تھے۔ اگر یہ آیت پاک بیان کرتے وقت اپنی طرف سے اس میں ہیر پھیر لگا دیتے تو مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ تحریف میرے دل میں بیٹھ جاتی (اور میں بھی بدمذہب ہو جاتا)۔'' (از فتاوی الحرمین)

سبحان اللہ! وہ امام ابن سیرین جلیل القدر محدث، قوم کے پیشوا، وقت کے علامہ، علم کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر۔ وہ تو بدمذہبوں سے اتنا پرہیز کریں کہ قرآن پاک کی ایک آیت ان سے سننے کے روادار نہیں اور آج کے اَن پڑھ، دین سے بے خبر اتنی بے باکی اور جرأت سے کہہ دیتے ہیں کہ جی صاحب ہر کسی کی بات سننی چاہیے۔ **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم.** یوں ہی حضرت سعید بن جبیرؓ سے کسی نے کوئی بات پوچھی تو آپ نے اس کو جواب نہ دیا۔ کسی نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے اس کو جواب کیوں نہیں دیا؟ تو آپ نے

فرمایا یہ بدمذہبوں میں سے ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''قضا و قدر کو جھٹلانے والے اس امت کے مجوسی ہیں۔ (حالانکہ وہ نمازیں بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں) فرمایا کہ اگر وہ بیمار پڑیں تو ان کو پوچھنے مت جاؤ اور اگر وہ مر جائیں تو ان کے مرنے پر ان کے جنازہ وغیرہ میں مت شریک ہو، اگر تم سے ملیں تو ان کو سلام نہ کرو۔''

حضرت سیدنا سہل تستریؒ فرماتے ہیں:

''جس شخص نے اپنا ایمان درست کیا اور اپنی توحید کو خالص کیا، وہ کسی بدمذہب سے انس و محبت نہ کرے گا نہ اس کے پاس بیٹھے گا، نہ اس کے ساتھ کھائے پیے گا، نہ اس کے ساتھ آئے جائے گا بلکہ اپنی طرف سے اس کے لیے دشمنی اور بغض ظاہر کرے گا۔''

(روح المعانی ص نمبر 35 / 28)

نیز فرمایا: ''جو شخص کسی بدمذہب (منکر ختم نبوت) کے ساتھ خوش طبعی کا رویہ اختیار کرے، خدا تعالیٰ اس کے دل سے نور ایمان نکال لے گا۔ جس بندے کو اس بات کا اعتبار نہ آئے، وہ تجربہ کر کے دیکھ لے۔'' (روح المعانی)

تفسیر روح البیان میں ہے: ''وفات کے بعد کوئی شخص خواب میں سیدنا ابن مبارکؒ کی زیارت سے مشرف ہوا اور عرض کیا حضرت آپ کے ساتھ خدا تعالیٰ نے کیا کیا؟ تو فرمایا مجھے عتاب فرمایا اور مجھے تیس سال، ایک روایت میں تین سال کھڑا رکھا، اور اس عتاب کا سبب یہ کہ میں نے ایک دن ایک بدمذہب (منکر ختم نبوت) کی طرف شفقت سے دیکھا تھا تو خدا تعالیٰ نے فرمایا: اے ابن مبارک تُو نے میرے ایک دین کے دشمن کے ساتھ دشمنی کیوں نہیں کی۔'' (روح البیان ص 419، ج 4)

یہ واقعہ لکھنے کے بعد صاحب تفسیر روح البیان فرماتے ہیں: ''پس کیا حال ہوگا اس شخص کا جو دیدہ دانستہ دین کے ظالموں کے پاس بیٹھتا ہے۔'' (روح البیان ص 220)

عارف باللہ حضرت علامہ حقیؒ کا ارشاد مبارک ہے کہ بُرا ہمنشین انسان کو دوزخ کی طرف کھینچ کر لے جاتا ہے اور اسے ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دیتا ہے لہٰذا مومن کو چاہیے

لہٰذا کافروں، منافقوں اور بدمذہبوں کی صحبت سے بچے تا کہ اس کی طبیعت میں ان کا بدعقیدہ اور برا عمل سرایت نہ کر جائے۔ (روح البیان ص 419 / 4)

عارف باللہ علامہ حقی نے فرمایا ''حدیث پاک میں ہے کہ جو شخص کسی قوم سے محبت کرے گا یا ان کے کسی عمل کو پسند کرے گا، وہ انھیں کے ساتھ اٹھایا جائے گا اور اس قوم کے ساتھ حساب میں شریک ہوگا، اگرچہ ان کے ساتھ اعمال میں شریک نہیں تھا۔''

(روح البیان ص نمبر 9/494)

نیز تفسیر روح البیان میں ہے ''خدا تعالیٰ کے دشمنوں پر سختی کرنا، یہ بھی حسنِ خلق میں داخل ہے۔ اس لیے کہ جب سب مہربانوں سے مہربان آقا کو اعدائے دین پر سختی کرنے کا حکم ہے تو دوسرے کا کیا شمار۔ لہٰذا دشمنانِ دین (قادیانیوں) پر سختی کرنا، یہ دوستوں پر مہربانی کے منافی نہیں ہے، جیسا کہ خدا تعالیٰ نے صحابۂ کرام کی مدح کرتے ہوئے فرمایا ہے ''وہ دشمنوں پر بڑے سخت ہیں اور اپنوں پر بڑے مہربان۔'' (روح البیان ص 47 / 10)

حضرت سیدنا فضیل بن عیاضؒ کا ارشاد گرامی ہے کہ ''جس کسی نے کسی بدمذہب (منکر ختم نبوت) سے محبت کی، خدا تعالیٰ اس کا عمل برباد کر دے گا اور اس کے دل سے نورِ ایمان نکال دے گا۔'' (غنیۃ الطالبین ص 80)

نیز فرمایا: ''خدا تعالیٰ جب دیکھتا ہے کہ فلاں بندہ بدمذہبوں (منکرین ختم نبوت) سے بغض رکھتا ہے، مجھے امید ہے کہ خدا تعالیٰ اس کے گناہ بخش دے گا، اگرچہ اس کی نیکیاں تھوڑی ہوں۔'' (غنیۃ الطالبین ص 80 / 1)

حضرت سفیان بن عیینہؒ کا ارشاد مبارک ہے کہ ''جو شخص کسی بدمذہب (منکر ختمِ نبوت) کے جنازہ پر گیا، وہ لوٹنے تک خدا تعالیٰ کی ناراضی میں رہے گا۔''

سرکار غوث اعظم محبوب سبحانی قطب ربانیؒ کا ارشاد مبارک ہے: ''بدمذہبوں (منکرین ختم نبوت) کی (تقریبات وغیرہ میں شرکت کر کے) ان کی رونق نہ بڑھائے اور ان کے قریب نہ آئے اور ان پر سلام نہ کرے۔'' (غنیۃ الطالبین ص 80)

نیز فرمایا: ''یعنی بدمذہبوں (منکرین ختم نبوت) کے ساتھ نہ بیٹھے اور ان کے قریب نہ جائے اور نہ انھیں عید و شادی وغیرہ کے موقع پر مبارک دے اور جب وہ مر جائیں تو ان کا جنازہ نہ پڑھے بلکہ ان سے الگ رہے اور ان سے خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے عداوت رکھے، یہ

اعتقاد کرتے ہوئے کہ ان کا مذہب باطل ہے اور ایسا کرنے میں ثوابِ کثیر اور اجر عظیم کی امید رکھے۔'' (غنیۃ الطالبین، ص 80)

پھر یہ کہ خدا تعالیٰ کے نافرمانوں اور مخالفوں کے ساتھ بائیکاٹ کرنا، یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ یہ طریقہ پہلی امتوں سے چلا آتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔ ''اصحابِ سبت جن کی بستی دریا کے کنارے واقع تھی، انھوں نے ہفتہ کے دن مچھلیاں پکڑ کر خدا اور اس کے نبی کی نافرمانی کی تو اس قوم کے تین گروہ ہو گئے۔ ایک گروہ نافرمانی کرنے والا، ایک برائی سے روکنے والا، تیسرا خاموش۔ آخرکار فرمانبردار گروہ نے نافرمانوں سے ایسا بائیکاٹ کیا کہ درمیان میں دیوار کھڑی کر دی، نہ یہ اُدھر جاتے نہ وہ اِدھر آتے۔ جب نافرمانوں کی نافرمانی حد سے بڑھ گئی تو وہ بندر بنا کر ہلاک کر دیے گئے۔

(تفسیر مظہری جلد سوم سورہ اعراف ص 476، تفسیر روح المعانی سورہ اعراف ج 9 ص 93)

پھر طرفہ یہ کہ ہر نمازی نماز وتر کی دعا میں پڑھتا ہے: ونخلع ونترک من یفجرک (یا اللہ ہم ہر اس شخص سے قطع تعلق کریں گے اور علیحدہ ہو جائیں گے جو تیرا نافرمان ہے۔) عجیب معاملہ ہے کہ مسلمان مسجد میں دربارِ الٰہی میں مودبانہ کھڑے ہو کر ہاتھ باندھ کر عہد کرتے ہیں کہ یا اللہ ہم تیرے نافرمانوں، مخالفوں کے ساتھ بائیکاٹ کریں گے لیکن ان میں سے بعض مسجد سے باہر آ کر ساری باتیں بھول جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ہم سب کو عہد پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔'' (سوشل بائیکاٹ کی شرعی حیثیت از حضرت مفتی محمد امین مدظلہٗ)

قادیانیوں سے بائیکاٹ کا انعام

مجاہد ختم نبوت جناب محمد قاسم لکھتے ہیں:

''رب کائنات کی اس دھرتی پر حضور خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی سے بے پایاں محبت و عقیدت کی شمع ہر مسلمان کے دل میں روشن ہے۔ عقل والے محب کی اس حالت کو دیکھ کر سوال کرتے ہیں کہ محب، اپنے محبوب ﷺ کی خاطر دنیا کی ہر چیز کو کیوں قربان کر دیتا ہے؟ جواب سنو عقل والو! ایک مسلمان کے لیے اپنے نبی ﷺ سے محبت و عقیدت نعمت بھی ہے اور قوت بھی، دولت بھی ہے، اور حشمت بھی، شوکت بھی ہے، اور صولت بھی، عزت بھی ہے، اور حمیت بھی، عصمت بھی ہے، اور عفت بھی، ایثار بھی ہے، اور وفا بھی، غرض کہ ایمان کے لیے پہلی شرط نبی کریم ﷺ کے ساتھ لامحدود اور غیر مشروط محبت ہے۔

آیئے! ہم بھی اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھتے ہیں کہ ہمارا اپنے آقا ﷺ سے محبت و وفا کا کتنا تعلق باقی ہے؟

پیارے بھائیو! جس طرح ایک بلب کو روشن کرنے کے لیے ایک ٹھنڈی اور ایک گرم تار کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح رحمت عالم ﷺ سے تعلق رکھنے کے لیے بھی دو تاروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک تو آپ ﷺ سے عقیدت و محبت کی تار ہے اور دوسری آپ ﷺ کے دشمنوں سے نفرت و بغض کی تار ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تعلق کو باقی رکھنے کے لیے جس طرح نبی پاک ﷺ سے محبت و عقیدت ضروری ہے، اسی طرح آپ ﷺ کے دشمنوں سے نفرت و عداوت بھی نہایت ضروری ہے۔

آیئے! ایک نیک بخت خاتون کا اپنے آقا ﷺ کے دشمن سے نفرت و بغض کا ایمان افروز واقعہ اس کی بیٹی کی زبانی سنتے ہیں:

''اگر میں کہوں کہ ہمارا بچپن کافی دردناک اور عجیب و غریب الجھنوں کا شکار تھا تو غلط نہ ہوگا۔ اس وقت ہمیں کچھ سمجھ نہ تھی اور ہم شعور کی وادیوں سے بھی کافی دور تھے۔ میرے تین بھائی تھے اور میں تینوں سے چھوٹی اپنی والدہ کی اکلوتی بیٹی تھی۔ میری والدہ محترمہ نہایت نیک سیرت، سادہ اور اَن پڑھ خاتون تھیں حتیٰ کہ وہ قرآن پاک پڑھنا بھی نہ جانتی تھیں۔ لیکن میری والدہ کو حضور خاتم النبیین ﷺ سے بہت زیادہ عقیدت و محبت تھی۔ میں اس سلسلہ میں ایک ایمان پرور واقعہ بیان کرنا چاہتی ہوں۔ ہمارے ابو گھر پر نہیں رہتے تھے۔ وہ سال میں صرف ایک دو مرتبہ، دو چار گھنٹے کے لیے گھر آتے لیکن جیسے ہی وہ آتے، امی ان سے لڑنا شروع کر دیتیں اور ہمیں بھی ان سے نہ ملنے دیتیں۔ وہ بھی امی سے لڑ جھگڑ کر واپس چلے جاتے۔ مجھے امی کی اس بات پر بہت غصہ آتا۔ میں سوچا کرتی کہ والدہ صاحبہ تو بہت نیک ہیں، پورا محلہ ان کے اخلاق کی تعریف کرتا ہے۔ لیکن ابو جب بھی آتے ہیں، امی ان سے کیوں جھگڑا کرتی ہیں۔ میں اور میرا بھائی ندیم، ابو کے جانے کے بعد امی سے اس بات پر ناراض ہوتے اور پوچھتے کہ آپ ابو کے ساتھ ایسا کیوں کرتی ہیں؟ لیکن امی کوئی جواب نہ دیتیں اور چپ چاپ روئے چلی جاتیں۔ اس بات پر ہمارے دونوں بڑے بھائی بھی رونے لگتے لیکن ہمیں کچھ نہ بتاتے۔ ابو گھر میں جو پھل اور سامان ہمارے لیے لاتے، امی نہ خود اس کو استعمال کرتیں اور نہ ہمیں استعمال کرنے دیتیں۔ ایک بار میں نے امی سے چھپ کر ایک سیب

کھا لیا۔ بڑے بھائی نے امی کو بتا دیا تو امی نے فوراً میرے حلق میں انگلی ڈال کر سارا سیب قے کروا دیا اور مجھ سے کہا کہ اگر آئندہ تم نے ایسا کیا تو اللہ اور اس کے پیارے رسول ﷺ تم سے ناراض ہو جائیں گے۔ میں امی کی یہ بات سن کر بہت ڈر گئی۔ اور پھر کبھی بھی ابو کی لائی ہوئی کوئی چیز استعمال نہ کی۔

بالآخر ہم بچپن کی بے شعوریوں سے نکلے تو ہم پر یہ خوفناک انکشاف ہوا کہ ہمارے ابو، جو پہلے مسلمان تھے پھر قادیانی ہو گئے تھے اور اس وقت وہ چناب نگر (ربوہ) میں رہتے ہیں اور اپنے وسیع کاروبار کی آمدن کا کثیر حصہ مرزائی جماعت پر خرچ کر رہے ہیں۔ پھر ہمیں سمجھ آئی کہ ہماری امی کا سارا جھگڑا اسی وجہ سے ہے کیونکہ قادیانی ہمارے پیارے نبی ﷺ کے دشمن اور ختم نبوت کے منکر ہیں۔ اور ہماری والدہ کی ابو سے لڑائی شافع محشر ﷺ کی محبت کی وجہ سے ہے۔ بچپن ہم نے بہت غربت اور کسمپرسی میں گزارا۔ لیکن آفریں ہے کہ ہماری امی نے خود محنت کر کے ہمیں پالا پوسا۔ تمام مشقتوں اور مصائب کا اکیلے مقابلہ کیا لیکن کبھی حوصلہ نہیں ہارا اور اس تنگ دستی میں بھی ابو سے کبھی کوئی معمولی سی چیز بھی لے کر استعمال نہیں کی کیونکہ وہ یہ بات جانتی تھیں کہ قادیانی، سیّد المرسلین ﷺ کے بعد مرزا قادیانی کو نبی مانتے ہیں اور رسول پاک ﷺ کے دشمن ہیں۔ ان سے تعلق رکھنے سے ہمارے پیارے نبی ﷺ کو تکلیف ہوتی ہے۔

ہماری والدہ نے بچپن میں ہمیں ایک سبق بہت یاد کروایا تھا جو اب بھی ہمیں اچھی طرح یاد ہے۔ ہماری والدہ ہم سب کو روزانہ سو دانوں والی تسبیح پر یہ سبق یاد کرواتی تھیں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں، آخری نبی ہیں، آخری نبی ہیں۔ اب ہماری والدہ انتقال فرما چکی ہیں۔ وفات کے بعد ہم نے کئی مرتبہ اپنی امی کو خواب میں دیکھا کہ وہ حوروں کے جھرمٹ میں نہایت سفید کپڑے پہنے ہوئے سرسبز نہایت اعلیٰ اور خوبصورت باغیچے میں بیٹھی قرآن پاک کی تلاوت کر رہی ہیں۔ ہم سوچتے ہیں کہ ہماری ان پڑھ ماں اپنے پیارے نبی حضرت خاتم النبیین ﷺ سے محبت کرنے اور ان کے دشمن مرزائیوں سے نفرت کرنے کی وجہ سے کتنے بلند مرتبے پر پہنچ گئیں۔ سچ کہا اقبالؒ نے......

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں"

اے مسلمان کچھ اپنی حالت پر بھی نگاہ ڈال! کیا تیرے دل میں اس عورت کی محبت

رسول ﷺ کا دسواں حصہ بھی موجود ہے؟ کیا تو اپنے آقا ﷺ کے دشمن قادیانیوں سے اس قدر نفرت کرتا ہے جتنا یہ عورت کرتی تھی؟ سوچ! آج تیری ذرا سی غفلت تجھے بروز قیامت حضور ﷺ کے دشمنوں کے ساتھ کھڑا نہ کر دے۔ مرزائی قرآن کو بدل رہے ہیں، آقا ﷺ کی احادیث کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہے ہیں اور کفریہ عقائد پر مبنی لٹریچر چھاپ کر تقسیم کر رہے ہیں۔ اس لٹریچر میں مرزا قادیانی کو نبی، اس کی بیوی کو ام المؤمنین، اس کی لڑکی کو سیدۃ النساء، اس کے خاندان کو اہل بیت، اس کے بدقماش چیلوں کو صحابہ اوراس کی بکواسات کو احادیث لکھا جارہا ہے (نعوذ باللہ) قادیانی مصنوعات کے ذریعے حاصل ہونے والی رقم سے قادیانی کفریہ لٹریچر شائع کیا جاتا ہے۔ ہر قادیانی اپنی آمدنی کا 10 فیصد حصہ اپنی جماعت کو چندہ دیتا ہے اور اس چندے کو حضور نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت کے خلاف استعمال کیا جاتا ہے۔ جس سے مسلمانوں کا تعلق حضور خاتم النبیین ﷺ سے توڑ کر مرزا قادیانی ملعون کے ساتھ جوڑا جاتا ہے۔ خدارا! ذرا سوچیئے! کہیں ہم قادیانی مصنوعات استعمال کر کے یا قادیانیوں سے خرید و فروخت کر کے ان کی اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف، خطرناک سرگرمیوں میں معاون بن کر اپنی آخرت کو برباد تو نہیں کر رہے؟''

(''کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں'' از محمد قاسم)

تحفظِ ختم نبوت کا کام کرنے کی اہمیت اور فضیلت

ایمانیات میں عقیدۂ ختم نبوت سب سے افضل ہے۔ یہی وہ ستون ہے جس پر اسلام کی عمارت کھڑی ہے۔ یہ اسلام کی چوٹی اور کوہان ہے۔ اس عقیدہ سے ذرا سی بھی روگردانی اپنے آپ کو ہلاکت اور تباہی میں ڈالنا ہے۔ اسلام میں عقیدۂ ختم نبوت کو وہی مقام حاصل ہے جو انسانی جسم میں سر کو حاصل ہے۔ اگر سر کو جسم سے جدا کر دیا جائے تو سارا جسم بے حس و بے حرکت اور بے جان ہو جاتا ہے۔

بقول شخصے ''ختم نبوت دین کی اساس ہے، ختم نبوت دین کی روح ہے، ختم نبوت دین کی آبرو ہے...... جو شخص تحفظِ ختم نبوت کا کام کرتا ہے! وہ کلمہ طیبہ کی حفاظت کرتا ہے، وہ اللہ کی توحید کی حفاظت کرتا ہے، وہ اللہ کے قرآن کی حفاظت کرتا ہے، وہ ناموس رسالت ﷺ کی حفاظت کرتا ہے، وہ انبیائے سابقین (علیہم السلام) کی صداقت کی حفاظت

کرتا ہے، وہ فرشتۂ وحی حضرت جبرئیل علیہ السلام کے امین ہونے کی حفاظت کرتا ہے، وہ احادیث رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرتا ہے، وہ مکہ مکرمہ کی حرمت کی حفاظت کرتا ہے، وہ مدینہ منورہ کی عصمت کی حفاظت کرتا ہے، وہ حج بیت اللہ کی عظمت کی حفاظت کرتا ہے، وہ روضہ رسول ﷺ کی ناموس کی حفاظت کرتا ہے، وہ صحابۂ کرامؓ کی عزتوں کی حفاظت کرتا ہے، وہ اہل بیتؓ کے تقدس کی حفاظت کرتا ہے، وہ ملت اسلامیہ کے ایمان کا چوکیدار ہے، وہ وحدت امت کا نقیب ہے، وہ اسلامی فکر جہاد کا علمبردار ہے، وہ پاکستان کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کا محافظ ہے، وہ وطن عزیز کے خلاف سازشیں کرنے والے غداروں کے لیے مجاہد کبیر ہے، وہ یہود و نصاریٰ کی خطرناک چالوں کو ناکام بنانے والا بیدار مغز سپاہی ہے اور جو شخص تحفظِ ختم نبوت کا کام نہیں کرتا...... افسوس! وہ ان تمام اسلامی عزتوں سے پہلو تہی کرتا ہے...... منہ موڑتا ہے...... بے رغبتی کا مظاہرہ کرتا ہے...... !!! کیونکہ یہی عہد حاضر کا سب سے بڑا جہاد ہے، یہی وقت کی آواز ہے، یہی اسلام کی صدا ہے، یہی عشق رسول اللہ ﷺ کی دلیل ہے، اور یہی شفاعت رسول ﷺ کا ذریعہ ہے۔“

آج کل قادیانی پوری قوت کے ساتھ ختم نبوت پر حملہ آور ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں بے شمار گستاخیوں پر مشتمل لٹریچر باقاعدگی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے، اور پوری آزادی کے ساتھ مسلمانوں میں تقسیم ہو رہا ہے۔ قادیانی اپنی مذموم کارروائیوں کے ساتھ ملت اسلامیہ کو ختم اور شمع اسلام کو بجھانا چاہتے ہیں...... جبکہ ہم خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں...... خواب غفلت کے مزے لوٹ رہے ہیں...... سوچیے! شافع محشر حضور نبی کریم ﷺ کی عزت و ناموس کے تحفظ کے لیے ہم کب بیدار ہوں گے؟ اسلام کی غیرت اور لاج کے لیے کب متحرک ہوں گے؟ عقیدۂ ختم نبوت پر پے در پے حملوں سے بچاؤ کے لیے کب میدان کارزار میں اتریں گے؟ نبی کریم ﷺ، صحابۂ کرامؓ اور اہل بیت عظام کی بے حرمتی اور ان کی عزتوں کو پامال کرنے والے بدبختوں کے خلاف کب ایک آہنی دیوار بن کر کھڑے ہوں گے؟ یاد رکھیے! جس جگہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ختم نبوت پر ڈاکا زنی ہو رہی ہو، وہاں ختم نبوت کی حفاظت کرنا آپ کا فرض عین ہے، اس سے ذرا سا بھی اعراض کرنا خود کو حضور نبی کریم ﷺ کی شفاعت سے محروم کرنے کے مترادف ہے۔ حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ مسئلہ شرعی نہیں ہے لیکن میرا دل کہتا ہے کہ کہوں کہ جو شخص ختم

نبوت کا کام کرے اور پھر اسے چھوڑ دے، ایسا شخص مرتد ہو گیا ہے۔

خلیفہ ہارون الرشید اور حضرت بہلولؒ

خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں ایک بزرگ حضرت بہلول دانا تھے جو ہمیشہ مجذوبانہ کیفیت میں رہتے۔ وہ اکثر ریت کے ڈھیر پر بیٹھے رہتے اور بچوں کی طرح چھوٹے چھوٹے گھروندے بناتے پھر انھیں اچانک گرا دیتے۔ ایک دفعہ ہارون الرشید اور اس کی پاک طینت اور وفاشعار بیوی زبیدہ خاتون ہاتھی پر سوار سیر کرتے کرتے ادھر آ نکلے۔ ہارون الرشید نے دیکھا کہ حضرت بہلولؒ حسب معمول ریت کے گھروندے بنا بنا کر ڈھا رہے ہیں۔ اس نے قریب جا کر ازراہِ مذاق حضرت بہلول سے پوچھا، حضرت کیا کر رہے ہیں؟ حضرت بہلول نے بڑی بے نیازی سے جواب دیا: جنت میں محل بنا رہا ہوں۔ ہارون الرشید نے کہا: حضرت! کیا آپ یہ محل فروخت کریں گے؟ حضرت بہلول نے جواب دیا: ہاں، ضرور فروخت کروں گا۔ ہارون الرشید نے پوچھا: کتنے کا؟ حضرت بہلول نے کہا: ایک درہم کا۔ ہارون الرشید نے اس پر قہقہہ لگایا اور چلنے کا حکم دیا۔ اتنے میں اس کی بیوی زبیدہ خاتون نے اپنی جیب سے ایک دینار نکالا اور حضرت بہلولؒ کی طرف پھینک دیا۔ حضرت بہلولؒ نے ایک لکڑی اٹھائی اور ایک گھروندے کے گرد خط کھینچتے ہوئے فرمایا: بیٹی! جنت میں تمہارا محل تیار ہو گیا ہے۔ زبیدہ خاتون اس یقین کی خوشی میں سرشار ہو گئی کہ اسے جیتے جی جنت مل گئی۔ رات ہارون الرشید نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک جنگل میں ہرن کا شکار کرتے کرتے بہت دور نکل آیا ہے اور مارے بھوک اور پیاس سے اس کی طبیعت انتہائی نڈھال ہو رہی ہے۔ اتنے میں اس نے اچانک دیکھا کہ سامنے سونے اور چاندی کا بنا ہوا ایک نہایت وسیع و عریض اور خوبصورت محل ہے۔ ہارون الرشید گھوڑے پر بھاگم بھاگ محل کے قریب پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کے مین گیٹ پر زبیدہ خاتون کا نام لکھا ہوا ہے۔ ہارون الرشید بے حد خوش ہوا اور محل کے اندر جانے لگا۔ اس پر محل کے پہرہ داروں اور دربانوں نے اسے روک لیا اور کہا کہ تم محل کے اندر داخل نہیں ہو سکتے۔ ہارون الرشید نے کہا کہ زبیدہ خاتون میری بیوی ہے۔ پہرہ داروں نے کہا کہ یہاں کوئی رشتہ کام نہیں آتا۔ جس کا محل ہے، وہی اس کا مالک ہے۔ کسی دوسرے کو اندر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ ہارون الرشید نہایت مایوس اور بددل ہوا۔ اس عالم میں اس کی آنکھ کھل گئی۔ بقیہ رات بڑی بیقراری اور کرب میں گزاری۔ علی الصباح حکم دیا کہ سواری تیار کی جائے۔ ہاتھی پر سوار ہارون الرشید حضرت بہلولؒ کے پاس آیا تو کیا دیکھتا ہے

کہ حضرت حسب معمول اپنے کام میں مصروف ہیں، یعنی ریت کے گھروندے بنا بنا کر ڈھا رہے ہیں۔ ہارون الرشید نے پوچھا: حضرت کیا کر رہے ہیں؟ حضرت بہلول نے کہا۔ جنت میں محل بنا رہا ہوں۔ ہارون الرشید نے کہا: حضرت بیچو گے؟ حضرت بہلول نے جواب دیا، ہاں۔ ہارون الرشید نے پوچھا: حضرت کتنے کا؟ حضرت بہلول نے کہا: تیری پوری سلطنت۔ ہارون الرشید پر سکتہ طاری ہو گیا۔ بڑی مشکل سے اپنے حواس پر قابو پایا اور لڑکھڑاتی زبان سے پوچھا: حضرت! کل تو محل کی قیمت ایک درہم تھی؟ حضرت بہلول نے بڑے پُراعتماد لہجے میں فرمایا: ''کل تم بن دیکھے سودا کر رہے تھے۔ آج بذات خود دیکھ کر آئے ہو۔''

جو شخص تحفظِ ختم نبوت کے کام کی حلاوت اور مٹھاس کو ایک دفعہ چکھ لیتا ہے، وہ لازماً جان جاتا ہے کہ یہ کام باقی تمام کاموں سے افضل ترین اور اہم ترین ہے۔

ممکن ہے اس دنیا میں ہمیں تحفظ ختم نبوت کے کام کی اہمیت وفضیلت کا احساس نہ ہو۔ مگر آخرت میں اس عظیم کام کے بدلہ میں اس قدر انعام واکرام ملیں گے کہ ہمیں اس کا اندازہ ہی نہیں ہوسکتا۔ جو لوگ تحفظ ختم نبوت کا کام کرتے ہیں، وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے انعامات پر بے حد خوش ہوں گے جبکہ دیگر لوگ اس سے محرومی پر بڑے افسوس اور حسرت کا اظہار کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تحفظ ختم نبوت کا کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جناب جسٹس میاں محبوب احمد چیف جسٹس (ر) لاہور ہائی کورٹ فرماتے ہیں:

''ختم نبوت تقدیر کائنات پر وہ مُہر کامل ہے، جس کی پاسبانی کا فریضہ اس امت پاک کے سپرد کیا گیا ہے۔ ہم اپنے قلم سے، اپنے عمل سے، اپنے آنسوؤں سے، اپنی محبت کے چراغوں سے اس کی پاسبانی کا حق ادا کرتے ہیں، اسی فریضے کی ادائیگی سے اس دنیا کا جمال اور وقار وابستہ ہے، جسے اسلامی دنیا کہتے ہیں۔ آج جبکہ فتنوں کا دروازہ کھل چکا ہے، اور بلائیں ختم نبوت کے تصور پر بھیس بدل بدل کر حملہ آور ہو رہی ہیں، اس کی حفاظت کے لیے سینہ سپر ہو جانا چاہیے اور مجھے یقین ہے کہ اس سعادت کے حصول میں پاکستان صف اوّل میں ہوگا اور میدان حشر میں ان شاء اللہ جب آقائے دو جہاں ﷺ یہ سوال فرمائیں گے کہ جب میری ناموسِ نبوت زد پر تھی تو تم نے کیا کردار ادا کیا تھا؟ اس وقت اہل پاکستان اپنے الفاظ کا نذرانہ بھی پیش کریں گے اور اپنے لہو کا تحفہ بھی پیش کریں گے۔ خدا سے دعا ہے کہ اس

فہرستِ عاشقان میں کہیں آپ کا نام بھی درج ہو۔ کہیں اس عاجز کا نام بھی درج ہو، یہی وہ عظیم نعمت ہے جو جھولی پھیلا کر خدا کی بارگاہ سے طلب کی جاسکتی ہے اور بیشک وہ سمیع وبصیر ہے۔ (عقیدۂ ختم نبوت کے تہذیبی اثرات، از جسٹس میاں محبوب احمد)

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ناموس ختم نبوت کا اجر بن دیکھے، اس کا تحفظ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

تحفظ ختم نبوت کا کام کرنے والے کارکنان کی حوصلہ شکنی کرنے والوں کی سزا

تحفظ ختم نبوت اور گستاخان رسول ﷺ قادیانیوں کی اسلام دشمن سرگرمیاں روکنے کے سلسلہ میں بڑی آزمائشوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حضرت علامہ اقبالؒ کا ایک شعر ہے:

چوں ی گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلات لا الہ را

یعنی ”جب میں یہ کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں تو کانپ جاتا ہوں کیونکہ مجھے کلمہ حق کہنے کی مشکلات معلوم ہیں“۔

تحفظ ختم نبوت کے کام میں کڑوی باتوں اور ذلت آمیز طعنوں سے بھی آزمائش ہوتی ہے۔ اس پر صبر کرتے ہوئے کام جاری وساری رکھنا چاہیے۔ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرنا چاہئے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ غیب سے مدد فرماتے ہیں۔

جو لوگ تحفظِ ختم نبوت کا کام کرنے والے کارکنوں کی دل شکنی کرتے ہوئے، ان سے مذاق اور ٹھٹھا کرتے ہیں کہ قادیانی کافر ہونے کے باوجود مسلمانوں سے کئی درجہ بہتر ہیں، ان کا اخلاق بڑا اچھا ہوتا ہے، وہ بڑے مہمان نواز اور پڑھے لکھے ہوتے ہیں، وہ وہی کلمہ پڑھتے ہیں جو ہم پڑھتے ہیں، لہٰذا ہمیں ان کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے۔ مزید برآں جب انھیں قادیانی مصنوعات بالخصوص شیزان کے بائیکاٹ کے بارے میں کہا جاتا ہے تو وہ کارکنانِ ختم نبوت کا تمسخر اڑاتے ہوئے کہتے ہیں کہ کیوں جی! کیا شیزان بوتل میں قادیانی داخل ہوگیا ہے جو ہم اسے پینا چھوڑ دیں اور ان کی دوسری مصنوعات کا استعمال بھی چھوڑ دیں؟ مجاہد ختم نبوت حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں: ”جس شخص نے کہا

کہ قادیانی، مسلمانوں سے اچھے ہیں، وہ خود قادیانیوں سے بدتر کافر ہوگیا، مرزائیوں کی حیثیت ذمیوں کی نہیں، بلکہ محارب کافروں کی ہے اور محاربین سے کسی قسم کا تعلق رکھنا شرعاً جائز نہیں۔''

گستاخان رسول قادیانیوں کے خلاف کام کرنے والوں کی مخالفت یا ممانعت کرنے والوں کے لیے حدیث مبارکہ میں سخت وعید آئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو لوگ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا تمسخر اڑاتے ہیں، قیامت کے روز ان کے لیے جنت کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ، وہ جب ان کے قریب آئیں گے تو دروازے بند کر دیے جائیں گے، پھر دوبارہ کھول دیے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا جنت میں داخل ہو جاؤ، وہ جب ان کے قریب آئیں گے تو پھر بند کر دیے جائیں گے، پھر تیسری مرتبہ کھول دیے جائیں گے اور انھیں کہا جائے گا، جنت میں داخل ہو جاؤ لیکن وہ ان کی طرف نہیں آئیں گے، اللہ جل شانہ ان سے فرمائیں گے تم وہ لوگ ہو جو میرے بندوں کا مذاق اڑاتے تھے، تمہارا حساب سب سے اخیر میں ہوگا، وہ گرمی میں کھڑے رہیں گے یہاں تک کہ پسینہ میں غرق ہو جائیں گے اور آواز دیں گے کہ اے ہمارے پروردگار، ہمیں اس جگہ سے نجات دے دیجیے، خواہ ہمیں نار جہنم میں بھیج دیں، حالانکہ انھیں دوزخ کے عذاب کا خوب علم ہوگا لیکن انھیں اس وقت آگ میں داخل ہونا، اس ذلت کے عذاب سے زیادہ آسان معلوم ہوگا۔''

مسلمان کہلانے والے جو لوگ گستاخانِ رسول قادیانیوں سے اسی طرح کی راہ و رسم رکھتے ہیں جیسی عام مسلمانوں سے، وہ فی الحقیقت منافق ہیں۔ اسلام کے ساتھ ان کا تعلق بس واجبی سا ہوتا ہے، ورنہ خود غرضی، لالچ اور شکم پروری نے انھیں قادیانیوں کا دوست اور خیر خواہ بنا دیا ہوتا ہے۔ ایسے لوگ بکاؤ مال بن کر قادیانیوں کی حمایت اور مسلمانوں کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ لوگ ''گنگا گئے تو گنگا رام، جمنا گئے تو جمنا داس'' ایسی منافقانہ پالیسی پر گامزن ہوتے ہیں۔'' ایک دفعہ حضرت شمس تبریز نے بھری مجلس میں فرمایا۔ ''منافق دنیا کی تمام مخلوق میں سے بدترین ہیں۔ قرآن شریف میں ارشاد ہوتا ہے ''ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار'' (النساء:145) ترجمہ: ''یقیناً منافق دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔'' پھر ایک حدیث مبارکہ کا تذکرہ کر کے فرمایا۔ ''دوزخ سے تمام گناہگار اپنے اپنے وقت

پر نکال لیے جائیں گے، لیکن کچھ لوگ باقی رہیں گے۔ ان سے پوچھا جائے گا تم کون ہو؟ وہ کہیں گے ہم منافق ہیں۔ ہمارا باطن کچھ تھا اور ظاہر کچھ۔"

دوزخ کے سات درجے یعنی سات منزلیں ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ منافق جہنم کے سب سے نچلے درجے ہاویہ میں اپنے کفر، سرکشی اور مومنوں کو تکالیف پہنچانے کی وجہ سے ہوں گے۔ حضرت کعب احبار فرمایا کرتے تھے جہنم میں ایک کنواں ہے جس کے دروازے بالکل بند ہیں جو اب تک نہیں کھلے، جہنم بھی اس سے روزانہ اس خوف سے پناہ مانگتی ہے کہ اس کنوئیں میں ایسا عذاب ہے جسے کوئی بھی برداشت نہیں کر سکتا اور یہ جہنم کا سب سے نچلا حصہ ہے۔

امام مسلمؒ مرفوع حدیث نقل کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "ہر شخص کو اسی کیفیت پر اٹھایا جائے گا جس پر وہ مرا ہوگا۔" جو لوگ عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ، فتنۂ قادیانیت کی سرکوبی، گستاخانِ رسول ﷺ سے جہاد اور اسلام مخالف مختلف فتنوں کی شرانگیزیوں کے خلاف جدوجہد کرتے کرتے اس دنیائے فانی سے کوچ کر جاتے ہیں، قیامت کے دن وہ اس مقدس مشن کی حالت میں اٹھائے جائیں گے۔ اس کے برعکس ایسے لوگ جو گستاخانِ رسول ﷺ قادیانیوں کے ساتھ کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے اور گلے ملنے کی حالت میں آخرت کو سدھار گئے تو وہ اسی حالت میں اٹھائے جائیں گے...... آپ خود فیصلہ کریں کہ ان میں خوش قسمت کون ہے اور بدقسمت کون؟ مجاہد ختم نبوت کی سب سے بڑی نشانی یہ ہوتی ہے کہ جب اُسے موت آتی ہے تو اس کے ہونٹوں پر تبسم ہوتا ہے جبکہ گستاخ رسول اور اس سے تعلق رکھنے والوں کے چہرے لعنت الٰہی کے سبب مسخ ہو جاتے ہیں۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو معلوم کرنا ہو کہ آسماں میں میرا کیا مقام ہے تو وہ اپنے دوستوں اور متعلقین کو دیکھ لے، اگر وہ سب مسلمان ہیں تو تیرا آسمان میں مقام ہے اور اگر وہ کافر، مرتد یا گستاخانِ رسول ہیں تو تیرا آسمان میں کوئی مقام نہیں ہے۔

جو لوگ اپنی جہالت اور کم علمی کے زور پر یہ کہتے ہوئے کہ قادیانیوں اور مسلمانوں میں کوئی فرق نہیں، امت میں نہ صرف تفریق اور بگاڑ پیدا کرتے ہیں بلکہ لوگوں میں مذہبی انتشار اور شکوک وشبہات بھی پیدا کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں حضور ﷺ کی ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ قیامت میں ایک آدمی لایا جائے گا جس نے دنیا میں نماز، روزہ، حج، تبلیغ سب کچھ کیا ہوگا مگر وہ عذاب میں ڈالا جائے گا، کیونکہ اس کی کسی بات نے امت میں

تفریق ڈالی ہوگی۔ اس سے کہا جائے گا پہلے اپنے اس ایک لفظ کی سزا بھگت لے جس کی وجہ سے امت کو نقصان پہنچا۔ اور ایک دوسرا آدمی ہوگا جس کے پاس، نماز، روزہ، حج وغیرہ کی بہت کمی ہوگی اور وہ خدا کے عذاب سے بہت ڈرتا ہوگا، مگر اس کو بہت ثواب سے نوازا جائے گا۔ وہ خود پوچھے گا کہ یہ کرم میرے کس عمل کی وجہ سے ہے؟ اس کو بتایا جائے گا کہ تُو نے فلاں موقع پر ایک بات کہی تھی جس سے امت میں پیدا ہونے والا ایک فساد رک گیا اور بجائے توڑ کے جوڑ پیدا ہوگیا۔ یہ سب تیرے اسی لفظ کا صلہ اور ثواب ہے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد آتا ہے کہ پل صراط جب میری امت کو لے کر ڈانواڈول ہونے لگے گا تو وہ آواز دیں گے: اے محمد ﷺ! اے محمد ﷺ! میں شدتِ شفقت و رحم کی وجہ سے ان کی طرف جلدی لپکوں گا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام میری کمر پکڑے ہوں گے، میں بلند آواز سے پکاروں گا: اے میرے پروردگار، میری امت پر رحم فرمایئے، میری امت کو بچا لیجئے۔ آج میں آپ سے اپنے اور اپنی بیٹی فاطمہ کے لیے کوئی سوال نہیں کروں گا، اور فرشتے پل صراط کے دائیں بائیں کھڑے کہہ رہے ہوں گے: اے پروردگار بچا لیجئے، اے پروردگار سلامتی عطا کیجئے۔

اس وقت کی ہولناکی بڑی عظیم اور حالات بڑے ناگفتہ بہ ہوں گے۔ نافرمان دائیں بائیں گر رہے ہوں گے اور زبانیہ نامی فرشتے انھیں زنجیروں اور طوقوں میں جکڑ رہے ہوں گے اور فرشتے یہ آواز دے رہے ہوں گے کہ کیا تمھیں گناہوں سے منع نہیں کیا گیا تھا؟ کیا تمھیں تمھارے نبی نے دوزخ کے عذاب سے نہیں ڈرایا تھا؟ کیا انھوں نے تمھیں اچھی طرح سے خبردار نہیں کیا تھا؟

برادرانِ کرام! اس وقت کے خوف و دہشت کو یاد کیجئے جو پل صراط اور اس کی تاریکی کو دیکھ کر طاری ہوگی، پل صراط جہنم پر لگا ہوگا، جہنم کالی سیاہ ہوگی، اس کی چنگاریاں اڑ اڑ کر لوگوں پر پڑ رہی ہوں گی، اس کے چنگھاڑنے، دھاڑنے اور اللہ کے ان نافرمانوں پر غصے بھری آواز کو یاد کیجئے جو ان لوگوں پر نکل رہی ہوگی، جنھوں نے خواہ زندگی میں ایک مرتبہ ہی نافرمانی کی ہو اور توبہ قبول ہوئے بغیر مر گئے ہوں۔ اس وقت کو یاد کیجئے جب گناہوں کا بوجھ پیٹھ پر لدا ہوگا، وہ تمھیں زمین پر چلنے بھی نہ دے رہا ہوگا، تو پھر بھلا اس کو لے کر پل صراط پر چل سکو گے جبکہ وہ چلنے والوں کو لے کر حرکت کر رہا ہوگا؟ اس میں ایک زبردست لرزش ہوگی

جس سے قریب ہوگا کہ ایک ایک جوڑ اکھڑ جائے، برادرِ محترم! اس وقت کو یاد کیجئے جب آپ اپنا ایک پاؤں پل صراط پر رکھیں گے اور وہ کانپنے لگے گا اور آپ صرف ایک پاؤں پر کھڑے ہوں گے، پل کی باریکی اور پل والوں کی کثرت کی وجہ سے آپ صرف ایک پاؤں پر کھڑے ہوں گے، لوگ چیونٹیوں کی طرح جہنم میں گر رہے ہوں گے، ان میں سے بعض پسلیں گے جہنم کی آگ ان کے اطراف کو کھا جائے گی۔ یہ حالت کافی عرصہ تک چلے گی یہاں تک کہ شفاعت نصیب ہو اور رسول اکرم ﷺ اسے یاد فرما لیں۔ لہٰذا عقلمند وہ ہے جو شفاعتِ رسول ﷺ حاصل کرنے کے لیے تحفظِ ختم نبوت کا کام کرتا ہے۔

علامہ عبدالرشید غازی اپنے فکر انگیز مضمون ''طویل رات'' میں مسلمانوں کی بے حسی اور بے حمیتی پر نوحہ گری کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ رات نجانے اتنی طویل کیوں ہوتی جا رہی ہے۔۔۔۔۔؟ نیند آنکھوں سے کوسوں دُور۔۔۔۔۔ کروٹ پر کروٹ بدلے جاتا ہوں۔۔۔۔۔ لیکن نیند ہے کہ آتی ہی نہیں۔۔۔۔۔ یہ آخر مجھے کیا ہوگیا ہے۔۔۔۔۔؟ اللہ نے سب کچھ تو دے رکھا ہے۔۔۔۔۔ مال و متاع، گھربار، پرہیز گار بیوی اور فرمانبردار اولاد اور وہ سب کچھ جس کی کوئی تمنا کرے۔۔۔۔۔ پھر ان میں سے کچھ بھی تو کھویا نہیں کہ جس پر فکر یا رنج ہو۔۔۔۔۔ لیٹے لیٹے اچانک ایک منظر نگاہوں کے سامنے آ جاتا ہے۔۔۔۔۔ عموریہ کا بازار ہے جہاں ایک عیسائی نے ایک مسلمان عورت کے چہرے پر تھپڑ مار دیا۔۔۔۔۔ عورت نے روتے ہوئے دُہائی دی۔ ہائے معتصم!! مجھے سمجھ نہ آیا کہ عموریہ میں رہنے والی اس عورت نے تھپڑ پر اپنے خلیفہ کو دُہائی کیوں دی؟ وہاں سے سینکڑوں میل کی مسافت پر موجود خلیفہ معتصم باللہ کا اس مسئلہ سے کیا تعلق۔۔۔۔۔؟ میرے ناخوابیدہ اور بے چین ذہن نے اس گتھی کو سلجھانے کی بہتیری کوشش کی لیکن ناکام رہا۔۔۔۔۔ نیند ہے کہ آتی ہی نہیں اور یہ رات نجانے اتنی طویل کیوں ہوتی جا رہی ہے؟۔۔۔۔۔ ہر طرف شاہی دربان ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ خلیفۂ وقت اپنے شاہانہ تخت پر بڑی شان و شوکت سے جلوہ افروز ہے۔۔۔۔۔ اس کے دائیں بائیں وزیر مشیر اور دیگر خواص اپنی اپنی مخصوص نشستوں پر بیٹھے ہیں۔۔۔۔۔ خلیفہ معتصم باللہ کا خصوصی کارندہ انھیں معمول کے حالات بتاتے ہوئے عموریہ میں ایک مسلمان عورت کے چہرے پر تھپڑ رسید ہونے کا واقعہ سناتا ہے تو اچانک خلیفہ اپنے تختِ شاہی سے اٹھ کر اونچی آواز میں ''لبیک'' کہتا ہے۔ سب حیران ہیں کہ اچانک ایسے خوشگوار ماحول میں خلیفہ اتنی معمولی سی

بات پر اتنا برہم اور بیتاب کیوں ہو گیا...... پھر خلیفہ اپنے درباریوں کے سامنے اس عورت کی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لیے اس ملک پر لشکر کشی کے ارادے کا اظہار کرتا ہے۔ درباری اسے روکنے کے لیے دباؤ ڈالتے ہیں کہ حالات سازگار نہیں ہیں...... معروضی حالات اجازت نہیں دیتے...... زمینی حقائق کو سمجھنے کی کوشش کریں...... اس قسم کے اقدامات میں بہت سے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں...... شورشیں امڈ امڈ آئیں گی...... خواہ مخواہ دشمنیاں، دوریاں اور بدامنیاں پیدا ہو جائیں گی...... پھر ہمارے حالات بھی اجازت نہیں دیتے...... اسلحہ کی کمی ہے...... وسائل کا فقدان ہے...... اس لیے جہاں پناہ! آپ ایسا ہرگز نہ کریں...... لیکن خلیفہ بضد ہے کہ اس مسلمان بہن کی پکار نے میرا سکون غارت کر ڈالا ہے...... مجھے اب گھر اچھا لگتا ہے نہ کھانا، نہ پینا اور نہ ہی سونا...... میں اس وقت تک چین سے نہ بیٹھوں گا جب تک اپنی مسلمان بہن کا بدلہ نہ لوں...... اور پھر خلیفہ وقت کے حکم سے طبل جنگ بجا دیا جاتا ہے...... دربار کا یہ منظر اگرچہ میری نگاہوں سے غائب ہو جاتا ہے لیکن تاریخ کے بہت سے بوسیدہ اوراق میرے ذہن پر عکس ڈالتے چلے جاتے ہیں اور مجھے تاریخ کے دھندلکے میں اسی قسم کے کئی دیگر مناظر بھی دکھائی دینے لگتے ہیں...... احساس ہوتا ہے کہ ایک وقت تھا جب مسلمان ایک عام مسلمان کی حرمت و تقدس پر کٹ مر جایا کرتے تھے...... تاریخ کے یہ اوراق چونکہ میرے آباؤ اجداد کے ہیں اس لیے بھی مجھے بھلے لگتے ہیں اور انھیں یاد کر کے کچھ سکون آ جاتا ہے...... لیکن نیند ہے کہ اب بھی کوسوں دور...... اور یہ رات نجانے اتنی طویل کیوں ہوتی جا رہی ہے؟

میں سوچتا ہوں کہ ایک عام مسلمان کی عزت و ناموس کی اس قدر کی جاتی تھی تو پھر جو لوگ مراتب میں زیادہ ہیں...... اللہ کے ولی ہیں...... ان کی حرمت کی کیا قدر کی جاتی ہوگی؟ پھر علمائے دین، محدثین کرام، تابعین اور صحابہ کرام، رضی اللہ عنہم کی عزت و عظمت اور ان کی حرمت کا کیا معاملہ ہوگا...... اور پھر تاجدارِ ختم نبوت ﷺ کے تو کیا ہی کہنے...... یہی سوچتے سوچتے اچانک میرے ذہن پر یورپین اخبارات میں شائع ہونے والے توہین آمیز اور شر انگیز خاکے آ جاتے ہیں...... میں لرز جاتا ہوں...... اور پورے بدن پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ میں اٹھ کر بیٹھ جاتا ہوں...... دل کی دھڑکنیں یک دم تیز ہوتی چلی جاتی ہیں...... آنکھوں سے ایک سیل رواں ہے کہ جاری ہو جاتا ہے...... دل کرتا ہے کہ دھاڑیں مار مار کر روؤں...... کرب ہے کہ ناقابل بیان...... کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے...... یوں لگتا ہے کہ دل بے قابو ہو کر باہر نکل

پڑے گا...... یا اللہ! یہ مجھے کیا ہو گیا...... میں نے تو بڑے بڑے حادثات کو بھی بڑے صبر و تحمل سے سہہ لیا...... مجھ پر تو میرے والد گرامی کی شہادت کا دلدوز سانحہ بھی گزر گیا...... لیکن اللہ جانتا ہے کہ اس وقت بھی مجھ پر یہ کیفیت طاری نہیں ہوئی...... میں نے اپنے آپ کو سمجھانا شروع کیا...... مجھے اس مسئلہ پر اتنا جذباتی نہیں ہونا چاہیے...... میرے اندر سویا ہوا ''روشن خیال'' یک بیک انگڑائی لے کر اٹھ بیٹھا...... اور اس نے مجھے سمجھانا شروع کر دیا کہ دیکھو اس معاملے میں آخر تم کر ہی کیا سکتے ہو؟ پھر یہ کہ چند مذہبی جماعتوں کی طرف سے گزشتہ جمعہ کو اسلام آباد میں اسی مسئلہ پر بھرپور مظاہرہ بھی کیا جا چکا ہے...... اس میں بش کے پتلے جلائے گئے...... گستاخ مغربی ممالک کے خلاف نعرے لگائے گئے...... ان کی مصنوعات کا بائیکاٹ کرنے کا اعلان بھی کیا گیا...... یہ سب کچھ سوچ کر میرے دل کو ایک گونہ قرار سا آ گیا......
اور میں دوبارہ بستر پر دراز ہو کر یہی باتیں سوچ کر نیند کی حسین وادیوں میں کھونے کی کوشش کرنے لگا...... مختلف ممالک میں ہونے والے مظاہروں کے مناظر مجھے تھپکیاں دے کر لمحہ بہ لمحہ پرسکون کرتے چلے جا رہے تھے...... لیکن...... نہیں......! نہ جانے کیوں دل کے اندر ایک بے نام سی خلش ہے کہ پھر سے بڑھتی ہی چلی جاتی ہے...... رہ رہ کر میرے دل سے درد کی ایسی ٹیسیں اُٹھتی ہیں کہ میں تھرا کر رہ جاتا ہوں...... ذلت کا احساس...... ایسے جیسے کسی نے راہ چلتے سرعام مجھے غلیظ ترین گالی دے دی ہو...... مجھے بھرے بازار میں رسوا کر دیا ہو...... میرا دل بڑی تیزی سے دھڑکنے لگا...... اور میں ایک مرتبہ پھر بے چین ہو کر کروٹیں بدلنے لگا...... نیند ہے کہ کوسوں دور ہے اور یہ رات نجانے اتنی طویل کیوں ہوتی جا رہی ہے؟

مجھے بار بار خیال آتا ہے کہ اگر کسی شخص کو بھرے بازار میں ماں کی گالی دے دی جائے تو کیا وہ خون خرابے پر نہیں اتر آئے گا...... کیا وہ یہ تذلیل برداشت کر لے گا...... اور پھر میں سوچنے لگتا ہوں کہ آج آقا مدنی ﷺ کی عزت و حرمت پر حرف آ چکا ہے...... کروڑوں مسلمانوں کی موجودگی میں ایسا کیسے ممکن ہو گیا...... مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وہ تاریخی جملہ یاد آنے لگا جب انھوں نے کہا تھا ''دین میں کمی کی جائے اور میں زندہ رہوں، یہ کیسے ممکن ہے؟''...... لیکن دوسری طرف حالت یہ ہے کہ ہمارے وہی معمولات، پہلے جیسے شب و روز، وہی قہقہے، وہی مسکراہٹیں، وہی کاروبارِ زندگی، وہی اللہ و رسول سے بغاوت اور نافرمانی کا چلن...... مجھے بار بار خیال آتا ہے کہ کچھ بھی تو نہیں بدلا...... ایسے لگتا ہے جیسے کچھ

ہوا ہی نہیں..... ہاں البتہ اتنا ضرور ہوا ہے کہ وقتاً فوقتاً مظاہرے ہو جاتے ہیں، ہم نعرے لگا کر، تقریریں کر کے، قراردادیں منظور کر کے، کچھ لکھ کر مطمئن ہو جاتے ہیں..... ہم سمجھتے ہیں کہ ہم اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو گئے..... میں سوچتا ہوں کہ کیا اتنا کافی ہے؟ میرے اندر سے آواز آتی ہے نہیں اور میں پھر بے تاب ہو جاتا ہوں..... اٹھ کر بیٹھ جاتا ہوں..... پھر وہی کیفیت کہ نیند ہے کہ کوسوں دُور اور یہ رات نجانے اتنی طویل کیوں ہوتی جارہی ہے؟

پھر میں سوچنے لگتا ہوں کہ اسلام تو ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ حضور ﷺ کی ذات گرامی ہمارے لیے ہماری جان و مال، آل اولاد اور اعزہ واقربا سے زیادہ جب تک عزیز نہ ہو جائے تب تک ہمارا ایمان ہی کامل نہیں ہوسکتا..... لیکن ہماری حالت یہ ہے کہ اگر کوئی ہماری ماں کی طرف نگاہ غلط انداز میں اٹھائے تو ہم اس کی آنکھیں پھوڑ دینے کے درپے ہو جاتے ہیں..... کسی کی زبان ہمارے والد کی شان میں گستاخی کی مرتکب ہوتو ہم اسے گدی سے کھینچ لینے کا قصد کر لیتے ہیں..... کوئی ہمارے بھائی کے ساتھ لڑ پڑے تو ہم کشت وخون پر تُل جاتے ہیں..... لیکن ذرا ہم سب دل پر ہاتھ رکھ کر اپنے اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھیں کہ کیا حضور ﷺ کی عزت و ناموس کے معاملے میں ہمارے دلوں کی یہی کیفیت ہے..... ہمارے جذبات میں وہی تلاطم ہے؟ ہماری غیرت ایمانی میں ایسا ہی جوش وخروش ہے؟ یہ سوچ کر احساسِ رسوائی سے میرا سر جھک جاتا ہے..... مجھے شرم سے پسینہ آنے لگتا ہے..... میں سوچتا ہوں کہ روئے زمین پر بسنے والے کروڑوں مسلمانوں کی ذلت و رسوائی میں اب کیا کسر باقی رہ گئی ہے؟

اے رحمتِ مجسم ﷺ! کفار نے ہماری بے غیرتی اور بزدلی کا سہارا لیا۔ انہوں نے بے شمار مظالم اور بے تحاشا ستم رانیوں کے بعد آخر اپنے ترکش کا آخری تیر بھی چلا لیا۔ وہ سیاہ باطن گورے آپ کی حرمت سے کھیلنے لگے، اُن کی دریدہ دہنی اور گستاخی نے خاکوں اور کارٹونوں کی شکل اختیار کرلی۔ آپ کے نام لیوا بے بس اور بے کس تھے لیکن اس کے باوجود مراکش سے انڈونیشیا تک۔ وہ انتقام کا عزم لے کر میدانوں میں نکل آئے۔ اگر مسلم حکمران چاہتے تو وہ ان ممولوں کو وقت کے شہبازوں سے ٹکرا دیتے اور پھر دنیا عشق مصطفیٰ ﷺ کے حقیقی نظارے دیکھتی۔

مگر اے میرے آقا ﷺ!

آج ہم میں کوئی محمدؓ بن مسلمہ نہیں، کوئی عبداللہؓ بن عتیک نہیںؓ، کوئی عبداللہؓ بن انیس نہیں، کوئی نورالدین زنگیؒ نہیں، کوئی صلاح الدین ایوبیؒ نہیں، ہاں آقا! آج ہماری صفوں میں کوئی علمؒ دین، کوئی مرید حسینؒ، کوئی عبدالقیوم، کوئی عبدالرشیدؒ، کوئی بابو معراج دینؒ، کوئی حاجی مالکؒ اور کوئی عامر چیمہؒ بھی نہیں، آقا! کوئی بھی نہیں جو آپ کے گستاخوں کے وجود سے اس صفحۂ ہستی کو پاک کر سکے۔

کاش آج کفر کی ان چالوں کو سمجھنے اور ان سے نمٹنے کے لیے ریگستان عرب کے باسیوں، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی وفا کے سچے گیت گانے والوں، شعلوں کی باڑھ میں جسموں کو جھلسا دینے والوں، ننگی تلواروں کے سائے میں غیرت ایمانی رکھنے والوں کا سا ایمان مل جائے جو عظمت رسول ﷺ کی خاطر، توہین رسالت کا انتقام لینے کے لیے سرفروشی اور جانثاری کا حق ادا کر کے، محبت رسول ﷺ کی عظیم ادائیں، تاریخ کے صفحات پر روایتی الفاظ سے نہیں، سطحی روایتوں سے نہیں بلکہ اپنے چھالوں سے نیلگوں پانی اور اپنے تازہ خون کے سرخ قطروں سے تحریر کروا سکیں۔ ڈھونڈھ اے چشم عبرت ڈھونڈھ! شاید تجھے کہیں سے فاروقیؓ کردار کے حامل جوان مل جائیں جن کے سینوں میں غیرت حق کی کوئی رمق باقی ہو۔ کوئی زبیر بن عوامؓ کا سا پیکر مل جائے جس کے سینے میں غیرت حق نے جوانی کی آگ بھر دی ہو"۔

نامور اسلامی سکالر جناب پروفیسر سیّد عبدالرحمٰن بخاری ''ناموس رسول ﷺ اور عہد جدید کا چیلنج'' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

''دنیا بھر کے کافروں کو اگر سچ مچ کسی چیز سے خطرہ ہے تو وہ مسلمانوں کا جذبہ عشق رسول ﷺ ہے۔ انھیں ڈر ہے تو شہیدانِ ناموس رسالت ﷺ کے لہو کی سرخی سے۔ وہ کانپتے ہیں غازی علم دین شہیدؒ کی تڑپ اور غازی عبدالقیوم شہیدؒ کے جذبوں سے۔ غازی مرید حسین شہیدؒ کی امنگوں اور غازی محمد صدیق شہیدؒ کے ولولوں سے۔ وہ گھبراتے ہیں غازی میاں محمد شہیدؒ کے جوش بے پایاں اور غازی عبداللہ شہیدؒ کے عزم جواں سے۔ ان کا بدن لرزتا ہے غازی عبدالرشید شہیدؒ کی جرأت اور غازی منظور حسین شہیدؒ کی للکار سے۔ وہ جانتے ہیں عالم کفر کی موت جن مسلمانوں کے ہاتھوں لکھی ہے، وہ شمع رسالت ﷺ کے ایسے ہی پروانے ہیں۔

چودہ صدیوں پر پھیلی تاریخ گواہ ہے کہ شمع رسالت ﷺ کے انہی پروانوں نے شجرِ اسلام کی آبیاری ہر دور میں اپنے لہو سے کی ہے۔ اسلام انہی کے دم سے ہر عہد میں تابندہ رہا ہے۔ صحابیتؓ اسی جذبۂ عشق مصطفیٰ ﷺ اور والہانہ سرفروشی سے دمک رہی ہے۔ اہلبیتؓ کی جاں نثاری نے ریگ زار کربلا میں اپنے لہو کی جو سرخی نچوڑی تھی، آج بھی اسلام کے گلشن میں ساری بہار اسی کی ہے۔ یہ عشق مصطفیٰ ﷺ کا جذبہ ہی ہے جو ایمان کی کھیتی کو ہرا بھرا رکھتا ہے۔ اس بات کو جتنا کفار جانتے ہیں، اتنا شاید مسلمان بھی نہیں جانتے۔ اس لیے دنیا بھر کے کفار سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر مسلمانوں کے اس جذبۂ عشق رسول ﷺ سے ڈرتے ہیں اور وہ صدیوں سے اپنی ساری توانائیاں اسی ایک نقطے پر مرکوز کیے ہوئے ہیں کہ کسی طرح اہل ایمان کے دل سے جذبۂ عشق رسول ﷺ کی تپش مٹا دیں۔ یہی ان کا منصوبہ کل بھی تھا، آج بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گا اور یہی ہے عہد جدید کا سب سے بڑا چیلنج عاشقان رسول ﷺ کے لیے۔

چنانچہ علامہ اقبالؒ نے عہد حاضر کی ابلیسی طاقتوں کے دجل و فریب، مکر و سازش اور فتنہ و آزار کی تمام پرتیں کھول کر دکھا دی ہیں۔ اپنے ایک شعر میں وقت کے اس نباض نے عہد جدید میں امت مسلمہ کے سب سے بڑے اضطراب اور المیہ کو یوں اجاگر کیا ہے ۔

عصر ما، مارا زما بیگانہ کرد
از جمال مصطفیٰ ﷺ بیگانہ کرد

جمال مصطفیٰ ﷺ سے اہل ایمان کو بیگانہ کرنے کی سازش کہاں سے پھوٹی اور کیسے پروان چڑھی، یہ عالم آشکار ہے۔ میں تو صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اسلام دشمن قوتیں تاریخ کے مختلف ادوار میں دین حق کو مٹانے کے لیے اپنے سب حربے آزما چکیں، لیکن اسلام مٹنے کی بجائے مزید ابھرتا گیا۔ سکڑنے کی بجائے اور پھیلتا گیا۔ دبنے کی بجائے سب پر حاوی ہوتا گیا۔ دیکھو مدعیان نبوت ابھرے اور دم توڑ گئے۔ مرتدین بھاگے اور مٹ گئے یا لوٹ آئے۔ سبائی، فتنے لے کر اٹھے اور خود بھی فتنوں سمیت معدوم ہو گئے۔ خارجی بگڑے اور لڑ لڑ کر ختم ہو گئے۔ یورپ کے صلیبی لشکر طوفان اٹھاتے ہوئے آئے اور صدیوں تک آتے رہے لیکن مجاہدین اسلام کے گھوڑوں کی اڑائی ہوئی گرد میں ڈوب گئے۔ تاتاری صحرائے گوبی سے اٹھے اور آندھی بگولے کی طرح ہر سو چھا گئے، مگر جب وہ اہل اسلام کی کھوپڑیوں کے مینار بنا چکے، تو ایک دم

پلٹے اور سب کے سب حلقہ بگوش اسلام ہو کر کعبہ کی دہلیز پر جھک گئے۔ بقول اقبال ؎

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

تاریخ کے یہ سب ادوار جب دشمن دیکھ اور بھگت چکا تو اس نے فیصلہ کیا کہ اب اپنے ترکش کا آخری تیر چلا دینا چاہیے تاکہ امت مسلمہ کا سینہ ایسا گھائل ہو کہ پھر یہ زخم مٹ نہ سکے۔ یہ تیر کون سا تھا، اور یہ کس زہر ہلاہل میں بجھا ہوا تھا؟ اس کا رمز شناس بھی دانائے عصر علامہ اقبال ہی ہے۔ وہ بیسویں صدی میں استعمار کی حکمرانی کا راز فاش کر رہا ہے اور ابلیس کا اپنے فرزندوں کے نام سے سب سے بڑا حکم سنوار رہا ہے۔ لیجئے سنئے! ابلیس کا سب سے بڑا حکم کیا تھا؟

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو

یہ حکم بیسویں صدی کے آغاز میں جاری ہوا اور پھر شیطان کی ذریت اس آخری مشن کی تکمیل میں لگ گئی۔

انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں جھوٹی نبوت کا دعویدار مرزا غلام احمد قادیانی ابھرا اور اپنے پیچھے ایک ایسی نجس تاریخ چھوڑ گیا ہے جس کے تعفن سے ہمیشہ انسانیت کا دم گھٹتا رہے گا۔ فتنہ مرزائیت، اسلام کے خلاف انگریزوں کی ایسی بدترین سازش ہے جسے انھوں نے محض شروع ہی نہیں کیا بلکہ آج تک اسے پال رہے ہیں اور ایک سو سال سے زیادہ عرصہ پر پھیلی ہوئی اس سازش کی مسلسل لحہ لحہ دیکھ بھال کر رہے ہیں...... مرزا قادیانی تو نبوت کا دعویٰ کرنے کے بعد 7 سال کے اندر اندر مر گیا۔ لیکن اس کے مکر وفریب کا پردہ اسی وقت پوری طرح چاک ہو گیا تھا اور یہ بات اس کے سرپرستوں کے لیے بہت پریشانی کا باعث تھی۔ ان کی سازش پہلے ہی لمحے ناکامی کے خطرے سے دوچار ہو گئی تھی۔ بس یہی وہ مرحلہ تھا جب انگریزوں نے فیصلہ کیا کہ اپنے اس خود کاشتہ پودے کو آخر تک انھیں خود سنبھالنا ہوگا۔ لحہ لحہ اس کی نگہداشت کرنی ہوگی۔ اسے ہر موسم کی سختی سے، ہر باد مخالف کے تھپیڑے سے، ہر خطرے اور ہر اندیشے سے بچانا ہوگا اور داد دیجئے کہ اب تک وہ اپنے اس فریب کو پوری طرح نبھا رہے ہیں اور بڑی کامیابی سے آگے بڑھا رہے ہیں۔

انگریز اچھی طرح اس بات کو جانتے ہیں کہ آج اگر انھوں نے مرزائیت کی سرپرستی چھوڑ دی تو یہ فتنہ لمحوں میں اپنی موت آپ مرجائے گا۔ انھیں یہ بھی احساس ہے کہ مرزائیت کی موت، یہود و نصاریٰ کی ایک اور بدترین صلیبی شکست ہوگی۔ کیونکہ مرزائی امت مسلمہ کے خلاف جو جنگ لڑ رہے ہیں، یہ ان کی اپنی نہیں، صلیبیوں کی جنگ ہے۔ کیا بدنصیبی ہے مرزائیوں کی۔ خدا نے انھیں فاران کے چاند سید المرسلین ﷺ کے سایۂ رحمت سے نوازا، مگر انھوں نے مہتاب عرب ﷺ کی ٹھنڈی، میٹھی، کومل چاندنی کو ٹھکرا کر نصرانیت کی صلیب اٹھا لی اور امت مسلمہ کے خلاف بیسویں صدی کی سب سے مکروہ صلیبی جنگ شروع کر دی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہر پچھلی صلیبی جنگ کی طرح بالیقین اس تازہ صلیبی جنگ میں بھی آخری فتح اسلام ہی کی ہوگی اور تاریخ انسانیت کی بدترین شکست کا داغ بالآخر قادیانیوں کے مکروہ چہرے پر ثبت ہوگا کہ یہی خدا کا اٹل فیصلہ ہے۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا.

(بنی اسرائیل:81)

حق آ گیا اور باطل نابود ہو گیا بیشک باطل کو نابود ہونا ہی تھا۔

ذرا بیسویں صدی کی تاریخ پڑھیے۔ واقعات کا تسلسل دیکھیے۔ حالات کے نشیب و فراز میں جھانکئے۔ زندگی کی پاتال میں اتریے۔ افراد کو جانچیے۔ ملت کو پرکھیے۔ قدم قدم اسی امتحان عشق کا سفر طے ہوتا نظر آئے گا۔ لمحہ لمحہ اسی آزمائش میں گزرتا محسوس ہوگا اور نفس نفس اسی ابتلاء کا گداز ہوگا۔ دیکھیے بیسویں صدی کا سورج چمکتے ہی خدا نے قادیان کے ملعون مرزا قادیانی کو عاشقان مصطفیٰ ﷺ کے سامنے امتحان بنا کر کھڑا کر دیا۔ 1901ء تک مرزا خود کو مہدی اور مسیح موعود کہتا رہا۔ 1901ء میں برملا اس نے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا اور یہ دعویٰ خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کو ماننے والے ہر مسلمان کے جذبۂ عشق کا امتحان تھا۔ مرزا کے خبیث ذہن کی سازش، اس کے وجود کی ہر حرکت اور اس کی زبان کی ہر جنبش اہل محبت مسلمانوں کا امتحان بن گئی۔ وہ جب تک زندہ رہا، اس کی ہر سانس محمد مصطفیٰ ﷺ کے دیوانوں کا امتحان تھی اور جب وہ مر گیا تو اس کی ہر یادگار ہمارے جذبۂ عشق رسول ﷺ کے لیے سراپا چیلنج بن گئی اور جب تک اس دھرتی کے سینے پر ایک بھی مرزائی سانس لیتا رہے گا، اہل محبت کا امتحان باقی رہے گا۔

انگریز برصغیر میں اترا تو اسے یہاں دو قوتیں نظر آئیں، ایک ہندو اور دوسری مسلمان۔ انگریز نے فیصلہ کیا وہ ان دونوں قوموں کو باہم لڑاتا اور خود ان پر حکومت کرتا رہے گا۔ بس پھر کیا تھا۔ انگریز نے ہندو مسلم لڑائی شروع کروا دی۔ مسلمانوں کے خلاف سب سے بڑی لڑائی، ان کے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ کی عزت و ناموس پر حملہ ہے، اور انگریز نے ایسے ہندو ڈھونڈ لیے جو سرور کائنات محسن انسانیت ﷺ کی ناموس اطہر پر حملے کرنے لگے۔ کہیں راجپال سامنے آیا اور کہیں نتھو رام، کہیں چرن داس اٹھا اور کہیں پالا مل سنار۔ کہیں چلچل سنگھ بڑھا اور کہیں رام گوپال۔ کہیں نینوں مہاراج ابھرا اور کہیں لیکھرام۔ غرض یہ کہ شردھانند اور اس کے چیلے میرے آقا و مولا رحمت دو جہاں ﷺ کی توہین کرتے رہے اور اہل عشق و محبت کے لیے امتحان گاہ سجاتے رہے۔

خدا کا شکر ہے، امت اس امتحان عشق رسول ﷺ میں سرخرو ٹھہری اور خاص طور پر برصغیر کے مسلمان۔ بیسویں صدی کے ہر طلوع ہوتے سورج کی پہلی کرن، ہر ڈھلتی شام کی آخری لو، ہر شب چاند کی سندر کومل چاندنی، ہر فصل بہار کی شادابی، ہر کھلتے پھول کی رعنائی، ہر بہتے دریا کی روانی، ہر چہچہاتے طائر کی نغمہ خوانی، ہر چہرۂ جمال کی تابانی، ہر خاموش روح کی ترنگ اور ہر دھڑکتے دل کی امنگ اس بات کی شہادت دے گی کہ رحمت کائنات سرور دو جہاں ﷺ کے غلاموں نے عشق کے ہر امتحان میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے وفا کی لاج نبھائی ہے۔

ادھر راجپال، چرن داس، نتھو رام، پالا مل، چلچل سنگھ، رام گوپال، نینوں مہاراج، لیکھرام اور شردھانند نے سر اٹھایا اور ادھر شمع رسالت کے پروانے علم الدین، عبدالرشید، مرید حسین، عبدالعزیز، میاں محمد، عبدالقیوم، محمد صدیق، خدا بخش، عبداللہ اور منظور حسین یکے بعد دیگرے اٹھے اور ان گستاخوں کے سر کچل کر خود پروانہ وار اپنے آقا و مولا ﷺ کی ناموس اطہر پر قربان ہو گئے۔ کیا امتحان عشق میں اس سے بڑھ کر سرخروئی کی اور کوئی ادا ہو گی۔ ان شہیدوں نے اپنے خون سے محبت اور وفا کی وہ انمول داستان لکھی ہے جس پر زمین کے سب ذرے اور آسمان کے سب تارے ہمیشہ ناز کرتے رہیں گے۔

عالمی سطح پر اس وقت اغیار کی دسیسہ کاریوں نے جو سب سے بڑی گھمبیر سازش اسلام کے خلاف بُنی ہے، وہ ناموسِ رسالت ﷺ کے خلاف طرح طرح کے ان تازہ حملوں

میں جھلک رہی ہے اور افسوس یہ ہے کہ اہل ایمان کی غیرت دینی کے شعلے بجھے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، علامہ اقبال کے الفاظ میں ؎

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں، راکھ کا ڈھیر ہے

آج دنیا میں ایک سو پچیس کروڑ مسلمان سانس لے رہے ہیں اور ہر سانس میں دکھ کی آگ بھری ہے۔ ہر مسلمان کا سینہ چھلنی ہے۔ ہر دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ یا اللہ! یہ دن بھی آنا تھا کہ ہم جی رہے ہیں اور ہمارے آقا ﷺ کی توہین ہوئی ہے ؎

اے غیرت ایمانی جاگ ذرا
میرے آقا ﷺ کی توہین ہوئی ہے

اے دین حق کے متوالو!..... شمع رسالت ﷺ کے پروانو!..... کیا ہمارا ضمیر اب کبھی جاگ نہ پائے گا..... کیا رب کی دھرتی پر اب کبھی ناموس رسالت ﷺ کے تحفظ کی شمعیں نہیں جلیں گی..... کیا اب ہمارے ایمان کی کھیتی سدا بنجر ہی رہے گی..... کیا حرمت رسول ﷺ پر جان نچھاور کرنے کے جذبے صرف ایک بھولی بسری تاریخ بن کر رہ جائیں گے..... ''حرمت رسول ﷺ پر جان بھی قربان ہے'' کے نعرے، صرف دیواروں پر ہی سجے رہیں گے..... کیا ہمارے لہو کی بوندوں میں اب کبھی عشق رسول ﷺ کی بجلیاں رقص نہیں کریں گی..... کیا ہماری پلکوں میں اب کبھی یادِ مصطفیٰ ﷺ کی نمی نہیں اترے گی..... کیا ہم خود کو شفاعت مصطفیٰ ﷺ کی آرزو سے ہمیشہ محروم رکھنے پر تلے ہوئے ہیں.....؟ کیا کہا..... نہیں!..... تو پھر..... قارئین کرام..... نکلئے اپنے گھروں سے باہر..... تھام لیے تحفظ ناموس رسالت کا البیلا پرچم..... تاآنکہ چند کرنیں عشق مصطفیٰ ﷺ کی ہمارے وجود کی پہنائیوں میں تھرتھرانے لگیں..... اور ہمارے ایمان کو ایک بار پھر سہارا مل جائے..... نسبتِ رسول ﷺ کی بہاروں کا.....

(''توہین رسالت ﷺ کے فتنے، تاریخ کے آئینے میں'' از پروفیسر سیّد عبدالرحمٰن بخاری)

جناب محمد اسامہ سرسری اپنے ایمان پرور مضمون ''اِک عشق مصطفیٰ ﷺ ہے، اگر ہو سکے نصیب'' میں لکھتے ہیں:

''ایک مسلمان کو یہ احساس رہتا ہے کہ وہ گناہگار ہے، روسیاہ ہے، خدا کا مجرم ہے لیکن وہ کتنا ہی گیا گزرا کیوں نہ ہو، جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ کوئی ہاتھ ناموس رسالت ﷺ کے

دامن کی طرف بڑھ رہا ہے تو وہ برداشت نہیں کر سکتا۔ پھر مغربی تہذیب میں رنگے اس مسلمان پر سے مغربی مے کا نشہ ایک لمحے میں ہرن ہو جاتا ہے۔ ایمان کی چنگاری جس پر کروڑوں گناہوں کی دھول جمی ہوتی ہے، ایمانی غیرت کے ایک جھونکے سے سلگنے لگتی ہے اور سلگ کر شعلہ جوالہ بن جاتی ہے۔ جذبات کا تلاطم پھر اس کے بس میں نہیں رہتا۔ وہ نیند کی حسین وادیوں میں کھونے کی کوشش کرتا ہے لیکن حرمت مصطفیٰ ﷺ کی پکار اسے جھنجھوڑنے لگتی ہے اور اس کا سکون تہہ و بالا ہو جاتا ہے۔ پھر راکھ کے اس ڈھیر سے کروڑوں چنگاریاں جنم لیتی ہیں۔ توہین رسالت ﷺ کی چبھن اس میں بیداری کی لہر پیدا کر دیتی ہے۔ وہ بپھر جاتا ہے۔ سر پر کفن باندھ کر میدان عمل میں آ جاتا ہے۔ پھر یہ جنگ عقل کے دائرے سے نکل کر عشق کا غلاف اوڑھ لیتی ہے۔ پھر خرد کا نہیں، جذبات کی تپش کا معرکہ شروع ہو جاتا ہے۔ دشمن، وقت کے سمندر میں پتھر پھینکتا ہے لیکن جذبۂ عشق و محبت مدھم تک نہیں ہوتا، جب بھی اس بحر سکون پذیر کو حرکت دی گئی تو اس کی موجیں مخالف کو تنکا سمجھ کر بہا لے گئیں، شمع رسالت ﷺ کا کوئی پروانہ، میدانِ وفا میں قدم رکھتا ہے تو انجام و عواقب سے بے نیاز ہو کر آگے بڑھتا ہے۔ وہ آکسیجن کا نہیں، عشق رسول ﷺ کا سانس لیتا ہے۔ صفحۂ دہر میں ہر انسان پانی پی کر جیتا ہوگا لیکن مسلمان حب رسول ﷺ کی آب و ہوا میں زندہ رہتا ہے۔ اس کے دل کی دھڑکن یادِ رسول ہے۔ اسکی رگوں میں محبت رسول گردش کرتی ہے۔ یہ آزادی کا نہیں، غلامیٔ رسول ﷺ کا طلب گار رہتا ہے۔ یہ ہر چیز کو ایمان اور عشق مصطفیٰ ﷺ کے ترازو میں تولتا ہے۔ یہ اپنے مقصودِ زندگی کو بیان کرتا ہے تو اس پیرائے میں

اک عشق مصطفیٰ ﷺ ہے اگر ہو سکے نصیب
ورنہ دھرا ہی کیا ہے جہانِ خراب میں

اور اس کے جذبات صرف الفاظ تک محدود نہیں رہتے بلکہ وقت آنے پر یہ سر بیچ کر اس متاع دل و جاں کو خرید کر دکھاتا ہے۔ اس کے نزدیک نعل نبی ﷺ کی نوک، تاج شاہی سے زیادہ معظم ہے۔ یہ حضور ﷺ کے نقش کف پا کو سجدہ گاہِ عشق سمجھتا ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ آبِ حیات، آپ ﷺ کے قدموں کی دھوون ہے اور خلعت شاہی آپ ﷺ کے لباس کی اُترن! یہ دیارِ حبیب ﷺ کے کوچوں کو جنت کے باغیچے سمجھتا ہے، یہ آقا کی گلی کے گدا کو اپنا امام سمجھتا ہے۔

یہاں آ کر اس کے پاؤں مصلحت کی بیڑیوں سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ اس کے

شکستہ اور مجروح جذبات کا ملبہ، کفر کے سامنے دیوار آہنی بن کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو چکی ہے کہ اسی ذات پاک سے ہماری حیات مستعار کی ہر آبرو وابستہ ہے جو جمالِ الٰہی کا آئینہ اور دست فطرت کا وہ عظیم شاہکار ہے جس پر حسنِ آفریں بھی ناز کرتا ہے۔ یہ لفظوں کی شطرنج بچھانے سے زیادہ عمل کا جام پینے پر یقین رکھتا ہے۔ جب فکر و عمل کا چمن نہ ہو، ذوق کی رعنائی نہ ہو، شوق کی زیبائی نہ ہو، سجدوں کا کیف نہ ہو، آنسوؤں کی جھڑی نہ ہو، الغرض زندگی سراب بھی ہو اور خراب بھی تو پھر یہ احساس اسے اس حد تک پہنچا دیتا ہے کہ وہ ذاتِ اقدس ﷺ میں کسی ماتھے کی سلوٹ، کسی نگاہ کا زاویہ اور کسی ہونٹ کی حرکت برداشت نہیں کر سکتا۔ اس وفا کا سوز اسے کندن بنا دیتا ہے، بقول شاعر ؎

محبت جس کو خاکستر کرے گی، کیمیا ہو گا

ارے یہی احساس ہی تو ہے جس نے سوا چودہ سو سالہ تاریخ کے حاشیوں کو جانثاروں کے لہو سے گلرنگ کر دیا۔ اسی احساس نے تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ''اسد اللہ'' کے لقب سے نواز کر حلقہ بگوش اسلام کیا تھا۔ آدمیت کے سروں کا جھومر بھتیجا۔ جس پر ابو جہل کا ہاتھ اُٹھتا ہے اور جب اس کی اس حرکت کا علم فخر موجودات کے اس چچا کو ہوتا ہے جو غیرت وحمیت کا پتلا تھا تو بیت اللہ کے سامنے ابو جہل کو گریبان سے پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کہتے ہیں: کیا تم نے میری موت کی خبر سن لی تھی، اس لیے میرے بھتیجے پر ہاتھ اُٹھایا؟ کان کھول کر سن لو، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ابھی اتنے لاوارث نہیں ہوئے۔ محمد کی توہین اگر اس لیے کی ہے کہ وہ نیا دین لے کر آئے ہیں تو حمزہ کی زبان سے بھی سن لو ''**اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ و اشھد ان محمدا عبدہٗ و رسولہ**''۔ اسی احساس کی کوکھ سے عبداللہ بن عتیک جیسے مجاہد جنم لیتے ہیں جنھوں نے شقی القلب ابو رافع یہودی کے ناپاک وجود سے کرۂ ارض کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پاک کر دیا تھا۔ یہی احساس محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو منظر کائنات پر لایا جنھوں نے گستاخ رسول کعب بن اشرف کو نارِ جہنم کا ایندھن بنا دیا تھا اور حرمتِ رسول ﷺ پر فدا ہونے کا سلسلہ صرف اسی دور کے ساتھ خاص نہ تھا بلکہ فدایانِ محمد ﷺ کا یہ لشکر ہر زمانے میں رہا ہے۔ آریہ سماج حیدر آباد کے سیکرٹری نتھورام نے تاریخ اسلام کے نام سے کتاب لکھی جس میں سرکار دوعالم ﷺ کی شانِ اقدس میں سخت دریدہ دہنی کا مظاہرہ کیا، یہ بات غازی عبدالقیوم تک

پہنچی تو انھوں نے کہا سندھ میں اس قدر مسلمان ہیں لیکن کسی نے یہ پوچھا تک نہیں کہ اس بدزبان کو شانِ اقدس میں یاوہ گوئی کی جرأت کیسے ہوئی؟ اس مردود کا فیصلہ انگریز کی عدالت میں نہیں عبدالقیوم کا خنجر کرے گا۔ پھر واقعتاً ایسا ہی ہوا۔ کمرۂ عدالت میں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ غازی عبدالقیوم بھی گئے اور نتھو رام کے قریب بیٹھ گئے۔ پھر یکا یک خنجر نکالا اور اس کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ نتھو رام بری طرح زخمی ہوگیا۔ اس کے ناپاک وجود سے ناپاک خون بہنے لگا اور علاج معالجہ سے قبل ہی وہ فنا فی النار ہوگیا۔ جج نے پوچھا آپ نے ایسا کیوں کیا؟ غازی عبدالقیوم نے کہا اس خنزیر کی اولاد نے میرے آقا و مولا ﷺ کی گستاخی کی ہے اور اس کی سزا صرف یہی ہے۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ میں آئندہ بھی گستاخانِ رسول کے لیے یہی کارروائی عمل میں لاؤں گا، جس کا مظاہرہ میں نے نتھو رام کے ساتھ کیا ہے۔ 13 اکتوبر 1933ء کو کراچی کی عدالت سے غازی عبدالقیوم کو سزائے موت کا مستحق ٹھہرایا گیا۔ کیا [illegible]! ادھر سے غازی کو موت کا پروانہ آتا ہے اور ادھر وہ بآوازِ بلند ''الحمدللہ'' کا نعرہ لگاتا ہے۔ عدالت کے کٹہرے سے نکلا تو نعرہ تکبیر بلند کرتا ہوا نکلا۔ 14 اکتوبر کو صبح دس بجے رشتہ داروں سے ملاقات ہوئی۔ والدہ محترمہ بھی موجود تھیں۔ ربِ کعبہ کی قسم! ہم اس ماں پر ناز نہ کریں تو کیا کریں جس کے لختِ جگر کو چند لمحوں بعد تختہ دار پر جھولنا تھا، لیکن تاریخ ہمیشہ اس عظیم ماں کے الفاظ اپنے دامن امانت میں سنبھال رکھے گی جس نے کہا تھا۔ ''بیٹا! میں بہت خوش ہوں کہ تم نے ناموس سرورِ کونین ﷺ پر اپنے آپ کو قربان کر دیا ہے۔'' پھر چشمِ فلک نے وہ لمحہ بھی دیکھا کہ غازی نے لواحقین کو وصیت کرتے ہوئے کہا: ''میں شہید کر دیا جاؤں تو نہایت صبر سے کام لینا، اگر تم میں سے کسی نے آنسو بہائے تو میں بارگاہ سرورِ دوعالم ﷺ میں اس سے شرمندہ ہوں گا'' اور پھر اس عاشقِ صادق کی بے قرار روح پھانسی کے پھندے پر قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ پھانسی کے پھندے پر جھومتی ہوئی غازی کی لاش بزبانِ حال کہہ رہی تھی ؎

یا الٰہی! اس اسیر خستہ جاں کو دار پر
خواہشِ دیدارِ احمد کے سوا کچھ بھی نہیں

بالیقین غازی عبدالقیوم! تم نے عشق کا حق ادا کر دیا۔ عشق کی انتہا جان کی بازی لگا دینا ہے۔ سو وہ تم نے لگا دی۔ تمھیں نیا سفر مبارک ہو۔ بہشت کی نعمتیں مبارک ہوں لیکن

میرے آقا کی روح تو آج بھی تڑپ رہی ہے۔ آج تیرا کردار کون دہرائے گا؟ آج تجھ جیسی تاریخ کون رقم کرے گا؟ میرے آقا! معاف کرنا! آپ کی گستاخی پر گستاخی ہو رہی ہے لیکن ہم کچھ نہ کر سکے لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ مغرب کے بھنگیوں کو، کوڑھ دماغوں کو نتھو رام بننے کا شوق ہے تو میرے آقا! آپ کی امت کا کوئی فرد بھی غازی عبدالقیوم کی تاریخ دہرانا اپنے لیے سعادت سمجھے گا۔

تیرے دماغ میں، تیرے دل میں اور تیری رگ رگ میں
نبی کے عشق کا سودا نہیں تو کچھ بھی نہیں"

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی " اپنے گرانقدر مضمون "ناموس رسول ﷺ اور سرفروشانِ اسلام" میں لکھتے ہیں:

"ابھی اس وقت کی یاد ہمارے دلوں میں محفوظ ہے، جب ہمارے اقبال کا پرچم دنیا کے بڑے حصہ پر لہرا رہا تھا۔ انسانی آبادی کا بڑا رقبہ ہمارے زیر نگیں تھا۔ زمین کے گوشہ گوشہ پر اسلامی شوکت وسطوت کا ڈنکہ بج رہا تھا۔ اقتدار ہمارا غلام تھا، دولت ہماری کنیز اور دنیا کی کوئی طاقت نہیں تھی کہ مسلمانوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکتی۔ لیکن ہماری بداعمالیوں اور سیہ کاریوں کی بدولت وہ حالت قائم نہ رہی۔ ہمارا اقبال رخصت ہوا، ہمارا عروج، زوال سے بدل گیا، ہمارا کارواں لٹ گیا، ہماری سلطنت تاراج ہوئی، ہم سے دولت چھن گئی، ہم مفلس اور دنیا والوں کی نظروں میں ذلیل ہو گئے اور بے شک آج ہم بیکس ہیں، محروم ہیں۔ لیکن الحمدللہ کہ خدا کا یقین اور اس کی عظمت، رسول ﷺ پر ایمان اور اس کی محبت جو غیر فانی دولت اور ازلی امانت ہے، ہمارے سینوں میں محفوظ ہے اور یہی وہ چیز ہے جو نہ صرف ہر مسلمان کے لیے طغرائے امتیاز ہے بلکہ وہ اس کو دنیا و مافیہا اور حتیٰ کہ اپنے دل و جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہے۔

مسلمان سے اس کی دولت وثروت چھینی جا سکتی ہے، اس کی آبروریزی کی جا سکتی ہے، اس کے ماں باپ کو گالیاں دی جا سکتی ہیں، اس کو مارا پیٹا جا سکتا ہے، حتیٰ کہ اس کی جان بھی لی جا سکتی ہے اور ان تمام چیزوں پر وہ صبر بھی کر سکتا ہے۔ لیکن یہ ناممکن ہے کہ اس کے سامنے اس کے روحانی سرتاج، اس کے آقا ومولا ﷺ کی عزت و ناموس پر حملہ کیا جائے اور وہ اسے برداشت کر سکے۔ کیونکہ اس کا ایمان ہے کہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کی عظمت و

عزت کی حفاظت دنیا اور آخرت کی ہر چیز پر سب سے زیادہ مقدم ہے۔ ہر مؤمن کا خدا سے معاہدہ ہے کہ تیرے نام کی عزت اور تیرے رسول ﷺ کے ناموس کے لیے جان تک کی قربانی پیش کرنے سے دریغ نہیں کروں گا اور مسلمان زندگی میں جتنی بار "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" پڑھتا ہے، درحقیقت وہ اس معاہدے کی تجدید کرتا ہے۔ قرآن نے اس کو بتلایا ہے کہ مسلمان اسی وقت تک حقیقی ایمان کا حامل ہے، جب تک کہ وہ اپنی دولت، مکانات، باغات، عزیز واقارب، بھائی بہن، ماں باپ، بیوی بچے، حتیٰ کہ اپنی عزیز جان تک کو خدا اور اس کے رسول ﷺ کے راستہ میں قربان کرنے کے لیے بالکل تیار ہو اور اگر ان چیزوں میں سے کسی کی وقعت خدا اور اس کے رسول کی عزت وعظمت کے مقابلہ میں غالب آ گئی تو قرآن کی اصطلاح میں وہ مؤمن نہیں، منافق ہے۔

ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ ناموس نبوت ﷺ کے تحفظ کے سلسلہ میں جو موت آئے، درحقیقت وہ موت نہیں بلکہ ایک اعلیٰ درجہ کی دائمی اور سرمدی زندگی ہے۔

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں اس ﷺ کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا

دنیا کی یہ زندگی چند لمحوں کی زندگی ہے جو صرف ایک ہی بار ملتی ہے۔ چھن جانے کے بعد پھر کبھی نہیں ملتی جو شخص اس مختصر وقفہ کو سچے موتی حاصل کرنے کے بجائے بے قیمت سنگریزوں کے بٹورنے اور ان سے کھیلنے میں ضائع کرتا ہے، اس کی نادانی کا کوئی ٹھکانہ ہے؟

اور یہی وجہ ہے کہ ہر قرن اور ہر زمانہ میں بکثرت اس کی نظیریں ملتی ہیں کہ شمع نبوت ﷺ کے پروانوں نے ناموس نبی ﷺ پر قربان ہو کر اپنی فدائیت کا ثبوت دیا ہے اور اس کو اپنے کمال کی انتہائی معراج سمجھا ہے۔ شہید اسلام حضرت زید بن دثنہؓ کا وہ واقعہ ہماری نظروں کے سامنے ہے کہ دشمنان اسلام ان کو گرفتار کر کے قتل کرنے کے لیے مقتل میں لاتے ہیں اور ان کا سردار حضرت زیدؓ سے پوچھتا ہے۔

"انشدک اللہ یا زید اتحب ان محمد اعندنا لان مکانک یضرب عنقہ وانک فی اھلک" زید میں تم کو تمہارے خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم اس کو پسند کرتے ہو کہ یہاں تمہارے بجائے...... کی گردن ماری جائے اور تم (چین سے) اپنے اہل وعیال میں رہو۔

حضرت زیدؓ بے بس ہیں۔ مگر نہایت برافروختہ ہوکر جواب دیتے ہیں:

"**واللہ ما احب ان محمداً الان فی مکانہ الذی ھو فیہ تصیبہ شوکۃ توذیہ وانا جالس فی اھلی**" اللہ کی قسم مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ ہمارے آقا محمد (ﷺ) اپنی جگہ پر ہوں اور ان کو معمولی کانٹا بھی لگ جائے جس سے ان کو تکلیف ہو اور میں اپنے گھر میں بیٹھا ہوں۔

وقت کی نزاکت اور حضرت زیدؓ کے ان محبت میں ڈوبے ہوئے الفاظ کو دیکھو اور ان سے ان کے دلی جذبات کا اندازہ لگاؤ تو معلوم ہوگا کہ شمع نبوت ﷺ کا ہر پروانہ اپنے آقا و مولاؐ کے متعلق یہی جذبات رکھتا ہے۔

ہر مسلمان (بشرطیکہ نام کا مسلمان نہ ہو) رسول اللہ ﷺ کی عزت کو ایک اپنی جان نہیں بلکہ کروڑوں مسلمانوں کی جان سے زیادہ قیمتی سمجھتا ہے۔ اس کو ایک درجہ میں یہ تو گوارا ہے کہ دنیا بھر کے سارے مسلمانوں کو فنا کر دیا جائے مگر وہ کسی طرح یہ گوارا نہیں کرسکتا کہ ایک بھی مسلمان موجود ہو اور اس کی موجودگی میں ناموس رسالت ﷺ پر حملہ ہو۔ وہ اس منحوس وقت کے آنے سے پہلے اپنی موت بہتر سمجھتا ہے۔

حضرت امام مالکؒ نے خلیفہ ہارون رشیدؒ کے اس خط کے جواب میں جس میں انھوں نے ایک گستاخ رسولؐ کے متعلق استفسار کیا تھا، اسی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے لکھا تھا "**مابقاء امۃ بعد سب نبیھا**" نبی کو گالیاں دیے جانے کے بعد امت کی کیا زندگی ہے؟

ہمارا یہ محض زبانی دعویٰ ہی نہیں بلکہ تاریخ اسلام کا ہر صفحہ دنیا کے سامنے اس کے عملی نمونے پیش کر رہا ہے۔ غزوۂ اُحد میں شہید ہونے والے مسلمانوں میں ایک بزرگ صحابی حضرت سعدؓ بن ربیع انصاری ہیں، یہ دشمنان اسلام کی تلواروں سے شدید زخمی ہوئے، ایک طرف پڑے ہیں۔ ایک دوسرے انصاری صحابی اُبیؓ بن کعب، رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ان کی تلاش میں نکلتے ہیں اور اس وقت ان کے پاس پہنچتے ہیں جبکہ ان کی مقدس روح اس خاکی قفس سے پرواز کر کے ملاء اعلیٰ میں جانے کی تیاری کر رہی ہے۔ بس خفیف سی کچھ رمق باقی ہے۔ حضرت اُبیؓ نے اس شہید ہونے والے بسمل نیم جان سے کہا "مجھے رسول اللہ ﷺ نے تم کو دیکھنے کے لیے بھیجا ہے؟"

یہ مبارک نام سنتے ہی نہ معلوم بدن میں کیا برقی طاقت سی دوڑ گئی، آنکھیں کھولیں اور فرمایا۔ میں بظاہر اس دنیا سے جانے والوں میں ہوں۔ پس آنحضرت ﷺ کو میرا آخری

سلام پہنچا دینا اور میری طرف سے انصار سے کہہ دینا کہ سعدؓ مرتے مرتے یہ کہہ گیا ہے کہ: **"لاعذر لکم عند اللّٰہ تعالٰی ان یخلص الی نبیکم وفیکم عین تطرف"** جب تک تم میں ایک مسلمان بھی زندہ ہے، اگر دشمن حضور ﷺ تک پہنچ گیا تو تم اللہ کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہو گے کیونکہ تم نے لیلۃ العقبہ میں رسول اللہ ﷺ پر فدا ہونے کی بیعت کی تھی۔" یہ فرمایا اور بس حضرت سعدؓ کی سعید روح منزل مقصود پر پہنچ گئی۔

اللہ اللہ جانکنی کے اس نازک وقت کو دیکھو اور سعدؓ کے ان والہانہ جذبات کو، پھر کیا یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے یہ سرفروشانہ جذبات (جو درحقیقت ان کو زید اور سعد جیسے اسلاف سے وراثتاً ملے ہیں) کسی تدبیر سے دبائے جا سکتے ہیں:

یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

مسلمان جب تک مسلمان ہے اور اس دنیا میں زندہ ہے، یہ ناممکن ہے کہ کوئی اس کے رسول ﷺ کی عزت پر حملہ کرے اور وہ برداشت کر سکے۔ یہ اس کی ذات کا معاملہ نہیں بلکہ اس کے پیارے اور مقدس دین کا معاملہ ہے۔ اس کی دینی غیرت کو یقیناً زبردست چرکا لگے گا۔ اس کی دینی حمیت کی آگ ضرور بھڑک اٹھے گی اور اس وارفتگی کے عالم میں وہ سب کچھ کر گزرے گا جو قانوناً اس کو نہیں کرنا چاہیے تھا۔ لہٰذا اگر دنیا چاہتی ہے کہ مسلمان اپنی سرفروشی کا مظاہرہ نہ کرے تو اس کی واحد صورت یہ ہے کہ کوئی اس کے رسول ﷺ کو گالی دے کر اس کی دینی غیرت اور حمیت کو چیلنج نہ دے۔ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس کو مسلمان کے دل کے نہایت نازک گوشہ میں نازک ترین مقام حاصل ہے۔ کسی دشمن اسلام کا اس میں قدم رکھنا بلکہ ترچھی نگاہ سے اس کی طرف دیکھنا بھی ایک آفت ہے۔

مسلمان کا مطالبہ یہ نہیں کہ ساری دنیا اس کے دین میں داخل ہو کر اس کے خدا کو خدا اور رسول ﷺ کو رسول ماننے لگے۔ اس کو اس پر بھی اصرار نہیں کہ تمام انسان خدا اور اس کے رسول ﷺ کی اتنی ہی عزت کرنے لگیں جتنی کہ وہ خود کرتا ہے۔ بلکہ وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کا نام دنیا میں عزت سے لیا جائے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ یہ مسلمان ہی کا مطالبہ نہیں بلکہ انسانیت اور شرافت کا بھی یہی تقاضا ہے۔ لیکن کچھ بدقسمت، بدسرشت، وہ بھی ہیں جو انسانیت و شرافت کے اس معقول مطالبہ کے سامنے بھی سر نہیں جھکاتے اور رحمت عالم ﷺ کی شان میں گستاخیاں کر کے مسلمانوں کے جذبات سے کھیلتے

ہیں اور پھر انجام وہ ہوتا ہے جو راجپال اور نتھو رام کا ہوا۔ اس پر حقیقت سے ناآشنا بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان دیوانہ ہے، وحشی ہے، بہیمانہ حرکتیں کرتا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ کہنے والے خود احمق ہیں۔ ان کو مسلمانوں کے جذبات اور احساس کا اندازہ ہی نہیں، تہذیب و تمدن کے روشن خیال یہ مدعی ذرا مجھے بتلائیں کہ اگر کوئی بدنصیب ان کی آنکھوں کے سامنے ان کی والدہ کے ساتھ بجبر حرام فعل کرے تو ان کی غیرت کا تقاضا کیا ہوگا؟ کیا اس وقت ان کی فطرت قانونی زنجیریں توڑنے پر مجبور نہ کرے گی؟ کیا وہ اس ناپاک حرام کار شخص کو صفحہ ہستی سے مٹانے یا خود مٹ جانے کے لیے تیار نہ ہوں گے؟ اگر ان کی فطرت ماؤف نہیں ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ یقیناً وہ سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے اور کر گزریں گے۔ تو پھر اس مسلمان کا کیا قصور ہے، جس کے دل و جان سے زیادہ عزیز، ماں باپ سے زیادہ قریب، حضور خاتم النبیین ﷺ کو گالیاں دے کر اس کے انتقامی جذبہ بلکہ اس کی اسلامی فطرت اور ایمانی غیرت کو خطرناک چیلنج دیا گیا ہو۔ میں غیر اسلامی دنیا کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کو اپنے پیغمبر کی شان میں ادنیٰ سی گستاخی اس سے کہیں زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے جس قدر کہ اور لوگوں کو اپنے ماں بہن کی عصمت دری کی۔

ہم تو یہی کہیں گے کہ اگر چاہتے ہو کہ دنیا میں امن و امان رہے تو مسلمانوں کے مذہبی جذبات سے مت کھیلو، ورنہ یقین رکھو کہ ہر راجپال کی گستاخیاں غازی علم الدین شہیدؒ، اور ہر نتھو رام کی گالیاں غازی عبدالقیوم شہیدؒ پیدا کریں گی اور پھر ملک کا امن و امان خطرے میں پڑ جائے گا۔ اگر حکومتِ وقت چاہتی ہے کہ اس کی سلطنت میں اس قسم کی وارداتیں نہ ہوں تو اس کو چاہیے کہ روحانی پیشواؤں (حضرات انبیاء علیہم السلام) کی عزت و حرمت کے قوانین کو سخت بنا کر پہلے راجپالوں اور نتھو راموں کی پیداوار روک دے۔ اس کے بعد خدا نے چاہا تو علم الدینؒ اور عبدالقیومؒ کی پیداوار خود ہی بند ہو جائے گی۔ لیکن جب تک یہ آگ نہیں بجھتی، غیرت مند مسلمان اس کو بجھانے کے لیے اپنی جانوں پر کھیلنے کے لیے ہمیشہ کمربستہ رہیں گے۔" (ماہنامہ لولاک ملتان فروری 2007ء)

جناب میاں عبدالرشیدؒ اپنی کتاب ''نور بصیرت'' میں ایک ایمان پرور واقعہ لکھتے ہیں:

''یہ 1934ء کا واقعہ ہے۔ پاکستان بننے سے تیرہ برس پہلے کا، یہ وہ دور تھا جب

ایک سازش کے تحت ہندوؤں اور عیسائیوں نے حضور رسالت مآبؐ کی شان میں باقاعدگی سے دریدہ دہنی شروع کر رکھی تھی۔ دراصل غیر مسلموں کو مسلمانوں کی دو باتوں سے زیادہ ڈر لگتا ہے، ایک عشقِ رسول پاکؐ سے اور دوسرے جذبۂ جہاد سے۔ اس لیے ان کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں کے دلوں سے حضورؐ کی محبت اور جذبۂ جہاد اور شہادت کا شوق نکال دیں۔

میرے ایک دوست فہد احمد اُن دنوں انگلستان سے ڈاکٹری پاس کر کے آئے اور بالم پور کے ہندو علاقہ میں بطور اسسٹنٹ سول سرجن تعینات ہوئے۔ بالکل مغربی وضع قطع میں رہتے تھے، ڈاڑھی مونچھ مُنڈی ہوئی۔ مونہہ میں پائپ، نماز روزہ سے لاتعلق۔ مسجد سے دُور، کلب لائف کے رسیا، بالم پور کے آفیسرز کلب میں ان کے سوائے باقی سب افسر غیر مسلم تھے، ایک روز کلب میں ایک لمبے تڑنگے ہندو فارسٹ افسر نے جناب رسالت مآب ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی شروع کر دی۔ ہمارے دوست اگرچہ مغرب زدہ تھے، مگر برداشت نہ کر سکے۔ اس ہندو افسر کو پکڑا اور فرش پر دے مارا اور پھر لاتوں اور گھونسوں سے اس کی خوب مرمت کی، وہاں بہت سے ہندو افسر موجود تھے، مگر کسی نے آگے آنے کی جرأت نہ کی۔ اس ہندو افسر نے دوسرے روز خود بھی معافی مانگی۔

حضور ﷺ کے نام پر غیرت دکھانے کا یہ اثر ہوا کہ اس نوجوان مسلم افسر پر حضور ﷺ کی نظر کرم ہوگئی۔ خود بخود دین سے رغبت پیدا ہوگئی۔ ایک ہفتہ کے اندر اندر اس کی نماز باجماعت قائم ہوگئی، پھر دینی کتب کا شوق پیدا ہوا۔ خواب میں کعبۃ اللہ کی زیارت ہوئی۔ دو برس بعد جدہ میں ملازمت مل گئی، ساڑھے چار برس وہاں رہے۔ حج کیے۔ حضور ﷺ کے روضہ مبارک کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ایک بزرگ کے وسیلہ سے روحانی دولت پائی۔ حضور ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ بعد کی زندگی میں دنیوی اور دینی ہر دو نعمتوں سے مالا مال ہوئے، بیٹوں نے اعلیٰ عہدے پائے، بیٹیاں اچھے گھروں میں بیاہی گئیں۔ اور یہ سب کچھ حضور ﷺ کے نام پر غیرت دکھانے سے پایا۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمد ﷺ سے اجالا کر دے

(نور بصیرت از میاں عبدالرشیدؒ)

سلطان محمودؒ غزنوی اور سومنات کا بُت

تاریخ میں یہ واقعہ پوری صحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ جس وقت سلطان محمود غزنوی نے سومنات کے بُت کو پاش پاش کرنے کا ارادہ کیا تو اس وقت برہموں کے طبقے نے معززینِ سلطنت کے توسط سے سلطان سے درخواست کی کہ اس بُت کو نہ توڑا جائے اور یونہی چھوڑ دیا جائے۔ ہندوؤں نے اس کے عوض دولت کی ایک بہت بڑی مقدار دینے کا وعدہ کیا۔ معززینِ سلطنت نے ہندوؤں کی اس درخواست کو سلطان تک پہنچاتے وقت یہ خیال ظاہر کیا کہ اس درخواست کو قبول کر لینے میں ہمارا فائدہ ہے۔ بُت کو توڑ ڈالنے سے نہ تو بت پرستی کی رسم اس شہر سے مٹ سکتی ہے اور نہ ہمیں کوئی فائدہ ہوگا لیکن اگر ہم اس بُت کو نہ توڑنے کے معاوضے میں کوئی معقول رقم قبول کر لیں گے تو اس سے غریب مسلمانوں کا فائدہ ہوگا۔ اس کے جواب میں محمود نے ان سے کہا، تم جو کہتے ہو وہ صحیح ہے، لیکن اگر تمھارے کہنے پر چلوں گا تو میرے بعد دنیا مجھے ''محمود بُت فروش'' کے نام سے یاد کرے گی اور اگر میں اس بت کو پاش پاش کروں گا تو مجھے ''محمود بُت شکن'' کے نام سے یاد کرے گی۔ مجھے تو یہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ دنیا اور آخرت میں مجھے محمود بُت شکن پکارا جائے، نہ کہ ''محمود بُت فروش۔'' محمود کی نیک نیتی اسی وقت رنگ لائی اور جس وقت اس بُت کو توڑا گیا تو اس کے پیٹ میں سے بے شمار اور بیش قیمت ہیرے جواہر نکلے۔ ان سب جواہرات کی قیمت برہموں کی پیش کردہ رقم سے سو (100) گنا زیادہ تھی۔

محمود غزنوی نے جب سومنات کے بُت پر کاری ضرب لگانے کا ارادہ کیا تو اس بت کا بے حد عقیدت مند پجاری، محمود کے سامنے آ گیا اور کہا کہ اگر تم نے اس بُت کو کوئی نقصان پہنچایا تو میں تمھیں نہیں چھوڑوں گا۔ یہ سن کر محمودؒ غصے میں آ گیا اور پوری قوت سے اپنی تلوار اس پجاری کے سر پر ماری۔ پجاری تیزی سے پیچھے ہٹا لیکن تلوار اس کے بائیں کندھے پر لگی جس نے اس کا پورا جسم کاٹ کر رکھ دیا۔ پجاری کی لاش زمین پر پڑی تھی اور اس کا دل واضح طور پر نظر آ رہا تھا۔ محمود غزنوی اس وقت حیران رہ گیا جب اس نے دیکھا کہ پجاری کے دل پر ''سومنات بُت'' کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ محمود غزنوی یہ دیکھ کر کافی دیر تک روتا رہا کہ ایک بُت پرست اپنے بُت سے اتنی گہری محبت وعقیدت رکھتا تھا کہ اس نے اپنے دل میں اس کی تصویر سجالی تھی اور ایک ہم ہیں کہ اپنے رسول ﷺ کی محبت وعقیدت

میں نعرے لگاتے ہیں "غلامی رسول ﷺ میں موت بھی قبول ہے۔ جو ہو نہ عشق مصطفیٰ ﷺ تو زندگی فضول ہے۔ غلام ہیں غلام ہیں رسول ﷺ کے غلام ہیں، ہم اپنے نبی ﷺ کے دیوانے، مگر افسوس...... صد افسوس! گستاخانِ رسول ﷺ قادیانیوں کی طرف سے شان رسالت ﷺ میں کی گئی توہین و گستاخی کے جواب میں ہم خاموش تماشائی بن جاتے ہیں۔ اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ ہم عاشق رسول ﷺ کہلاتے ہیں اور آخرت میں نبی کریم ﷺ کی شفاعت کے طالب بھی ہیں۔

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا

حضرت سفینہؓ اور شیر

مشکوٰۃ شریف کتاب الکرامات میں ہے کہ حضرت سفینہؓ روم میں گرفتار ہو گئے۔ یہ حضور نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ زمانہ فاروقیؓ میں جب لشکر اسلام روم کی زمین میں پہنچا، ان کو قید خانے میں کسی طرح یہ خبر پہنچی کہ اس ملک میں لشکر اسلام آیا ہوا ہے، وہ موقع پا کر راتوں رات قید سے بھاگ نکلے، مگر راستہ سے واقف نہ تھے، یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ لشکر کہاں ہے؟ راستہ میں بھاگے جا رہے تھے کہ سامنے جنگل میں سے شیر نکل آیا، حضرت سفینہؓ نے اس سے فرمایا کہ "اے شیر، تُو جانتا ہے کہ میں حضور خاتم النبیین ﷺ کا آزاد کردہ غلام ہوں اور راستہ بھول گیا ہوں۔" یہ جملہ سنتے ہی شیر کی ساری رعونت اور درندگی کافور ہو گئی اور وہ ایک سدھائے ہوئے پالتو کتے کی طرح دم ہلاتا ہوا ان سے آگے آگے چل دیا، یہاں تک کہ لشکر اسلام تک پہنچا دیا۔

حضرت عقبہ بن نافعؓ اور جنگل کے جانور

50ھ میں غلامانِ مصطفیٰ ﷺ افریقہ کے صحراؤں تک اسلام اور انسانیت کا پیغام لے کر پہنچ چکے تھے، دس ہزار مجاہدین کا لشکر جب اس جگہ خیمہ زن ہوا۔ جہاں بعد میں قیروان کے نام سے ایک شہر آباد ہوا تو اس جگہ جنگل میں غلامانِ مصطفیٰ ﷺ کو ایک فوجی چھاؤنی قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ یہ جگہ خونخوار درندوں، خوفناک سانپوں اور جنگلی جانوروں کا مسکن تھی۔ فاتح افریقہ حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ جو امیر لشکر تھے، اس مشکل کو خاطر میں لائے بغیر ایمانی قوت سے سرشار جنگل کے کنارے پر کھڑے ہو گئے اور بلند آواز سے

ساکنانِ جنگل کو خطاب کیا جیسے کوئی انسانوں سے مخاطب ہو۔فرمایا:

ایتھا الحیات و السباع انا اصحاب رسول الله نازلون ھنا،
ارحلوا عنا ضمن و جلتاه بعد ذالک قتلناه.

(کامل ابن اثیر، جلد 3 صفحہ 466)

ترجمہ: ''اے سانپو اور درندو! ہم اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کے غلام ہیں اور غلامانِ مصطفیٰ ﷺ ہو کر تم کو حکم دیتے ہیں کہ یہاں سے کسی اور جگہ منتقل ہو جاؤ، کیوں ہم یہاں چھاؤنی بنانا چاہتے ہیں، آج کے بعد ہم نے کسی کو بھی یہاں دیکھ لیا تو قتل کر دیں گے۔

اس روز وہاں کے مقامی باشندوں نے دیکھا کہ غلامانِ مصطفیٰ ﷺ کا حکم سننا تھا کہ سانپ جا رہے تھے، بچھو بھی جا رہے تھے، شیر بھی جا رہے تھے، زہریلے جانور بھی جا رہے تھے یہاں تک کہ جانور اپنے بچے پشتوں پر لاد کر جنگل سے نکل رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے سارا جنگل خالی ہو گیا۔ یہ حیرت انگیز اور عجیب منظر دیکھ کر مقامی لوگ مسلمان ہو گئے۔

قارئین کرام! ان واقعات سے ثابت ہوا کہ جانور بھی نبی کریم ﷺ کے غلاموں کو پہچانتے ہیں اور ان کی عزت کرتے ہیں۔ قارئین کرام! ہم بھی ''غلامانِ محمد ﷺ'' ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اگر کبھی ہمارے سامنے کوئی شیر یا کوئی دوسرا جانور آ جائے تو کیا ہم اسے اس حیثیت سے اپنا تعارف کروا سکتے ہیں۔ یہ فیصلہ میں آپ پر چھوڑتا ہوں۔

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

حضرت جنید بغدادیؒ اور آلِ رسول ﷺ کا احترام

معروف بزرگ حضرت جنید بغدادیؒ پہلے پہل ایک مشہور پہلوان تھے۔ وقت کے بڑے بڑے سورما ان کی طاقت اور فن کا لوہا مانتے تھے۔ ڈیل ڈول، قد و قامت اور رعب و دبدبے میں، وہ اپنی مثال آپ تھے۔ ساری مملکت میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ انھیں خلیفہ کے دربار میں خاص کرسی ملتی جہاں وہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ خلیفہ کے دائیں طرف

بیٹھتے۔ ایک دفعہ دربار لگا ہوا تھا کہ ایک چوبدار نے آ کر اطلاع دی کہ ایک لاغر و نیم جاں شخص آیا ہے اور برابر اصرار کر رہا ہے کہ میرا چیلنج جنید تک پہنچا دیں کہ میں اس سے کشتی کرنا چاہتا ہوں۔ خلیفہ وقت اور اہل دربار کا تجسس بڑھا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ اسے حاضر کیا جائے۔ تھوڑی دیر بعد وہ شخص حاضر ہوا۔ ضعف و نقاہت سے اس کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ خلیفہ نے پوچھا، کیا کہنا چاہتے ہو؟ ''جنید سے کشتی لڑنا چاہتا ہوں۔'' اس شخص نے جواب دیا۔ اسے بہت سمجھایا گیا کہ ساری ریاست میں جنید کا کوئی مدمقابل نہیں۔ ایسی مضحکہ بات نہ کرو کہ دنیا تمہارا تماشا دیکھے۔ وہ شخص بار بار اصرار کرتا رہا، بالآخر کشتی کا وقت مقرر ہو گیا۔ ہر جگہ اس مقابلہ کا تذکرہ ہونے لگا۔ آخرکار وقت مقررہ پر بغداد کے وسیع تر میدان میں لاکھوں تماشائی اکٹھے ہو گئے۔ مقابلہ شروع ہوا تو حضرت جنید نے زور آزمائی کے لیے پنجہ بڑھایا، اجنبی شخص نے دبی زبان سے کہا: کان قریب لائیے، مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے، یہ سنتے ہی حضرت جنیدؒ پر سکتہ طاری ہو گیا، پھر اپنا کان اس شخص کے قریب کیا تو اس نے کہا کہ میں کوئی پہلوان نہیں ہوں۔ زمانے کا ستایا ہوا ایک سیّد گھرانے کا فرد ہوں، غربت کا یہ عالم ہے کہ سیدانیوں کے جسم پر کپڑے بھی سلامت نہیں۔ بچے بھوک کی شدت سے نڈھال ہیں، خاندانی شرم و حیا کی وجہ سے کسی سے بھیک بھی نہیں مانگ سکتا، آج اگر تم مجھ سے چاروں شانے چت ہو جاؤ تو میری آبرو بچ جائے گی، میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ کل میدان قیامت میں اپنے نانا جان (حضور نبی کریم ﷺ) سے کہہ کر تمہارے سر پر فتح کی دستار بندھواؤں گا۔ حضرت جنیدؒ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور اس کے ہاتھوں دوسرے ہی لمحے چاروں شانے چت ہو گئے۔ لوگوں نے اس شخص کے حق میں تحسین و آفرین کے نعرے لگانے شروع کر دیے اور اس پر انعام و اکرام کی بارش ہونے لگی۔ خلیفہ وقت نے بھی اسے بے شمار انعامات سے نوازا۔ اسی رات حضرت جنیدؒ کے خواب میں حضور نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور انھیں اپنے مبارک سینے سے لگاتے ہوئے فرمایا: جنید! تم نے میرے خاندان کے ایک فرد کی عزت و آبرو کا تحفظ کیا اور خود شکست سے دوچار ہو گئے۔ اس کے صلے میں، میں تمھارے لیے فتح و کرامت کی دستار لے کر آیا ہوں، آج سے تمھیں علم و عرفان کی مسند پر فائز کیا جاتا ہے۔

برادران گرامی! غور فرمائیں کہ آلِ رسول میں سے کسی کی عزت و آبرو کے لیے قربانی دینے کا کتنا بڑا صلہ ہے اور اگر کوئی شخص براہ راست حضور نبی کریم ﷺ کی عزت و

ناموس کے تحفظ کے لیے کوئی قربانی دیتا ہے، تو اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور نوازشات کا اندازہ کون کرسکتا ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بلبل

علامہ آلوسیؒ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کو پیغامِ حق سنایا اور راہ مستقیم دکھائی تو وہ آپے سے باہر ہوگیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دلائل و براہین سے لاجواب ہوکر اس کو جو ندامت اور ذلت ہوئی، اس سے وہ سخت غضبناک ہوا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دہکتی آگ میں جلا نے کا فیصلہ کیا۔ لہٰذا اس کے لیے ایک وسیع وعریض جگہ مخصوص کی گئی اور اس مں مسلسل کئی روز تک آگ دہکائی گئی جس کے شعلے آسمان سے باتیں کرتے اور اس کے اثر سے قرب و جوار کی اشیاء تک جھلسنے لگیں۔ آگ کی شعلہ سامانی کا یہ عالم تھا کہ چڑیوں نے ادھر سے گزرنا چھوڑ دیا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق میں ڈال کر پھینک دیا گیا۔ کہتے ہیں اس وقت ایک بلبل دور دراز ایک چشمہ سے اپنی چونچ میں پانی کا ایک قطرہ لے کر آتی اور اوپر اڑتی ہوئی آگ پر وہ قطرہ گراتی تاکہ آگ بجھ جائے۔ کسی نے پوچھا، اے بلبل: بھلا تمھاری اس کوشش سے کبھی آگ بجھ سکتی ہے؟ بلبل نے بڑا خوبصورت جواب دیا کہ ''میری اس حقیر کوشش سے آگ بجھے یا نہ بجھے، میں تو فقط دوستی کا حق ادا کر رہی ہوں۔'' اس وقت اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا کہ وہ ابراہیم علیہ السلام پر اپنی سوزش کا اثر نہ کرے اور ناری عناصر کا مجموعہ ہوتے ہوئے بھی میرے نبی کے حق میں سلامتی کے ساتھ سرد پڑ جائے۔ آگ اسی وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں "برد و سلام" بن گئی اور دشمن ان کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچا سکا۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے چاہنے والوں کی کس طرح مدد کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دہکتی آگ میں سالم و محفوظ دشمن کے نرغہ سے نکل گئے۔ سچ ہے کہ

دشمن اگر قوی است، نگہباں قوی تراست

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جو لوگ باطل کی طاغوتی طاقتوں کے بالمقابل استقامت کا پہاڑ بن جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی غیبی امداد کی جاتی ہے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ قادیانیوں کو چونکہ یہود و نصاریٰ کی سرپرستی حاصل ہے،

اس لیے وہ بہت منظم اور مضبوط ہیں، لہٰذا اس فتنہ کے خلاف کام کرنا بہت مشکل ہے۔ مزید برآں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس فتنہ کے خلاف کام کرنے والوں کو بہت کم کامیابی ملتی ہے کیونکہ یہ فتنہ حکومتی سرد مہری کی وجہ سے ہر شعبہ ہائے زندگی میں مضبوط جڑیں پکڑ چکا ہے۔ اس لیے اس فتنہ کے خلاف کام کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ان دوستوں کی خدمت میں عرض ہے کہ قادیانی فتنہ خواہ کتنا ہی خطرناک اور مضبوط ترین کیوں نہ ہو اور اس کے خاتمہ کے لیے جدوجہد کرنے سے کامیابی ملتی ہے یا نہیں ملتی۔ ہمیں تو صرف حضور نبی کریم ﷺ کا ایک سچا امتی ہونے کا حق ادا کرنا ہے اور جب تک ہماری سانسوں میں سانس ہے، ہم یہ حق ادا کرتے رہیں گے۔

ہَوا کرتی ہے اپنا کام اور شمعیں بجھاتی ہے
ہم اپنا کام کرتے ہیں، نئی شمعیں جلاتے ہیں

حضرت یوسف علیہ السلام اور غریب بڑھیا

کہتے ہیں کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو غلام سمجھ کر مصر کے بازار میں فروخت کیا جا رہا تھا تو ان کے خریداروں میں ایسے ایسے امیر و کبیر لوگ بھی شامل تھے جن کے خزانوں کی چابیاں اونٹوں پر لادی ہوئی تھیں۔ ان خریداروں میں ایک کمزور اور غریب بڑھیا بھی شامل تھی جس کے پاس صرف سوت کی ایک معمولی اٹی تھی جس کی قیمت ایک آدھ درہم سے زائد نہ تھی۔ کسی نے بڑھیا سے پوچھا۔ بی بی! تم اس معمولی سی چیز سے حضرت یوسف علیہ السلام کو آخر کیسے خریدو گی؟ غریب بڑھیا نے بڑا ایمان افروز جواب دیا، بیٹا: درست ہے کہ میں بڑے بڑے امیر لوگوں کی موجودگی میں شاید حضرت یوسف علیہ السلام کو نہ خرید سکوں لیکن میں صرف حضرت یوسف کے خریداروں کی فہرست میں اپنا نام درج کروانے آئی ہوں تاکہ بارگاہ خداوندی میں مقبول ہو سکوں۔

ہم اعتراف کرتے ہیں کہ حضور خاتم النبیین ﷺ کی عزت و ناموس کے تحفظ اور منکرین ختم نبوت کی سرکوبی کے معاملہ میں ہم مجاہد اوّل تحفظِ ختم نبوت سیدنا حضرت ابوبکر صدیق ؓ، جنگ یمامہ کے شہداء اور غازیوں کی جوتیوں کی خاک کو بھی نہیں پہنچ سکتے، ہم تحریک ختم نبوت 1953ء کے شہداء اور غازیوں کی قربانیوں کے بھی پاسنگ نہیں۔ ہم تو صرف بارگاہ خداوندی میں (اس بڑھیا کی طرح) تحفظِ ختم نبوت کا کام کرنے والوں کی فہرست میں اپنا نام لکھوانا چاہتے ہیں تاکہ قیامت کے دن منکرین ختم نبوت کے خلاف جہاد کرنے والوں میں

ہمارا شمار ہو جائے اور ہم شفاعت محمدی ﷺ کے حق دار بن جائیں۔

حضور نبی رحمت ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے کہ ساری دنیا کے لوگ اگر مسلمان ہو جائیں تو اس سے اسلام کو اس قدر فائدہ نہیں، جتنا نقصان اس بات سے پہنچتا ہے کہ کوئی (ایک بھی) مسلمان اسلام چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب میں چلا جائے۔ حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ کوئی ہم سے یہ نہ پوچھے کہ ہم نے کتنے قادیانیوں کو مسلمان کیا، بلکہ یہ پوچھے کہ ہم نے کتنے مسلمانوں کو قادیانی ہونے سے بچایا۔

اللہ تعالیٰ کا عذاب کیوں نہیں آتا؟

علماء نے لکھا ہے کہ اگر حضور نبی کریم ﷺ کا ظہور نہ ہوتا تو تمام نبیوں کی نبوت باطل ہو جاتی۔ اس سے آپ حضور خاتم النبیین ﷺ کی عزت و ناموس اور تقدس و عظمت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ کا امتی ہونا بہت بڑے اعزاز اور فخر کی بات ہے۔ ہم کتنے خوش نصیب ہیں کہ ہمیں یہ انعام مفت میں مل گیا۔ ہم تو اس نعمت عظمیٰ کا ذرا سا حق بھی ادا نہیں کر سکتے۔ ایک دفعہ مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا تاج محمودؒ سے کسی نے پوچھا۔ حضرت! پہلی قومیں جب بڑے بڑے گناہوں (شراب، جواء، زنا، قتل، چوری، فحاشی و عریانی وغیرہ) کا ارتکاب کرتی تھیں تو ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوتا تھا، بستیاں الٹا دی جاتی تھیں، آسمان سے ان پر پتھروں کی بارش ہوتی تھی، ان کی شکلیں مسخ کر دی جاتی تھیں، لیکن کیا وجہ ہے کہ آج امتِ محمدیہ بھی انہی گناہوں میں ملوث ہے مگر اللہ تعالیٰ کا عذاب نہیں آتا؟ مولانا نے سوال سنا تو جسم پر لرزہ طاری ہو گیا اور بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ پھر فرمایا: اللہ کا عذاب اب بھی آتا ہے لیکن گنبد خضرا کو دیکھ کر واپس چلا جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے شرم آتی ہے کہ میں حضور نبی کریم ﷺ کے امتیوں پر نازل ہوں۔ لیکن ایک ہم ہیں کہ ہمارے سامنے ہمارے پیارے آقا و مولا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین ہوتی ہے اور ہم خاموش تماشائی بن کر یہ سب کچھ برداشت کرتے رہتے ہیں۔

توہین رسالت ﷺ پہ اے مسلم تیری خاموشی
کیا محبت شاہ لولاک ﷺ کا معیار یہی ہے؟

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”قیامت کے روز محشر میں کوئی بندہ اپنی جگہ سے سرک نہ سکے گا جب تک اس سے

پانچ سوالوں کا جواب نہ لیا جائے۔ ایک یہ کہ اس نے اپنی عمر کس کام میں گزاری؟ دوسرا یہ کہ اس نے اپنی جوانی کس شغل میں برباد کی؟ تیسرا یہ کہ اپنا مال کہاں سے کمایا؟ چوتھا یہ کہ مال کہاں خرچ کیا اور پانچواں یہ کہ اپنے علم پر کہاں تک عمل کیا؟''

مسلمان بھائیو! اگر ہماری عمر، جوانی، مال اور علم سب تحفظِ ختم نبوت کے لیے استعمال ہوا تو آخرت میں کامیابی یقینی ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ شفاعت رسول کریم ﷺ کا پروانہ ہمارے ہاتھ میں ہوگا۔ (ان شاء اللہ) اور اگر خدانخواستہ ہماری عمر، جوانی، مال اور علم کا استعمال اس کے برعکس ہوا تو سوائے ناکامی، حسرت اور ذلت و رسوائی کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ دیکھیے! کمرۂ امتحان میں پرچہ کے سوالات پہلے سے کسی کو معلوم نہیں ہوتے۔ چنانچہ اس کی تیاری کے سلسلہ میں بہت سخت محنت اور کوشش کرنا پڑتی ہے جبکہ آخرت کے امتحان کے پرچہ کے سوالات ہمیں پہلے ہی دے دیے گئے ہیں۔ اگر ہم پھر بھی اس کی تیاری کر کے کامیاب نہیں ہوتے تو یہ ہماری سب سے بڑی بدقسمتی ہوگی۔

اگر ایک آدمی کی عمر 70 سال ہو تو اس میں سے تقریباً 24 سال نیند میں گزر جاتے ہیں۔ 14 سال ملازمت یا کاروبار میں گزر جاتے ہیں۔ 8 سال تفریح وغیرہ میں گزر جاتے ہیں۔ 6 سال کھانے پینے میں گزر جاتے ہیں۔ 5 سال سفر وغیرہ میں گزر جاتے ہیں۔ 4 سال گفتگو وغیرہ میں، 3 سال تعلیم حاصل کرنے میں، 3 سال مطالعہ میں، 3 سال ٹی وی وغیرہ دیکھنے میں گزر جاتے ہیں اور اگر کوئی شخص پانچ وقت نماز باقاعدگی سے ادا کرتا ہے تو یہ پیریڈ 5 ماہ بنتا ہے۔ بحیثیت ایک مسلمان اسلام کی سربلندی، عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور فتنوں کی سرکوبی کے سلسلہ میں ہم کتنا وقت استعمال کرتے ہیں؟ ہر مسلمان کو اس اہم سوال پر ضرور غور کرنا چاہیے۔

حضور خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کا مبارک ارشاد ہے:

''جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ بھی ختم ہو جاتا ہے مگر تین اعمال کے ثواب اسے ہمیشہ ملتے رہتے ہیں۔ اول صدقہ جاریہ، دوم وہ علم جس سے لوگوں کو نفع پہنچتا رہے، سوئم وہ نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی رہے''۔

جو شخص تحفظ ختم نبوت کا کام کرتا ہے، اپنی تقریروں یا تحریروں سے مسلمانوں میں ختم نبوت کا شعور بیدار کرتا ہے، اپنی اولاد کو بھی اس کام کی ترغیب اور تربیت کرتا ہے تو یقیناً وہ قبر و حشر میں ہر قسم کے خوف سے آزاد ہوگا۔ (ان شاء اللہ)

ارشادِ خداوندی ہے:

''اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔''

(محمد:7)

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ تعالیٰ کے کاموں میں پڑ گیا، اللہ اس کے کاموں میں پڑ گیا۔'' یعنی جو شخص تسلسل سے نیکی کا کام کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے ہر دنیاوی مشکل سے محفوظ رکھیں گے۔ اور ظاہر ہے تحفظ ختمِ نبوت کا کام سب سے بڑی نیکی اور عبادت ہے۔

شیخ تقی الدین ابن دقیق العید بہت بڑے عارف باللہ اور صاحب کشف و کرامات تھے۔ جب مسجد بغداد میں داخل ہوتے تو منہ پر نقاب ڈال لیتے۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا: ''جب میں مسجد میں جاتا ہوں تو کوئی کتا نظر آتا ہے اور کوئی خنزیر نظر آتا ہے تو میں منہ پر نقاب ڈال لیتا ہوں تاکہ مسلمانوں سے بدظنی پیدا نہ ہو۔''

یہ حقیقت آج بھی موجود ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم میں قول و فعل کا تضاد ہے۔ ہم حضور نبی کریم ﷺ سے بے پناہ محبت و عقیدت کا دعویٰ کرتے ہیں، خود کو عاشق رسول ﷺ کہلواتے ہیں، آپ ﷺ کا ذکر مبارک سنتے ہی بے اختیار رونا شروع کر دیتے ہیں، میلاد شریف کے پروگراموں میں لاکھوں خرچ کر ڈالتے ہیں، نعت خوانوں پر نوٹ بارش کی طرح نچھاور کرتے ہیں، لاؤڈ سپیکر سے بھی زیادہ، بلند آواز میں نعرے لگاتے ہیں، فیضان سنت پر تقریریں کرتے ہیں، میٹھی میٹھی سنتوں کا تذکرہ کرتے ہیں، دین اسلام کے لیے تبلیغی گشت پر مہینوں گھر سے باہر رہتے ہیں، معمولی مسلکی اختلاف پر مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے ہیں...... لیکن پیارے آقا حضور پُرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ختم نبوت پر ڈاکا زنی ہوتے دیکھ کر ہمیں چپ لگ جاتی ہے۔ آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس سے اس قدر بیگانگی کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ گویا کوئی تعلق ہی نہیں۔ اسی پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ (نعوذ باللہ) سرکار دو جہاں ﷺ کے گستاخوں اور باغیوں (قادیانیوں) سے ہر طرح کے دوستانہ تعلقات رکھتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے کیا خوبصورت فرمایا: ''تیرا عمل تیرے عقائد کی دلیل ہے اور تیرا ظاہر تیرے باطن کی دلیل ہے۔''

تحفظ ناموس رسالت ﷺ ہر مسلمان کا اوّلین فریضہ ہے۔ آپ نے اس فرض کی

ادائیگی میں کیا کردار کیا؟ کونسی ذمہ داری پوری کی؟ یہ سوال ہر اس شخص کے سوچنے کا ہے جو خود کو مسلمان کہتا ہے۔ اس سوال پر آپ کو غور کرنا ہے اور سب سے پہلے کرنا ہے۔ یہ ہر ضرورت سے زیادہ اہم ضرورت اور ہر مسئلہ سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ اگر آپ کو اپنے انجام کی فکر ہے، اگر آپ اپنی عاقبت کے بارے میں سنجیدہ ہیں، اگر آپ واقعی اپنے خیر خواہ ہیں، اگر آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ذرہ سا بھی تعلق رکھتے ہیں تو آپ اس سوال کو ٹال نہیں سکتے۔ بے فکری سے سر جھٹک کر آگے نہیں بڑھ سکتے۔ آپ کو رک کر سوچنا ہوگا۔ اس سوال سے آپ کی دنیا و آخرت میں کامیابی یا ناکامی وابستہ ہے۔ آپ کی دائمی سرخروئی یا رسوائی وابستہ ہے۔ ہر سوال سے زیادہ آپ کے لیے یہ ایک سوال ہے۔ اس سوال سے لاپروائی اپنے انجام سے لاپروائی ہے۔ اس سوال کی تحقیر اپنی زندگی کی تحقیر ہے اور اس سوال سے صرف نظر کرنا اپنی ذات کے ساتھ دشمنی کرنا ہے۔ روئے زمین پر اس شخص سے زیادہ بدقسمت، ناداں اور تباہ حال اور کون ہوگا جسے تحفظ ختم نبوت کی کوئی پروا نہ ہو، اور اس اہم ذمہ داری کی ادائیگی سے غافل ہو۔ سوچنا چاہیے کہ آدمی کو اپنی جان، اپنی مرغوبات، اپنے احساسات اور میلانات زیادہ عزیز ہیں یا حضور نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی۔ اپنے کاروبار، اپنے مشغلے اور اپنے دھندے زیادہ محبوب ہیں یا شفاعت محمدی ﷺ۔ اپنے بیوی بچوں سے زیادہ محبت ہے یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے۔ اپنے مال اور جائداد کو تحفظ ختم نبوت پر قربان کر کے مسرور ہوتا ہے یا ختم نبوت پر ڈاکا زنی ہوتے دیکھ کر ان کو بچاتا ہے۔ یاد رکھیے! آزمائش کی ان گھڑیوں میں ایک سچے مسلمان کے درجات دیکھتے ہی دیکھتے احسن تقویم کی بلندیوں پر پہنچ جاتے ہیں اور اس کے تصور سے روح جھوم اٹھتی ہے۔ اس سے بلند مقام اور کیا ہو سکتا ہے کہ کسی شخص پر حضور نبی کریم ﷺ کی نظر کرم ہو جائے۔ درخت اگر پھلوں سے پہچانا جاتا ہے تو ایک مسلمان کو جانچنے کا معیار بھی اس کے اعمال ہیں۔ اگر اس کی گفتار اور کردار میں دینی غیرت وحمیت دکھائی دے تو اسے ایمان کی علامت کہا جا سکتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''غیرت ایمان کا حصہ ہے۔'' اس شخص کے متعلق آپ کیا رائے قائم کریں گے جو حضور نبی کریم ﷺ سے محبت، عشق اور عقیدت کا دعویٰ بھی کرے، اپنی تقریر و تحریر سے یہ ثابت کرنے کی کوشش میں بھی معروف ہو کہ آپ ﷺ سے زیادہ اسے کوئی چیز عزیز نہیں لیکن آپ ﷺ کی عزت و ناموس کی خاطر اپنا معمولی سا مفاد بھی قربان کرنے کے لیے تیار نہ ہو؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایسی مصنوعی محبت کس کام کی؟ کیا ایسے شخص کو حضور نبی کریم ﷺ کی رضا حاصل

ہو سکتی ہے؟ حضور نبی کریم ﷺ سے محبت کے کچھ تقاضے ہیں جنھیں پورا کرنا ازحد ضروری ہے۔ ان تقاضوں کو نظر انداز کر دینے سے محبتِ رسول ﷺ کے دعوے محض فریب ہیں۔ تکمیل ایمان کے لیے تکمیلِ محبت ضروری ہے۔ محبت میں کھوٹ ہو تو ایمان میں کھوٹ ظاہر ہو کر رہے گا۔ اپنا نقصان کر کے اپنے آقا ﷺ کا بول بالا کرنا محبت کا شیوہ ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے: ''جیسا عمل کرو گے ویسی عادت بنے گی اور جیسی عادت بنے گی، ویسی سیرت ہوگی اور جیسی سیرت ہوگی، ویسی قسمت پاؤ گے۔''

ہم روزمرہ زندگی میں دیکھتے ہیں کہ اگر ہماری کسی سے اَن بن ہو جائے، اس پر غصہ آ جائے تو طیش میں تمام اخلاقی حدود عبور کر جاتے ہیں۔ جذبات کی رو میں نجانے کیا کیا مغلظات سنا دیتے ہیں، پھر ہفتوں کیا مہینوں اس سے سلام کلام ترک کر دیتے ہیں۔ توجہ دلانے پر بھی وہ ہماری ہر بات سنی اَن سنی کر دیتے ہیں حالانکہ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ تین دن سے زیادہ اپنے مسلمان بھائی سے قطع تعلق کیے رہے۔'' اس کے برعکس گستاخانِ رسول سے ہماری دوستی میں فرق نہیں آتا۔ ہم سب کچھ جانتے ہوئے بھی ان سے اپنے ذاتی اور کاروباری تعلقات قائم رکھتے ہیں۔ یاد رکھیے! ایسے لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نگاہ کرم سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاتے ہیں۔ ایسے دل محبت رسول ﷺ کی لازوال نعمت سے خالی ہو جاتے ہیں۔ ان سے حق پذیری کی نعمت چھین لی جاتی ہے۔ وہ نورِ حق کو پہچاننے والی قوت و بصارت سے محروم کر دیے جاتے ہیں۔ وہ عقل و شعور سے عاری نظر آتے ہیں۔ نتیجتاً ایسے لوگ دنیا و آخرت میں ذلیل و رسواہ ہوتے ہیں۔

شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب

امام مالکؒ فرماتے ہیں۔ ''جس آدمی کا قول اس کے فعل کے موافق ہوا تو وہ نجات پا گیا اور جس کا قول اس کے فعل کے موافق نہ ہوا تو وہ ہلاک ہو گیا۔''

فیصلہ آپ خود کیجیے! حضور نبی کریم ﷺ کی عزت و ناموس کے سلسلہ میں قول و فعل کے تضاد کے حوالہ سے ہم کہاں کھڑے ہیں؟

بادشاہ اور بہروپیا

مکر و فریب سے ناآشنا، بھولے بھالے مسلمان بھائیو!

تمہاری غیرت کو کیا ہوا؟ تمہاری فہم و فراست اور ایمان و ایقان کو کیا ہوا؟ تمہارے دلوں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت ختم ہو گئی یا تمہارے ذہن عاشقان رسول ﷺ کے ایمان افروز واقعات فراموش کر چکے؟ آپ کو کیوں نہیں پتہ چلتا کہ قادیانی منافق اور آستین کے سانپ ہیں۔ یہ گندم نما جو فروش، مغالطہ آمیز ظاہری خوش اخلاقی کے لبادے میں آپ کے قیمتی ایمان کے دشمن اور رہزن ہیں۔ فتنۂ قادیانیت جسدِ اسلام میں سرطانی پھوڑے کی حیثیت رکھتا ہے، جس کا گھاؤ اندر ہی اندر کام کرتا رہتا ہے۔ افسوس آپ نے مرزائیت کا صحیح مطالعہ ہی نہیں کیا؟ قادیانیت کے باطن کی تصویر آپ کے وہم و خیال سے کوسوں دور ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں ان کے عقائد و نظریات اس قدر خطرناک ہیں کہ اس کے تصور سے روح لرزہ بہ اندام ہو جاتی ہے اور مرزائیت ایسی بھیانک نظر آتی ہے کہ پاس پھٹکنے سے خوف آتا ہے۔ بخدا! منافق سے مخالف! کروڑ درجہ بہتر ہے کیونکہ مخالف کے داؤ میں بھولے پن سے آیا نہیں جاتا مگر منافق وہ میٹھی چھری ہے جو پیٹ میں بھونک جانے کے بعد پتہ دیتی ہے۔ بیگانت سے ہر کوئی آشنا اور محتاط رہتا ہے۔ مگر یگانت وہ نامراد چیز ہے جس سے ہر چیز اعتبار کے مراتب تک نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گھر کا بھیدی آسانی سے ہر مشکل امر میں کامیاب ہو جاتا ہے کیونکہ وہ شک کی نظروں سے دیکھا نہیں جاتا۔ اس موقعہ پر مجھے ایک نہایت دلچسپ واقعہ یاد آیا جو ضیافت طبع میں سرور پیدا کرے گا۔

عالمگیر اورنگ زیب رحمتہ اللہ علیہ کے دربار میں ایک بھروپیا ایک مدت تک بھروپ بھرتا رہا مگر ہر موقع پر جہاں پناہ کی نباض نگاہیں اسے بھانپ جاتیں اور بھروپ کافور ہو جاتا۔ بیچارے نے بڑی کوشش کی اور طرح طرح سے کولے مٹکائے مگر ہر مرتبہ ناکامی و نامرادی نے پاؤں چومے۔ آخر بادشاہ نے ایک بڑے انعام کا وعدہ دے کر کہا کہ اگر تیرے بھروپ میں، میں آ جاؤں یعنی میری نگاہیں دھوکہ کھا کر تجھے نہ پہچان سکیں تو یہ بیش بہا انعام تیرا ہے۔ گرانقدر انعام کے وعدے پر بھروپئے کی باچھیں کھل گئیں اور اسے حاصل کرنے کے لیے منہ میں پانی بھر آیا۔ فکر و تدبر کے دریائے زخار میں غواصگی کی، عقل و ہنر کے صحراؤں میں بادہ پیما ہوا، فہم و ادراک کے گھوڑے دوڑائے اور آخر ایک سنہرے نتیجہ پر پہنچ کر بڑی مستعدی سے اس پر گامزن ہوا۔

شہنشاہ عالمگیر کی بے پناہ فوجیں دشت و جبل کو روندتی ہوئیں، فتح کے پھریرے

اڑاتی ہوئیں، مرہٹوں کی سرکوبی و گوشمالی کے لیے جا رہی تھیں۔ شاہ عالم بنفس نفیس بھی ساتھ تھے۔ خاور افق اپنی پوری منزلیں طے کرنے کے بعد مغرب میں پناہ گزیں ہو رہا تھا۔ اس کی سنہری و روپہلی کرنیں درختوں کے پتوں سے چھن چھن کر بساط عالم کو رنگین کر رہی تھیں۔ طائران خوش الحان نوا سنجی کو فراموش کیے اپنے بسیروں کو بڑی عجلت سے جا رہے تھے۔ عروسِ شام تاریکی کا لباس پہن چکی اور ہر طرف ظلمت کے حصار، نور کی فوجوں کو محصور کر کے کھڑے ہو گئے۔

دن بھر کے تھکے ماندے سپاہیوں نے آرام کے لیے اپنی کمریں کھولیں۔ خیمے نصب کر کے الاؤ جلائے۔ شکم پوری کی اور نماز سے فراغت ہوتے ہی و جعلنا لیل لباساً کی گود میں آرام کیا۔ شاہ عادل دیر تک وظائف میں مشغول رہنے کے بعد اُٹھے اور اپنی فوج کا جائزہ لیا۔ اطمینان ہونے کے بعد خیمے کو لوٹے تو سامنے دور جنگل میں روشنی نظر آئی۔ ہر کارے دوڑائے تو معلوم ہوا کہ ایک فقیر کی جھونپڑی ہے جس میں دیا ٹمٹما رہا ہے اور فقیر مراقبہ کھینچے یاد الٰہی میں بیٹھا ہے۔ مگر کسی کے استفسار کا جواب نہیں دیتا۔ بادشاہ کو اشتیاق ملاقات اور دعائے فتح کا خیال رات بھر ستاتا رہا۔ صبح ہوئی نماز سے فارغ ہوئے اور فقیر کی کٹیا کو چند مصاحبوں کی ہمراہی میں چل دیے۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ فقیر نورانی صورت میں سفید لباس زیب تن کیے، بڑے فقر و استغنا سے بیٹھا ہے۔ شاہ عادل نے سلام عرض کیا اور دعا کی آرزو پیش کی۔ فقیر نے ایک ہلکا سا تبسم کرتے ہوئے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ بادشاہ نے اشرفیوں کی تھیلی نذر میں پیش کرتے ہوئے اجازت طلب کی تو فقیر کامل نے جواب دیا، بابا یہ سونے کے سکے میرے کس مصرف کے، ہم اللہ والوں کو ان سے کیا کام، اس کو اٹھاؤ اور چلتے بنو۔ شاہ عالم نے ہزار کوشش کی مگر فقیر رضامند نہ ہوا...... شاہ عادل واپسی پر ابھی تھوڑی ہی مسافت طے کرنے پائے تھے کہ وہی فقیر راستہ روکے سامنے کھڑا یہ صدا دے رہا تھا۔

''حضور کا اقبال قائم! میرا انعام دلوایئے۔''

شاہ عالم حیران و ششدر رہ گیا۔ اور اس کے فن کمال کا معترف ہو کر بولا کہ تم نے اس وقت جبکہ میں نے انعام سے دس گنا زیادہ دینے کا اصرار کیا تو کیوں نہ قبول کیا۔ اس پر بھروپیے نے ہاتھ جوڑ کر جواب دیا، بادشاہ سلامت! اس وقت میں نے فقر کی گدی پر اپنے آپ کو ایک ولی اللہ کے بھروپ میں ظاہر کیا تھا۔ میری غیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ فقر کی مسند بدنام ہو، اس لیے تم ہزار گنا زیادہ بھی دیتے تو کبھی نہ لیتا اور اس وقت جو مانگ رہا ہوں، یہ میرے فن کی قیمت ہے۔ غرضیکہ بادشاہ نے وعدہ کے مطابق انعام دے کر اس کو رخصت کیا۔

افسوس تو یہ ہے کہ ایک ادنے بھرد پے نے ایک ولی اللہ کی مسند کو داغدار کرنا گوارا نہ کیا۔ مگر مرزا قادیانی نے تو حد ہی کر دی۔ بیٹھنے کو تو وہ نبوت کی مسند پر بیٹھا مگر احترام ایک بھروپے جیسا بھی نہ کیا۔

کیا بلندی تھی، کیا پستی ہے

حمیت نام ہے جس کا......

غلام قادر روہیلہ، نواب نجیب الدولہ کا پوتا، شہر نجیب آباد کا بانی ایک ظالم حکمران تھا۔ جولائی 1788ء میں اس نے خواجہ سرا منظور علی خاں کی سازش اور غداری کی بناء پر مغل شہنشاہ شاہ عالم (جس کا سلسلہ نسب تیمور سے جا ملتا ہے) کا تختہ الٹ کر اسے قید کر لیا۔ پھر دس دن بعد اس کی دونوں آنکھیں نکلوا دیں۔ شہزادوں کو کوڑے لگوائے۔ بچوں کو بھوکے مار دیا گیا۔ شاہی خاندان کی انتہائی خوبصورت اور نازک اندام خواتین کو اپنے خاص دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ جب تمام خواتین دربار میں حاضر ہو گئیں تو غلام قادر نے انھیں رقص کرنے کا حکم دیا۔ عفت مآب مغلیہ بیگمات، ملکائیں اور شہزادیاں اس کے حکم کی تعمیل میں فوراً رقص کرنے لگیں۔ اس اثناء میں غلام قادر روہیلہ نے حفاظتی ٹوپ اپنے سر سے اتار کر ایک طرف رکھ دیا۔ پھر اپنا خنجر اور تلوار نیام سے نکال کر سامنے میز پر رکھ دی اور دونوں آنکھیں بند کر کے ستانے کے موڈ میں کرسی پر ٹیک لگا کر لیٹ گیا۔ اس دوران میں رقص جاری رہا۔ تھوڑی دیر بعد غلام قادر اچانک اٹھا اور شاہی خواتین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: تمھیں اپنے مقدر سے کوئی شکایت نہیں ہونی چاہیے، میرا مسند پر سونا ایک چال اور بناوٹ تھا۔ سپاہی کبھی نہیں سوتا۔ میرے اس طرح فرضی اور بناوٹی سونے کا مقصد محض یہ تھا کہ کوئی شہزادی مجھے غافل سمجھ کر اچانک آگے بڑھ کر میرے خنجر یا تلوار سے میرا سر قلم کر دے مگر کسی نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ میں غیرت و حمیت ختم ہو چکی ہے۔ حضرت علامہ اقبالؒ نے بانگ درا میں اس پورے واقعہ کو نظم کی صورت میں بیان کرتے ہوئے فرمایا:

مگر یہ راز آخر کھل گیا سارے زمانے پر
حمیت نام ہے جس کا، گئی تیمور کے گھر سے

جن لوگوں کے دلوں سے غیرت و حمیت رخصت ہو جائے، زمانہ انھیں بے غیرت کے نام سے یاد کرتا ہے اور جو لوگ اپنے نبی مکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان اقدس میں

گستاخی پر میدان عمل میں نہیں آتے، اپنی اسلامی و دینی غیرت وحمیت کا مظاہرہ نہیں کرتے بلکہ دنیاوی مفاد کی خاطر دشمنانِ رسول کے ساتھ دوستیاں اور تعلقات رکھتے ہیں، زمانہ انھیں کس نام سے یاد کرے گا...... یہ فیصلہ آپ خود کیجئے!

خوش نصیب جھنڈا

آپ نے شاید کبھی نہ سنا ہوگا کہ حکومت کا جھنڈا کسی مقام پر نصب ہے اور اس کی حفاظت کے لیے کوئی سپاہی موجود نہیں، لیکن دشمن کو اس کے پاس آنے اور اُکھاڑنے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔ ہسپانیہ کی اسلامی تاریخ میں ایک ایسا واقعہ بھی مذکور ہے جو دسویں صدی عیسوی میں پیش آیا۔ اس وقت ابن ابی عامر محمد ''منصور باللہ'' ہسپانیہ کی اموی سلطنت کا سپہ سالار تھا۔

منصور نے ہسپانوی ریاستوں سے جو عہد نامے کر رکھے تھے، ان میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ ان کی حدود میں کوئی مسلمان قیدی نہ رہنے پائے۔ ایک مرتبہ اس کا ایلچی شمالی ہسپانیہ کی ایک ریاست میں گیا۔ سیر و سیاحت کرتے ہوئے اُسے معلوم ہوا کہ چند پادریوں نے ایک مسلمان عورت کو قیدی بنا کر کلیسا کے کام پر لگا رکھا ہے۔ منصور کو یہ اطلاع ملی تو خود فوج لے کر اس صوبے میں پہنچ گیا۔ حاکم نے حاضر ہو کر حلف اُٹھایا کہ مجھے اس خاتون کی اسیری کا علم نہ تھا اور اس نے مجرموں کو سخت سزائیں دیں۔

یہی منصور ایک مرتبہ لڑائی کے لیے گیا۔ فوج کے دستوں نے جگہ جگہ اپنے اپنے جھنڈے نصب کر رکھے تھے۔ جنگ ختم ہوگئی اور فوج کو واپسی کا حکم ملا تو اتفاق سے ایک جھنڈا، جو پہاڑی پر نصب تھا بدستور وہیں لگا رہ گیا۔ اگرچہ پوری فوج واپس چلی گئی تھی اور کوئی شخص جھنڈے کے پاس موجود نہ تھا، لیکن دشمن کو اسے اکھاڑنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس نے یہی سمجھا کہ اگر اسے اُکھاڑ لیا تو منصور سخت سزا دے گا۔

جھنڈا کیا ہے؟ لکڑی کا ایک ڈنڈا اور دو گز کپڑا، لیکن جب وہ ایک فوج، ایک ملک اور ایک قوم کی عزت کا نشان بن جائے، تو ہزاروں بہادر اس کے سائے میں اپنی جانیں قربان کر دیتے ہیں۔ کس قدر خوش نصیب تھا وہ جھنڈا، جسے اپنے جانبازوں کی فیروزمندی کے طفیل وہ بلند مقام حاصل ہوا کہ اگرچہ ایک بھی متنفس اس کی حفاظت کے لیے موجود نہ تھا، تاہم کسی کا ہاتھ اس کی طرف نہ بڑھا۔

قارئین کرام! غور فرمائیں، ایک وقت تھا کہ مسلمان اپنے معمولی جھنڈے کی حفاظت کے لیے کتنے حساس تھے اور کسی کافر کی جرأت نہ تھی کہ وہ مسلمانوں کے جھنڈے کی توہین کا ارتکاب کرے یا اس کے بارے میں سوچے لیکن آج مسلمان، شافع محشر حضور نبی کریم ﷺ کی توہین پر ماضی کی طرح اتنے حساس اور ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ بعض دفعہ تو وہ چپ کا روزہ رکھ لیتے ہیں جو ان کی بے حمیتی، بے غیرتی اور بے حسی کا بین ثبوت ہوتا ہے۔

بعض نام نہاد مسلمانوں کی ضمیر فروشی کا یہ عالم ہے کہ وہ گستاخان رسول قادیانیوں سے اٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے اور میل ملاقات رکھتے ہیں۔ بعض نام نہاد مسلمان بے غیرتی اور بے حمیتی میں اس قدر آگے نکل چکے ہیں کہ وہ ان کی شادیوں میں شریک ہوتے ہیں اور ان کے جنازوں میں شامل ہوتے ہیں۔ پیٹ اور پلیٹ کی خاطر قادیانیوں سے دوستی رکھنے والا مسلمان آخر کس منہ سے روز قیامت حضور نبی کریم ﷺ سے شفاعت کا امیدوار ہوگا۔ نبی رحمت عالم ﷺ سے محبت اور قادیانیوں سے محبت دو متضاد چیزیں ہیں۔ دونوں محبتیں ایک مسلمان کے دل میں کبھی اکٹھی نہیں ہوسکتیں۔ بالکل اس طرح، جس طرح پانی اور آگ کا اکٹھا ہونا محال اور ناممکنات میں سے ہے۔

بخاری اور مسلم شریف کی ایک حدیث ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا اچھے اور بُرے دوست کی مثال ایسی ہے جیسے مشک فروخت کرنے والے اور بھٹی دھونکنے والے کی طرح ہے۔ مشک والا یا تو تجھے یونہی مشک دے دے گا یا تُو اس سے خرید ے گا اور یا کم از کم پاکیزہ خوشبو ہی سونگھ لے گا اور بھٹی پھونکنے والا یا تو تیرے کپڑے جلا دے گا یا بری بُو تو تجھے سونگھنی ہی پڑے گی۔ یعنی گستاخان رسول قادیانیوں سے معمولی سا بھی تعلق ہلاکت ایمان کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ لاکھ احتیاط کے باوجود بھی کوئی شخص ان کی نحوست اور لعنت کے مہلک اثرات سے نہیں بچ سکتا۔ اس لیے ان سے قطع تعلقی بے حد لازم ہے۔ حضور خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”دل کا اندھا پن سب سے بڑا اندھا پن ہے۔“ یعنی اندھا پن آنکھوں کا اندھا ہونا نہیں ہے بلکہ دل کا اندھا ہونا یا بصیرت سے محروم ہونا ہے۔ اگر آپ کسی لوہار کی دکان پر جائیں، خواہ وہاں سے کچھ بھی نہ خریدیں۔ تب بھی آپ اپنی سانسوں میں دھوئیں کی تلخی ضرور محسوس کریں گے، اس طرح اگر آپ کسی عطار کی دکان پر جائیں، خواہ وہاں سے کچھ بھی نہ خریدیں، تب بھی آپ اپنی سانسوں میں عطریات کی مسحور کن مہک ضرور محسوس کریں گے۔

تحفظ ختم نبوت...... جنت کا راستہ

تحفظ ختم نبوت اندھیری قبر کا چراغ ہے جو اسے اپناتا ہے، وہ قبر کو روشن کرتا ہے، اپنی عاقبت کو سنوارتا ہے اور اپنا ٹھکانہ جنت میں بناتا ہے۔ تحفظ ختم نبوت اور جنت الفردوس لازم وملزوم ہے۔ اس حقیقت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے کام کرنے والا ہر شخص جنتی ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ جب مرزا قادیانی اور اس کے پیروکار جہنم میں ہوں گے اور فرض کریں کہ وہاں تحفظ ختم نبوت کا کام کرنے والا کوئی شخص بھی موجود ہو تو مرزا قادیانی اس شخص کو طعنہ دے گا کہ ''میں تو جھوٹے دعویٰ نبوت کے جرم میں یہاں آیا ہوں۔ تم دنیا میں میرے دعویٰ کی تکذیب اور سرکوبی میں پیش پیش تھے، تمھیں کیا ملا؟ میں دعویٰ نبوت کے جرم میں جہنمی اور تم تحفظ ختم نبوت کا کام کرنے پر جہنمی، تو پھر فرق کیا ہوا؟'' خدا کی قسم! ایسا ممکن ہی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم ﷺ کو یہ گوارا ہی نہیں کہ کوئی شخص تحفظ ختم نبوت کا کام کرے اور وہ جہنم میں جائے۔ حضور نبی کریم ﷺ کے ایک ارشاد پاک کا مفہوم ہے ''اگر کسی نے ہم پر کوئی احسان کیا ہے تو ہم نے اس کا بدلہ دے دیا ہے سوائے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے کہ ان کے احسانات کا بدلہ قیامت کے دن اسے اللہ تعالیٰ دے گا۔'' یہ قاعدہ وقانون اب بھی موجود ہے۔ آج بھی اگر کوئی شخص حضور نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت اور عزت وناموس کے تحفظ کے لیے کام کرتا ہے تو حضور علیہ الصلوٰۃ السلام اس کے اس فعل سے نہ صرف بے حد خوش ہوتے ہیں بلکہ آپ ﷺ، اس شخص کے اس احسان کا بدلہ قیامت کے دن اپنی شفاعت کے ذریعے ادا فرمائیں گے...... ایک گنہگار امتی کو اس سے بڑھ کر اور کیا انعام چاہیے!

اس کے برعکس ایک دوسرے پہلو پر بھی غور فرمائیں کہ جب مرزا قادیانی اور اس کے پیروکار جہنم میں ہوں گے اور فرض کریں کہ وہاں کچھ مسلمان بھی ہوں گے تو مرزا قادیانی ان سے پوچھے گا کہ میں تو جھوٹے دعویٰ نبوت کے جرم میں یہاں آیا ہوں، آپ کس جرم میں یہاں آئے ہیں۔ اس پر وہ کہیں گے کہ تم نے دعویٰ نبوت کیا، اسلام اور اس کی تعلیمات کا تمسخر اڑایا۔ اسلامی مقدس شخصیات کا مذاق اڑایا۔ تمھارے پیروکار سرعام اپنے جھوٹے مذہب کی تبلیغ وتشہیر کرتے رہے جس کے نتیجہ میں ہمارے سامنے ہمارے مسلمان بھائی ارتداد کا شکار

تے رہے، ہم یہ سب کچھ بڑے آرام سے دیکھتے رہے، اس سلسلہ میں اپنا کوئی کردار ادا نہیں کیا، اس طرح اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ناراض کیا۔ نتیجتاً سزا کے طور پر آج ہم یہاں جہنم میں آپ کے ساتھ ہیں۔

گستاخانِ رسول ﷺ قادیانیوں سے نفرت کرنا اس طرح فرض ہے، جس طرح حضور نبی کریم ﷺ سے محبت و عقیدت رکھنا۔ جب تک گستاخانِ رسول قادیانیوں سے دشمنی اور نفرت نہ ہو، اس وقت تک حضور شافع محشر ﷺ سے صحیح طور پر دوستی اور گہری محبت ہو ہی نہیں سکتی۔ ہر مسلمان کو قادیانیوں سے کراہت اور نفرت کرنی چاہیے۔ گستاخ رسول ﷺ سے دوستی کا مطلب اپنے دل سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کو رخصت کرنا ہے۔ صحابۂ کرامؓ نے تو حضور نبی کریم ﷺ کی عزت و ناموس کے تحفظ میں اپنی معمولی متاعِ حیات سے لے کر اپنی زندگی کا عزیز ترین ساز و سامان بھی لٹا دیا تھا۔ ایک ہم ہیں کہ اپنے پیارے نبی ﷺ کے گستاخوں کے ساتھ دوستی ختم نہیں کر سکتے۔ یاد رکھیے! جب تک مسلمان گستاخانِ رسول ﷺ قادیانیوں سے دوستی اور محبت کی پینگیں بڑھاتے رہیں گے، ان کے لیے اپنے دل میں ہمدردی کے جذبات پالتے رہیں گے، اس وقت تک وہ ہر قسم کی مشکلات اور پریشانیوں کا شکار رہیں گے۔ ناکامیاں ان کا مقدر رہیں گی۔ ذلت و رسوائی اور بے بسی کا عذاب ان پر مسلط رہے گا۔

انسانی زندگی میں جو مشکلات پیش آتی ہیں، وہ انسان کے اپنے گناہوں اور برائیوں کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اسی حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے۔

"ما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم و یعفو عن کثیر."(الشوریٰ ۳۰)

(ترجمہ): ''تمہیں جو بھی مشکل درپیش ہوتی ہے، وہ تمہارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ تو تمہاری بہت سی لغزشیں معاف کر دیتا ہے۔''

یہ آیت اس حقیقت سے آگاہ کرتی ہے کہ انسانوں کو اس کائنات میں جو مصائب اور مشکلات درپیش ہوتی ہیں وہ کسی اور کی نازل کردہ نہیں بلکہ انسان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہیں۔ اس سے بڑا گناہ اور کیا ہو گا کہ ہمارے سامنے حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کی شانِ اقدس میں توہین ہو اور ہم خاموش تماشائی کا کردار ادا کریں۔ قادیانی ہمارے سامنے مسلمانوں کا رشتہ پیارے آقا ﷺ سے توڑ کر آنجہانی مرزا قادیانی سے جوڑیں اور ہمیں اس کی سنگینی کا احساس

تک نہ ہو، قرآن مجید میں تحریفات ہوں اور ہم اس کا ذرا سا بھی نوٹس نہ لیں، اس غفلت کے نتیجہ میں ہم انفرادی اور اجتماعی طور پر مصائب اور مشکلات کا شکار ہوں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کاش! ہمیں اس کا احساس ہو۔

حضور نبی کریم ﷺ اسلام قبول کرنے والے لوگوں سے جب بیعت لیتے تو فرماتے: ''میں تم سے اس پر بیعت لیتا ہوں کہ تم میرے ساتھ حفاظت وخیال کا وہی معاملہ کرو گے جو تم اپنے اہل وعیال کے ساتھ کرتے ہو۔'' عجیب بات ہے کہ اگر کوئی شخص ہمارے ماں باپ کو گالی دے تو ہم مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے ہیں...... کوئی ہماری بیوی کی بے حرمتی کرے تو ہم غیرت کے نام پر ہر قدم اٹھا لیتے ہیں...... کوئی ہماری بیٹی کو میلی آنکھ سے دیکھے تو ہم اس کی آنکھ پھوڑ دیتے ہیں...... کوئی ہمارے کاروبار کو نقصان پہنچائے تو ہم اس سے مستقل دشمنی مول لے لیتے ہیں...... بعض اوقات معاملات تھانوں اور عدالتوں تک پہنچ جاتے ہیں...... لیکن اگر کوئی بدبخت ہمارے پیارے نبی ﷺ کی شانِ اقدس میں توہین کرے تو ہم مجرمانہ خاموشی اختیار کر لیتے ہیں...... ہمیں غصہ آتا ہے نہ ہم پریشان ہوتے ہیں...... یہاں ہماری رگِ حمیت نہیں پھڑکتی...... نہ ہمارے خون میں جوش پیدا ہوتا ہے...... ہم خاموش تماشائی بن جاتے ہیں، جیسے ہمارا نبی کریم ﷺ کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں...... حضور ﷺ کی لختِ جگر حضرت فاطمہؓ سے کوئی واسطہ نہیں...... صحابہؓ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں...... قارئین کرام! کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمیں حضور نبی کریم ﷺ سے محبت نہیں رہی، ہم مذہبی غیرت وحمیت سے الگ ہو گئے، یا ناموسِ رسالت ﷺ پر کٹ مرنے کے جذبے سے ہم محروم ہو چکے...... دراصل ہم اسے اپنا مسئلہ سمجھتے ہی نہیں...... یہی وجہ ہے کہ ہمارے گھروں میں پریشانیوں اور بیماریوں نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں اور بقول سیّد عطاء المحسن شاہ بخاریؒ ''جھوٹے نگوں والی بے روح اور بے فیض زندگی کا انجام......؟ وہی جو چشم بے نور اور اشک بے تاثیر کا ہوا کرتا ہے۔''

اشک بے تاثیر سے کہہ دو نہ ٹپکے آنکھ سے
جھوٹے موتی کی طرح بے آبرو ہو جائے گا

ایک ناقابلِ یقین یادگار واقعہ جس نے سب کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا

کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ وہ جہاد کی تیاری کریں۔ مدینہ کے ہر گھر میں جہاد کی تیاریاں زوروں پہ تھیں۔ ایک گھر میں ایک صحابیہؓ اپنے معصوم بچے کو گود میں

لیے زار و قطار رو رہی تھی۔ اس کا خاوند پہلے کسی جہاد میں شہید ہو گیا تھا۔ اب گھر میں کوئی بھی ایسا مرد نہ تھا کہ جس کو وہ تیار کر کے نبی ﷺ کے ہمراہ جہاد میں بھیجتی۔ جب بہت دیر تک روتی رہی اور طبیعت بھر آئی تو اپنے معصوم بیٹے کو سینے سے لگایا اور مسجد نبوی ﷺ میں نبی ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئی۔ اپنے بیٹے کو نبی ﷺ کی گود میں ڈال کر کہا، اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے بیٹے کو جہاد کے لیے قبول فرمائیں۔ نبی ﷺ نے حیران ہو کر فرمایا، یہ معصوم بچہ جہاد میں کیسے جا سکتا ہے؟ وہ رو کر کہنے لگی کہ میرے گھر میں کوئی بڑا مرد نہیں کہ جس کو بھیج سکوں، آپ ﷺ اسی کو قبول کر لیں۔ آپ ﷺ نے کہا یہ بچہ کیسے جہاد کرے گا؟ وہ صحابیہؓ کہنے لگی کہ میرے اس بچے کو کسی ایسے مجاہد کے حوالے کر دیجئے جس کے ہاتھ میں ڈھال نہ ہو تا کہ جب وہ مجاہد کفار کے مقابلے کے لیے جائے اور کفار تیروں کی بارش برسائیں تو وہ مجاہد تیروں سے بچنے کے لیے میرے بیٹے کو آگے کر دے۔ میرا بیٹا تیروں کو روکنے کے کام آ سکتا ہے۔ سبحان اللہ، تاریخ انسانیت ایسی مثالیں پیش کرنے سے قاصر ہے کہ عورت اور ماں جیسی شفیق ہستی فرمان نبوی ﷺ کو سن کر اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے اتنی بے قرار ہوئی ہے کہ معصوم بچے کو شہادت کے لیے پیش کر دیتی ہے۔ یہ واقعہ تاریخ میں اپنی مثال آپ بن گیا۔ سوچیے! کیا ہم میں ایسے جذبے کا ایک ذرہ برابر حصہ بھی موجود ہے؟

حضرت ابن انیسؓ اور گستاخِ رسول خالد الھذلی

درج ذیل واقعہ پر بار بار غور کیجئے تا کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ آخر کیوں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کی صحبت و معیت کے لیے ان تابندہ و درخشاں جانباز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا انتخاب فرمایا۔ ماہ محرم 4ھ کی 5 تاریخ کو رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر ملی کہ خالد بن سفیان ہذلی، نبی اکرم ﷺ کو قتل کرنے کے لیے فوج جمع کر رہا ہے تو آپ ﷺ نے اپنے محبّ صادق جاں نثار صحابی حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

خالد الھذلی میرے قتل کے درپے ہے اور مجھے اذیت پہنچا رہا ہے۔ حضرت ابن انیسؓ نے کہا:

روحی لروحک فداء مرنی بما تشاء.

میری جان آپ ﷺ پر قربان، حکم کیجئے! آپ ﷺ نے فرمایا: مکہ جاؤ اور خالد

الھذلی کا سر میرے پاس لے کر آؤ۔ اللہ اکبر! ابن انیسؓ نے یہ نہیں کہا: میں اکیلا کیسے اس کا مقابلہ کرسکوں گا، مجھے کچھ افراد درکار ہیں، میرے پاس اسلحہ نہیں۔ یہ بڑی مشکل اور پُر خطر مہم ہے، نہیں نہیں...... ابن انیس تن تنہا، اللہ رب العزت کی ذات عالیہ پر بھروسا رکھتے ہوئے مکہ گئے اور 18 روز باہر رہ کر 23 محرم کو واپس تشریف لائے۔ وہ خالد کو قتل کر کے اس کا سر بھی ہمراہ لائے تھے۔ آج ہماری حالت تو یہ ہے کہ مرغی یا بکری کو ذبح کرتے ہوئے خوف محسوس کرتے ہیں۔ لیکن صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم وہ جوانمرد، بہادر اور دلیر لوگ تھے جو اللہ تعالیٰ کے باغیوں اور نبی ﷺ کے گستاخوں کی گردنیں کاٹنے کے خوگر تھے۔ جب خدمت نبوی ﷺ میں پیش ہو کر انھوں نے خالد الھذلی کا سر آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا تو آپ ﷺ نے ابن انیسؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: یہ چہرہ کامیاب ہوا اور انھیں ایک عصا مرحمت فرمایا اور فرمایا، کہ یہ میرے اور تمھارے درمیان قیامت کے روز نشانی رہے گا۔ چنانچہ جب حضرت ابن انیسؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے وصیت کی کہ یہ عصا بھی ان کے ساتھ ان کے کفن میں لپیٹ دیا جائے۔ (زادالمعاد 108/2، وابن ہشام 719/2-720)

برادران گرامی! کل قیامت کے دن جب ابن انیسؓ وہ عصا لے کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے تو تمام لوگوں کو پتہ چل جائے گا کہ یہ عصا اللہ کے رسول ﷺ کی ناموس کے تحفظ کی علامت ہے۔ بتایئے! آج ہم نے تحفظ حرمت رسول ﷺ کے لیے کیا قربانی پیش کی ہے کہ جسے بطور علامت ہم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش کرسکیں گے؟

اونچی جس کی لہر نہیں ہے وہ کیسا دریا
جس کی ہوائیں تند نہیں وہ کیسا طوفان

مسلمان کے زندہ رہنے کے لیے ایک مقصد ہونا چاہیے کہ جس کے لیے وہ مر سکے۔ اس سلسلہ میں تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ سے بڑھ کر اعلیٰ و ارفع مقصد اور کیا ہوسکتا ہے؟ ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ جنگ یمامہ کے شہدا کی پیروی میں تحفظِ ختم نبوت کے سلسلہ میں جو موت آئے، درحقیقت وہ موت نہیں بلکہ ایک اعلیٰ درجہ کی دائمی اور سرمدی زندگی ہے۔

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں ان ﷺ کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا

حدیث الغار

جن نفوسِ قدسیہ کو خدا تعالیٰ نے اپنے دین کی نصرت وحمایت کے لیے صبح ازل چن لیا تھا اور وہ نبوت کے مخاطب اوّل قرار پائے تھے، ان کا ہر قول وفعل زندگی کی شاہراہوں میں مشعلِ ہدایت کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ مجسم عمل بن کر سامنے آئے تھے اور ان کے اقوال بھی ظلمتوں میں مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ کا امت پر یہی کرم کیا کم ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً حضور نبی کریم ﷺ سے دقیق مسائل کے متعلق استفسار فرماتے رہتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے سوالات کے جو جواب دیتے تھے، وہ پوری امت کے لیے فوز وفلاح کے ضامن ہیں۔

صحابہ کرامؓ کی توجہ اپنے ذاتی مسائل کی الجھنوں کے حل کرنے پر مرکوز نہ تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وہ جو سوال بھی کرتے تھے وہ نوع انسانی کی فلاح وفوز سے متعلق ہوتا تھا۔ ایک دن حضور نبی کریم ﷺ صحابہ کرامؓ میں تشریف فرما تھے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! اگلی اُمتوں میں سے کوئی عجیب واقعہ بیان فرمایئے۔

حضور خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا اگلے زمانے کے تین آدمی مل کر سفر کو روانہ ہوئے، شام کو انھیں پناہ کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو انھوں نے ایک غار میں قیام کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ غار میں وہ قیام پذیر تھے کہ ایک پتھر گرنے کے باعث غار کا منہ بند ہوگیا اور ان کے باہر نکلنے کی راہ مسدود ہوگئی۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ نجات کی کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی اور اب ہماری موت یقینی ہے۔ ایک تجویز میرے ذہن میں آئی ہے کہ ہم میں سے جس شخص نے کوئی نیک عمل کیا ہے، اسے وسیلہ بنا کر خدا کی بارگاہ میں دعا مانگے کہ وہ ہمیں نجات دے۔

چنانچہ یہ تجویز پسند کر لی گئی اور ان میں سے ایک بولا کہ میرے ماں باپ بہت ضعیف تھے۔ میں انتہائی مفلس تھا۔ میرا معمول یہ تھا کہ جنگل سے لکڑیاں لا کر فروخت کرتا اور اس کی قیمت سے غذا لا کر ان بکریوں کے دودھ میں بھگو دیتا جو میرے پاس موجود تھیں۔ غذا نرم ہو جاتی تو بوڑھے ماں باپ کو کھلاتا۔ ایک دن مجھے لکڑیاں لانے میں دیر ہوگئی۔ جب میں نے غذا لا کر دودھ میں بھگونے کے بعد نرم کی اور میں اپنے والدین کو کھلانے کے لیے گیا تو وہ

سو چکے تھے۔ مجھے سخت قلق ہوا اور میں غذا کا پیالہ لے کر ان کے پاس کھڑا ہو گیا۔ ان کے بیدار ہونے کے انتظار میں صبح تک کھڑا رہا۔ وہ سو کر اٹھے تو میں نے غذا پیش کی۔ یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد اس نے کہا کہ ہماری ظاہری اور باطنی کیفیات کو جاننے والے قادر و قیوم۔ اگر میں اپنے اس بیان میں صادق ہوں تو ہمیں اس مصیبت سے نجات عطا فرما۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ اس شخص کی دعا خدا نے قبول کی اور غار کے دہانہ سے تھوڑا سا پتھر سرک گیا۔ لیکن سوراخ اتنا نہ تھا کہ وہ باہر نکل سکتے۔

ان میں سے دوسرے نے کہا۔ مجھے اپنی چچا زاد بہن سے عشق تھا۔ لیکن وہ میری طرف التفات نہ کرتی۔ ایک دفعہ میں نے اسے حیلوں بہانوں سے راضی کر لیا اور ایک معقول رقم بھی پیش کی جب وہ رات کے وقت میری خلوت میں آئی اور میں نے بدی کا ارادہ کیا تو میرے دل پر خدا کا خوف غالب آ گیا اور مجھے خدا نے معصیت سے محفوظ رکھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد اس نے خدا سے نصرت چاہی اور پتھر تھوڑا سا اور سرک گیا لیکن ابھی تک وہ باہر نہیں نکل سکتے تھے۔

تیسرے نے کہا کہ میرے پاس کچھ مزدور کام کرتے تھے۔ ان میں سے ایک مزدور اجرت لیے بغیر چلا گیا۔ میں نے اس کی بہت تلاش کی لیکن وہ نہ ملا۔ اس کی اجرت کے پیسوں سے میں نے ایک بھیڑ خرید لی اور چند سال تک اسے اپنے پاس رکھا۔ اس دوران میں اس کے جتنے بچے پیدا ہوئے، انھیں بھی اس کے ساتھ محفوظ رکھا چند سال بعد مزدور نے آ کر مجھ سے اجرت کا مطالبہ کیا تو میں نے ان بھیڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ تمہاری اجرت یہ ہے۔ لہٰذا میں نے یہ تمام بھیڑیں اس کے حوالے کر دیں۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اپنے اس عمل کا ذکر کرنے کے بعد اس نے دعا مانگی تو وہ قبول ہوگئی اور غار کا پتھر سرک گیا اور وہ تینوں باہر نکل آئے، یہ حدیث مبارکہ احادیث کے مجموعوں میں ''حدیث الغار'' کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں جو بصیرتیں پوشیدہ ہیں، وہ اہل دل سے پوشیدہ نہیں۔

برادرانِ گرامی! اس طویل حدیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ زندگی میں اگر کوئی پریشانی یا مشکل پیش آ جائے تو اپنے کسی نیک عمل کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ کے حضور خوب گڑگڑا

کر دعا مانگی جائے تو اس عمل کی وجہ سے مشکل یا پریشانی ختم ہو جاتی ہے۔ یاد رکھیے! موجودہ دور میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ختم نبوت کا تحفظ اور گستاخان رسول ﷺ کی سرکوبی ایسے اعلیٰ وارفع اعمال ہیں جن کو آپ اپنی دعا میں وسیلہ بنا کر ہر مرحلۂ زندگی میں آنے والی ہر طرح کی پریشانیوں اور مشکلات سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ یہ ایک آزمودہ نسخہ ہے!!! آزمائش شرط ہے!

ہمیں ہر روز سوتے وقت اپنے اعمال کا جائزہ لینا چاہیے اور یہ سوچنا چاہیے کہ آج رات اگر ہمیں قبر میں گزارنی پڑے تو کیا ہم ذہنی طور پر اس کے لیے تیار ہیں..... قبر میں جب حضور نبی کریم ﷺ کی مبارک شبیہ دکھا کر سوال کیا جائے گا کہ بتاؤ یہ کون ہیں؟ تو ہم کیا جواب دیں گے؟ کہیں ہمارا حال اس طوطے جیسا نہ ہو جسے ایک صاحب نے بڑی محنت سے ''اللہ اللہ'' بولنا سکھایا۔ طوطا ہر وقت ''اللہ اللہ'' کی صدائیں، ندائیں لگاتا تو ایک سماں باندھ دیتا۔ ایک روز پنجرہ کھلا رہ گیا۔ بلی آئی، اس نے دبوچا اور گھسیٹتی لے بھاگی۔ طوطے نے ٹیں ٹیں کا شور مچایا لیکن بلی اپنا کام کر گئی۔ وہ صاحب بہت حیران ہوئے کہ میں نے تو اسے ''اللہ اللہ'' سکھایا تھا۔ یہ اب ٹیں ٹیں کا ورد کر رہا ہے۔ ایک بزرگ ملنے آئے تو انھوں نے واقعہ سنایا اور اپنی حیرت بیان کی۔ بزرگ کہنے لگے اس میں حیران و پریشان ہونے والی کوئی بات نہیں۔ آپ نے محنت کی، طوطے کو ''اللہ اللہ'' سکھایا۔ اس کی زبان پر تو ''اللہ اللہ'' تھا لیکن دل میں ٹیں ٹیں تھی۔ اب جو مصیبت آئی اور موت دکھائی دی تو اس کی زبان سے وہی کچھ نکلا جو اس کے دل میں تھا۔

دل میں حضور نبی کریم ﷺ سے سچی محبت اور ان کے دشمنوں سے واقعتاً نفرت ہو گی تو ہمیں جواب آئے گا ورنہ کہا جائے گا کہ اس کے لیے آگ کا بستر بچھا دو..... دوزخ کی کھڑکی کھول دو..... آگ کے کپڑے پہنا دو..... اسے پیپ اور کھولتا ہوا پانی پلاؤ..... (استغفر اللہ)

سوچیے! اگر قیامت کے دن حضور نبی کریم ﷺ نے ہم سے پوچھ لیا کہ تمھارے سامنے میری ختم نبوت پر ڈاکا زنی ہوتی رہی..... میری شان میں نازیبا کلمات کہے [illegible] رہے..... قرآن مجید میں تحریفات ہوتی رہیں..... میرے صحابہؓ کا مذاق اڑایا جا رہا تھا..... میرے اہل بیتؓ کی توہین کی جا رہی تھی..... میرے امتیوں کو مرتد بنایا جا رہا تھا..... مگر تم آرام سے یہ سب کچھ دیکھتے رہے..... تمھیں کوئی فکر لاحق نہیں ہوئی..... اب کس منہ سے میرے پاس شفاعت کے لیے آئے ہو..... تو بتایئے ہمارا کیا بنے گا؟ ہم کہاں جائیں گے؟ کون ہمیں

پناہ دے گا؟

عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزیِ افرنگ
معمارِ حرم! باز بہ تعمیر جہاں خیز
از خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں خیز!
از خوابِ گراں خیز!

غیرت مند کتا اور عیسائی پادری

آج وقت پھر کسی معاذؓ و معوذؓ، ابن انیسؓ اور صحابۂ کرامؓ جیسے قابلِ فخر غلامانِ محمد ﷺ کا منتظر ہے؟ یہ واقعہ سنیے اور آیئے ہم سب مل کر اپنی بزدلی اور کم ہمتی پر روئیں۔ ہلاکو خان کے نام سے کون واقف نہیں۔ تاریخ کے اس جابر تاتاری جنگجو حکمران کی ایک بیوی کا نام ظفر خاتون تھا۔ ظفر خاتون عیسائی مذہب سے تعلق رکھتی تھی اور اس کی وجہ سے ہلاکو خان کے زیرِ تسلط علاقوں اور رعایا میں عیسائیت کو خوب پھلنے پھولنے کا موقع مل رہا تھا۔ عورتوں کی آڑ میں اپنے مذہبی عقائد کا پرچار کلیسا کا پرانا مشغلہ رہا ہے اور ایسے کسی بھی موقع سے فائدہ اٹھانے سے اہلِ صلیب کم ہی چوکتے ہیں۔ بہرکیف ہلاکو خان کی حکومت عیسائیت کے فروغ کے لیے ایک مضبوط سہارے کا کام دے رہی تھی۔ ایک دفعہ عیسائیوں کی کوشش سے ہلاکو خان کے ایک اہم جنگی سردار نے عیسائیت قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔

یہ شخص حکومتِ وقت میں اتنے اہم کردار کا حامل تھا کہ پوری عیسائی دنیا میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور کلیسا نے اس سردار کو عیسائیت میں خوش آمدید کہنے کے لیے ایک تقریبِ جشن کا اہتمام کیا۔ اس تقریب میں شرکت کے لیے مرکزی کلیسا کے کئی پادری خصوصی نمائندے بن کر آئے۔

تقریب کا آغاز ہوا تو مختلف پادریوں نے باری باری اُٹھ کر تقریریں کیں اور عیسائیت کے فضائل بیان کیے۔ اسی دوران ایک پادری کی باری آئی تو اس بدبخت نے اپنی تقریر شروع کرتے ہی پیغمبر اسلام ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی شروع کر دی۔ اتفاق سے وہاں قریب ہی ایک تاتاری سپاہی کا شکاری کتا بندھا ہوا تھا۔ اس کتے کے کان میں جب پادری کے الفاظ پہنچے تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ سخت طیش میں آ گیا اور پھر اس نے اپنی رسّی

چھڑا کر پادری پر حملہ کر دیا لیکن عین اسی لمحے لوگ آگے بڑھے، پادری کو اس عذاب سے خلاصی دلائی اور کتے کو دوبارہ رسی سے باندھ دیا گیا۔

یہ صورتحال دیکھ کر بعض لوگوں نے پادری سے کہا کہ تم نے ایک قابل احترام ہستی کے بارے میں نازیبا باتیں کیں، اس لیے کتے نے تم پر حملہ کر دیا لیکن اس بدبخت کا اصرار تھا کہ میں چونکہ تقریر کے دوران اشارے کر رہا تھا، اس لیے کتا یہ سمجھا کہ میں اس پر حملہ آور ہونے لگا ہوں۔ بس اسی لیے، اس نے مجھ پر حملہ کر دیا۔ یہ کہہ کر پادری نے دوبارہ اپنی تقریر شروع کی اور کچھ دیر بعد پھر رسول اللہ ﷺ کی شان میں دریدہ دہنی شروع کر دی۔ اُدھر کتے نے دوبارہ یہ الفاظ سنے تو پھر طیش میں آ گیا۔ اس نے اپنی رسی چھڑائی اور شیر کی طرح جست لگا کر اس بدبخت پادری پر حملہ آور ہو گیا۔ اب کی بار کتے نے اس کی گردن کو دبوچ لیا اور اس وقت تک نہیں چھوڑا، جب تک کہ وہ بدطینت انسان تڑپ تڑپ کر مر کر جہنم واصل نہیں ہو گیا۔

اس طرح اللہ رب العزت نے ایک بے سمجھ جانور کو گستاخ رسول پر حملہ کے لیے آمادہ کر دیا اور اپنی قدرتِ کاملہ کا مظاہرہ کیا کہ ہم کسی کے محتاج نہیں، بے سمجھ جانوروں سے بھی اپنے محبوب کا بدلہ لے سکتے ہیں۔ (الدرر الکامنہ از امام حجر ابن عسقلانی ج 1، ص 202)

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی گستاخی کرنے والے سے قدرت کا یہ انتقام دیکھ کر وہاں موجود چالیس ہزار افراد نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔

شاید آپ نے پڑھ رکھا ہو کہ جس طرح ابولہب رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا تھا، ویسے ہی اس کا بیٹا عتیبہ بھی گستاخ تھا۔ اس بدبخت نے رسول اللہ ﷺ کو ایسی تکلیف پہنچائی کہ آپ ﷺ نے اس کے لیے بددعا فرمائی...... ''اے اللہ! اس پر اپنے کتوں میں سے ایک کتا مسلط فرما'' اُسے جب اس بددعا کا پتا چلا تو باوجود کافر ہونے کے اس کی نیند حرام ہو گئی۔ ہر وقت خطرے سے دوچار رہتا کہ کب محمد (ﷺ) کی بددعا رنگ لائے گی اور قدرت اُس سے انتقام لے گی۔ ایک دفعہ تجارتی قافلے کے ہمراہ محوِ سفر تھا کہ رات کا اندھیرا چھا گیا۔ اس نے لوگوں سے کہا کہ سارے قافلے کا سامان میرے اردگرد رکھ دو اور خود بھی میرے آس پاس حلقہ بنا کر پڑاؤ ڈالو تاکہ کوئی جانور حملہ نہ کر سکے۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا، مگر رات کے کسی پہر نجانے کہاں سے کوئی درندہ آیا اور اس ملعون شخص کو چیر پھاڑ کر چلا گیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس درندے نے ملعون عتیبہ کا ناپاک خون پیا اور نہ اس کا پلید گوشت کھایا۔

اللہ کے بندو! سوچو...... ! نبی اکرم ﷺ کی توہین پر ایک کتا غضبناک ہو گیا اور اس نے کس انداز سے اپنے غیرت مند ہونے کا ثبوت پیش کیا۔ آج ہماری غیرت کہاں رخصت ہوگئی؟ اللہ کی قسم! جمادات و حیوانات بھی رسول پاک ﷺ کے دیدار کے شوق میں تڑپ گئے، کیا آج یہ شوق ہمارے اندر سے بالکل ختم ہو چکا ہے؟

عصر ما مارا زما بیگانه کرد
از جمال مصطفی بیگانه کرد

(اس فتنہ پرور زمانے نے ہمیں اپنے آپ سے اور جمالِ مصطفیٰ ﷺ کی معرفت سے بیگانہ کر دیا ہے)

ایک ایسے وقت میں...... جب بے بسی نے ہماری کمر توڑ دی ہے، بزدلی نے ہمارے دلوں میں گھر کر لیا ہے، مصلحتوں کے جال میں ہم بے دست و پا ہو چکے ہیں اور سرحدوں نے ہمارے قدم جکڑ لیے ہیں، ہم اپنے آقا ﷺ کی حرمت و ناموس کا انتقام لینے کے لیے اور کچھ نہیں کر سکتے تو آیئے! سب مل کر یہ دعا کریں کہ...... ''اے اللہ! ان گستاخوں میں سے ہر ایک پر اپنے کتوں میں سے ایک ایک کتا مسلط فرما'' (آمین)

وضاحت کر نہیں سکتا مگر آواز دیتا ہوں
کہ اس کرب و بلا میں سخت جانوں کی ضرورت ہے
کہاں ہیں سید الکونین ﷺ کی امت کے دیوانے؟
کہ ناموسِ نبی ﷺ کے پاسبانوں کی ضرورت ہے

چور کی ثابت قدمی اور امام احمد بن حنبلؒ

امام احمد بن حنبلؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ خدا ابن الہیثم پر رحم کرے۔ بیٹے نے پوچھا کون ہے یہ شخص؟ فرمایا: خلق قرآن کے مسئلہ پر جب مجھے کوڑوں کی سزا کے لیے میدان میں لے جایا جا رہا تھا تو یہ شخص عین بازار میں میرے قریب آیا۔ کہا میں ابن الہیثم ہوں۔ اس بغداد کا سب سے بڑا چور، اتنی بار گرفتار ہوا۔ اتنے کوڑے لگے کہ جسم کا کوئی حصہ زخم سے خالی نہیں۔ لیکن جب بھی رہا ہوا، سیدھا چوری کرنے گیا۔ دیکھو میں چوری میں اتنا ثابت قدم ہوں کہ کبھی باز نہیں آتا۔ امام صاحب! یہ قرآن کی عزت کا معاملہ ہے۔ ثابت قدم رہنا۔ ہرگز

کمزوری نہ دکھانا۔ ورنہ پیچھے ہٹو، تمہاری جگہ پر میں کوڑے کھانے کے لیے تیار ہوں۔ دیکھتا ہوں یہ میری ثابت قدمی کو کس طرح متزلزل کرتے ہیں۔ یاد رکھو! کہیں کل اللہ تم سے یہ سوال نہ کرے کہ تم میری راہ میں ایک چور ابن الہیثم سے بھی کم ثابت قدم تھے۔

کیا یہ سوال آج کے علماء، فقہاء، صوفیاء اور سجادہ نشینوں سے نہیں پوچھا جائے گا، کیا آج کا دور معتصم باللہ اور اکبر و جہانگیر سے زیادہ معزز و محترم ہو گیا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر لاکھوں کے اجتماع، کانفرنسیں، مجمعے، ہجوم اور لوگوں سے بھرے پنڈال کے سامنے آ کر اگر کوئی ابن الہیثم کھڑا ہو گیا اور کہا میں بدمعاش ہوں، قاتل ہوں، چور ہوں، لیکن ثابت قدم ہوں۔ مطلق العنان بادشاہ کی نہیں مانتا تو کتنے اس مجمعے میں اٹھ کر کہیں گے کہ ہم تم سے زیادہ ثابت قدم بننا چاہتے ہیں ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں ثابت قدم ہیں۔ ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے والدین، اپنی اولاد، اپنے کاروبار، اپنی دولت حتیٰ کہ اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتے ہیں اور اس پر ثابت قدم ہیں؟

جو نام نہاد مسلمان قادیانیوں سے میل جول اور تعلقات رکھتے ہوئے ان کو اپنی تقریبات میں شرکت کی دعوت دیتے ہیں، یا ان کی تقریبات میں شریک ہوتے ہیں یا کاروباری میل ملاپ رکھتے ہیں یا ان سے خرید و فروخت کرتے ہیں، وہ سخت گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ سب کام حرام بلکہ اسلامی غیرت و حمیت کے خلاف ہیں۔ ان کا مرتکب قیامت کے دن نبی کریم ﷺ کا مجرم ہوگا۔

یاد رکھیے! دنیا میں اللہ تعالیٰ کا سب سے محبوب ترین اور مقرب بندہ وہ ہے جو اس کے حبیب ﷺ کی عزت و ناموس کے تحفظ کے لیے کام کرتا ہے۔ تحفظِ ختم نبوت کا کام اللہ اور اس کے رسول کی محبت حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ عتبہ بن عبید سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اگر کوئی شخص اپنی پیدائش کے دن سے، موت کے دن تک برابر اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے سجدہ میں پڑا رہے، تو قیامت کے دن اپنے اس عمل کو بھی وہ حقیر سمجھے گا۔ (مسند احمد) حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دن بھر روزہ رکھے، رات بھر نوافل پڑھے اور ہر روز ایک قرآن ختم کرے اور لاکھوں روپے روزانہ تقسیم کرے، پھر بھی اس شخص کے اجر و ثواب تک نہیں پہنچ سکتا جو دین اسلام میں تحریف اور اس کے خلاف سازشیں کرنے والوں کے خلاف جہاد کرتا ہے، کیونکہ ایسے شخص کا جہاد کرنا لاکھوں لوگوں کو گمراہ ہونے سے بچانے کا ذریعہ ہے۔

یاد رکھیے! جس جگہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ختم نبوت پر ڈاکا زنی ہو رہی ہو، وہاں آپ ﷺ کی ختم نبوت کی حفاظت کرنا فرض عین ہے۔ اس سے ذرا سا بھی اعراض کرنا خود کو حضور نبی کریم ﷺ کی شفاعت سے محروم کرنے کے مترادف ہے کیونکہ ختم نبوت پر ڈاکا زنی دیکھتے ہوئے حضور نبی کریم ﷺ کو گنبد خضرا میں تکلیف ہوتی ہے۔ یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ ختم نبوت کا عقیدہ رکھ کر منکرین ختم نبوت کی تکذیب کرنا ہر مسلمان کا ایمانی فریضہ ہے۔ جو شخص مسلمان ہو کر کسی قادیانی کو اس کے کفر کے باوجود مسلمان سمجھتا ہو، اس کا ایمان بھی فاسد ہے۔ اس سلسلہ میں امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ فرماتے ہیں:

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ کا فتویٰ

امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ نادرِ روزگار، عظیم المرتبت فقیہ اور سچے عاشق رسول ﷺ تھے۔ ان کی پوری زندگی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے لیے وقف تھی۔ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے۔ آپ منکرین ختم نبوت قادیانیوں کو کافر اور مرتد سمجھتے تھے اور انھیں نفرت و حقارت سے ہمیشہ ''غلامیہ'' لکھتے اور کہتے رہے۔ گستاخان رسول مرزائیوں اور مرزائی نوازوں کے بارے میں ان کا شہرۂ آفاق فتویٰ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ اس کا ایک ایک لفظ عشق رسول ﷺ اور دینی غیرت وحمیت میں ڈوبا ہوا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

''قادیانی مرتد اور منافق ہیں، مرتد منافق اس لیے کہ کلمہ اسلام بھی پڑھتا ہے، اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ یا کسی نبی کی توہین کرتا یا ضروریات دین میں سے کسی شے کا منکر ہے، اس کا ذبیح محض نجس، مردار اور حرام قطعی ہے، مسلمانوں کے بائیکاٹ کے سبب کسی قادیانی کو مظلوم سمجھنے والا اور اس سے میل جول چھوڑنے کو ظلم و ناحق سمجھنے والا نام نہاد مسلمان اسلام سے خارج ہے اور جو کافر کو کافر نہ کہے وہ بھی کافر ہے۔'' (احکام شریعت ص 112، 122، 177، از اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلویؒ)

مزید فرمایا کہ ''اس صورت میں فرض قطعی ہے کہ تمام مسلمان موت و حیات کے سب تعلق ان سے قطع کر دیں۔ بیمار پڑے تو پوچھنے کو جانا حرام، مر جائے تو اس کے جنازے پر جانا حرام، اسے مسلمانوں کے گورستان میں دفن کرنا حرام، اس کی قبر پر جانا بھی حرام۔''

(فتاویٰ رضویہ ص 51 ج 2 از مولانا احمد رضا خان بریلویؒ)

اعلیٰ حضرت کے ان فتاویٰ کے مطابق مرزائی اور مرزائی نواز یعنی وہ شخص جو مرزائیوں کے ساتھ معاشی اور معاشرتی تعلقات رکھتا ہے، وہ کافر ہے اور جو کافر کو کافر نہ کہے وہ بھی کافر ہے۔

اے شمع ختم نبوت ﷺ کے پروانو! آؤ ہم بھی اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھیں، کیا ہمارے قادیانیوں کے ساتھ معاشی اور معاشرتی تعلقات تو نہیں؟ کیا ہمارا کوئی دوست مرزائی تو نہیں؟ کیا ہم قادیانیوں کے ساتھ کھاتے پیتے تو نہیں؟ کیا ہمارا کسی قادیانی کے ساتھ کوئی کاروبار تو نہیں؟ کیا ہم قادیانیوں کی مصنوعات مثلاً شیزان وغیرہ کا استعمال تو نہیں کرتے؟ کیا ہم قادیانیوں کے بیاہ شادیوں و دیگر تقریبات میں شریک تو نہیں ہوتے یا انھیں اپنے ہاں مدعو تو نہیں کرتے؟ کیا وہ ہمارے کسی عزیز کی نماز جنازہ تو نہیں پڑھتے اور اپنے کسی مردے کو ہمارے قبرستان میں دفن تو نہیں کرتے؟ اگر ایسا ہے تو پھر سوچیے! کیا ہم مسلمان ہیں؟ کیا ہم نبی آخرالزمان ﷺ کے امتی ہیں؟ کیا ہمیں بروز محشر شفاعت محمدی ﷺ نصیب ہوگی؟ خدارا غور کیجیے اور فکر کیجیے! حضرت علیؓ کا ارشاد ہے: ''ایک گھڑی کا فکر زندگی بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔''

اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ محض ختم نبوت پر ایمان لانے سے اپنا ایمان معتبر نہیں ہوگا بلکہ منکرین ختم نبوت قادیانیوں کا مکمل بائیکاٹ اور ان کی سرکوبی بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص قادیانیوں کے ساتھ معاشی و معاشرتی تعلقات رکھے گا، ان کی ہر خوشی وغمی میں شریک ہوگا، ہر موقع پر ان کا ساتھ دے گا تو بلاشبہ ایسے شخص کا انجام بھی قادیانیوں کے ساتھ ہی ہوگا۔

قادیانیت نوازی ایسی منحوس وملعون چیز ہے کہ یہ مسلمان کے اندر محبتِ رسول ﷺ کو بالکل ختم کر دیتی ہے۔ اس سے دل سیاہ، دماغ مفلوج اور چہرہ پر نحوست کے آثار جلد ہی ظاہر ہو جاتے ہیں۔ ایسا شخص شفاعت رسول ﷺ ایسی لازوال نعمت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ گناہ کبیرہ کے مرتکب افراد کی (سچی توبہ کرنے پر) سفارش تو فرمائیں گے مگر اپنے دشمنوں کے ساتھ تعلق رکھنے والوں کی سفارش ہرگز نہ فرمائیں گے۔ لہٰذا ہر مسلمان کو، قادیانی نواز جو مارہائے آستین ہیں، سے بہت احتیاط لازم ہے۔

حضرت علیؓ کا فہم و فراست سے بھرپور سبق آموز اہم فیصلہ

اس ضمن میں سیّدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فہم و فراست سے بھرپور ایک فیصلہ نہایت قابل غور اور ہم سب کے لیے عبرتناک بھی ہے۔ ایک دفعہ آپ کی عدالت میں ایک قاتل لایا گیا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تم نے قتل کیوں کیا؟ قاتل نے کہا یا امیر المومنین! مقتول مجھے ورغلا کر اپنے گھر لے گیا جہاں اور کوئی دوسرا شخص نہ تھا۔ وہاں اس نے میرے ساتھ بدفعلی کرنے کی مذموم کوشش کی۔ میرے بار بار انکار اور منت سماجت کے باوجود وہ اپنے ناپاک ارادے پر اڑا رہا اور زبردستی میرے کپڑے اتارنے کی کوشش کی۔ اس پر مجبوراً میں نے اپنی مدافعت میں قریب ہی پڑے ہوئے لوہے کے ایک ہتھیار سے اس کے سر پر حملہ کر دیا جس کے زخم سے وہ تاب نہ لا کر موقع پر ہی ہلاک ہو گیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: اس سارے واقعہ کا کوئی گواہ ہے؟ قاتل رونے لگا اور کہا یا امیر المومنین! اس واقعہ کا کوئی عینی شاہد نہیں ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ ایک ایسے مکان میں ہوا ہے جہاں کوئی دوسرا شخص موجود نہ تھا اور میں بحیثیت مسلمان حلفاً بیان کرتا ہوں کہ میں نے جو کچھ بیان کیا ہے، وہ مبنی بر حقیقت ہے۔ حضرت علیؓ قاتل کا بیان سن کر گہری سوچ میں چلے گئے پھر اچانک فرمایا! ''مجھے مقتول کی قبر پر لے چلو۔ وہاں جا کر آپ نے قبر کشائی کا حکم دیا اور فرمایا کہ لاش قبر سے باہر نکالی جائے۔ چنانچہ قبر کھودی گئی اور یہ دیکھ کر وہاں پر موجود تمام لوگ حیران و پریشان ہو گئے کہ لاش قبر میں موجود نہ تھی۔ حضرت علیؓ نے سب کو اپنی طرف متوجہ کیا اور فرمایا: ''قاتل باعزت طور پر بری کیا جاتا ہے۔'' لوگوں کا اس پر مزید تجسس بڑھا اور بڑی حیرانگی سے حضرت علیؓ سے پوچھا: یا امیر المومنین! یہ کیا ماجرا ہے۔ آپؓ نے فرمایا: چونکہ یہ شخص (مقتول) قوم لوط کا فعل کرتا تھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس کی لاش مسلمانوں کے قبرستان سے نکال کر شہر سدوم کے قبرستان میں منتقل کر دی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے:

''اہل ایمان کی ارواح اکٹھے لشکروں کی مانند ہیں جو ان سے جان پہچان کر لیتا ہے وہ ان سے مل جاتا ہے۔ اور جو ان سے جان پہچان نہ کرے وہ ان سے جدا ہو جاتا ہے۔''

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر، باز با باز

یہ حقیقت ہے کہ انسان جس کے ساتھ محبت کرتا ہے، اس کے دین پر ہوتا ہے جیسا

کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، اس لیے اسے دیکھنا چاہئے کہ کس سے دوستی لگا رہا ہے۔'' (سنن ابوداؤد: 4833)

قادیانیوں سے محبت بھرے تعلقات اور دوستی رکھنے والوں کے لیے یہ حدیث مبارکہ لمحہ فکریہ ہے۔

ایک فکر انگیز تاریخی واقعہ......

جناب عبداللہ ایک فکر انگیز تاریخی واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ سلطنت مغلیہ کا خورشیدِ اقبال ڈوب چکا تھا۔ اس سرحد سے لے کر مدراس کے ساحل تک سارا کشورِ ہند انگریزی اقتدار کے زیرنگیں تھا۔ لکھنو میں ایک انگریز کمشنر متعین کیا گیا۔ چونکہ اس وقت کی دفتری زبان فارسی تھی۔ اس لیے کمشنر کو فارسی زبان سیکھنے کی شدت سے ضرورت محسوس ہوئی اور اس کے لیے لکھنو کے مشہور فارسی داں ملا سراج الدین کی خدمات حاصل کر لی گئیں۔ ملا جی! روزانہ شام کو چار بجے انگریز کمشنر کو ٹیوشن پڑھانے آتے تھے۔ موصوف عصر اور مغرب کی نماز، کمشنر صاحب کی کوٹھی ہی پر ادا کرتے تھے۔

کمشنر کی ایک نوجوان لڑکی تھی۔ ہزاروں لالہ رخوں اور زہرہ جمالوں کی کہانیاں اس کی ایک ایک ادا میں سمٹ آئیں تھیں، سرشار آنکھوں سے شراب کے پیمانے چھلکتے، ماہتاب کی طرح درخشاں پیشانی ہر وقت موج نور میں غرق رہتی۔ چلتی تو فتنہ حشر جگاتی، باتیں کرتی تو پھول جھڑتے، جمال و رعنائی اور حسن و دلکشی کا وہ ایک مجسمہ تھی کہ مغربی تہذیب کے گھرانے میں وہ ہر وقت پردے میں رہتی تھی۔ ایک تو ماں باپ کی اکلوتی بیٹی! اس پر مزاج میں نفاست، طبیعت میں لطافت اور ناز ونعمت کی زندگی، سارے خاندان کی راج دلاری بن گئی تھی۔ شرم وحیا، علم و ہنر، ذہانت و دانائی اور متانت و سنجیدگی میں دور دور تک اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ سارا قبیلہ اس کے حسن اخلاق سے مسخر تھا۔ غیرتِ فطری ہی کا نتیجہ تھا کہ والدین کے اصرار کے باوجود کبھی وہ گرجا گھر نہیں جاتی تھی۔

سن شعور میں قدم رکھتے ہی اس نے باہر کی درسگاہ سے اپنا سلسلۂ تعلیم منقطع کر لیا تھا، اور اب گھر پر ہی شریف معلمات کے ذریعہ اس کی تعلیم کا بندوبست کر دیا گیا تھا۔ علوم و فنون کی مختلف شاخوں میں مہارت رکھنے والی معلمات اپنے وقت پر آتی تھیں اور سبق دے کر

چلی جاتی تھیں۔ تدریس کا یہ سلسلہ صبح آٹھ بجے سے شام کے چار بجے تک جاری رہتا تھا۔

ملا جی کو آئے ہوئے کئی مہینے گزر چکے تھے۔ کمشنر صاحب فارسی کی ابتدائی کتابیں ختم کر چکے تھے اور اب حضرت سعدیؒ کی گلستان چل رہی تھی۔ کہتے ہیں کہ ملا جی بہت خوش الحان قاری بھی تھے۔ جب مغرب کی نماز میں وہ جہر سے قرآن پڑھتے تو کمشنر صاحب کی پوری کوٹھی عالم قدس کے نغموں سے گونج اٹھتی تھی۔

ایک دن کمشنر صاحب کی صاحبزادی ٹھیک مغرب کے وقت اس کمرے کے قریب سے گزری جہاں ملا جی نماز پڑھ رہے تھے۔ قرآن کی آواز سن کر اس کے قدم اچانک رک گئے۔ چند ہی لمحے کے بعد دروازے کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ قرآن کے سحر جلال سے دل کے گھائل ہونے میں ذرا بھی دیر نہ لگی۔ آنِ واحد میں طیب و طاہر روح، تجلیاتِ قرآنی کی بارش میں شرابور ہو گئی۔ زندگی میں پہلی مرتبہ اس نغمۂ حیات سے اس کے کان آشنا ہوئے تھے۔ ایک نامعلوم کیف سے وہ بے خود ہو گئی۔ عالم اشتیاق میں پھر وہ آگے بڑھی اور پردے کی اوٹ سے ملا جی کو ایک نظر دیکھا۔ نماز کی ہیئت عبادت دیکھ کر وہ حیرت میں ڈوب گئی۔ ہاتھ باندھ کر ساکت و مودب کھڑا رہنا، پھر سرنگوں ہو جانا اور اس کے بعد ماتھا ٹیکنا، عجز و نیاز کی یہ ادائیں، اس کی آنکھوں کے لیے اچنبھے سے کم نہیں تھیں۔ اب سے پہلے اس کی آنکھوں نے یہ روح پرور مناظر کبھی نہیں دیکھے تھے۔ جب تک ملا جی نماز پڑھتے رہے، وہ تصویر حیرت بنی دیکھتی رہی۔ نماز ختم ہو جانے کے بعد جب وہ واپس لوٹی تو جذبات کے سمندر میں ایک تلاطم سا تھا۔

دل از خود اندر سے کسی نامعلوم سمت کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔ اس دن ساری رات اپنے بستر پر کروٹیں بدلتی رہی۔ آیات قرآنی کا کیف اور نماز کی روحانی کشش ایک لمحے کے لیے بھی اس کے ذہن سے اوجھل نہیں ہو رہی تھی۔ وہ ساری رات یہ سوچتی رہی کہ شیریں نغموں کی سحر طرازی مسلم، لیکن قرآنی نغمے کا یہ اثر جس نے دل کے کشور کو تہ و بالا کر دیا ہے، اسے صرف خوش الحان آواز کا نتیجہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یقیناً اس کے پیچھے کوئی ایسی حقیقت بول رہی ہے جس کا رشتہ روحِ انسانی کے ساتھ منسلک ہے۔ پھر اگر نماز نشست و برخاست ہی کا نام ہے تو پھر میرے دل کو کیا ہو گیا ہے؟ قیام و قعود کے سوا انسانوں کی زندگی میں ہے کیا؟ پھر دنیا میں کتنے دل ہیں جو کسی نشست و برخاست پر عاشق ہوئے ہیں۔ اگر واقعتاً نماز کی یہی حقیقت ہے تو دل دیوانہ کی لغزش میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ پھر سوچتی کہ اتنی آسانی سے دل کی

تقسیم کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہو نہ ہو یہ نماز بھی اسی عالم کی چیز ہے جہاں انسانی روحوں کا [illegible] ڈھلتا ہے اور جہاں سے معنوی حیات کے چشموں کا دھارا پھوٹتا ہے۔

سوچتے سوچتے سحر ہو گئی۔ لیکن روحانی اضطراب کی آگ ویسے ہی سلگتی رہی۔ اپنا حال خود اپنی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ صبح طلوع ہوئی، دن نکلا۔ لیکن آج کتابوں میں جی نہیں لگ رہا تھا۔ سارا دن شام کے انتظار میں کٹا۔ حسب معمول عصر کے وقت ملا جی ٹیوشن پڑھانے کے لیے تشریف لائے۔ جوں ہی ان کے قدموں کی آہٹ سنی تو فرط شوق سے صاحبزادی کا دل اچھلنے لگا۔ بڑی مشکل سے سورج ڈوبا اور ملا جی مغرب کی نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ صاحب زادی قبل از وقت ہی پس پردہ کان لگائے کھڑی تھی۔ قرآن کی آواز کان میں پڑتے ہی دل کا حال بدلنے لگا۔ روح، نغمۂ جاوید کے کیف میں ڈوب گئی۔ آج دل ہی متاثر نہیں تھا بلکہ آنکھیں بھی اشکبار تھیں۔ کئی بار رومال سے بہتے ہوئے آنسو خشک کیے لیکن چشمہ سیال کی طرح اس وقت تک سیلاب امنڈتا رہا جب تک ملا جی نے نماز ختم نہیں کر لی۔

اسی عالم کرب میں کئی مہینے گزر گئے۔ دل کے شور محشر سے کوئی واقف نہ تھا۔ ہر روز مغرب کی نماز کے وقت وہ در سے لگی ہوتی۔ جذبات کے تلاطم کا جو طوفان امنڈتا تھا، خود ملا جی کو بھی اس کی خبر نہیں تھی۔ اب کئی مہینے کے عرصے میں مسیحی گھرانے کی دوشیزہ نامعلوم طور پر اسلام کے بہت قریب ہو گئی تھی۔ نماز اور قرآن کے عشق نے اب اسے اس راستے پر لا کر کھڑا کر دیا تھا جو کسی بھی وارفتہ حال مسافر کو ذرا سی دیر میں مدینے تک پہنچا دیتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں دل اس رسول کی غائبانہ عقیدت سے سرشار ہوتا جا رہا تھا جس نے دنیا کو قرآن اور نماز جیسی نعمتِ لازوال سے بہرہ اندوز کیا۔

اکثر رات کو تنہائی میں سوچا کرتی تھی کہ جس رسول کے لائے ہوئے پیغام میں یہ کشش ہے خود اس رسول میں کتنی کشش ہو گی۔ بلاوجہ عرب کے صحرانشین اس پر شیفتہ نہیں تھے۔ اس کی زیبائی کا یہی جلوہ کیا کم ہے کہ آج اس کے نادیدہ عشاق سے ساری دنیا بھر گئی ہے۔ یقیناً محمد عربی ﷺ عظمت وراستی کی ایک سراپا حقیقت کا دوسرا نام ہے۔ ناز کی پلی ہوئی لاڈلی بیٹی روزانہ صبح نئے کپڑے زیب تن کر کے باپ کو آداب کیا کرتی تھی۔ باپ کے دل کی شادابی اور روح کی آسودگی کا یہ سب سے بڑا ذریعہ تھا۔ آج وہ بڑی سج دھج سے آداب کرنے آئی تھی۔ آداب سے فارغ ہو کر مچلتے ہوئے ناز میں کہا...... ''فادر! ایک درخواست پیش

کروں؟ قبول فرمایئے گا۔"

بیٹی کے ان الفاظ پر باپ کی روح جھوم اٹھی۔ شفقت پدری کا جذبہ پھوٹ پڑا۔ فرطِ محبت میں بے قابو ہو کر جواب دیا...... "میری لختِ جگر! ساری زندگی یہ آرزو رہی کہ دوسرے بچوں کی طرح تم بھی کچھ فرمائش کرو اور میں اسے پوری کر کے تمہاری مسرتوں کا تماشہ دیکھوں۔ لیکن نہ جانے تمہاری افتادِ طبع کیسی واقع ہوئی ہے کہ یہ آرزو تشنہ ہی رہی۔ اب جبکہ زندگی میں پہلی بار اپنے ارمان کے اظہار کے لیے تمہاری زبان کھلی ہے تو کیا اب بھی یہ پوچھنے کی ضرورت ہے کہ میں اسے قبول کروں گا یا نہیں؟ تمھارے علاوہ کون میری زندگی کی امیدوں کا مرکز ہے جس کے لیے کوئی بات اٹھا رکھوں گا۔

بیٹی نے نگاہ نیچی کی، رکتے، جھجکتے ہوئے بڑی مشکل سے اتنے الفاظ ادا کیے مجھے اجازت دیجئے کہ ملا جی سے میں فارسی کی تعلیم حاصل کروں...... باپ نے یہ سن کر قہقہہ لگایا اور بیٹی کو تھپکاتے ہوئے کہا!...... اتنی ذرا سی بات کے لیے تم نے اتنی زبردست تمہید باندھی۔ میرا تو گمان تھا کہ تم کوئی بہت اہم فرمائش کرنے والی ہو۔ تمھیں اجازت ہی نہیں بلکہ تحسین و آفرین بھی ہے کہ تمھارے اندر حصولِ علم کا شوق جاگ اٹھا ہے۔

دوسرے دن ملا جی بعد نماز مغرب صاحبزادی کو بھی فارسی کی تعلیم دینے لگے۔ محنت و ذہانت نے تھوڑے ہی عرصے میں فارسی زبان سے اچھی طرح روشناس کر دیا۔ دورانِ تعلیم ہی ایک دن صاحبزادی نے ملا جی سے کہا...... اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو پیغمبر اسلام کی سیرت پر مسلمان مصنفین کی چند کتابیں میرے لیے فراہم کر دیجئے...... ملا جی کو اس عجیب و غریب فرمائش پر حیرت تو ضرور ہوئی لیکن وہ کچھ کہہ نہیں سکے۔ دوسرے دن چند مستند اور مفید کتابیں لا کر حوالے کر گئے...... نماز و قرآن والے پیغمبر کی زندگی سے واقف ہونے کا موقع حاصل کر کے صاحبزادی کی مسرتوں کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ جذبہ شوق کے عالم میں کتاب کا پہلا ورق کھولا اور کائنات کی سب سے معظم ترین ہستی کی زندگی کا مطالعہ شروع کر دیا...... ورق ورق پر فضل و رحمت، جلال و جمال، عظمت و زیبائی، طہارت و تقدس، صبر و تحمل، جود و کرم، زہد و عبادت، فقر و ایثار، علم و حکمت، اعجاز و توانائی، قدرت و اختیار، قربِ الٰہی کی جلوہ آرائی اور آسمانِ شوکت و اقتدار کے مناظر دیکھ کر دل کی دنیا جگمگا اٹھی۔ فرطِ شوق میں پلکوں پہ موتیوں کے قطرے جھلملانے لگے۔ لالہ کی پنکھڑی جیسے ہونٹ حرکت میں آئے اور ایک ننھی سی آواز

فضا میں گونجی...... ''محمد ﷺ کے خداوند! تو گواہ رہنا کہ مسیحی مذہب سے نکل کر تجھ پر اور تیرے آخری رسول ﷺ پر ایمان لاتی ہوں۔ اے قادر و توانا معبود! تیرے محبوب پیغمبر کا واسطہ، میری آنے والی زندگی کو کفر کی یلغار سے محفوظ رکھنا۔''

دل میں عشق محمدی ﷺ کا چراغ جل چکا تھا۔ اب ایمان بالغیب کی ایک نئی دنیا نظر کے سامنے تھی۔ حیات سرورِ کونین کی 63 سالہ تاریخ ذہن میں گھوم رہی تھی۔ اب وہ نظر کے سامنے تھی۔ کوٹھی کے قریب ہی ایک مسجد تھی۔ جیسے ہی مؤذن نے **اشھد ان لا الٰہ الا اللہ** اور **اشھد ان محمد رسول اللہ** کا کلمہ فضا میں نشر کیا، آنکھیں کھل گئیں...... کلمۂ اسلام سن کر دل بے تاب ہو گیا۔ ایمان کی امنگیں جاگ اٹھیں۔ آج چہرہ بشاشت سے کھلا جا رہا تھا۔ کونین کی ارجمندی بال بال سے پھوٹ رہی تھی۔ ایک لالہ رخ حسینہ کا اپنا ہی جمال کیا کم تھا کہ وہ چشمۂ نور میں غوطہ لگا کر آ گئی تھی۔ اب تو گل کدہ فردوس کی حور معلوم ہو رہی تھی۔ فرطِ تابندگی سے چہرہ پر نظر جمانا مشکل تھا۔ حسن و دلکشی کی یہ نمایاں تجلی دیکھ کر ماں باپ کو بھی حیرت ضرور تھی لیکن وہ اسے حضرت مریم کی عقیدت کا فیضان سمجھ رہے تھے۔ اس دن کافی انتظار کی زحمت اٹھانے کے بعد ملا جی تشریف لائے۔ نماز مغرب سے فراغت کے بعد صاحبزادی پڑھنے کے لیے حاضر ہوئی۔ جوں ہی چہرے پر نظر پڑی۔ ملا جی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

صاحبزادی نے کہا۔ حیرت نہ کیجئے مجھے کلمہ پڑھا کر میرے اسلام کے گواہ بن جایئے اور دیکھئے میں نے اپنا نام فاطمہ رکھ لیا ہے۔ آئندہ مجھے اسی نام سے یاد کیجئے گا۔ ملا جی بہت کمزور دل آدمی تھے۔ بڑھاپے میں کمشنر صاحب کو پڑھانے کا جو موقع مل گیا تھا، اسے وہ بہت غنیمت سمجھتے تھے۔ پھر صاحبزادی کے حالات سے بے خبر تھے۔ ملا جی نے لرزتے ہوئے صاحبزادی کو جواب دیا...... ''دل کا مسلمان ہو جانا خدا کے نزدیک نجات کے لیے کافی ہے۔ صاحبزادی نہ بھی اپنے اسلام کا آپ اعلان کریں جب بھی فلاح اخروی کا استحقاق کہیں نہ جائے گا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ میں آپ کو کلمہ پڑھا کر اسلام میں داخل کر لوں اور اس کی اطلاع کمشنر صاحب کو ہو گئی تو ہم پر بھی وبال آ جائے گا اور آپ کی زندگی بھی خطرے میں پڑ جائے گی''...... صاحبزادی ملا جی کی کمزوری سے واقف تھی، یہ سن کر خاموش ہو گئی۔

فارسی کی تعلیم ختم ہو جانے کے بعد فاطمہ نے قرآن مجید کی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا۔

ملاجی کی آمد ورفت کا سلسلہ منقطع نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسے توقع تھی کہ مستقبل کی کوئی ضرورت بھی ان سے متعلق ہو سکتی ہے۔ اب فاطمہ گھر والوں کی نظروں سے چھپ چھپا کر نماز بھی پڑھنے لگی تھی۔ صبح کے وقت قرآن کی تلاوت بھی کر لیا کرتی تھی۔ چونکہ اس کے کمرے میں ابتداء ہی سے کسی کو داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ اس لیے اس کی زندگی کا اکثر حصہ صیغہ راز میں تھا۔ دل کے خاموش انقلاب کی گو والدین کو خبر نہیں تھی۔ لیکن باطن کی تطہیر اور روحانی تقدیس کا اثر نامعلوم طور پر اس کے گرد وپیش میں نمایاں تھا۔ خاندان کے دلوں میں صرف اس کی محبت وشفقت ہی کا نہیں توقیر واحترام کا جذبہ بھی پیدا ہو گیا تھا۔ اس کی شخصیت کا اثر بغیر کسی ظاہری سبب کے لوگوں کے تحت الشعور پر چھایا جا رہا تھا۔ وہ رات کی تنہائی میں اپنی خواب گاہ کے اندر کیا کرتی تھی۔ اس کی خبر کسی کو نہ تھی۔ لیکن ملاجی کو صرف اتنا معلوم ہو سکا تھا کہ وہ اپنی زندگی کو سرورِ کونین کی زندگی کے سانچے میں ڈھالنے کا بہت زیادہ اہتمام کرتی تھی۔

سب کے سو جانے کے بعد وہ اپنا کمرہ اندر سے بند کر کے عشاء کی نماز پڑھتی اور اس کے بعد سو جاتی۔ پھر تہجد کے لیے اٹھتی اور تادم سحر گریہ ومناجات تسبیح وتحلیل اور درود وسلام میں مشغول رہتی۔ اس کے دل کا آئینہ اتنا شفاف ہو گیا تھا کہ عالم غیب کے انوار واسرار کا وہ کھلی آنکھوں سے تماشا دیکھا کرتی تھی۔ اب آہستہ آہستہ اس کی زندگی کا رشتہ دوسرے مشاغل سے ٹوٹتا جا رہا تھا۔ گھنٹوں وہ کھوئی کھوئی سی رہنے لگی۔ اس کی روح کی لطافت اتنی بڑھ گئی تھی کہ کئی کئی دن بغیر کسی ضعف ونقاہت کے وہ روزے میں گزار دیتی تھی۔

ایک دن جب شام کے وقت ملاجی پڑھانے آئے تو انھیں معلوم ہوا کہ صاحبزادی آج کچھ علیل ہیں۔ اس لیے وہ نہیں پڑھیں گی۔ جوں ہی واپس جانا چاہتے تھے کہ آیا نے اطلاع دی۔ صاحبزادی اپنے حجرۂ خاص میں آپ کو بلا رہی ہیں۔ ملاجی ہمت کر کے کمرے کے اندر داخل ہوئے تو دیکھا۔ فاطمہ بستر پر دراز تھی۔ قدم کی آہٹ پاتے ہی اٹھ کے بیٹھ گئی اور نہایت سرگوشی کے ساتھ ملاجی سے کہا...... ''آپ کے احسانات سے میری گردن ہمیشہ بوجھل رہے گی کہ آپ کی وجہ سے مجھے ایمان نصیب ہوا۔ اور حبیب خدا ﷺ کی دولتِ عشق سے میری زندگی کیف وسرور کے ایک نئے عالم میں داخل ہوئی۔ اب میں روحانی قرب کی اس منزل میں ہوں جہاں ایک لمحہ کے لیے بھی میرے سرکار آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوتے۔ آثار قرائن شہادت دے رہے ہیں کہ اب میں حیات کے آخری لمحے سے گزر رہی ہوں۔ عالم

قدس کا پیامی جلد ہی آنے والا ہے۔ میں بھی منتظر آنکھوں سے اس کی راہ دیکھ رہی ہوں۔ رخت سفر باندھ کر میں نے اپنی تیاری مکمل کر لی ہے۔ اپنے انجام کی فیروز بختی پر دل اتنا مطمئن ہے کہ مسکراتے ہوئے پیک اجل کا خیر مقدم کروں گی۔ صرف ایک آرزو ہے جس کے لیے میں نے آپ کو اس وقت زحمت دی ہے۔ اگر بعد مرگ میری وصیت پوری کرنے کا یقین دلائیں تو عرض کروں۔ اتنا کہتے کہتے اس کی چمکتی ہوئی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ ملاجی اپنے آپ کو سنبھال نہ سکے اور وہ بھی اشک بار ہو گئے۔ بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''خدا آپ کی زندگی کا اقبال بڑھائے۔ آپ کی عمر کی برکتوں کو دراز کرے۔ نصیب دشمناں مرگِ ناگہاں کی خبر سننے کے لیے ہم ہرگز تیار نہیں ہیں۔ لیکن علم الٰہی میں اگر یہی مقدر ہو چکا ہے تو کوئی اسے ٹال نہیں سکتا۔ آپ اپنی آرزو کا برملا اظہار فرمائیے۔ میں اس کی تعمیل کا آپ کو یقین دلاتا ہوں۔''

صاحبزادی نے راز دارانہ لب و لہجے میں کہا۔ آپ جانتے ہیں کہ میرے قبولِ اسلام کی خبر گھر والوں کے علم میں نہیں ہے۔ تاہنوز مجھے اپنے آبائی مذہب کا پیرو سمجھ رہے ہیں گو میں نے آج تک گرجا میں قدم نہیں رکھا ہے۔ لیکن وہ اسے میری غیرت حیاء پر محمول کرتے ہیں۔ اس سے مجھے یقین ہے کہ وہ بعد مرگ میری تجہیز و تکفین مسیحی مذہب کے مطابق کریں گے اور مسیحی قبرستان میں میرا مدفن بنائیں گے۔ میں نہیں چاہتی کہ اپنا اسلام ظاہر کر کے میں آپ اور یہاں کے دوسرے مسلمانوں کو آفات کا نشانہ بناؤں۔ اس لیے میری مودبانہ گزارش ہے کہ بعد مرگ جب وہ مجھے عیسائیوں کے قبرستان میں دفن کر دیں تو رات کے کسی حصے میں میرا تابوت نکال کر اسلامی طریقے کے مطابق مجھے کسی مسلمان قبرستان میں دفن کر دیں تاکہ اہل ایمان کے جوار میں رہ کر میری روح کو دائمی سکون حاصل ہو۔

ملاجی نے برستی آنکھوں سے وصیت کی تعمیل کا یقین دلایا۔ فاطمہ نے آخری سلام کرتے ہوئے کہا کہ اب قیامت ہی کے دن فاتح محشر کے لواء الحمد کے نیچے ہماری آپ کی ملاقات ہوگی۔ یہ کہتے ہوئے ملاجی کو رخصت کیا۔

صبح کے وقت سارے شہر میں کہرام مچا ہوا تھا۔ کمشنر صاحب کی لاڈلی بیٹی کی وفات کی خبر ہر طرف پھیل گئی تھی۔ احباب واقارب اور غمگساروں کے ہجوم سے کوٹھی میں تل رکھنے کی جگہ باقی نہیں تھی۔ اس اچانک حادثہ سے سارے خاندان پر غم کے بادل چھا گئے تھے۔ ماں

باپ کی حالت نہایت قابل رحم تھی۔ شدت الم سے وہ پاگل ہو گئے تھے۔ اکلوتی بیٹی کی مرگِ ناگہاں ان کے لیے قیامت سے کم نہیں تھی۔ ماتم وفغاں کے شور میں دوپہر کے وقت جنازہ اٹھا۔ عیسائی مذہب کے رسوم کے مطابق لاش ایک تابوت میں بند کر دی گئی تھی۔ جنازہ کے ساتھ ساتھ ملاجی بادیدۂ پُرنم چل رہے تھے۔ عیسائی قبرستان پہنچ کر تابوت کو ایک پختہ قبر میں اتارا گیا اور اوپر سے سنگ مرمر کی سل رکھ کر قبر کا کھلا ہوا حصہ بند کر دیا گیا۔ دفن کی آخری رسم ادا ہو جانے کے بعد لوگ قبرستان سے واپس لوٹ گئے۔ ملاجی اپنے ذہن میں قبر کا نشان اچھی طرح محفوظ کر کے سب کے بعد واپس ہوئے۔ سیدھے کمشنر صاحب کی کوٹھی پر پہنچے اور ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ کلمہ تعزیت کہہ کر گھر واپس چلے آئے۔

آج انھیں پوری رازداری کے ساتھ ایک اہم فرض سرانجام دینا تھا۔ اقدام اتنا سنگین تھا کہ ہر قدم پر خطرات کے اندیشے راہ میں حائل تھے۔ رات کی تنہائی میں لوگوں کی نظر سے بچ کر عیسائی قبرستان سے کسی لاش کو منتقل کرنا اتنا آسان کام نہیں تھا۔ حالات کی نزاکت سوچ کر ملاجی کانپ گئے۔ لیکن ایک مرنے والی سے کیے ہوئے وعدے کی تکمیل بھی ضروری تھی۔ اسلام کا رشتہ اخلاص بھی اس امر کا متقاضی تھا کہ جیسے بھی ہو اس فرض کو سرانجام دیا جائے۔ ملاجی کا ضمیر اندر سے جاگ اٹھا تھا۔ آخر بسم اللہ پڑھ کر انھوں نے اس مہم کا آغاز کر ہی دیا۔ اپنے چند قابل اعتماد دوستوں کو گھر لے گئے اور شروع سے آخر تک ان سے سارا ماجرا بیان کیا۔ واقعہ سن کر لوگوں کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔ انھوں نے کف افسوس ملتے ہوئے ملاجی سے کہا۔ صد حیف کہ اسی شہر میں اسلام کی فتح وصداقت کا اتنا عظیم الشان واقعہ رونما ہوا اور آپ نے کانوں کان کسی کو خبر نہ ہونے دی۔ خیر جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اب جس طرح بھی ہو، آج ہی شب وعدے کی تکمیل ضروری ہے۔

ٹھیک، اسی وقت جبکہ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ ہر طرف خاموشی کا سناٹا طاری تھا۔ ملاجی کے علاوہ چار آدمی عیسائیوں کے قبرستان میں داخل ہوئے۔ یہ اقدام انتہائی خطرناک تھا۔ لیکن اسلامی ہمدردی کے جوش میں خطرے کا قطعاً کوئی احساس نہیں ہو رہا تھا۔ ملاجی کی راہنمائی میں چاروں آدمی قبر تک پہنچے۔ سنگ مرمر کی سل ہٹائی اور قبر میں اتر کر تابوت کو باہر نکالا۔ جوں ہی لاش نکالنے کے لیے تابوت کا تختہ کھولا۔ ملاجی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ لوگ حیرت سے ان کا منہ تکنے لگے۔ بڑی مشکل سے حواس پر قابو پانے کے بعد لوگوں کو بتایا

کہ لاش بدل گئی ہے۔ ہم لوگوں نے غلطی سے دوسری قبر کا تابوت نکال لیا ہے۔ یہ لاش کسی اور کی ہے۔ لیکن ملاجی نے پھر دوبارہ جو غور سے دیکھا تو قبر کا نشان وہی تھا۔ جسے دن کے وقت دیکھ گئے تھے۔ قبر کا نیا پن بھی بتا رہا تھا کہ یہ بالکل تازہ قبر ہے۔ اب یہ گتھی کسی سے نہیں سلجھ رہی تھی کہ کمشنر صاحب کی بیٹی کے تابوت میں دوسرے کی لاش کیسے آ گئی اور خود اس کی لاش کہاں چلی گئی۔ صورتِ حال کی تفتیش کے لیے چاروں آدمی آگے بڑھے اور جھک کر دیکھ ہی رہے تھے کہ ان میں سے ایک شخص بے ساختہ چیخ پڑا۔ "یہ لاش تو بارہ بنکی کے مرزا جی کی ہے۔"

یہ منظر دیکھ کر لوگ حیرت میں ڈوب گئے۔ جلد جلد کفن کو درست کیا۔ تختے لگائے اور مٹی برابر کر کے قبرستان سے باہر نکل آئے۔ مارے ہیبت کے سانس پھول رہی تھی۔ قیام گاہ پر پہنچ کر ایک ہولناک سکتے کی کیفیت سب پر طاری تھی۔ قدرت کا یہ عجیب وغریب تماشہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر کمشنر کی لڑکی کی لاش کہاں غائب ہو گئی۔

نیند کچھ زیادہ گہری نہیں تھی، صرف پلک جھپکی تھی کہ ملاجی نے ایک نہایت حسین و دلکش خواب دیکھا۔ وہی کمشنر کی بیٹی فاطمہ حورانِ خلد کے جھرمٹ میں سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ قریب آ کر اس نے سلام کیا۔ عالمِ برزخ کی سرگزشت بیان کرتے ہوئے اس نے کہا۔ میری روح جب عالمِ بالا کی طرف لائی گئی تو رحمتِ الٰہی نے مجھے ڈھانپ لیا۔ میرے کفن کا تار تار بارشِ نور میں بھیگ گیا۔ میرے گمان سے زیادہ رحمت نے میری توقیر واعزاز کا اہتمام فرمایا۔ حورانِ خلد نے مجھے چشمہ نور میں غوطہ دیا اور میں نکھر گئی۔ میرے حسن کی چاندنی جنت کے میدانوں میں ہر طرف بکھر گئی۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ عالمِ برزخ میں ہر طرف شوکتِ محمدی ﷺ کے جھنڈے گڑے ہوئے ہیں۔ سارے انبیائے مرسلین ان کے دربار کے نیاز مند حاضر باش ہیں۔

جب میری روح ان ﷺ کی بارگاہ میں لائی گئی تو تجلیات کی تیز بارش سے آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ ان کی ناز بردار رحمتوں نے میری ہستی کا فروغ بڑھا دیا۔ حکم ہوا کہ میری لاش طیبہ کی سرزمین پر منتقل کر دی جائے۔ اسی خطہ قدس میں جہاں اسی ہزار عاشقانِ جمال آسودہ خواب ہیں۔ جس دن میری لاش عیسائیوں کے قبرستان میں دفن کی گئی، اسی دن تین لاشیں اپنی اپنی قبروں سے منتقل کی گئیں۔

مدینہ طیبہ میں ایک عرب سوداگر جسے ہندوستان بے حد پسند تھا۔ عرصہ قدیم سے

اس کی آرزو تھی کہ وہ یہاں بودو باش اختیار کرے۔ جب وہ مر گیا اور لوگوں نے اس کی لاش کو جنت البقیع میں دفن کیا تو عالم برزخ کے کار پردازوں کو حکم ہوا کہ مدینے میں رہ کر ہندوستان میں سکونت اختیار کرنے کی آرزو رکھتا تھا۔ مدینے کی زمین اس کی نگاہ میں عزیز نہیں تھی۔ اس لیے اس کی لاش کو ہندوستان منتقل کر دیا جائے۔ اسے یہاں پر رہنے کا کوئی حق نہیں ہے...... دوسری لاش بارہ بنکی کے مرزا جی کی تھی۔ عیسائیوں کے ساتھ غایت درجہ الفت کی وجہ سے وہ زندگی بھر انگلستان جانے کی تمنا میں مرتے رہے۔ بھول کر بھی انھیں دیارِ عرب کا خیال نہیں آیا۔ جب ان کی لاش دفن کی گئی تو حکم ہوا، اسلام سے بیگانہ ہو کر اس نے جس عیسائی قوم کے ساتھ زندگی کے دن گزارے ہیں، اسے اسی قوم کے قبرستان میں منتقل کر دیا جائے۔ اموات مسلمین کے ساتھ اسے ہرگز نہیں رکھا جا سکتا۔ اپنا سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے فاطمہ نے خواب ہی میں کہا کہ فرمان غیب کے مطابق مدینہ کے احاطہ نور سے عرب کی لاش بارہ بنکی کے قبرستان میں منتقل کی گئی اور اس کی خالی شدہ قبر میں لکھنو سے میری لاش پہنچا دی گئی۔ اور مرزا جی کی لاش کو عیسائیوں کے قبرستان میں میری جگہ پر منتقل کر دیا گیا۔

فاطمہ نے کہا کہ عالم برزخ کے ان واقعات پر حیرت کی کوئی وجہ نہیں۔ موت کے بعد انسان کے اعتقاد اور عمل کا اثر اس کی برزخی زندگی پر یقیناً پڑتا ہے۔ یہاں پر ہر آن اس طرح کے مناظر نگاہوں سے گزر رہے ہیں۔ میں واضح طور پر محسوس کر رہی ہوں کہ اس عالم میں کسی عمل کو بھی وہ اعزاز حاصل نہیں ہے جو عشقِ رسول ﷺ کو ہے۔ میری روحانی آسائش و تکریم کی ساری ارجمندی عشق رسول ﷺ! کا ہی صدقہ ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ رحمت و کرم کی تسخیر کے لیے اس سے زیادہ زود اثر نسخہ بنی نوع انسان کو اب تک میسر نہیں آ سکا ہے۔ کاش! خاکدانِ گیتی کے رہنے والے اس راز کو سمجھ سکتے۔ اتنا کہنے کے بعد فاطمہ کی روح نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ ملا جی کی جب آنکھ کھلی تو ان پر ایک رقت انگیز کیفیت طاری تھی۔ بار بار وہ سینہ پیٹتے تھے کہ ہائے میں نے فاطمہ کی قدر نہیں پہچانی۔

اس خواب نے غفلت کا سارا خمار اتار دیا۔ جس نے سنا، دم بخود ہو کر رہ گیا۔ برزخ کے حالات پر لوگوں کا یقین تازہ ہو گیا۔ قبر کے بھیانک انجام سے لوگ ڈرنے لگے۔ کہتے ہیں کہ ان پانچوں آدمیوں پر چشم دیدہ واقعات کا اتنا گہرا اثر پڑا کہ ان سب کی زندگی اچانک بدل گئی۔ وہ ترک دنیا کر کے یادِ الٰہی میں مصروف ہو گئے۔"

قارئین کرام! ان تاریخی واقعات پر غور وفکر کریں تو ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اگر ہم گستاخان رسول ﷺ قادیانیوں کے ساتھ اپنا تعلق رکھیں گے، ان کی خوشی غمی میں شریک ہوں گے، ان کے ساتھ خرید وفروخت کریں گے تو پھر ہمارا انجام بھی وہی ہوگا جو اوپر بیان ہو چکا ہے۔ لوگ ہمیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کریں گے لیکن ہماری مرزائیت نوازی کی وجہ سے راتوں رات ہماری لاش ربوہ یا قادیان کے قبرستان میں پہنچا دی جائے گی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار.

بدعتی کی عزت......؟

دین میں نئی بات ایجاد کرنے والے کو بدعتی کہتے ہیں۔ ایسا شخص فاسق و فاجر تو ہوتا ہے مگر وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ اس کے باوجود علماوفقہا لوگوں کو اہل بدعت سے ہمیشہ بچنے اور ان سے دور رہنے کی تلقین کرتے رہے۔ چنانچہ قاضی ابویعلیٰؒ فرماتے ہیں کہ اہل بدعت سے قطع تعلقی پر صحابہ وتابعین کا اجماع ہے۔ فضیل بن عیاضؒ نے فرمایا ہے کہ بدعتی کے ساتھ بیٹھنے والے سے بھی بچو اور مجھے یہ پسند ہے کہ میرے اور بدعتی کے درمیان لوہے کا مضبوط قلعہ ہو۔ امام ابن قدامہؒ کا بیان ہے کہ اہل بدعت کی مجالس اختیار کرنے، ان کی کتب کا مطالعہ کرنے اور ان کا کلام سننے سے ہمیشہ سلف صالحین منع کرتے رہے ہیں۔ یقیناً آئمہ سلف کی درج بالا نصیحتوں پر عمل کرنے میں ہی خیر ہے اور جو ان پر عمل نہیں کرتا، خدشہ ہے کہ کہیں اس کا خاتمہ بُرا نہ ہو جائے۔ جیسا کہ امام ذہبیؒ نے ابن الریوندی زندیق کے متعلق نقل فرمایا ہے کہ وہ ملحد حضرات سے بہت میل جول رکھتا تھا اور جب اسے روکا جاتا تو کہتا کہ میں تو صرف ان کے اقوال جاننا چاہتا ہوں۔ لیکن پھر کیا ہوا کہ بالآخر وہ خود بھی ملحد وزندیق ہوگیا اور دین اور اہل دین سے دور ہوگیا۔

اہل بدعت کی حمایت سے بھی پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ ایسا کرنے سے انسان اللہ کی لعنت کا مستحق بن جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جس نے کسی بدعتی کو پناہ دی۔'' (صحیح مسلم، 1978)

سوچنا چاہئے کہ اگر بدعتی سے تعلقات رکھنے پر اس قدر وعید اور ممانعت آئی ہے تو گستاخانِ رسولؐ قادیانیوں سے تعلقات رکھنے پر کس قدر ممانعت ہوگی؟

حضور شافع محشر ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی بدعتی کی عزت کرے گا تو (اس کا مطلب ہے کہ گویا) اس نے اسلام کو ڈھانے میں مدد دی۔ (مشکوٰۃ) اسی طرح مشکوٰۃ ہی میں حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فاسق لوگوں کی دعوت قبول کرنے سے منع فرمایا ہے۔

قارئین کرام! آپ اس سے خود اندازہ لگالیں کہ بدعتی اور فاسق شخص گنہگار ہونے کے باوجود اسلام کے دائرے میں رہتے ہیں اور مسلمان کہلوانے کا حق بھی رکھتے ہیں۔ لیکن ان کے بارے میں حکم ہے کہ نہ ان کی عزت کی جائے اور نہ ان کی کوئی دعوت ہی قبول کی جائے۔ گویا ان کے مکمل بائیکاٹ کا حکم ہے...... اس کے برعکس قادیانی جو نہ صرف گستاخ رسول، مرتد اور زندیق ہیں اور ان کی تمام تر سرگرمیوں اور عزائم کا مقصد صرف اور صرف اسلام کو نقصان پہنچانا ہے، ہم ان کے ساتھ ہر قسم کے سوشل تعلقات رکھتے ہیں، محبت واحترام کی پینگیں بڑھاتے ہیں بلکہ بعض مواقع پر ان کی حمایت بھی کرتے ہیں...... ہماری ان حرکات پر کیا نبی کریم ﷺ کا دل نہیں دکھتا...... کیا آپ ﷺ اس پر رنجیدہ نہیں ہوتے...... کیا ہمیں روز محشر ان سے شفاعت کی امید رکھنی چاہیے؟ سوچیے......ضرور سوچیے......!

حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کا مکالمہ

امام فخر الدین رازیؒ اپنی شہرہ آفاق تفسیر قرآن میں بڑا فکر انگیز واقعہ تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں ”ایک عرصہ دراز کے بعد جب حضرت یوسف علیہ السلام کی اپنے والد گرامی حضرت یعقوب علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے اپنے والد محترم سے کہا: ”ابا حضور! آپ کو میری وجہ سے بہت پریشانی ہوئی۔ آپ نے میری جدائی میں اتنے آنسو بہائے کہ چالیس برس تک مسلسل رونے سے آپ کی بینائی بھی ختم ہوگئی۔ اگر دنیا میں میری آپ سے ملاقات نہ بھی ہوتی تو ہم آخرت میں ضرور ملتے۔ آپ میری جدائی میں اتنا کیوں روئے؟ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: بیٹا! میں تمہاری جدائی میں نہیں رویا۔ میں تو محض اس لیے روتا رہا کہ جب تم مجھ سے جدا ہوئے تو تم ابھی بچے تھے۔ مجھے ہر وقت یہی خدشہ رہتا تھا کہ کہیں تم ایسے ماحول میں نہ چلے جاؤ یا ایسے باطل خیال لوگوں کی صحبت اختیار نہ کرلو جو تمھیں خاندان نبوت سے دور کردیں۔“

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قادیانیوں ایسے باطل خیال لوگوں کے ساتھ ملنا جلنا یا ان کی صحبت اختیار کرنا ایمان کے لیے نہایت مہلک اور خطرناک ہے۔ لہٰذا ان سے مکمل اجتناب بے حد ضروری ہے۔

علامہ اقبالؒ، نامۂ اعمال اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

علامہ اقبالؒ کو حضور خاتم النبیین ﷺ سے والہانہ عقیدت تھی۔ ایک دفعہ اُن کے ہاں سیرت نبوی ﷺ پر گفتگو ہو رہی تھی۔ علامہ اقبالؒ نے خاص انداز میں ایک واقعہ سنایا...... فرمانے لگے: ''ایک معرکہ میں مسلمان سپہ سالار کا گھوڑا زخمی ہو گیا، زخموں کی یہ حالت تھی کہ گھوڑے کا میدانِ کارزار میں کھڑا رہنا دشوار تھا، وہ بیٹھنا چاہتا تھا، دوسرطرف کافر یلغار کرتے ہوئے چلے آ رہے تھے، اس عالم میں سپہ سالار نے گھوڑے کو مخاطب کر کے کہا ''اگر تم نے اس نازک وقت میں میرا ساتھ چھوڑ دیا، تو اس جہانِ فانی سے رخصت ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ سے تمہاری شکایت کروں گا۔'' یہ سن کر گھوڑا قائم ہو گیا، آخر تک ساتھ نبھایا اور کفار کو شکست ہوئی۔'' یہ واقعہ بیان کر کے ڈاکٹر صاحب زار و قطار رونے لگے اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔

آخری سالوں میں علامہ اقبالؒ کی یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام مبارک آتے ہی ان کی آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو جاتا اور جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی۔ علامہ اقبالؒ اس بات سے سخت ڈرتے تھے کہ میں قیامت کے روز حضور نبی کریم ﷺ کا سامنا کیسے کروں گا۔ وہ نبی کریم ﷺ کے سامنے اپنے نامۂ اعمال کی وجہ سے رسوا ہونے کو عذاب جہنم سے بھی زیادہ تکلیف دہ سمجھتے تھے۔ وہ ہر سزا بھگتنے کو تیار تھے مگر اس پر قطعاً تیار نہ تھے کہ ان کا نامۂ اعمال سرکار دوجہاں ﷺ کے سامنے پیش ہو۔ وہ بارگاہ خداوندی میں عرض کرتے ہیں:

مکن رسوا حضور خواجہؐ ما را
حساب من ز چشم اُو نہاں گیر

اے خدا، تو مجھے میرے آقا ﷺ کی نگاہ میں رُسوا نہ کرنا۔ میری فرد حساب

آپ ﷺ سے پوشیدہ رکھنا۔

اسی مفہوم کو دوسرے الفاظ میں عرض کرتے ہیں:

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
ور حسابم را تو بینی ناگزیر
از نگاہِ مصطفٰے پنہاں بگیر

اے خدا......

تو غنی ہے، میں فقیر، قیامت کے دن میرا نامۂ اعمال جب پیش ہو تو میرا عذر قبول فرما اور مغفرت فرما دے، لیکن اگر تو یہ چاہتا ہے کہ میرا نامۂ اعمال پیش ہو اور اس کے مطابق مجھے جزا و سزا ملے، تو میرے مولا! اسے نگاہ مصطفٰے ﷺ سے پوشیدہ رکھنا۔

اگر علامہ اقبالؒ ایسا عاشق رسول ﷺ قیامت کے دن اپنا نامۂ اعمال حضور نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش ہونے سے ڈرتا ہے تو سوچنا چاہیے کہ ہمارا کیا بنے گا؟ ہم کس بل بوتے پر آپ ﷺ کے سامنے حساب دیں گے؟ کیا ہم نے اس کے لیے کوئی تیاری کر رکھی ہے؟ یاد رکھیے! صرف ایک ہی عظیم عمل ہے جس کی ادائیگی پر رسول رحمت حضرت محمد مصطفٰے ﷺ اپنے امتی پر بے پناہ خوش ہوتے ہیں اور اسے اپنی شفاعت کا مستحق سمجھتے ہیں اور وہ عمل ہے تحفظِ ختم نبوت کا کام۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے تذکرہ میں آتا ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے بارگاہ الٰہی میں دعا مانگی تھی: یا اللہ! قیامت کے دن اگر میرے مقدر میں معافی لکھی ہوئی ہے تو میری آنکھوں کی بینائی سلامت رکھنا اور اگر خدانخواستہ میرے نامۂ اعمال میں معافی کی گنجائش نہیں ہے تو مجھے اندھا کر دینا، کیونکہ میں اس وقت حضور خاتم النبیین ﷺ کا سامنا نہیں کر سکتا۔"

حضرت امام حنبلؒ کی ستر پوشی

معتصم باللہ کے دور میں جب "خلق قرآن" کا فتنہ اٹھا تو سب سے پہلے حضرت امام حنبلؒ نے اس کے خلاف آواز اٹھائی جس کی پاداش میں آپ کو لوگوں کے ایک جم غفیر کے سامنے بے تحاشا کوڑوں کی سزا دی گئی۔ کوڑوں کی ضرب بڑی شدید اور تکلیف دہ تھی۔ حضرت امام حنبلؒ کو جب کوڑے مارے جا رہے تھے تو اس اثناء میں ازار بند ٹوٹنے سے آپ کا پاجامہ

نیچے گر گیا۔ آپ کے ہاتھ اور پیر بندھے ہوئے تھے، قریب تھا کہ لوگ آپ کا ستر دیکھ لیتے اور آپ شرمندہ ہوتے مگر اسی وقت آپ نے حسرت بھری نظروں سے آسمان کی طرف دیکھا اور دعا کی۔ یا الہ العالمین یا غیاث المستغیثین اور عرض کی۔ یا اللہ! اگر تجھے اس بات کا یقین ہے کہ میں حق کے لیے یہ مشقت برداشت کر رہا ہوں تو میری ستر پوشی کر۔ امام صاحب کی اس دعا نے اثر کیا۔ رحمت خداوندی جوش میں آئی اور پاجامہ فوراً آپ کا ستر ڈھانپتے ہوئے سرک کر اپنی اصل جگہ پر آ گیا۔

حقیقت بات یہ ہے کہ جب کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی عزت و ناموس کے تحفظ کے لیے کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو کسی بھی حالت میں لوگوں کے سامنے رسوا نہیں ہونے دیتا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون دنیا و آخرت دونوں میں یکساں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تحفظ ختم نبوت کا کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور دنیا و آخرت میں ہر قسم کی شرمندگی و رسوائی سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

اُونٹوں کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے والہانہ محبت وعقیدت

مشکوٰۃ شریف کتاب الحج باب الہدی میں ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر کچھ اونٹ آپ کے سامنے قربانی کے لیے پیش کیے گئے۔ جانوروں کا قاعدہ ہے کہ بوقتِ ذبح گھبراتے اور ڈرتے ہیں۔ مگر اونٹوں کا یہ حال تھا کہ ہر ایک چاہتا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دست مبارک سے اس کی قربانی پہلے فرما دیں۔ وہ آپس میں لڑتے تھے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھتے تھے۔ صحابہ کرامؓ یہ منفرد منظر دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔ اندازہ لگائیں وہ جانور ہو کر حضور نبی کریم ﷺ کی نگاہ کرم میں آنا چاہتے تھے اور ہم انسان ہو کر بلکہ مسلمان ہو کر اپنے شفیق نبی ﷺ سے بے وفائی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ قربانی تو بڑی دور کی بات ہے، ہم تو آپ ﷺ کے دشمنوں سے بول چال بند نہیں کر سکتے؟

بیل کی دُم اچھی یا......؟

ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں فرمایا کہ حضرت بایزید بسطامیؒ سے ایک عورت پوچھا کرتی تھی کہ آپ کی ڈاڑھی اچھی ہے یا میرے بیل کی دم، تو آپ فرماتے کہ بی بی! اگر میرا خاتمہ بالخیر ہو گیا، تو میری داڑھی تیرے بیل کی دم سے بدرجہا اچھی، اور اگر بوقت موت میں ایمان سے پھسل گیا، تو تیرے بیل کی دُم میری داڑھی سے کہیں بڑھ کر اچھی کہ پھر جہنم

میرے لیے ہے نہ کہ تیرے بیل کے لیے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ نے بڑی خوبصورت اور فکر انگیز بات کہی۔ اسے آپ اس طرح سمجھ لیں، اگر ہمیں روزِ محشر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت نصیب ہو جائے تو ہم کامیاب اور اگر خدانخواستہ ہم اس سے محروم ہو گئے تو ہم مسلمان ہونے کے باوجود جانوروں سے بھی بدترین ٹھہرے۔ حضور نبی رحمت ﷺ کی شفاعت حاصل کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ہمیں چاہیے کہ ہم تحفظِ ختم نبوت کا کام کریں اور منکرین ختم نبوت کی ناپاک سازشوں کو ناکام بنا دیں۔

سلطان محمود غزنوی اور غلام ایاز

حکایت ہے کہ ایک بار سلطان محمود غزنویؒ نے درباریوں کو حکم دیا کہ تم لوگ میرے محل میں جو کچھ ہے وہ لوٹ لو، سب لوگ مال اکٹھا کرنے میں مشغول ہو گئے، مگر سلطان محمود کا غلام ایاز اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ سلطان نے کہا کہ ایاز تم کیوں نہیں کچھ لوٹتے؟ عرض کیا کہ سب نے تو مال کو لیا، میں تو آپ کو لیتا ہوں جو مالک ہیں۔ سلطان نے کہا۔ تم نے مجھ کو لیا، میں نے بھی تم کو لیا، تم میرے اور میں تمہارا۔

حقیقت یہ ہے کہ تمام دعاؤں سے تو دنیا ملتی ہے۔ مگر تحفظِ ختم نبوت کے کام سے سرکارِ دو جہاں یعنی محمد رسول اللہ ﷺ ملتے ہیں، جب آپ ﷺ مل گئے تو پھر کمی کس چیز کی ہے۔ دنیا میں بھی کامیابی، آخرت میں بھی کامیابی۔

فضلِ ربّ العلیٰ اور کیا چاہیے
مل گئے مصطفیٰ ﷺ اور کیا چاہیے

کی محمد ﷺ سے وفا......

حضور نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

من انصاری الی اللّٰہ۔ اللہ کے دین کی خاطر میری مدد کرنے والے کون ہیں؟

سوچیئے! ہم میں کتنے ہیں جو اس آواز پر لبیک کہتے ہیں۔ بعض روحانی بزرگوں کا کہنا ہے کہ اس وقت سرکارِ دو عالم، امام الانبیاء، خاتم الرسل حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ ہم سب مسلمانوں سے ناخوش ہیں۔ آپ ﷺ کی ذات اقدس ہماری غفلت، کوتاہی اور سرد مہری سے مضطرب و نالاں ہے کیونکہ دین اسلام پر ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں۔ بالخصوص

ہمارے اندر قادیانی، اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسے بے پناہ نقصان پہنچا رہے ہیں۔ مسلمانوں کو مرتد بنانے کے لیے دن رات مشغول ہیں اور یہ سب کچھ ہمارے سامنے ہو رہا ہے مگر ہم مجرمانہ خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اگر ہم ختم نبوت کے تحفظ کے لیے کچھ نہیں کریں گے تو کل روز محشر حضور نبی کریم ﷺ کی شفاعت کے کیونکر حقدار ہوں گے۔ اگر خدانخواستہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قیامت کے دن ہم سے منہ پھیر لیا تو ذلت و خواری کے سوا ہمیں کچھ حاصل نہ ہوگا۔ لہٰذا یاد رکھیے! تحفظِ ختم نبوت کا کام دنیا و آخرت میں حضور نبی کریم ﷺ کی توجہات حاصل کرنے کا آسان ترین راستہ ہے۔

کوثر ہے دل میں ایک ہی اعزاز کی ہوس
کہہ دیں آپ ﷺ حشر میں، یہ ہمارا غلام ہے

حضور نبی کریم ﷺ نے ہجرت سے پہلے اہل مدینہ (انصار) سے بیعت لیتے وقت اس عہد کا پابند کیا۔

''ہر حال میں بھلائی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے۔ جب میں تمھارے پاس آ جاؤں گا تو میری مدد کرو گے اور جس چیز سے اپنی جان اور اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہو، اس سے میری بھی حفاظت کرو گے۔ (اس خدمت کے بدلے میں) تمھارے لیے جنت ہے۔'' (مسند احمد)

حضور نبی کریم ﷺ کا یہ حکم آج بھی ہمارے لیے مشعل راہ کا درجہ رکھتا ہے۔ جس طرح ہم اپنی، اپنے ماں باپ اور بیوی بچوں کی ہر طریقے سے حفاظت کرتے ہیں، اسی طرح ہمیں اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی عزت و ناموس کی حفاظت کرنی چاہیے۔ اللہ کے پیارے نبی ﷺ کا پکا وعدہ ہے کہ اس کا بدلہ جنت ہے اور ظاہر ہے کہ جنت ایسی نعمت حاصل کرنے کے لیے یہ سودا مہنگا نہیں۔

تحفظِ ختم نبوت کا کام کرنے والے لوگ دراصل حضور نبی کریم ﷺ کی عزت و ناموس کے وکیل ہیں۔ دشمنانِ رسول ﷺ اپنے خبث باطن کا مظاہرہ کرتے ہوئے جب حضور نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں توہین کرتے ہیں تو سب سے پہلے جو لوگ ان بدبختوں کو جواب دیتے ہیں، ان کے جھوٹے الزامات کا رد کرتے ہیں، دراصل وہی لوگ شان رسالت ﷺ کے وکیل ہیں۔ ایسے خوش نصیبوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رحمت ہر وقت

اپنی آغوش میں لیے رکھتی ہے۔ بلاشبہ یہ بڑے کرم کے فیصلے اور بڑے نصیب کی بات ہے۔

ایک دفعہ سرورِ کائنات ﷺ نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا۔ خرید وفروخت کے وقت کوئی موجود نہیں تھا۔ گھوڑا بیچ کر اعرابی مکر گیا۔ لوگوں نے ہزار سمجھایا کہ تیری نیت خراب ہو گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی زبان سے سچ کے سوا دوسری بات نہیں نکل سکتی۔ اس نے جواب دیا۔ سچ ہے تو گواہ پیش کرو۔ لیکن صحابہؓ واقعہ کے وقت موجود نہ تھے۔ اس لیے گواہی نہ دے سکے۔ اتنے میں کہیں سے حضرت خزیمہؓ آ گئے۔ انھوں نے اعرابی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے اپنا گھوڑا سرکار کے ہاتھ بیچا ہے۔'' اعرابی خاموش ہو گیا اور گھوڑا سرکار کے حوالے کرنا پڑا۔ سرکارِ مدینہ ﷺ حضرت خزیمہ کی طرف متوجہ ہوئے اور دریافت کیا۔ ''خزیمہ! تم واقعہ کے وقت موجود تھے ہی نہیں۔ تم نے شہادت کیسے دی؟'' خزیمہؓ نے جواب دیا۔ ''یارسول اللہ ﷺ! آپ کی زبانِ حق سے سن کر جب آسمان کی خبر پر ہم شہادت دیتے ہیں تو زمین کی خبر پر ہمیں شہادت دینے میں کیا تامل ہو سکتا ہے؟ یقین کا چشمہ حقیقی آپ ﷺ کی زبان ہے۔ ہماری آنکھ نہیں۔'' سرکار یہ جواب سن کر بے حد مسرور ہوئے اور انعام خسروانہ کے طور پر اس دن سے یہ قانون بن گیا کہ حضرت خزیمہؓ کی ایک گواہی دو گواہوں کے برابر ہے۔

آج بھی جو شخص یہ گواہی دیتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں۔ آپ ﷺ کے بعد اگر کوئی شخص دعویٰ نبوت کرتا ہے تو وہ جھوٹا، دجال، کذاب، مرتد، زندیق اور واجب القتل ہے، تو اس گواہی پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بے حد خوش ہوتے ہیں اور انعام خسروانہ کے طور پر ایسے شخص کو شفاعت محمدی ﷺ کا پروانہ نصیب ہوتا ہے۔ بلاشبہ تحفظِ ختم نبوت کے محاذ پر کام کرنے والے خوش نصیب اس انعام کے حق دار ہیں۔

نبی مکرم ﷺ نے ہمارے ساتھ ملاقات اور ہمیں دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ سیدنا ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ ہم اپنے بھائیوں کو دیکھیں، صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا: کیا ہم آپ ﷺ کے بھائی نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم میرے ساتھی ہو اور میرے بھائی وہ ہیں جو مجھ پر بن دیکھے ایمان لائے اور میری نبوت اور رسالت کی تصدیق کی۔'' (صحیح مسلم)

ایک روایت میں آیا ہے نبی اکرم ﷺ نے دعا مانگی کہ اے اللہ! مجھے میرے احباء

سے جلدی ملا دے۔ حضرت ثوبانؓ یہ سن کر حیران ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ سے محبت کرنے والے ہم لوگ تو حاضر خدمت ہیں، آپ کن سے ملنے کی دعا کر رہے ہیں؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، ثوبانؓ تم نے مجھے دیکھا ہے، وحی نازل ہوتے دیکھی ہے، فرشتوں کو اترتے دیکھا ہے، میری صحبت میں رہنے کا شرف پایا ہے لہٰذا تمہارا ایمان بہت قیمتی ہے تاہم قربِ قیامت میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے کہ انھوں نے مجھے نہیں دیکھا ہوگا۔ فقط کتابوں میں میرے تذکرے پڑھے ہوں گے لیکن ان کو مجھ سے اس قدر والہانہ عشق ہوگا کہ اگر ممکن ہوتا کہ وہ اپنی اولادوں کو بیچ کر میرا دیدار کر سکتے تو وہ یہ بھی کر گزرتے۔ ثوبان میں اپنے اُن احباء سے ملنے کی دعا کر رہا ہوں۔

کتنے اعزاز و اکرام کی بات ہے کہ صاحب لولاک حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہم ایسے گنہگاروں، سیاہ کاروں، نالائقوں اور بے وفا امتیوں کو اپنا بھائی اور دوست فرما رہے ہیں۔ یہ شانِ رحمۃ للعالمینی ہے۔ اس کے برعکس ہم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وفا کا کیا حق ادا کیا؟ سوچ کر بتایئے! کیا ہم حضور ﷺ کے دوست کو دوست اور آپ ﷺ کے دشمن کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں؟ ان کے گستاخوں کے خلاف کوئی جدوجہد کرتے ہیں؟ شاتمانِ رسول قادیانیوں کی مذموم سرگرمیوں کو روکتے ہیں؟ کیا ان کا مکمل بائیکاٹ کرتے ہیں؟ کیا کبھی اپنے کسی عمل سے یہ ثابت کیا کہ ہم اپنے نبی ﷺ کے سچے امتی ہیں؟ یا صرف محبت کے زبانی کھوکھلے دعووں سے خود کو عاشق رسول کہلواتے رہے۔ افسوس!

کسی غمگسار کی محنتوں کا یہ خوب میں نے صلہ دیا
کہ جو میرے غم میں گھلا کیا، اسے میں نے دل سے بھلا دیا
میں ترے مزار کی جالیوں ہی کی مدحتوں میں مگن رہا
ترے دشمنوں نے ترے چمن میں خزاں کا جال بچھا دیا

مسلمان بھائیو! بتایئے کل جب آپ نبی اکرم ﷺ کے پاس حوضِ کوثر پر جائیں گے تو امام الانبیاء حبیب رب کبریا ﷺ آپ سے پوچھیں گے، بتاؤ دشمنانِ اسلام نے میری عزت و حرمت پہ ڈاکے ڈالے، مجھے خوب اذیتیں پہنچائیں تو تم نے میری عزت و آبرو، حرمت و ناموس کے دفاع میں کیا کردار پیش کیا؟ کیا ہمارے پاس اس سوال کا جواب ہے؟

مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے مدرس اور معروف عالم دین ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ

مدظلہ فرماتے ہیں:

"فتنوں سے گھبرانا نہیں چاہیے، بلکہ انھیں سمجھنا، ان کے رو کے ے منصو ندرٔ کرنا پھر ان کے سدباب کی خاطر حکمت سے جدوجہد کرنا اور ان کو کیفر کردار پہنچا تک مقابلہ کرنا اہل علم کا فریضہ ہے۔ "فتن فی الدین" والوں (قادیانیوں) کی سزا ان کا رد کرنے والوں اور مقابلہ کرنے والوں اور دین کا دفاع کرنے والوں کا بھی حابہ کرامؓ کے اعمال کے برابر ہے۔ تفصیل کے لیے اس حدیث میں غور فرمالیں:

سیکون فی آخر الزمان قوم أجرهم مثل أولهم.

میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جن کا اجر اس امت کے اوائل جیسا ہوگا۔

اور یہ لوگ وہ ہوں گے جو اہل فتنہ کا ردّ اپنے قول و عمل سے کریں گے۔"

(الدین النصیحة از ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ)

یقیناً کارکنان تحفظ ختم نبوت کا شمار انہی مذکورہ خوش نصیب لوگوں میں ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ بادشاہ سب سے زیادہ محبت اپنے باڈی گارڈ سے کرتا ہے، کیونکہ وہ اپنی جان سے بڑھ کر اس کی زندگی کی حفاظت کے لیے کوشش کرتا ہے اور بادشاہ کا جو قرب ایک باڈی گارڈ کو حاصل ہوتا ہے، وہ شائد کسی اور کو نہیں ہوتا کیونکہ وہ ہر وقت بادشاہ کی نگاہوں کے سامنے رہتا ہے، اس طرح جو لوگ تحفظِ ختم نبوت کا کام کرتے ہیں، دراصل وہ حضور نبی کریم ﷺ کے باڈی گارڈ ہیں۔

ان خوش بختوں کے لیے سب سے بڑی خوشخبری یہ ہے کہ انھیں ہمہ وقت حضور نبی کریم ﷺ کا قرب حاصل رہتا ہے۔ وہ ہر وقت آپ ﷺ کی نگاہِ کرم میں رہتے ہیں۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ اے انسان! تو یہ فخر نہ کر کہ تو بادشاہ کی خدمت کرتا ہے۔ بادشاہ کے لیے لاکھوں خدمت گزار ہیں، تیرا کیا احسان ہے کہ تو بادشاہ کی خدمت کرتا ہے۔ بادشاہ کا تجھ پر احسان ہے کہ کسی اور کو خدمت پر نہیں لگایا، تجھے ہی لگا لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب سے تحفظِ ختم نبوت ایسی عظیم الشان خدمت ہمیشہ ہمیشہ لیتا رہے۔

فتنہ قادیانیت...... مارِ آستیں

بقول علامہ خالد محمود "فتنۂ قادیانیت وہ مار آستیں ہے جس کی زہرناکیوں نے اسلام کو بے حد نقصان پہنچایا۔ یہود و نصاریٰ یا ہندو ہمیں وہ نقصان نہیں پہنچا سکے جو دعویٰ

اسلام کے ساتھ ہماری صفوں میں گھس آنے والے قادیانی منافق ہمیں پہنچا رہے ہیں۔ ان کے ہمارے اندر آنے سے ہماری وحدت کی صفیں ٹوٹیں گی اور جتنے لوگ ہم میں سے نکلیں گے، وہ ہماری ہی کاٹ ہوگی۔ یہ امت ٹوٹے گی تو اس سے دوسری امتیں نکلیں گی، پہلے اگر ہم سو تھے تو اب ہم نوے یا اسی رہ جائیں گے۔

برادران اسلام! آپ ہی غور کریں کہ تحریک قادیانیت سے کس قوم کی گنتی کم ہو رہی ہے؟ یہ کس کی وحدت دو حصوں میں بٹ رہی ہے؟ ہندوؤں کی وحدت ٹوٹی تو ان سے سکھ قوم نکل کر الگ ہوئی۔ مسلمانوں کی وحدت ٹوٹی تو ان سے قادیانی احمدی کا نام اختیار کر کے نکلے۔ انھوں نے دعویٰ کیا کہ مکہ مدینہ کی چھاتیوں سے اب دودھ خشک ہو چکا ہے۔ انھوں نے قادیان کو اپنے عقیدے کا مرکز بنایا۔ ان کی نمازیں اور جنازے مسلمانوں سے کٹے۔ آنجہانی مرزا قادیانی نے خود اپنے بیٹے کا جنازہ نہ پڑھا جو اس پر ایمان نہ لایا تھا۔ دونوں قوموں میں نکاح اور وراثت کی دراڑیں پڑتی گئیں یہاں تک کہ عالم اسلام کی متفقہ آواز رابطہ عالم اسلامی نے ان کے مسلمانوں سے علیحدہ ایک قوم ہونے کا اعلان کر دیا اور ان پر **لایدخلوا المسجد الحرام** کی پابندی عائد کر دی گئی۔

برادران اسلام! آپ خود سوچیں کہ یہ کاٹ کن لوگوں میں واقع ہوئی؟ قوم کن کی تقسیم ہوئی، مسلمانوں کی گنتی کن کے نقصان میں آئی؟ مسلمانوں کی، ان کی اصل ہم تھے اور یہ ہم سے نکل کھڑے ہوئے، اس سے یہ بات صاف سمجھ میں آتی ہے کہ یہود و نصاریٰ اور ہندوؤں نے اگر ہمیں نقصان پہنچایا ہے تو ہمارے افراد کو اور ہمارے مفادات کو، اور ظاہر ہے کہ افراد مرتے ہیں، قومیں نہیں مرتیں لیکن قادیانیوں نے ہمیں جو نقصان پہنچایا ہے، وہ اس امت کو پہنچایا ہے۔ ہماری وحدت میں انھوں نے کاٹ کی ہے اور ملت اسلامیہ کو اپنے مرکز کعبہ سے ہٹانے کے لیے یہ ایک عالمی سطح کی سازش ہے جو قادیانیوں نے یہود و نصاریٰ کے اکسانے سے کی ہے۔

ان حالات میں ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اپنی قومی وحدت کو بچانے کے لیے ہم ہر جگہ مسلمانوں کو جگائیں اور بتلائیں کہ تمہاری قومی وحدت کس چھپے انداز میں کٹ رہی ہے اور جتنے مسلمان ان کے ارتداد کی گود میں گر رہے ہیں، اسی نسبت سے امت محمدیہ میں کاٹ ہو رہی ہے۔ ہماری ملت ان سے ہر آن معرض خطر میں ہے اور ہماری دیواروں میں

نہایت خطرناک قسم کی دیمک لگ چکی ہے۔ مسلمان پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور قادیانی بھی اپنے مراکز دنیا میں کھولے ہوئے ہیں یہ کیوں؟ یہ اس لیے کہ اس امت کو ہر طرف سے کٹاؤ میں گھیرا جائے اور اس امت کو ہر طرف سے کم کیا جائے۔

اس وقت ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے، اس امت کو مزید ٹوٹنے سے بچایا جائے۔ ایک ہزار نئے آدمی صفِ اسلام میں داخل نہ ہوسکیں، یہ ہمارے لیے اتنا بڑا صدمہ نہیں، جتنا صدمہ یہ ہے کہ اس امت کا کوئی فرد اس کے دائرہ سے نکل جائے۔ دوسروں کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دینے کی بجائے اپنے گھر کے لوگوں کو سنبھالنا زیادہ ضروری ہے۔ وہ بھی کوئی قوم ہے جو اپنی قومی سرحدوں کی حفاظت نہ کر سکے۔"

ضرورت اس بات کی ہے کہ اس سلسلہ میں ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق اپنی ذمہ داری پوری کرے۔ لہٰذا:

اگر آپ......

- اگر آپ عالم دین ہیں تو ہر قسم کی فرقہ واریت، مسلکی تعصبات اور اختلافات چھوڑ کر اتحاد بین المسلمین کے داعی بن کر عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کے محاذ پر بھرپور کام کریں۔ یاد رکھیے! عقیدۂ ختم نبوت کا تحفظ تمام مسلمانوں کا مشترکہ مسئلہ ہے۔ یہ مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد اور محبت و یگانگت پیدا کرتا ہے۔ قادیانی قیادت ہر سال اپنے بجٹ کا ایک کثیر حصہ مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کے لیے خرچ کرتی ہے۔ اس کے لیے وہ فرضی تنظیموں کے نام سے فرقہ واریت پر مبنی دل آزار اور من گھڑت تحریریں شائع کر کے تقسیم کرتے ہیں۔ قادیانیوں کی اس ناپاک سازش سے مسلمان آپس میں جھگڑتے رہتے ہیں جس کا فائدہ براہ راست قادیانیوں کو پہنچتا ہے۔ اگر مسلمان اکٹھے ہوں تو قادیانی سازشوں کا مقابلہ نہایت بہتر انداز میں ہو سکے گا۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے میں تمام مسالک کا مشترکہ حصہ ہے جس سے کسی کو انکار نہیں۔ مزید براں اپنے علم کو نافع بناتے ہوئے اپنے خطبات میں خواص و عوام کو عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت و افادیت اور فتنہ قادیانیت کی ریشہ دوانیوں اور شرانگیزیوں کے بارے میں آگاہ کریں۔ جھوٹے مدعی نبوت آنجہانی مرزا قادیانی کے شرمناک کردار اور کرتوتوں کے بارے میں بھی عوام الناس کو بتائیں تاکہ کسی کی متاع

ایمان نہ لٹ سکے۔

☐ اگر آپ خطیب ہیں تو اپنی ولولہ انگیز خطابت سے لوگوں کے دلوں میں حضور نبی کریم ﷺ کی محبت وعقیدت کے چراغ روشن کریں اور انھیں تحفظِ ختم نبوت کے محاذ پر مجاہدانہ کردار ادا کرنے کی ترغیب دیں۔یعنی ۔

ایسا دیا جلا جو ہواؤں کا ساتھ دے

☐ اگر آپ پیر، سجادہ نشین یا روحانی بزرگ ہیں تو اپنے تمام عقیدت مندوں کو حکم جاری کریں کہ وہ تحفظ ختم نبوت اور فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کے لیے دن رات ایک کر دیں۔ اگر کوئی مرید ایسا نہیں کرتا تو اس کی بیعت فسخ ہو جائے گی۔ مزید یہ کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں تحفظِ ختم نبوت کانفرنسوں کا اہتمام کریں۔ قادیانیوں کی اسلام دشمن سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھتے ہوئے ان کا مکمل معاشی و معاشرتی بائیکاٹ کریں۔ اگر کوئی قادیانی شعائر اسلامی کی توہین کا مرتکب ہو تو فوری طور پر معززین علاقہ کے ہمراہ تھانہ جا کر تعزیرات پاکستان کی دفعہ 298 سی اور 295 سی کے تحت مقدمہ درج کروائیں۔

☐ اگر آپ ادیب یا صحافی ہیں تو اپنے قلم سے ختم نبوت کا تحفظ کرتے ہوئے قادیانی سازشوں کو بے نقاب کریں اور اس موضوع پر مستقل کالم اور مضامین لکھ کر مختلف اخبارات و رسائل میں شائع کروائیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس مسئلہ کے بارے میں روشناس ہوسکیں۔

☐ اگر آپ کسی عدالت میں جج ہیں تو یاد رکھیے! آپ سب سے پہلے مسلمان اور بعد میں جج ہیں۔ روز قیامت ایک بڑا جج بھی ہے جس کی عدالت میں آپ کو حاضر ہونا ہے۔ اس لیے کوئی دباؤ، سفارش، رشوت، اثر ورسوخ یا دوستی تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ کے مقدمہ میں آڑے نہیں آنی چاہیے۔ یاد رہے کہ قادیانیوں اور دیگر کافروں میں بہت فرق ہے۔ قادیانی غیر مسلم ہونے کے ساتھ ساتھ مرتد اور زندیق بھی ہیں۔ ان سے متعلقہ اسلامی احکامات دیگر عام کافروں (عیسائی، یہودی، ہندو وغیرہ) سے علیحدہ ہیں۔اس اہم نکتہ کو سامنے رکھتے ہوئے قادیانیوں سے متعلقہ کسی بھی مقدمہ میں آپ عین شریعت کے مطابق انصاف پر مبنی فیصلہ فرمائیں۔ قادیانیت کے خلاف ہائی کورٹس اور سپریم کورٹ کے تاریخی فیصلوں سے آپ فکری راہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

☐ اگر آپ وکیل ہیں تو عدالت کے ایوانوں میں اپنی تمام تر صلاحیتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت و ناموس کے تحفظ کے لیے وقف کر دیں۔ اس طرح آپ وکیل ختم نبوت کا اعزاز حاصل کر لیں گے۔ ایسے تمام کیسوں کی بغیر کسی فیس کے اپنا کیس سمجھ کر پیروی کریں۔ آپ یوں سمجھئے کہ شفاعت رسول ﷺ چل کر آپ کے پاس آ گئی ہے۔ اسے اپنی سعادت سمجھیں۔ اس کے برعکس جو وکلاء حضرات قادیانی کیسوں کی پیروی کرتے ہوئے عدالت میں ان کے کفریہ عقائد و عزائم کا دفاع کرتے ہیں، دراصل وہ دنیا و آخرت میں اپنی بدبختی کے پروانے پر دستخط کرتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ فرماتے ہیں:

''قیامت کے دن ایک طرف محمد رسول اللہ ﷺ کا کیمپ ہوگا اور دوسری طرف مرزا قادیانی کا۔ وہ لوگ یا وکلا جنھوں نے دین محمدی ﷺ کے خلاف قادیانیوں کی وکالت کی ہے قیامت کے دن مرزا قادیانی کے کیمپ میں ہوں گے اور قادیانی ان کو اپنے ساتھ دوزخ میں لے کر جائیں گے۔ واضح رہے کہ کسی عام مقدمے میں کسی قادیانی کی وکالت کرنا اور بات ہے، لیکن شعائر اسلامی کے مسئلہ پر قادیانیوں کی وکالت کے معنی آنحضرت ﷺ کے خلاف مقدمہ لڑنے کے ہیں۔ ایک طرف محمد رسول اللہ ﷺ کا دین ہے اور دوسری طرف قادیانی جماعت ہے۔ جو شخص دین محمدی ﷺ کے مقابلہ میں قادیانیوں کی حمایت و وکالت کرتا ہے، وہ قیامت کے دن آنحضرت ﷺ کی امت میں شامل نہیں ہوگا، خواہ وہ وکیل ہو یا کوئی سیاسی لیڈر یا حاکم وقت۔''

☐ اگر آپ پولیس آفیسر ہیں تو اپنے علاقہ میں قادیانیوں کو آئین، قانون اور اعلیٰ عدالتی فیصلوں کا پابند بناتے ہوئے انھیں شعائر اسلامی کی توہین کرنے سے باز رکھیں۔ اس سلسلہ میں تعزیرات پاکستان کی دفعہ 298 سی، 298 بی اور 295 سی کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔ یاد رکھیں! قادیانی، اقلیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اکثریت کی دل آزاری کرتے ہیں۔ لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ آپ تمام سفارشوں اور قادیانی اثر و رسوخ کو بالائے طاق رکھتے ہوئے صرف قانون پر عمل درآمد کروائیں۔ یہ آپ کی شرعی، آئینی اور قانونی ذمہ داری ہے۔

☐ اگر آپ اعلیٰ سرکاری آفیسر ہیں تو آپ سے گزارش ہے کہ آپ قادیانیوں کی شعائر اسلامی اور شان رسالت ﷺ میں توہین کے ضمن میں ہائی کورٹس اور سپریم کورٹ کے

تمام فیصلہ جات پی ایل ڈی سے ضرور مطالعہ فرمائیں اور اپنے اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے قادیانیوں کو آئین اور قانون کا پابند بنائیں کیونکہ قادیانی اپنے خلیفہ کی ہدایت پر آئین اور قانون کا مذاق اور تمسخر اڑاتے ہوئے خود کو مسلمان جبکہ تمام مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں جس سے لا اینڈ آرڈر کی صورتحال پیدا ہوتی ہے۔

☐ اگر آپ کسی سکول، کالج یا دینی مدرسے میں طالب علم ہیں تو اپنی پڑھائی کے ساتھ ساتھ عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور فتنہ قادیانیت سے متعلقہ رسائل، لٹریچر، کتب وغیرہ کا خود بھی مطالعہ فرمائیں اور اپنے دوستوں کو بھی اس کی ترغیب و دعوت دیں۔

☐ اگر آپ کا تعلق سیّد فیملی سے ہے تو یاد رکھیے! یہ آپ کے نانا جان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی عزت و ناموس کا معاملہ ہے۔ ایک عام مسلمان کی نسبت آپ پر زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ آپ کا اوّلین فریضہ ہے کہ آپ رسمِ شبیریؓ ادا کرتے ہوئے میدان عمل میں آ کر حضور نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت کا تحفظ کریں اور اپنے سچے سیّد ہونے کا ثبوت دیں۔

خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی ﷺ

☐ اگر آپ ایم این اے یا ایم پی اے ہیں تو حکومت کی طرف سے قادیانیوں کے خلاف کی گئی قانون سازی پر عمل درآمد کے لیے اسمبلی میں بھرپور آواز اٹھائیں۔ مزید براں اسمبلی میں مرتد کی شرعی سزا کا بل پاس کروائیں تاکہ بھولے بھالے مسلمانوں کی متاع ایمان نہ لٹ سکے۔ آپ کا یہ کارنامہ سنہری حروف سے لکھا، اور ہمیشہ یاد رکھا جائے گا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ کو روز محشر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت نصیب ہوگی۔

☐ اگر آپ کسی کاروبار سے وابستہ یا دکاندار ہیں تو آپ کی دینی غیرت و حمیت کا تقاضا ہے کہ آپ ہر قسم کے لین دین اور خرید و فروخت میں قادیانیوں کی تمام تر مصنوعات بالخصوص شیزان وغیرہ کا مکمل بائیکاٹ کریں۔ یاد رکھیں! ہر نفع و نقصان کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر آپ کی وجہ سے قادیانیوں کو منافع اور فائدہ پہنچ رہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ان کی اسلام دشمن سرگرمیوں میں مالی طور پر بالواسطہ آپ بھی شامل ہو رہے ہیں۔ یہ چیز آپ کی آخرت کو برباد کر دے گی۔ لہٰذا اس سے اجتناب کریں۔

☐ اگر آپ کمپیوٹر یا انٹرنیٹ جانتے ہیں تو عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کے موضوعات پر مرکز سراجیہ گلبرگ لاہور کی تیار کردہ مختلف علماء کرام اور

دانشوروں کے ایمان افروز بیانات آڈیو اور ویڈیو سی ڈیز خود بھی سنیں اور اپنے دوستوں، عزیز رشتہ داروں، بالخصوص اپنے اہل خانہ کو بھی ضرور سنائیں تاکہ انھیں اس اہم مسئلہ سے آگاہی ہو سکے۔ مزید براں آپ مندرجہ ذیل ویب سائٹ باقاعدگی سے وزٹ کیا کریں (اپنے دوستوں کو بھی اس کی بھرپور دعوت و ترغیب دیں) تاکہ اس موضوع پر آپ کو زیادہ سے زیادہ معلومات مل سکیں۔

www.endofprophethood.com

آپ سے دردمندانہ درخواست ہے کہ اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اس ویب سائٹ کو مزید معلوماتی، جامع، خوبصورت اور مفید بنانے کے لیے بھرپور تعاون فرمائیں اور اپنے قیمتی مشوروں سے نوازیں۔

☐ اگر آپ خاتون خانہ ہیں تو اپنے حلقہ خواتین میں تحفظِ ختم نبوت کا کام کریں اور اپنے خاندان کے افراد کو بھی اس کی تلقین کریں۔ عورتیں اگر چاہیں تو رشتے داروں کے پرانے جھگڑے مٹا دینے میں کامیاب ہو جاتی ہیں، کیونکہ وہ اپنے شوہروں اور بھائیوں کو اپنی منت سماجت سے ہمیشہ قائل کر سکتی ہیں اور جب اس کے الٹ چاہیں تو خاندان کے اندر پھوٹ بھی ڈلوا دیتی ہیں، ان کے لیے بھی توشۂ آخرت یہی ہے کہ اپنے کسی قریبی رشتہ دار کو اس وقت تک کھانے، سونے اور آرام سے بیٹھنے کی مہلت نہ دیں، جب تک کہ وہ تحفظِ ختم نبوت کے لیے کسی نہ کسی ذمہ داری کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو جائے۔

☐ اگر آپ کسی سرکاری یا غیر سرکاری کالج یا سکول میں استاد ہیں تو باقاعدگی سے اپنے شاگردوں کو عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت کے بارے میں ضرور بتایا کریں اور اس سلسلہ میں اپنے ادارہ میں تقریری و تحریری مقابلہ جات منعقد کروایا کریں تاکہ بچوں اور نوجوانوں میں اس موضوع کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا زیادہ سے زیادہ شوق پیدا ہو۔

☐ اگر آپ صاحب حیثیت اور مخیّر ہیں تو یاد رکھیے! عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے خرچ کرنا سب سے بہترین اور بے حد اجر و ثواب کا حامل ہے۔ تحفظِ ختم نبوت کے موضوع پر لٹریچر شائع کروا کر تقسیم کیجیے تاکہ لوگوں کو اس اہم مسئلہ سے متعلق آگاہی ہو اور ان کا ایمان محفوظ رہے۔ یہ صدقہ جاریہ ہے جو ہمیشہ آپ کے کام آئے گا۔

☐ اگر آپ کسی فیکٹری یا مل وغیرہ میں کام کرتے ہیں تو آپ فارغ وقت میں

تمام مزدوروں کو اس مسئلہ سے آگاہ کریں اور انھیں تحفظِ ختم نبوت کے ایمان افروز واقعات سنائیں۔ نیز انھیں قادیانی فتنہ کے بانی آنجہانی مرزا قادیانی کے مضحکہ خیز کردار کے بارے میں بھی آگاہ کریں۔

❑ اگر آپ کوئی ہوٹل، ریسٹورنٹ یا بیکری وغیرہ کا کاروبار کرتے ہیں تو اس کے مرکزی دروازے پر جلی حروف سے لکھ کر یہ تحریر لگائیں کہ ''یہاں گستاخانِ رسولؐ قادیانیوں کا داخلہ ممنوع ہے'' اس سے آپ کے کاروبار میں بے حد برکت اور ترقی آئے گی اور آپ چند ہی روز میں خود اس کا مشاہدہ کر لیں گے۔

❑ اگر آپ کسی ہاسٹل میں رہتے ہیں تو اپنے ہاسٹل فیلوز کو تحفظِ ختم نبوت کے موضوع پر لٹریچر پڑھنے کے لیے دیں اور قادیانی طلبہ کی شرانگیز سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھیں۔ اپنے دوستوں کے ہمراہ ہاسٹل وارڈن سے ملاقات کر کے انھیں اس حساس مسئلہ سے آگاہ کریں اور ''میس'' میں قادیانی طلبہ کے برتن علیحدہ کرنے پر اصرار کریں۔

❑ اگر آپ شاعر ہیں تو حضرت حسانؓ بن ثابت کی پیروی میں گستاخانِ رسولؐ کے خلاف اپنی شاعری کو وقف کریں۔ حضور نبی کریم ﷺ سے محبت و عقیدت، عقیدۂ ختم نبوت کا تحفظ اور فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کے موضوع پر ولولہ انگیز نظموں اور قادیانیت شکن اشعار کے ذریعے مسلمانوں کے ایمان کو ایک نئی جلا بخشیں۔

❑ اگر آپ ملکی یا مقامی سیاست دان ہیں تو اپنی سیاسی بصیرت کے ذریعے قادیانی سازشوں کو ناکام بنا دیں۔ حکومت کی قادیانیت نوازی پر بھرپور آواز اٹھائیں۔ حکومت سے اپنے تعاون کو تحفظ ختم نبوت اور مرتد کی شرعی سزا کے نفاذ کے ساتھ مشروط کریں۔

❑ اگر آپ صاحب اقتدار ہیں تو یاد رکھیے! یہ عہدہ اور منصب آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ بقول حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ ''یہ عہدے کوئی چیز نہیں۔ خدا سے اپنا معاملہ درست رکھو۔ آج کسی کا ہارٹ فیل ہو جائے تو قبر میں اگر پوچھا گیا کہ ختم نبوت کے لیے کیا کیا تھا؟ تو کیا جواب دو گے؟ وہاں تو قادیانیوں کی دوستی کام نہیں آئے گی۔ وہاں مرزائیوں کی حمایت کام نہیں آئے گی۔ حکومتی عہدیداروں کو سمجھ لینا چاہیے کہ اگر مرزائیوں کی حمایت کرو گے تو قبر جہنم کا گڑھا بنے گی۔''

صفحۂ کونین سے حرف غلط ہو جاؤ گے
تم نے شورش کی اگر ختم نبوت سے دغا

اس وقت اللہ تعالیٰ اور حضور نبی کریم ﷺ کی روح مبارک کو خوش و مسرور کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ یہی ہے کہ ہر مسلمان عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے خود بھی کام کرے اور دوسروں کو بھی اس کی تبلیغ کرے کیونکہ تحفظِ ختم نبوت کا کام صحابۂ کرامؓ کا کام ہے۔

یہ کام بلاشبہ اس وقت کا جہادِ عظیم ہے۔ پورے وثوق اور یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس وقت ہمارا کوئی کام اس کام سے زیادہ محبوب نہیں اور ہمارا کوئی عمل حضور نبی کریم ﷺ کو اس عمل سے زیادہ خوش کرنے والا نہیں۔ اگر یہ کام اخلاص و محبت سے کیا جائے تو دنیا و جہاں کی تمام کامیابیاں ہمارے پاؤں چومیں گی۔ کاش اللہ تعالیٰ اس عظیم الشان کام کی عظمت و افادیت ہر مسلمان پر منکشف کر دے۔

اب جس کے جی میں آئے وہی پائے روشنی
ہم نے تو دل جلا کے سرِ راہ رکھ دیا

آخر میں جناب سیّد منظور الحسن کی سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی نظم "تمھیں محمد ﷺ کا عشق اب بھی پکارتا ہے" پیش خدمت ہے۔ اس نظم کو غور و فکر سے پڑھیے...... اور سوچیے...... کہ ہم کہاں کھڑے ہیں...... بحیثیت مسلمان، ہماری کیا ذمہ داری ہے؟...... اور کیا ہم اپنی اس ذمہ داری کو پورا کر رہے ہیں......؟؟؟

تمھیں محمد ﷺ کا عشق اب بھی پکارتا ہے!

سنو محمد ﷺ کا نام نامی زبان اپنی پہ لانے والو
اسی کے صدقے سے ملنے والی کتابِ ہستی سجانے والو
اسے حرا میں رُلانے والو
اُس سے محبت جتانے والو
مگر محمد ﷺ کے دشمنوں سے محبتوں کو بڑھانے والو
تمھارے اندر نبی ﷺ کی اُلفت کی اک رمق بھی نہیں رہی ہے؟
تمھارے چہرے پہ اُس کی یادوں کی ایک جھلک بھی نہیں رہی ہے؟

نبی ﷺ سے عشق و وفا نبھانے کے دعویدارو!
ذرا محمد ﷺ کے پیار کا اپنے واسطے تم مقام دیکھو
گریباں اپنے بھی جھانک دیکھو
اُسی نبی ﷺ کی محبتوں کا مقام دیکھو
کہ جس نے امت سے پیار کرنے پہ چمنِ طائف میں زخم کھائے
وہی محمد ﷺ کہ جس نے اپنے
تمام آنسو خدا کے آگے تمہاری خاطر ہی ہیں بہائے
شہید دندان بھی کرائے! شدید صدمات بھی اٹھائے
وہی محمد ﷺ کہ جس نے تم کو ہیں درسِ انسانیت سکھائے
وہی محمد ﷺ کہ جس نے تمھارے پیار خاطر ہی اپنا آبائی شہر چھوڑا
وہی محمد ﷺ کہ جس نے فاقے تو کر لیے پر نہ تم سے عہد وفا کو توڑا
وہی محمد ﷺ کہ جس کے ہونٹوں سے پتھروں کے عوض دعاؤں کے پھول برسے
وہی محمد ﷺ کہ جس کی چند مسکراہٹوں پر خدا تمھارے گناہ بخشے
اسی کی روحِ عظیم تمہاری اُلفتوں کو تلاش کرنے میں سرگرم ہے
مگر تمہاری محبتوں کے خزانے خالی پڑے ہیں لوگو!
تمھارے آقا ﷺ تمہاری غیرت کو دیکھ کر چپ کھڑے ہیں لوگو!
نبی کے دشمن کمینے ہیں لوگو، کفر کے پہرے کڑے ہیں لوگو!
مگر ہم اپنی محبتوں پر
رسول ﷺ سے بیوفائیوں کے لبادے اوڑھے کھڑے ہیں لوگو!
ہمارے آقا ﷺ ہماری چاہت کو دیکھ کر چپ کھڑے ہیں لوگو!
سنو! محمد ﷺ کا نام سنتے ہی آنسو بہانے والو!
سنو! محمد ﷺ کے منہ سے نکلے حروف کو بیچ کھانے والو!
سنو نبی ﷺ کے نقوشِ پا کی تلاش میں نکلے راستوں کو مٹانے والو!
سنو محمد ﷺ کے دشمنوں سے محبتوں کو بڑھانے والو!
تمھیں ذرا بھی خبر نہیں ہے
کہ قادیانی تمھارے آقا ﷺ کی عظمتوں کو

طویل مدت سے ماند کرنے میں سرگرم ہیں
وہ کب سے تمہاری بے بسی اور بے حسی پر
خوشی کے نعرے لگا رہے ہیں
نبی ﷺ کا دین مٹانے میں کوشاں ہیں
تمہیں تمہارے عظیم آباء سے ملنے والی
میراثِ عشق محمدی ﷺ کو مٹا رہے ہیں
سنو محمد ﷺ کا دیں بچانے فلک سے کوئی نہیں آئے گا
تفرقہ بازی کے بت گرانے فلک سے کوئی نہیں آئے گا
نجاستِ قادیاں مٹانے فلک سے کوئی نہیں آئے گا
نبی ﷺ سے عہد وفا نبھانے فلک سے کوئی نہیں آئے گا
سنو محمد ﷺ کے بے وفاؤ!
تمہیں کو اپنے نبی ﷺ سے وعدے نبھانے ہوں گے
تمہیں کو اُمت کو ایک رستے پہ لانا ہوگا
تمہیں کو دشمنانِ اُمت دبانے ہوں گے
تمہیں کو فتنۂ قادیاں کو مٹانا ہوگا۔
نبی ﷺ سے عشق و وفا نبھانے کے دعویدارو!
تمہیں محمد ﷺ کا عشق اب بھی پکارتا ہے
خدا بھی بھٹکے ہوؤں کے رستے سنوارتا ہے
چلو خدارا!
منافقت کے قبیح لبادے اُتار ڈالیں
نبی ﷺ کے اعدا کو اجاڑ ڈالیں
خدا کی رحمت پہ کر کے بھروسا
چلو کہ فتنۂ قادیاں کو
جڑوں سے اُس کی اکھاڑ ڈالیں
چلو کہ اپنے لہو کو عشقِ محمد ﷺ پہ نثار کر ڈالیں

مآخذ

- قرآن مجید
- ضیاء القرآن......... پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ
- معارف القرآن......... مفتی محمد شفیعؒ
- معارف الحدیث......... مولانا محمد منظور نعمانیؒ
- مظاہر الحق......... علامہ نواب محمد قطب الدین خاں دہلویؒ
- سیرت النبی ﷺ......... ابن ہشام
- کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب..... عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ القرطبی۔
- ضیاء النبی......... پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ
- نقوش (رسول ﷺ نمبر)
- سیرۃ حلبیہ......... علامہ ابن برہان الدین حلبیؒ (ترجمہ: از مولانا محمد اسلم قاسمی)
- سیرت رسول عربی ﷺ......... پروفیسر نور بخش توکلیؒ
- الرحیق المختوم......... صفی الرحمٰن مبارک پوریؒ
- شان حبیب الرحمٰن من آیات القرآن......... حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمیؒ
- قصص القرآن......... مولانا حفظ الرحمٰن سوہاروی
- فتنۂ ارتداد اور جہاد فی سبیل اللہ......... مولانا فضل محمد
- فضائل جہاد......... مولانا محمد مسعود اظہر
- فضائل اعمال......... حضرت مولانا محمد زکریاؒ
- آپ کے مسائل اور ان کا حل......... حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ
- دوستی اور دشمنی کا معیار......... حضرت شیخ ابو عمرو عبدالحکیم حسانؒ
- عشرہ مبشرہ کے دلچسپ واقعات......... ابن سرور محمد اویسی
- قصے عشق مصطفیٰ ﷺ کے......... پروفیسر خالد پرویز
- آئینہ قادیانیت......... مولانا اللہ وسایا

- ☐ تذکرہ مجاہدین ختم نبوت.........مولانا اللہ وسایا
- ☐ نور بصیرت.........میاں عبدالرشیدؒ
- ☐ نشان راہ.........حافظ مظہر الدینؒ
- ☐ شعور حیات.........مولانا محمد یوسف اصلاحی
- ☐ صدائے محراب.........صاحبزادہ طارق محمودؒ
- ☐ علم میرا ہتھیار ہے.........سلمان حسنین خاں
- ☐ توبہ.........ڈاکٹر محمد قمر عالم صدیقی
- ☐ قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ.........نور الحق قریشیؒ
- ☐ نور الدین زنگیؒ.........طالب الہاشمی
- ☐ الدین النصیحۃ.........ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ
- ☐ تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ اور گستاخِ رسول کی سزا.........ایچ ساجد اعوان
- ☐ شاہ جی کے علمی و تقریری جواہر پارے.........اعجاز احمد سنگھانوی
- ☐ حکایات بوستان سعدی.........نظر زیدی
- ☐ علماء حق اور فتنۂ مرزائیت.........صادق علی زاہد
- ☐ سوشل بائیکاٹ کی شرعی حیثیت.........مفتی محمد امین
- ☐ اقبال اور عشق رسول ﷺ.........رئیس احمد جعفری
- ☐ آئمہ تلبیس.........رفیق دلاوریؒ
- ☐ جب پنجاب اسمبلی نے ربوہ کا نام چناب نگر رکھا.....مولانا منظور احمد چنیوٹی
- ☐ نہایت.....پروفیسر عنایت علی خاں
- ☐ صحابۂ کرامؓ کا عشق رسول ﷺ.........صوفی محمد اکرم رضوی
- ☐ عہد نبوی ﷺ میں شعر و ادب.........شیریں زادہ خدوخیل
- ☐ چراغ ہدایت.........مولانا محمد چراغ
- ☐ مخزن اخلاق.........مولانا رحمت اللہ سبحانیؒ
- ☐ تصویر مرزا.........خالد وزیر آبادی
- ☐ حضرت جی کی یادگار تقریریں.........مفتی انیس احمد
- ☐ تبلیغ بالقین کار نبوت.........مولانا قاری محمد احمد
- ☐ مرقع صدیقی (بیاد علامہ علاؤ الدین صدیقیؒ) مرتبہ پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت

- ❑ عقیدہ ختم نبوت از ڈاکٹر پروفیسر محمد طاہر القادری
- ❑ جنت کی راہ..........ابوعبدالرحمٰن بشیر بن نور
- ❑ بھٹو اور قادیانی مسئلہ.....سیّد محمد سلطان شاہ
- ❑ بھٹو کے آخری 323 دن.....کرنل رفیع الدین
- ❑ ثبوت حاضر ہیں..........محمد متین خالد
- ❑ شہیدانِ ناموس رسالت ﷺ..........محمد متین خالد
- ❑ قادیانیت ہماری نظر میں..........محمد متین خالد
- ❑ ربوہ و قادیان، جو ہم نے دیکھا..........محمد متین خالد
- ❑ قادیانیت کی عریاں تصویریں..........محمد متین خالد
- ❑ نامور خطباء کے خطیبانہ شہ پارے.....محمد اظہار الحسن طلحہ
- ❑ رسول اللہ ﷺ کے دعا یافتہ افراد.....مولانا خرم یوسف
- ❑ حرمت رسول ﷺ.....مولانا مفتی محمد منصور احمد
- ❑ عشق رسول ﷺ.....حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی
- ❑ توہین رسالت ﷺ کے فتنے، تاریخ کے آئینے میں..... پروفیسر سیّد عبدالرحمٰن بخاری
- ❑ مہر منیر، سوانح حیات پیر مہر علی شاہ گولڑوی از مولانا فیض احمد فیض
- ❑ تذکرہ مجاہدین ختم نبوت.....حضرت مولانا اللہ وسایا
- ❑ ماہنامہ کاروان نعت، تعلق بالرسول ﷺ نمبر.....محمد ابرار حنیف مغل
- ❑ انوار رضا ختم نبوت نمبر.....ملک محبوب الرسول قادری

رسائل و جرائد

- ❑ نعت رنگ..........صبیح رحمانی
- ❑ ماہنامہ السیرہ، کراچی
- ❑ ماہنامہ نقیب ختم نبوت، ملتان
- ❑ ماہنامہ لولاک، ملتان
- ❑ ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور
- ❑ ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور
- ❑ ماہنامہ ہلال، راولپنڈی
- ❑ ماہنامہ بنات عائشہ، کراچی
- ❑ ماہنامہ اُردو ڈائجسٹ لاہور
- ❑ ہفت روزہ ختم نبوت، کراچی
- ❑ ہفت روزہ تکبیر، کراچی
- ❑ ہفت روزہ ضرب مومن، کراچی

کارکنانِ تحفّظِ ختمِ نبوّت کے لئے ایک گرانقدر تحفہ

ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی ایسی کتاب تیار ہو جس میں قرآن و سنّت کی روشنی میں تحفظِ ختمِ نبوّت کے کام کی اہمیت اور فضیلت بیان ہو تا کہ کارکنان ختم نبوت ایک نئے ولولے اور تازہ جذبے کے ساتھ اس محاذ پر کام کریں۔ نوجوانوں کے لئے باعثِ افتخار، عزیزی محمد متین خالد قابل صد ستائش و تحسین ہیں کہ انہوں نے اس موضوع پر نہایت ایمان پرور اور محققانہ انداز میں کتاب تیار کر کے کارکنانِ تحفظِ ختمِ نبوّت پر احسان فرمایا۔ ناسازیٔ طبع کے باوجود میں نے اس کتاب کو بڑی توجہ سے پڑھا۔ مجھے ایسے معلوم ہوا جیسے یہ کتاب انہوں نے قلم کی سیاہی سے نہیں، خونِ جگر سے لکھی ہے۔ دراصل درد کے دریا میں ڈوب کر ہی یہ گوہر نکالے جاتے ہیں۔ دینی غیرت و حمیت اور ایمانی جرأت و بسالت سے لبریز ولولہ انگیز حقائق و واقعات سے مزیّن یہ تخلیقِ متین پڑھنے سے ہر مسلمان کے روح و قلب میں محبتِ رسول ﷺ کے خوابیدہ جذبات و احساسات اجاگر ہو جاتے ہیں۔ اس کا ہر لفظ پاکیزہ، ایمان افروز، پرسوز اور باطل شکن ہے جو ہر کہ و مہ کو موہ لیتا ہے جب کہ یہ کتاب منکرینِ ختمِ نبوّت کی آنکھوں کا آشوب اور ان کے حلق میں چبھتا کانٹا ہے۔ میں عزیزی محمد متین خالد کو اس کتاب کی اشاعت پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں اور بارگاہ الٰہی میں دستِ دعا بلند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس دینی کاوش کا صلہ دارین میں عطا فرمائے اور اس سے تمام مسلمانوں کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

إدَارَہ تَالِیْفَاتِ خَتْمِ نُبُوَّۃ

38- غزنی سٹریٹ اُردو بازار، لاہور۔ فون: 0300-4162266